

جلد اول

الحکیم

سید جواد نقوی

مرکز تحقیقات اسلام و بعثت
مکتبہ پبلکیشنز

www.ziaraat.com
jagir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com





آدابِ فہمِ قرآن

(جلداول)

آدابِ فہمِ قرآن	نام کتاب:
حجۃ الاسلام والسلمین سید جواد نقوی	مؤلف:
مرکز تحقیقات اسلامی بعثت	ترتیب:
متاب پبلیکیشنز	ناشر:
جمادی الاول ۱۴۳۳ھ (مئی 2012 عیسوی)	اشاعت اول:
۲۰۰۰	تعداد:

﴿ جملہ حقوق متاب پبلیکیشنز کے لئے محفوظ ہیں ﴾

بیسی لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آداب فہم قرآن آج لباس طباعت میں ملبوس پیروان قرآن کریم کی خدمت میں حاضر ہے، اس کا ماجرا یہ ہے کہ قرآن کریم کے طالب علم کی حیثیت سے بارگاہ کتاب الہی میں حاضری کی توفیق تو نصیب ہوئی لیکن یہ احساس بھی پیدا ہوا کہ نگاہیں تو کلام الہی کے نورانی الفاظ کی زیارت سے منور ہیں، سماعتیں خوش الحان قاریوں کی آواز سے لطف اندوز، زبانیں تلاوت کلام وحی سے معطر، حافظے آیات قرآن سے مملو اور غفلیں ذکر کتاب خدا سے مزین جبکہ دل نور کلام الہی سے خالی ہیں۔

اس محرومیت اور خلاء پر بے تابی و بے چینی نے اسباب محرومیت تلاش کرنے کی جستجو ایجاد کی۔ اس کے نتیجے میں ایک کھلی، آشکارا اور بین حقیقت سامنے آئی کہ قرآن کریم کی کتابت میں خوشخطی کا نہایت اعلیٰ اہتمام کیا جاتا ہے یعنی آیات الہیہ کو لکھنے کے مرحلے میں تمام آداب کتابت بروئے کار لائے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں حسین و زیبا رسم الخط سے مزین نسخے معرض طباعت میں آئے ہیں اور آج دنیا بھر میں ہنری شاہکار مانے جاتے ہیں۔ ایسے ہی تلاوت کے مرحلے میں خوش لحن قاری تجوید و قرأت کے تمام آداب کے ساتھ جب آیات کلام خدا پڑھتے ہیں تو سننے والے مسحور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ علم تجوید و قرأت ان آداب کا مجموعہ ہے جو قرآنی آیات کی تلاوت کو نہایت حسین بنا دیتے ہیں اور سماعتوں کو کلام الہی کی طرف جذب کر لیتے ہیں۔

لیکن جب قرآن کریم کو سمجھنے کا مرحلہ آتا ہے تو وہ لطف و سرور جو دلوں میں حاصل ہونا چاہیے محسوس نہیں ہوتا جبکہ آیات الہی دلوں کے لئے اُتری ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سمجھنے کے بھی آداب ہیں جنہیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے جبکہ آداب فہم قرآن کلام کو سمجھنے کے لئے دلوں کو کہیں زیادہ آمادہ تر کر دیتے ہیں بہ نسبت پڑھنے اور لکھنے کے آداب کے۔

چنانچہ قم المقدسہ میں ایک ماہ رمضان المبارک میں بعض طلاب کرام کے لئے اس بحث کا

آغاز ہوا، محور کے طور پر صدر المتاھینؒ کی کتاب مفاتیح الغیب کو انتخاب کیا گیا اور اس طرح آداب فہم قرآن کی پیدائش ہو گئی، کافی عرصہ تک اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا تاہم کچھ قرآن دوست ادب پسندوں نے اس کی تحریر کا فریضہ نبھا دیا۔

دیگر بیسیوں عناوین کی طرح یہ موضوع بھی کمپیوٹر کے حافظے اور متاب کی بے نظمی میں خاموش زندگی بسر کر رہا تھا کہ جناب سید وصال حیدر نقوی صاحب کے علم میں آ گیا، پھر کیا تھا کہ سید صاحب نے فوراً اس کی طباعت کا اصرار شروع کر دیا۔ ہماری تمام تر ٹال مٹول کے باوجود انہوں نے تمام مراحل سے سرخرو کی سے چھاپ ہی دیا۔ اس بابت جس ہستی نے ناقابلِ توصیف عرق ریزی کی، دن رات کی محنت، شوق، جذبہ اور نہایت ادب کے ساتھ آداب فہم قرآن کو قرآن دوستوں تک پہنچایا وہ عزیز القدر جناب دانش صاحب ہیں۔ وصال صاحب کے اہتمام اور دانش صاحب کی محنت نے یہ اُمید پیدا کر دی ہے بلکہ اسے یقینی بنا دیا ہے کہ انشاء اللہ سستی، غفلت، ٹال مٹول، لا پرواہی جیسے غبار کے نیچے دبے ہوئے سینکڑوں موضوعات اب طباعت کے لباس میں ملبوس ہو کر قارئین کرام تک پہنچتے رہیں گے۔

غلطیاں انسانی کام کا لازمہ ہیں، مشاہدے کی صورت میں عفو و درگزر کے ساتھ مطلع فرمائیں۔ شکریہ

خداوند متعال سے ان عزیزوں اور ہر اس عزیز کے لئے توفیقات فراوان کے متمنی ہیں جس نے آداب فہم قرآن کے طباعتی سفر میں کوئی قدم اٹھایا ہے۔

احقر العباد

سید جواد نقوی

جامعہ العروۃ الوثقیٰ - لاہور

04/05/2012

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

فہرست

تمہید:

(حصہ اول)

- | | |
|----|---|
| 19 | (۱) قرآن ذریعہ شناختِ رمضان |
| 21 | (۲) قرآن کتابِ ہدایت |
| 22 | (۳) نزولِ قرآن کا ہدف و مقصد |
| 24 | (۴) ہدایت سے کیا مراد ہے؟ |
| 25 | (۵) قرآن منشورِ حیاتِ بشر |
| 26 | (۶) رسولِ اکرم ﷺ کا بارگاہِ خدا میں شکوہ |
| 29 | (۷) بعنوان منشورِ قرآن کے احیاء کی ضرورت |
| 30 | (۸) قرآن کسی خاص طبقے کیلئے نازل نہیں ہوا |
| 35 | (۹) قرآنی تقویٰ کیا ہے؟ |
| 36 | (۱۰) نزول کا مطلب |
| 42 | (۱۱) ہدایت کے دو پہلو |
| 43 | (۱۲) علم کی تعریف |
| 48 | (۱۳) بعض اوقات حقیقت خود تنزل کرتی ہے |
| 48 | (۱۴) کشف کرنے اور انکشاف ہونے میں فرق |
| 51 | (۱۵) کتابِ مکنون کا معنی |
| 54 | (۱۶) کَلَامٌ سے مراد |

- 55 (۱۷) نزول قرآن کی ضرورت
- 58 (۱۸) لوگوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرز گفتگو
- 60 (۱۹) قرآن فہم کیلئے آمادگی کی ضرورت

تمہید

(حصہ دوم)

- 68 (۱) دلوں کے لحاظ سے قرآن کے مخاطبین کی اقسام
- 68 ☆ اولوالالباب
- 69 ☆ مہر شدہ سخت دل رکھنے والے
- 71 ☆ مریض القلوب
- 73 (۲) خدا نے قرآن کو آسان بنایا ہے
- 76 (۳) فہم کی آمادگی کیلئے مشق کی ضرورت
- 78 (۴) تدبر و تفقہ سے خالی قرأت و عبادت
- 83 (۵) ثواب مقصد قرآن نہیں
- 87 (۶) قرآن میں تدبر نہ کرنے کی مذمت
- 89 (۷) قرآن میں تعقل کی ضرورت
- 92 (۸) اکثریت فہم کیلئے آمادہ نہیں
- 94 (۹) قرآن میں تدبر کی تاکید
- 97 (۱۰) ماہ رمضان قرآن فہم کا مہینہ

105

فصل تعارفِ ادب

106

(۱) ادب کی تعریف بلحاظ لغت

108

☆ قرآن دسترخوانِ خدا ہے

113

(۲) ادب کے لغوی معنی کے دیگر موارد

117

(۳) معنی ادب بزبان علامہ طباطبائی

123

(۴) دیگر اہل لغت کے نزدیک ادب کا معنی

125

(۵) امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے نزدیک افضل ادب

131

(۶) اخلاق اور آداب میں فرق

135

(۷) آداب، مقاصد کیلئے نشانِ راہ

137

☆ علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

142

(۸) آداب اور اخلاق میں ربط

144

(۹) آداب کی تعریف اور آدابِ فہم قرآن میں ارتباط

148

فصل اہمیتِ ادب

149

(۱) بے ادبانہ اعمال کا نتیجہ

150

(۲) روایاتِ امیر المومنین علیہ السلام کی روشنی میں ادب کی اہمیت

151

☆ ادب، سونے چاندی سے زیادہ اہم

- 151 ☆ صاحبانِ عقل کیلئے ادب کی اہمیت
- 152 ☆ ذہانت و فطانت، ادب کی رہینِ منت
- 154 ☆ مناجاتِ شعبانیہ میں نورِ بصیرت کیلئے دعا
- 155 ☆ آداب، حجابوں کو چیرنے میں مددگار
- 158 (۳) مولانا روم کی نظر میں ادب کی اہمیت
- 159 ☆ بے ادب لطفِ خدا سے محروم
- 160 ☆ بے ادب کی وجہ سے دنیا آگ کی لپیٹ میں
- 163 ☆ بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب
- 173 ☆ بے ادب، راہِ زن و نامرد
- 177 ☆ شیطان بے ادبی کی وجہ سے شیطان بنا
- 179 (۴) مولانا روم کے اشعار امیر المومنین علیؑ کے فرامین کی شرح

184 فصل ادبِ اول

﴿درکِ عظمتِ قرآن﴾

- 185 (۱) تعارفِ مفاتحِ الغیب
- 187 (۲) درکِ عظمتِ کلام
- 194 (۳) قرآنِ ذمرا تب حقیقت
- 200 (۴) قرآن، ایک مجوب حقیقت
- 210 (۵) قرآن رات میں نازل ہونے کی وجہ

- 213 (۶) احترام بمناستِ عظمتِ مقام
- 217 (۷) اللہ اپنے کلام میں متجلی ہے
- 219 (۸) معرفت اور اجارے کی نماز میں فرق
- 225 (۹) اللہ کو پانا ہے
- 227 (۱۰) قرآن جبلِ خدا ہے
- 229 (۱۱) مستور قرآن لطفِ خدا ہے
- 235 (۱۲) قرآن کی حکمت اور عبارت کا تعلق
- 240 (۱۳) قرآن، نورِ حکمت
- 244 (۱۴) قرآن، مشروبِ حیات

250 فصلِ ادبِ دوم

﴿طہارتِ قلب﴾

(حصہ اول)

- 251 (۱) طہارتِ قلب کی ضرورت
- 252 (۲) قلب سے مراد
- 255 (۳) قلب کو قلب کیوں کہتے ہیں؟
- 255 (۴) قرآن کے مطابق قلب کی مختلف حالتیں اور اقسام
- 262 (۵) حقیقی دل اور اعزازی دل
- 264 (۶) خود فراموشی، خدا فراموشی کا نتیجہ

- 266 (۷) قرآن کو کرتب کیلئے استعمال نہ کریں
- 269 (۸) قرآن کے مطابق دل کے امور کی اقسام
- 271 (۹) قرآنِ ظریفِ نورانی پر اترتا ہے
- 275 (۱۰) طہارتِ ظاہری و طہارتِ باطنی
- 278 (۱۱) طہارت کے درجے

289

فصلِ ادبِ دوم

﴿طہارتِ قلب﴾

(حصہ دوم)

- 291 (۱) دل مانندِ ظرف ہے
- 292 (۲) دل کی ظرفیت کا کم اور زیادہ ہونا
- 295 (۳) دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت
- 301 (۴) مبلغین پہلے اپنے مخاطب تیار کریں
- 302 (۵) انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تبلیغ
- 304 (۶) قرآن ہر دل میں داخل نہیں ہوتا
- 306 (۷) خدا کو جمیل اور بلند مرتبہ لوگ پسند ہیں
- 309 (۸) پاک دل موردِ نگاہِ خدا
- 311 (۹) تطہیرِ قلب اعضاء و جوارح سے ظاہر ہوتی ہے
- 313 (۱۰) اللہ کو پاکیزہ لوگ پسند ہیں



316	۱۱) قرآن کے مطابق دل کی بیماریاں
316	۱) غَلْظَتْ
317	۲) غرور و تکبر
320	۳) گناہ
321	۴) غفلت
324	۵) ضعف
324	۶) مختوم دل
325	۷) مطبوع دل
328	۸) غیر متفقہ دل
328	۹) زلیغ شدہ دل
329	۱۰) اندھے دل
330	۱۱) بیزار دل
331	۱۲) مقفل دل
332	۱۳) قسی دل
333	۱۴) مغلوف دل
333	۱۵) پردوں سے ڈھکے ہوئے قلوب
334	۱۶) غل رکھنے والے دل
335	۱۷) مُشْتَرَب دل
335	۱۸) نفاق رکھنے والے دل
336	۱۹) غیظ والے دل

- 336 ◀ (20) شک والے دل
- 337 ◀ (21) لہوی دل
- 337 ◀ (22) زنگ والے دل

345

فصلِ ادبِ دوم

﴿طہارتِ قلب﴾

(حصہ سوم)

346

(۱) قرآن پر ناپاک دل کا اثر

347

(۲) قرأتِ قرآن سے پہلے استعاذہ

348

(۳) فہم پر تسلط کیلئے شیطان کے دروازے

353

(۴) شیاطین بلحاظِ امور مختلف ہیں

355

(۵) دین کا مخاطب عقل ہے

356

(۶) اکثریت کی عقل مغلوب ہے

357

(۷) خیالِ شیطان زدہ کا کام!

364

(۸) وہم کا کام!

366

(۹) حقیقت کو سمجھنے کے منابع

366

(۱۰) قرآن میں انسان کی تقابلی اقسام اور روابط

380

(۱۱) غلط خیالات اور ان کا علاج!

386

فصلِ ادبِ سؤم

﴿حضورِ قلب﴾

(حصہ اول)

387

(۱) حضورِ قلب کا معنی

391

(۲) حضورِ قلب کے میا دین

395

(۳) حضور کیلئے قرآنی تعبیرات

398

(۴) حضورِ قلب کی دشواری، ایک المیہ

400

(۵) دل و حشی کی تربیت

402

(۶) حضورِ قلب زبردستی پیدا نہیں ہو سکتا

403

(۷) انس کیلئے مسابحت کی ضرورت

409

(۸) سختیت کے بغیر انس ناممکن ہے

415

(۹) قرآن و عبادت کے ساتھ مسابحت

421

(۱۰) گریہ، انس کی علامت

422

(۱۱) انس، حضورِ قلب کی طرف پہلا قدم

426

فصلِ ادبِ سؤم

﴿حضورِ قلب﴾

(حصہ دوم)

428

(۱) تعلقات، حضورِ قلب کی راہ میں رکاوٹ

- 431 (۲) تعلق یافتہ دل مشغول دل ہے
- 433 (۳) مشغول دل حضورِ قلب میں مانع
- 434 (۴) تعلقات کو کاٹنا ضروری ہے
- 436 (۵) انقطاع کے معانی
- 438 (۶) عرفان کی حقیقت
- 446 (۷) دعا و مناجات میں انقطاع تعلقات کی ترغیب
- 448 (۸) لہو و لعب کے معانی
- 458 (۹) قرآن کے مطابق کونسی چیزیں الہا ہیں؟
- 465 (۱۰) لہو و الہا کے دیگر مصداق
- 465 ☆ لعب میں مشغول دل
- 467 ☆ کھانے پینے میں مشغول دل
- 468 ☆ لذتوں میں مشغول دل
- 470 ☆ آرزوؤں میں مشغول دل
- 476 (۱۱) دنیا کسے کہتے ہیں؟
- 479 (۱۲) دنیا کی کشش، حربہ شیطان
- 485 (۱۳) قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟
- 492 (۱۴) قرآن پڑھتے ہوئے حدیثِ نفس کی ممانعت
- 494 (۱۵) قرآن، باعثِ سرور
- 496 (۱۶) قرآن، باعثِ تفرج

503

فصل ادب چہارم

﴿تدبر در قرآن﴾

(حصہ اول)

(۱) تدبر کا معنی

504

509

(۲) تدبر اور حضورِ قلب دو علیحدہ مرحلے

510

☆ محو اور صحو کا فرق

513

(۳) قرآن کے ظاہر میں مشغولیت تدبر میں مانع

515

(۴) قرآن میں تکرار نہیں

520

(۵) قرآن میں تدبر کی تاکید

522

(۶) روایات میں تدبر کی تاکید

525

(۷) تدبر کیلئے متدبر بننا شرط ہے

526

(۸) متدبر انسان ہر چیز میں تدبر کرتا ہے

528

(۹) جہاں بنی اور جہاں بانی میں فرق

529

(۱۰) عالم اور عامی میں فرق

532

(۱۱) ہم اہل تدبر کیوں نہیں ہیں؟

535

(۱۲) اللہ کی نشانیوں سے اجنبی نہ بنیں

536

(۱۳) قرآن کا اجنبیوں کیلئے پیغام

543

فصل ادب چہارم

﴿تدبر در قرآن﴾

(حصہ دوم)

544

(۱) عالم خلقت کے مطالعے کی ضرورت

549

(۲) قیمتی چیزیں پردوں میں مخفی

553

(۳) اہل تدبر جنت کے حقدار

554

(۴) تدبر بڑی کا پیش خیمہ

555

(۵) علماء دین کون ہیں؟

556

(۶) اولوالالباب کون ہیں؟

562

(۷) اہل لب ہی خدا کو پا سکتے ہیں

566

(۸) تدبر کی مشق کے مراحل

569

(۹) سوال پیدا ہوتا ہے

571

(۱۰) سات ملین سوالوں کی تیاری

574

(۱۱) قرآن اہل تدبر کا راہنما

576

(۱۲) متدبر بنے بغیر قرآن سمجھ نہیں آ سکتا

581

(۱۳) رسول اللہ ﷺ کا قرآن میں غور و فکر کرنا

586

فصلِ ادبِ پنجم

﴿استنباط﴾

(حصہ اول)

587

(۱) مطالعہ قرآن کے لحاظ سے لوگوں کی اقسام

590

(۲) استنباط کا معنی

594

☆ راویوں کے طبقے

596

☆ پیغامِ دین کو اُفقہ تک پہنچانے کی حکمت

599

(۳) میڈیا کے اہل استنباط

601

(۴) ادارتی اہل استنباط

603

(۵) سیاسی اہل استنباط

606

(۶) اقتصادی اہل استنباط

607

(۷) طبی اہل استنباط

607

(۸) دینی اہل استنباط

610

(۹) چیزوں کو اہل تک پہنچائیں

616

(۱۰) قرآن کے اہل استنباط

621

(۱۱) احادیث کے اہل استنباط

626

فصل ادبِ پنجم

﴿استنباط﴾

(حصہ دوم)

628

(۱) الفاظ، معانی اور حقائق کا آپس میں ارتباط

629

(۲) استنباط کی ضرورت

634

(۳) استنباط کے رائج ثمرات

635

(۴) قرآن سے علماء کا محدود استنباط

637

(۵) قرآن، معدنِ معارف

640

(۶) استنباط کیلئے جس جستجو کا ہے

642

(۷) استنباطِ تقلیدی

644

(۸) لقمہ خورِ غرب نہ بنیں

651

(۹) قرآن و اہلبیت باعثِ ثروت

654

(۱۰) قرآن بصورتِ معدن ہونے کی حکمت

655

(۱۱) علوم کو قرآن سے استنباط کرنے کی ضرورت

658

(۱۲) اثارۃ قرآن

661

(۱۳) اثارۃ الموضوع

666

(۱۴) اثارۃ الفتنہ

669

(۱۵) اثارۃ الارض

670

(۱۶) ٹیکنالوجی و ایجادات، ثمراتِ اثارہ

- 670 (۱۷) اثارة العقل، انبیاء علیہم السلام کا مقصد بعثت
- 674 (۱۸) اثارة الناس
- 678 (۱۹) اثارة القرآن کی ضرورت
- 681 (۲۰) قرآنی موضوعات کے احیاء کیلئے مہارت کی ضرورت
- 685 (۲۱) اثارة قرآن نہ کرنے کا نقصان
- 687 (۲۲) قرآن گفتگو کرتا ہے

691 فصل ادبِ پیغم

﴿استنباط﴾

(حصہ سوم)

- 693 (۱) قرآنی موضوعات کا اثارہ، نظم و ترتیب کے ساتھ
- 694 (۲) توحید، قرآن کا بنیادی موضوع
- 697 (۳) معرفتِ خدا ایک حد تک مقدور ہے
- 700 (۴) اسماء اللہ، معرفتِ خدا کا پہلا باب
- 703 ☆ آیات کے آخر میں اسماء اللہ کی حکمت
- 705 ☆ دعائے جوشن، خزانہ اسماء اللہ
- 707 (۵) افعالِ الہی، معرفتِ خدا کا دوسرا باب
- 707 ☆ فعلِ الہی سے مراد
- 709 (۶) افعالِ الہی کے دو چہرے

- 712 (۷) بابصیرت انسان کی دید
- 714 (۸) کتاب تکوینی خدا کی تفسیر کی ضرورت
- 715 (۹) فعل سے فاعل کا استنباط
- 717 (۱۰) کوئی شے خدا کے مقابلے میں نہیں
- 721 (۱۱) اشیاء کی حقیقی دید کی ضرورت
- 727 (۱۲) فیض اقدس اور فیض مقدس
- 729 (۱۳) باطل الوجود اور باطل الذات کا مطلب
- 737 فہرستیں

تمہید:

(حصہ اول)

- ۱) قرآن ذریعہ شناختِ رمضان
- ۲) قرآن کتابِ ہدایت
- ۳) نزولِ قرآن کا ہدف و مقصد
- ۴) ہدایت سے کیا مراد ہے؟
- ۵) قرآن منشورِ حیاتِ بشر
- ۶) رسولِ اکرم ﷺ کا بارگاہِ خدا میں شکوہ
- ۷) بعنوان منشورِ قرآن کے احیاء کی ضرورت
- ۸) قرآن کسی خاص طبقے کیلئے نازل نہیں ہوا
- ۹) قرآنی تقویٰ کیا ہے؟
- ۱۰) نزول کا مطلب
- ۱۱) ہدایت کے دو پہلو
- ۱۲) علم کی تعریف
- ۱۳) بعض اوقات حقیقت خود تنزل کرتی ہے
- ۱۴) کشف کرنے اور انکشاف ہونے میں فرق

۱۵) کتابِ مکنون کا معنی

۱۶) لَا يَمَسُّہُ سے مراد

۱۷) نزولِ قرآن کی ضرورت

۱۸) لوگوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرزِ گفتگو

۱۹) قرآن فہمی کیلئے آمادگی کی ضرورت

www.ziaraat.com
jagir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ
فَمَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ
اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُم
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (۱)

قرآن ذریعہ شناختِ رمضان

ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے، جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے
اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی واضح نشانیاں موجود ہیں لہذا جو شخص اس مہینے میں حاضر
رہے اس کا فرض ہے کہ روزہ رکھے اور جو مریض یا مسافر ہو وہ اتنے ہی دن دوسرے زمانے میں
رکھے، خدا تمہارے بارے میں آسانی چاہتا ہے زحمت نہیں چاہتا اور اتنے ہی دن کا حکم اس لئے ہے
کہ تم عدد پورے کر دو اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی کبریائی کا اقرار کرو اور شاید تم اس طرح اس
کے شکر گزار بندے بن جاؤ۔

۱) قرآن ذریعہ شناختِ رمضان

خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید کو ماہِ مبارک رمضان میں قلبِ نورانی پیغمبر اکرم
ﷺ پر بشریت کی ہدایت کیلئے نازل کیا ہے۔ قرآن میں پوری بشریت کی دنیوی و اخروی فلاح و

نجات کیلئے راہنمائی موجود ہے لہذا اس الہی پیغام کی اہمیت کے پیش نظر یہ کتاب ”آداب فہم قرآن“ کے عنوان سے محترم قارئین کی خدمت میں پیش کی گئی ہے۔

خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن میں ایک ہی مہینے کا نام لیا ہے اور وہ ماہ مبارک رمضان ہے۔ ماہ رمضان کا تعارف خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے سے کروایا ہے نہ کہ صیام کے ذریعے سے، صیام آداب ماہ مبارک رمضان میں سے ہے۔ سورہ مبارکہ بقرہ کی آیہ ۱۸۵ میں خداوند تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ
وَالْفُرْقَانِ.....

ماہ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے، جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی واضح نشانیاں موجود ہیں.....

اس آیہ مبارکہ میں خداوند متعال نے پہلے ماہ رمضان کی طرف متوجہ کیا ہے اور ماہ رمضان کا تعارف قرآن کے ذریعے سے کروایا ہے یعنی قرآن ذریعہ شناخت رمضان ہے، قرآن باعث عظمت رمضان ہے، رمضان کی فضیلت کے اعتراف میں اسے سید الشہور کہا گیا ہے اور اسے معصومین علیہم السلام کی زبان مبارک سے شہر اللہ تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ خدا کا مہینہ ہے اور سید الشہور یعنی تمام مہینوں کا سردار ہے، اسے ربیع قلوب مومنین بھی قرار دیا گیا ہے، یہ بہار اور فصل بہار ہے۔ ماہ مبارک رمضان کی یہ ساری عظمت اور فضیلت قرآن کی وجہ سے ہے چونکہ اس میں قرآن نازل ہوا ہے۔

۲) قرآن کتابِ ہدایت

قرآن مجید کا تعارف بھی خود قرآن نے اسی آیہ میں کروایا ہے کہ قرآن کیا چیز ہے؟

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ.....

قرآن ہدایت ہے یعنی ماہِ رمضان میں نازل ہونے والا یہ کلامِ الہی انسان کے لئے ہدایت ہے اور بینات یعنی اس کے اندروشن دلائل ہیں، ساتھ ہی یہ فرقان بھی ہے، فرقان یعنی ہدایت و گمراہی اور حق و باطل کے درمیان تمیز اور فرق ڈالنے والی شے کہ جو صفات و اسمائے قرآن میں سے ہے، ماہِ رمضان میں روزہ آدابِ رمضان میں سے ہے اسی آیہ کے ذیل میں ہے کہ

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ.....

اگر کسی کو مشاہدہِ رمضان اور شہودِ رمضان کی توفیق نصیب ہو یعنی اتنی زندگی اور حیات ہو کہ اس کی عمر میں ماہِ رمضان آئے اور وہ مشاہدہِ رمضان کرے، پس وہ اس ماہ میں روزہ بھی رکھے، پھر اس کے بعد روزے کے آداب اور احکام ذکر کئے گئے ہیں۔ بطورِ خلاصہ کہہ سکتے ہیں کہ ماہِ رمضان ماہِ نزولِ قرآن ہے لیکن یہ تعبیر سنتے ہی ذہن میں یہ مطلب منعکس ہوتا ہے کہ تاریخ میں چونکہ عموماً مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں اور اس جیسی مشابہ مضمون کی دیگر آیات کے ضمن میں جو ابحاث کی ہیں وہ فقط اسی نقطے پر مرکوز ہیں کہ ماہِ رمضان میں قرآن ایک دفعہ قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہوا اور پھر اس کے بعد رسمی تفصیلی بحثیں ہیں کہ ایک طرف سے قرآن لیلۃ القدر میں نازل ہوا اور ایک طرف سے تیس سالوں میں نازل ہوا، ایک طرف سے قرآن کا دعویٰ ہے کہ لیلۃ

مبارکہ میں نازل ہوا ہے، ایک طرف سے شہر رمضان میں نازل ہوا، اتنی زیادہ نزول کی آیات کو آپس میں کیسے طواف ہو یا ان کے درمیان کیسے سازگاری ایجاد کی جائے؟ بیشتر مفسرین کا وقت اور توانائی ان آیات کو آپس میں باہم جمع کرنے میں صرف ہوا ہے اور بحث کا یہی ایک پہلو غالب رہا ہے کہ جس کے نتیجے میں انہی آیات کے ذیل میں دوسری ابحاث کہ جو اس سے زیادہ اہم تر ہیں وہ نمایاں نہیں ہو پائیں۔

(۳) نزولِ قرآن کا ہدف و مقصد

قرآن مجید قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہوا لیکن قرآن کا صرف یہی ایک تنہا نزول نہیں ہے بلکہ یہ فقط قرآن کا ایک نزول ہے اور اس کے علاوہ بھی نزولاتِ قرآن ہیں۔ ہم سادہ سی تعبیر یا عبارت میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن لوحِ محفوظ میں تھا پھر وہاں سے قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہوا اور اب اسے قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ سے قلوبِ مومنین تک نازل ہونا ہے چونکہ قرآن نہ لوحِ محفوظ کے لئے تھا اور نہ ہی اس کا مقام اصلی قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ ہے، نزول کا ہدف و مقصد قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ نہیں ہے چونکہ نبی اکرم ﷺ کے لئے خود قرآن نے ایسے الفاظ اور تعبیرات استعمال کی ہیں کہ ذاتِ پیغمبر اکرم ﷺ کے لئے قرآن کے نزول کی سرے سے ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ پیغمبر اکرم ﷺ کی اس نزولِ نایافتہ قرآن تک بھی دسترس تھی۔ یہ قرآن ہی کی تعبیر ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ مقامِ لدن سے قرآن کی تلقین کرتے ہیں

لہذا خداوندِ متعال نے فرمایا ہے کہ

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ (۲)

یہ بڑا محترم قرآن ہے۔ جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔ اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

کامل مصداقِ مطہرین پیغمبر اکرم ﷺ ہیں اور غیر نزول یافتہ قرآن کہ جو کتابِ مکنون کی شکل میں ہے اسے آپ ﷺ نزول سے پہلے مس کر سکتے ہیں، نزول کا اصلی مقصد یہ تھا کہ قرآن انسانوں کے لئے ہدایت ہو، جس طرح ماہِ رمضان کی تعریف قرآن کے ذریعے سے ہوئی ہے اسی طرح قرآن کی تعریف ہدایت کے ذریعے سے ہوئی ہے، تعریف یعنی شناخت کہ قرآن ہدایت ہے۔ مختصر جملے میں قرآن نے اپنی تعریف یا اپنی شناخت خود کروائی ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے،

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (۳)

یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، یہ صاحبانِ تقویٰ کے لئے مجسم ہدایت ہے۔

اور اس آیت میں فرمایا کہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ

پس یہ کتاب ہدایت ہے اور ہدایت بھی ناس کے لئے ہے یعنی مخاطبِ قرآن ناس ہیں

اور وہ بھی عام اور سارے انسان ہیں، اس کیلئے کوئی مخصوص طبقہ نہیں ہے یعنی یہ کتاب تمام انسانوں

کے لئے ہدایت ہے۔

۴) ہدایت سے کیا مراد ہے؟

ہدایت یعنی وہ ذریعہ کہ جس کے نتیجے میں انسان نقص سے کمال تک پہنچتا ہے اور خسارے

سے فلاح تک پہنچتا ہے،

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ (۴)

قسم ہے عصر کی۔ بیشک انسان خسارے میں ہے۔

اور جب انسان ایسے گھاٹے سے فلاح تک پہنچے گا تو بسبب قرآن و طفیل قرآن پہنچے گا،

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (۵)

اور یہی لوگ فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں۔

یعنی جو انسان اسفل السافلین اور خسرانِ مبین میں ہے تو اسے اس پستی اور خسارے سے

نکال کر اپنے مقصدِ حیات تک پہنچانا ہدایتِ انسان ہے اور یہی کام قرآن کرتا ہے۔ قرآن انسان کو

انہی مراحل سے گزار کے نقطہٴ عروج و عروج پر پہنچاتا ہے۔ قرآن کے دیگر فرضی و ضمنی عناوین بھی ہیں

لیکن اصلی عنوان قرآن کتابِ ہدایت ہے۔ اگر اس کو مطلب کو اور زیادہ سادہ کر کے بیان کریں تاکہ

یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں آئے کہ کتابِ ہدایت سے کیا مراد ہے تو کہیں گے کہ قرآن انسان کی

حیات کا منشور ہے۔

ہدایت سے کیا مراد ہے؟

۵) قرآن منشورِ حیاتِ بشر

اگر ہم ہڈی لئاس کی عام تعبیر کریں یا اس کیلئے آزاد متبادل لفظ استعمال کریں تو کہیں گے کہ یہ منشورِ حیاتِ بشر ہے کہ جو خدا نے تدوین کیا ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کے توسط سے عام بشریت کو پہنچایا ہے اور ابلاغ کیا ہے۔ منشور سے مراد ضابطے، قاعدے، قوانین، حدود، دستورات، آگاہی، معرفت، علم، تحریکات اور محرکات ہیں، ایک منشور میں یہی چیزیں ہوتی ہیں اور یہی چیزیں انسان کی زندگی کو تشکیل دیتی ہیں، قرآن ان سب کا مجموعہ ہے اور حیاتِ بشر کے لئے کامل ترین منشور ہے۔

منشورِ حیات کو حیات کے اندر ہونا چاہئے، منشورِ حیات کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی اس کے مطابق بسر ہو، منشور کسی علمی مجموعے، تاریخی مجموعے یا سائنسی مجموعے کو نہیں کہتے ہیں، منشور سے ہم سب آشنا ہیں، اہل اسلام بھی آشنا ہیں اور غیر اہل اسلام بھی آشنا ہیں، جس طرح سے ہر ملک کیلئے، ہر قوم کیلئے اور ہر حزب و جماعت کیلئے ایک منشور ہوتا ہے کہ جو وہ لوگ خود تدوین کرتے ہیں اور اس کے اندر اپنے اہداف مشخص کرتے ہیں، اپنے مقاصد متعین کرتے ہیں، ان مقاصد تک پہنچنے کے لئے مختلف طریقوں کی نشاندہی کرتے ہیں، ان طریقوں کے اندر موانع کی نشاندہی کرتے ہیں، ان موانع سے بچنے کیلئے تدابیر سوچی جاتی ہیں، انسانی ضروریات کی نشاندہی کی جاتی ہے، ان ضروریات کو فراہم کرنے کے لئے چارہ اندیشی کی جاتی ہے، انسان کو درپیش خطرات کی نشاندہی کی جاتی ہے اور ان خطرات سے نمٹنے کے لئے راہِ حل تلاش کیا جاتا ہے، منشور انہی چیزوں کا نام ہے

اور اگر کسی منشور کے اندر یہ ساری چیزیں موجود نہ ہوں، پیش گوئیاں اور پیش بینیاں موجود نہ ہوں تو اس کو منشور نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ ایک ورد کہلا سکتا ہے، ایک علمی مجموعہ و تاریخی دستاویز کہلا سکتا ہے یا اس کو کوئی اور نام دے سکتے ہیں لیکن اسے منشور کی حیثیت ہرگز نہیں ملتی ہے۔

آج انسانی کوششوں کے نتیجے میں بہت ساری علمی کتابیں موجود ہیں لیکن ان میں سے کسی کو بھی منشور کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ بہت ساری کتابیں ہیں کہ جو نصابوں میں، دینی مدارس میں، کالجز (Colleges) اور یونیورسٹیز (Universities) میں پڑھائی جاتی ہیں، اس کے علاوہ لائبریریز (Libraries) بھی کتابوں سے بھری ہوئی ہیں لیکن ان کتابوں میں سے کسی کو بھی منشور نہیں کہا جاتا، ان کتابوں میں سے کچھ حوالوں کی کتابیں ہیں، انسائیکلو پیڈیا (Encyclopedias) ہیں، علمی مجموعے ہیں، سائنسی و معلوماتی ذخیرے ہیں اور انسان معلومات کے حصول کے لئے ان کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کے علاوہ بھی ہر شعبے کے اندر انسانوں کی کاوش کا نتیجہ موجود ہے لیکن انہیں منشور نہیں کہا جاسکتا، قرآن منشور الہی اور کتاب حیات بشر ہے لہذا تمام انسان اس کے مطابق زندگی بسر کریں۔

رسول اکرم ﷺ کا بارگاہِ خدا میں شکوہ

۶) رسول اکرم ﷺ کا بارگاہِ خدا میں شکوہ

قرآن میں مذکور ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ قیامت میں بروزِ حشر بارگاہِ خداوند تبارک و تعالیٰ میں ایک شکوہ کریں گے اور وہ مجبوریتِ قرآن کے بارے میں ہوگا،

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (۶)

اور رسول کہیں گے: اے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔

یعنی اے پروردگار میری قوم نے، میری امت نے اس قرآن کو متروک رکھا۔ متروک رکھنے کے معانی یہ نہیں ہیں کہ قرآن پڑھا نہ جائے، متروک رکھنے کے معانی یہ بھی نہیں ہیں کہ قرآن پر تحقیقات نہ ہوں بلکہ متروک رکھنے کے معانی یہ ہیں کہ منشور کو منشور ہی نہ بنایا جائے، باقی سارے کام اس کے اندر انجام دیئے جائیں لیکن اسے منشور کی حیثیت حاصل نہ ہو تو اس وقت تک یہ متروک و مہجور ہے۔

کثرتِ قرأت، کثرتِ تلاوت، کثرتِ طباعت، کثرتِ حفظ اور کثرتِ ذکر کے باوجود قیامت میں رسول اللہ ﷺ شکوہ کریں گے کہ قرآن مہجور ہے، رسول ﷺ یہ شکوہ کریں گے کہ اے میرے پروردگار! اے میرے رب!

إِنَّ قَوْمِي.....

میری قوم نے.....

یعنی نہ کہ غیر مسلموں نے، نہ کہ مسیحیت نے، نہ کہ یہودیت نے، نہ کہ ہندوؤں نے اس قرآن کو مہجور رکھا یا فلاں قوم قرآن نہیں پڑھتی تھی اور قرآن کی طرف نہیں آتی تھی بلکہ میری قوم نے قرآن کو مہجور رکھا۔ اس قوم میں کثرت سے حفاظ موجود ہیں، اس میں کثرت سے مفسرین موجود ہیں، قرآن کی مختلف طباعتیں موجود ہیں بلکہ ابھی بھی ریکارڈ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ چھپنے والی

رسول اکرم ﷺ کا بارگاہِ خدا میں شکوہ

کتاب قرآن ہے، دنیا میں سب سے زیادہ پکنے ولی کتاب بھی قرآن ہے لیکن پھر بھی پیغمبر اکرم ﷺ شکوہ کریں گے کہ میری قوم نے اس کتاب کو مہجور رکھا ہے، مہجور یعنی متروک رکھا ہے، معطل رکھا ہے، کیوں معطل رکھا ہے؟ کیونکہ پڑھنے سے اس کی مہجوریت مرتفع نہیں ہوتی ہے، تلاوت سے اس کی مہجوریت مرتفع نہیں ہوتی ہے، ختم قرآن سے اس کی مہجوریت مرتفع نہیں ہوتی ہے، حفظ کرنے سے اس کی مہجوریت مرتفع نہیں ہوتی ہے اور زیادہ نسخوں کی صورت میں چھاپنے سے اس کی مہجوریت مرتفع نہیں ہوتی ہے بلکہ تدبر کرنے سے، تعقل کرنے سے اور پھر غور و فکر کر کے اس کو اپنی زندگی کا عملی منشور بنانے سے قرآن کی مہجوریت مرتفع ہوتی ہے۔

عام سی مثال سے اس نکتے کو سمجھا جاسکتا ہے مثلاً کسی ملک کا آئین اس کے لاء کالجز (Law colleges) میں اور یونیورسٹیز (Universities) میں تدریس کیا جائے اور اس آئین کے مطابق لوگ پڑھ کر وکیل (Lawyer) بنیں، لیجسلیٹر (Legislator) بنیں، اٹارنی (Attorney) بنیں، بیرسٹر (Barrister) بنیں، ایڈووکیٹ (Advocate) بنیں، ججز (Judges) بنیں، اس پرائل ایل بی (LLB) ہو رہا ہو، ایل ایل ایم (LLM) ہو رہا ہو اور ماہرین قانون بن رہے ہوں لیکن یہ قانون اسی ملک کے اندر معطل ہو، جس طرح عموماً ہوتا بھی ہے کہ مستبد حکمران اور آمر لوگ آتے ہیں اور سب سے پہلا کام یہی کرتے ہیں کہ آئین کو معطل کر دیتے ہیں، اگر کسی ملک میں آئین معطل ہو جائے لیکن اس آئین پہ تعلیم ہو رہی ہو، اس آئین پہ ڈگریاں مل رہی ہوں، اس آئین کے حافظ بن رہے ہوں، اس آئین

رسول اکرم ﷺ کا بارگاہِ خدا میں شکوہ

کے مختص بن رہے ہوں تو اس قانون کو پھر بھی نافذ قانون نہیں بلکہ معطل قانون ہی کہیں گے۔ قرآن مجبور ہے یعنی معطل ہے، منشور قرآن بحیثیت منشور معطل ہے، اگرچہ اس کے مختص پیدا ہو رہے ہیں، قاری پیدا ہو رہے ہیں، ماہرین پیدا ہو رہے ہیں، اس کے حافظ موجود ہیں، اس کو چھاپنے والے موجود ہیں، اس کو ورد کرنے والے موجود ہیں اور اس سے متعلق فراواں فرعی اور ثانوی سرگرمیاں موجود ہیں لیکن قرآن بعنوان آئین، بعنوان منشور معطل ہے لہذا بارگاہ خداوند تبارک و تعالیٰ میں پیغمبر اکرم ﷺ اگر شکوہ کریں گے کہ میری قوم نے اس آئین کو، میرے اور آپ کے منشور کو معطل رکھا ہے تو یہ کاملاً صادقانہ شکوہ ہوگا اور کسی کے پاس اس کا دفاع موجود نہیں ہوگا، حتیٰ جو اہل قرآن ہیں، جو قاری قرآن ہیں، جو حافظ قرآن ہیں، جو مفسرین قرآن ہیں، جو مولفین موضوعات قرآن ہیں اور جو محققین موضوعات قرآن ہیں ان کے پاس بھی کوئی جواب نہ ہوگا۔ آئین نافذ نہ ہو تو یہ معطل آئین کہلاتا ہے لہذا جب ملک کا آئین معطل ہو جائے اور اس آئین پر علمی تحقیقات ہو رہی ہوں تو یہ اس آئین کے ساتھ ظلم ہے۔

بعنوان منشور قرآن کے احیاء کی ضرورت

۷) بعنوان منشور قرآن کے احیاء کی ضرورت

قرآن کو پوری تاریخ میں اور آج بھی بعنوان منشور اپنا وہ مقام نہیں مل سکا کہ جو ہونا چاہئے تھا لہذا بعنوان منشور قرآن کے احیاء کی ضرورت ہے نہ کہ صرف کتاب مقدس کے طور پر، کتاب محترم کے طور پر، کتاب استخارہ کے طور پر اور کتاب ثواب کے طور پر کیونکہ آج قرآن کا ہر عنوان موجود ہے

لیکن یہ کتاب بعنوان منشور مہجور ہے۔ اسکے اندر تدبر کریں، فکر کریں کہ قرآن بعنوان منشور کیوں نہیں اپنایا گیا ہے؟ ہم نے اسے غیر اسلامی زندگی کے اندر ایک مقدس چیز کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ یہ تبرک کے طور پر، برکت کے طور پر، گھروں میں، مسجدوں میں، سینوں میں، لائبریریوں میں یا اداروں میں موجود ہے لیکن جس چیز کی زینت ہے وہاں غیر موجود ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اس سے کوئی برکت اور خیر حاصل ہو جائے لیکن زندگی کی زینت اور زندگی کے منشور کے طور پر اسے نہیں اپنایا گیا۔

اس کے بہت سارے اسباب ہیں لیکن ان میں سے ایک بڑا سبب قرآن کی صحیح شناخت و معرفت کا نہ ہونا ہے کہ قرآن کس چیز کی کتاب ہے؟ اور ظاہر ہے کہ جس مجموعے کی صحیح شناخت موجود نہ ہو اور اس شناخت کے اندر یہ متعین نہ ہو کہ قرآن ایک منشور ہے تو اس لاعلمی کی بنا پر اور قرآن کی معرفت کے فقدان کی بنا پر یہ منشور مہجور و متروک ہے اور اس پر کسی کو خود بخود یہ آگاہی کم نصیب ہوتی ہے یا جب تک تعلیم کا حصہ نہ بنے تو لوگوں میں اس شعور کا فقدان بدستور قائم رہتا ہے، آج ہم محسوس کرتے ہیں اور لمس کرتے ہیں کہ قرآن مہجور و متروک ہے۔

قرآن کسی خاص طبقے کیلئے نازل نہیں ہوا

۸) قرآن کسی خاص طبقے کیلئے نازل نہیں ہوا

قرآن تمام انسانوں کے لئے حتیٰ عام انسانوں کے لئے بھی منشور ہے چونکہ محاط قرآن

ناس ہیں، قرآن پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہوا ہے لیکن ہدایت ناس کے لئے ہے،

هُدًى لِلنَّاسِ.....

یہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے.....

یہ ناس کی زندگی کا منشور ہے، ناس یعنی عام لوگ، ناس قرآن کی تعبیر ہے، ناس کے مقابلے میں بھی قرآن کی تعبیرات ہیں مثلاً ملاء ہے، ملاء یعنی لوگوں میں سے ایک ایسا طبقہ کہ جو اپنے آپ کو ایک الگ شخص کے تحت جدا کرتا ہے، اس کے اندر ایک بزرگی پیدا ہوتی ہے اور وہ اموال و املاک کا مالک بن جاتا ہے، اپنے آپ کو مقتدر سمجھتا ہے اور عام لوگوں سے اپنے آپ کو ممتاز اور جدا سمجھتا ہے، قرآن نے اس طبقے کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ملاء ہے، جب بھی انبیاء ناس کیلئے پیغام خدا لے کر آئیں ہیں تو ناس اور پیغام خدا کے درمیان یہ طبقہ ملاء حائل رہا ہے، ہر نبی ﷺ کے زمانے میں اور خود قرآن کے ساتھ بھی یہ اتفاق رونما ہوا ہے، تعبیرات قرآن فراواں ہیں کہ

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (۷)

تو قوم کے رؤسائے نے جواب دیا کہ ہم تم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ

الكَاذِبِينَ ۝ (۸)

قوم میں کفر اختیار کرنے والے رؤسائے نے کہا کہ ہم تم کو حماقت میں مبتلا دیکھ رہے ہیں اور

ہمارے خیال میں تم جھوٹوں میں سے ہو۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ

أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُرْسَلٌ مِّنْ رَبِّهِ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ (۹)

تو ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کمزور بنادیئے جانے والے لوگوں میں سے جو ایمان لائے تھے ان سے کہنا شروع کیا کہ کیا تمہیں اس کا یقین ہے کہ صالح خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں، انہوں نے کہا کہ بیشک ہمیں ان کے پیغام کا ایمان اور ایقان حاصل ہے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنْ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذَا لَخَاسِرُونَ

○ (۱۰)

تو ان کی قوم کے کفار نے کہا کہ اگر تم لوگ شعیب کا اتباع کر لو گے تو تمہارا شمار خسارے والوں میں ہو جائے گا۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مِلَّتِنَا..... (۱۱)

ان کی قوم کے مستکبرین نے کہا کہ اے شعیب ہم تم کو اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے یا تم بھی پلٹ کر ہمارے مذہب پر آ جاؤ.....

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ○ (۱۲)

فرعون کی قوم کے رؤسائے نے کہا کہ یہ تو سمجھدار جادوگر ہے۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا بِادِّى الرَّأْيِ وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ

كَاذِبِينَ ○ (۱۳)

قرآن کی خاص طبقہ کیلئے نازل نہیں ہوا

تو ان کی قوم کے بڑے لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا تھا کہا کہ ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان سمجھ رہے ہیں اور تمہارے اتباع کرنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمارے پست طبقہ کے سادہ لوح افراد ہیں، ہم تم میں اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے ہیں بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً..... (۱۴)

ان کی قوم کے کافر رؤساء نے کہا کہ یہ نوح تمہارے ہی جیسے انسان ہیں جو تم پر برتری حاصل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ خدا چاہتا تو ملائکہ کو بھی نازل کر سکتا تھا.....

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَاتَّرفَنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ (۱۵)

تو ان کی قوم کے رؤساء نے جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا اور آخرت کی ملاقات کا انکار کر دیا تھا اور ہم نے انہیں زندگانی دنیا میں عیش و عشرت کا سامان دے دیا تھا وہ کہنے لگے یہ تو تمہارا ہی جیسا ایک بشر ہے جو تم کھاتے ہو وہی کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو وہی پیتا بھی ہے۔

دیگر آیات میں بھی طبقہ ملاء کا ذکر موجود ہے لیکن قرآن نہ تو ملاء کے لئے نازل ہوا ہے اور نہ کسی اور طبقہ کے لئے نازل ہوا ہے بلکہ مخاطب مستقیم قرآن ناس ہیں۔ اگرچہ سورہ بقرہ کے اوائل

میں

قرآن کی خاص طبقہ کیلئے نازل نہیں ہوا

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (۱۶)

ہے اور یہاں پر

هُدًى لِّلنَّاسِ (۱۷)

ہے، کہیں فرمایا کہ

وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِّلْمُسْلِمِينَ ۝ (۱۸)

اور یہ مسلمانین کیلئے ہدایت اور بشارت ہے۔

هُدًى وَبُشْرَىٰ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۹)

یہ صاحبانِ ایمان کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔

هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ ۝ (۲۰)

جو ان نیک کردار لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

لیکن ان میں کوئی تعارض و تضاد نہیں ہے بلکہ یہ قرآنی آیات کے اندر ایک بہت خوبصورت

ہم آہنگی ہے کہ آیا سب کے لئے ہے لیکن ساتھ ہی قرآن نے یہ نکتہ بھی تفہیم کر دیا کہ اگرچہ قرآن

سب کے لئے ہے لیکن اس سے ہدایت لینے کی ایک شرط ہے اور وہ تقویٰ ہے۔ سورہ آل عمران کی

آیہ ۱۳۸ میں صریحاً ارشاد فرمایا کہ

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝

یہ عام انسانوں کیلئے ایک بیانِ حقائق ہے اور صاحبانِ تقویٰ کیلئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

قرآن کسی خاص طبقے کیلئے نازل نہیں ہوا

قرآن کریم میں خدا نے متقین سے جنت کا وعدہ کیا ہے اور اگر کوئی شخص قرآن مجید کا ایک دورہ صرف اسی عنوان سے کرے کہ متقین کیلئے خدا نے کیا ارشاد فرمایا ہے تو اس پر عیاں ہو جائے گا کہ بہترین انجام صرف متقین کیلئے ہے۔ متقین سے متعلق چند آیت درج ذیل ہیں۔

قُلْ أَذِلَّكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً
وَمَصِيرًا ۝ (۲۱)

کہہ دیجئے کیا یہ بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا اہل تقویٰ سے وعدہ کیا گیا ہے، جو ان کیلئے
جزا اور ٹھکانا ہے۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝ (۲۲)

یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم متقین کو بنائیں گے۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (۲۳)

اور نیک انجام تو اہل تقویٰ کیلئے ہے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝ (۲۴)

تقویٰ والوں کیلئے یقیناً کامیابی ہے۔

۹) قرآنی تقویٰ کیا ہے؟

ضمناً قرآن نے ہمیں تقویٰ کی تعریف بھی بتادی ہے، تقویٰ حالت کا نام نہیں ہے عموماً

اخلاقیات میں تقویٰ کی بحث ایک ملکہ نفسانی کے طور پر کی جاتی ہے، قرآنی تقویٰ ملکہ نفسانی نہیں ہے بلکہ قرآنی تقویٰ ایک استعداد ہے کہ جو قرآن سے ہدایت پزیری اور ہدایت لینے کی صلاحیت و قابلیت کا نام ہے۔ انسان اپنے اندر جب یہ قابلیت پیدا کرے، قرآن کا مخاطب واقع ہو جائے اور قرآن سے ہدایت لینا شروع کر دے تو وہ انسان متقی انسان کہلاتا ہے۔ پس اس بات کو درک کرنے کی ضرورت ہے کہ قرآن لوح محفوظ سے قلب نورانی پیغمبر اکرم ﷺ پر آیا ہے اور قلب نورانی پیغمبر اکرم ﷺ سے عامۃ الناس تک پہنچا ہے، یہی نزول دُوم قرآن ہے۔

۱۰) نزول کا مطلب

نزول کا معنی وہی ہے جو عام طور پر ہمارے ذہنوں میں آتا ہے لیکن کچھ خصوصیات کے ساتھ اس کا معنی ہمیں معلوم ہونا چاہئے۔ نزول در مقابل تعالیٰ ہے، تعالیٰ یعنی نیچے سے اوپر جانا، کسی چیز کا بلندی کی طرف جانا، ادنیٰ مقام سے اعلیٰ مقام کی طرف جانے کو تعالیٰ کہتے ہیں اور اعلیٰ مقام سے، بالا مقام سے نیچے آنے کو تنزل کہتے ہیں، اس لئے اگر کوئی نیچے کھڑا ہو اور عرب زبان لوگ اس کو اوپر کی طرف بلائیں تو تَعَالَوْا کہتے ہیں، تعالیٰ یعنی اوپر آؤ اور اگر کوئی اوپر کھڑا ہو اور اسے نیچے بلانا ہو تو اس کو نَزِّل کہتے ہیں یعنی نیچے کی طرف آؤ، بلند مقام سے کسی شے کے نچلے مقام پر آنے کو نزول کہتے ہیں۔ یہ مادی چیزوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور غیر مادی چیزوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، یہ بغیر کسی مجازیت کے حقیقت کے طور پر استعمال ہوتا ہے چونکہ مادی چیزیں بھی کسی

مکانِ بلند پر ہوتی ہیں، جسمانی چیزیں عموماً مادی مکان ہیں، مادی جسمانی چیزوں کا کوئی نہ کوئی مکان ہوتا ہے لیکن غیر مادی چیزوں کا کوئی مکان نہیں ہوتا وہ غیر مکانی چیزیں ہوتی ہیں، مادی چیزوں کے نزول سے ہم آشنا ہیں کہ جیسے قرآن نے بھی یہ لفظ مادی امور کے لئے استعمال کیا ہے مثلاً مادی امور کے بارے میں بارش کا نزول ہے، اس کا واضح ترین نمونہ یہ ہے کہ انسان بادلوں سے پانی اترتا ہوا دیکھتا ہے چونکہ مکان کے لحاظ سے بادل انسان کی نسبت بلندی پر ہیں اور انہی بادلوں سے بارش کے قطرات زمین کی طرف اترتے ہیں لیکن زمین چونکہ نیچے ہے، اس کا مکان سفل یعنی پستی ہے اس وجہ سے اس کو نزولِ باران یا نزولِ ماء کہتے ہیں اور قرآن نے بھی اس کو نزولِ ماء کے عنوان سے استعمال کیا ہے،

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً..... (۲۵)

یعنی اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا ہے.....

یا اس طرح کی مشابہ تعبیرات کے ساتھ لفظِ نزول استعمال ہوا ہے۔ ہمارا زیادہ تر تعلق چونکہ مادی اور جسمانی امور سے ہی ہے، ارد گرد کی دنیا اور جس دنیا سے ہمارا تعلق اور سروکار ہے حتیٰ ہماری ضرورتیں، ہمارے روابط اور ہم خود بھی اسی جسمانی و مادی دنیا سے مرتبط ہیں، اس وجہ سے فوراً ہمارے ذہن میں نزولِ جسمانی ہی آتا ہے یعنی نزول کیلئے کہتے ہیں کہ ایک جسمانی چیز اوپر رکھی ہوئی تھی اور کسی نیچے کے مقام پر اتر آئی۔ یہ نزول فقط مادی چیزوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جس طرح مکانِ عالی ہے اسی طرح مقامِ عالی بھی ہوتا ہے یعنی مرتبہ و درجہ، اگر کسی شے کا درجہ عالی ہو، بلند ہو اور

اس بلند درجے سے اگر وہ نچلے درجے پر آجائے تو اس کو بھی نزول کہتے ہیں۔ ہماری روزمرہ کی زندگی کی عام مثالوں میں بھی غیر مادی نزول موجود ہے۔

اکثر ہم دیکھتے ہیں کہ کسی شخص کو ایک مقام اور درجہ دیا جاتا ہے، ایک پوسٹ (post) دی جاتی ہے مگر بسا اوقات بعد میں اسی کی نااہلی یا ناقص کارکردگی کی وجہ سے وہ درجہ اس سے لے لیا جاتا ہے، بڑا درجہ لے کر اسے ایک چھوٹے درجے پر فائز کر دیا جاتا ہے تو یہ اس شخص نے نزول کیا ہے یعنی یہ انسان ایک بالا درجے پر فائز تھا اور وہاں سے اس کو ہٹا کر ایک نچلے درجے پر فائز کر دیا گیا ہے لہذا اس انسان نے نزول کیا ہے لیکن اس نزول کے معانی یہ نہیں ہیں کہ پہلے کسی فوقانی طبقے پہ تھا اور اب کسی نچلے فلور (Floor) پر آ گیا ہے یعنی کسی بلڈنگ کے اندر اوپر کی اسٹوری سے یہ نیچے آ گیا ہے، نہیں، جہاں تھا اور جس کمرے میں تھا وہیں پر ہے لیکن صرف اس کا مرتبہ نیچے آ گیا ہے، فرض کریں کہ پہلے اگر یہ صدر تھا تو اب نائب صدر ہو گیا ہے، پہلے اگر کسی ادارے کا رئیس کل تھا تو اب رئیس جز بن گیا ہے، اس کا وہ مقام نہیں رہا جو پہلے تھا لہذا اس نے رتبے اور درجے کے لحاظ سے تنزل معنوی کیا ہے۔ اس کو دیگر قسم کے مشابہ امور میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، علمی مسائل کے اندر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے کہ بعض اوقات انسان ایک بڑے اعلیٰ علمی مرتبے پر فائز ہوتا ہے اور کبھی اس سے تنزل بھی کر جاتا ہے، کبھی ارتقاء و ترقی کرتا ہے، پہلے چھوٹے علمی مرتبے پر فائز ہوتا ہے اور وہاں سے ترقی کرتے کرتے اعلیٰ علمی مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔

نزول کا مطلب

مثلاً فرض کر لیں کہ ایک مجتہد ہے اور اعلیٰ علمی مرتبے پر فائز ہے لیکن کسی بیماری یا عارضے کی

وجہ سے، بڑھاپے یا صدمے کی وجہ سے یا کسی بھی سبب کی وجہ سے ممکن ہے کہ ملکہ اجتہاد اس کے اندر ختم ہو جائے لہذا یہی شخص جو پہلے ایک اعلیٰ علمی درجے پر فائز تھا اب ایک معمولی انسان کی طرح ہے، جس طرح سے عموماً انسان بعض حادثات کے اندر اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے اسی طرح سے بسا اوقات یہ ملکہ اجتہاد اور اجتہادی صلاحیتیں بھی کھو بیٹھتا ہے اور معمولی انسان کی طرح ایک مقلد انسان بن جاتا ہے، پس اس نے علمی مرتبے سے تنزل کیا ہے۔ بعض اوقات مقام تعلیم میں یہی تعبیر استعمال ہوتی ہے یعنی کسی دوسرے کو علم منتقل کرنے کیلئے یا کسی دوسرے کو سمجھانے کے موقع پر بھی یہ لفظ نزول استعمال ہوتا ہے، مثلاً ایک انسان صاحب علم و فضل ہے اور عالمانہ گفتگو کرتا ہے لیکن عوام کے سامنے بے بس و مجبور ہے، ایسے بعض نمونے موجود ہیں، بعض علماء عالمانہ گفتگو کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کے سامنے کہ جو عالم نہیں ہیں، خوانخواہ ان کی عالمانہ گفتگو، اصطلاحی گفتگو، خاص علمی اصطلاحات کے اندر لپٹی ہوئی گفتگو اس عوام کے لیے نہیں پڑتی ہے، یہاں پر یا تو یہ عوام اتنا اوپر آئیں، اپنے آپ کو علمی درجے پر اتنا اوپر لے کر آئیں کہ ذہنی طور پر کہ اس عالم کے ہم سطح ہو جائیں کہ عالم وہی عالمانہ گفتگو کرے لیکن یہ غیر عالم اب اس کی عالمانہ گفتگو کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں، یہاں علویّت پیدا ہوئی ہے یعنی ایک نیچے کا انسان اوپر آیا ہے لیکن ایسا اتفاق کم رونما ہوتا ہے کہ مثلاً ایک عالم عوام میں جا کر عالمانہ گفتگو کرے تو عوام کہے کہ یہ ہماری سطح کے برابر نہیں ہے، وہ عالمانہ سطح پر ہے اور ہم عوامانہ سطح پر ہیں اور اس کی گفتگو ہمارے لیے نہیں پڑ رہی ہے لہذا ہم کوشش کر کے اپنے آپ کو اس کے ہم مرتبہ لے جائیں گے یا کم از کم اپنا علمی درجہ اتنا بڑھا لیں گے کہ اس کی گفتگو ہمیں

سمجھ میں آنا شروع ہو جائے۔

کبھی کبھی عوام میں سے اکادکا افراد کوشش کرتے ہیں، مثلاً ان کو زبان نہیں آتی ہے تو زبان سیکھ لیتے ہیں، اگر کوئی خاص علم اس گفتگو کو سمجھنے کے لئے ضروری ہو تو وہ علم بھی حاصل کر لیتے ہیں لیکن اکثریت ایسی ضرورت محسوس نہیں کرتی ہے اور اگر کچھ عرصہ اور دیکھے کہ گفتگو سمجھ میں نہیں آرہی تو گریز بھی کرتی ہے یعنی لوگ اصلاً چھوڑ دیتے ہیں اور اس گفتگو کو اپنی ضرورت ہی نہیں سمجھتے ہیں چونکہ سمجھ میں نہیں آرہی ہوتی ہے، ایسی صورت میں اس عالم کو یا اس فاضل کو اپنے علمی مقام سے عوامی سطح پر آنا پڑتا ہے یعنی اس نے گفتگو کے اندربات وہی کرنی ہے لیکن عالمانہ لب و لہجہ چھوڑ کر، اصطلاحی گفتگو چھوڑ کر اب وہ ایک دوسری زبان اپناتا ہے، سادہ و سلیس زبان اپناتا ہے، آسان تر تعبیرات اور الفاظ چنتا ہے اور فنی و علمی اصطلاحات کو چھوڑ کر معمول کی گفتگو کرتا ہے تاکہ ان لوگوں کو سمجھ میں آجائے لہذا یہاں تنزل ہوا ہے، تعالیٰ نہیں ہوئی، لوگ اوپر نہیں آئے بلکہ اس عالم کو نیچے آنا پڑا، عالم مقام کے لحاظ سے نیچے نہیں آیا ہے چونکہ اس کا علمی درجہ محفوظ ہے بلکہ ابھی صرف اس کی گفتگو نے، اس کی تعبیروں نے، اس کے بیانات نے تنزل کیا ہے، نزول کیا ہے یعنی درجہ بالا کی گفتگو اس درجے سے نیچے آئی ہے اور عوام کی سطح کی گفتگو میں تبدیل ہوئی ہے البتہ اب عوام کی جو بھی زبان ہو۔

ہم یہ اتفاق بھی دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات ایک عالم و فاضل گفتگو کر رہا ہوتا ہے اور کوئی اس کو تذکر دیتا ہے یا اس کو متوجہ کر رہا ہوتا ہے کہ ہمارے پلے نہیں پڑ رہی ہے لہذا وہ اپنا انداز اصطلاحی و علمی چھوڑ کر دوسری زبان میں لوگوں کو سمجھاتا ہے لہذا اس کو بھی تنزل کہتے ہیں لیکن یہ تنزل جسمانی نہیں

ہے، اس کے معانی یہ نہیں ہیں کہ پہلے وہ منبر پر بیٹھ کر بات کر رہا تھا اور اب منبر کے نیچے آ کر بات کر رہا ہے یا پہلے کسی بالا طبقے پہ بیٹھا ہوا تھا، کسی بلند منزل پہ تھا اور اب وہاں سے اتر کے زمین پر آ کر گفتگو کر رہا ہے، ممکن ہے کہ عالمانہ گفتگو نیچے زمین پر بیٹھ کر کر رہا ہوں یا منبر پر بیٹھ کر کر رہا ہو لیکن عالمانہ گفتگو ہمیشہ سطح عوام سے بالاتر ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں بھی نزول قرآن جسمانی نہیں ہے چونکہ حقیقت قرآن جسمانی نہیں ہے، قرآن ہدایت ہے، صنف قرآن ہدایت ہے، قرآنی جملے، قرآنی زبان، قرآنی مفہیم، قرآنی لب و لہجہ یہ سب ہدایت کے اصناف میں سے ہیں، ہمیں راحم منطق نے یہ قضایہ نہیں سکھائے چونکہ ان کا کسی ہدایتی منشور سے سروکار نہیں تھا، علم منطق کہ جو رائج ہے اور جنہوں نے ہمیں قضایہ کی بحث سکھائی ہے وہ سارے علمی مسائل فلسفے یا کلام کے لئے ہیں یا اسی قسم کے علوم کے لئے منطق تدوین ہوئی ہے لہذا اس میں ایسے قضایہ کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے کہ جو ہمیں مخصوصاً قضایہ ہدایتی کی پہچان کروائیں کہ ہدایتی قضایہ کیسے ہوتے ہیں؟ ہدایتی جملے کیسے ہوتے ہیں؟ اور ان کے اجزائے اصلی کیا ہوتے ہیں؟ پس سخن تعبیرات قرآن ہدایت ہے۔

سادہ و آسان ترین جملے میں اگر معنی کریں تو نزول قرآن کا مطلب یہ ہے کہ غیر دسترس اور رسائی سے باہر چیز کا دسترس میں آ جانا، رسائی میں آ جانا۔ ظاہری بات ہے کہ رسائی اور دسترس سے مراد ہاتھ میں آنا نہیں ہے، یہ جسمانی دسترس نہیں ہے، جس کو ہم کہتے ہیں کہ یہ کوئی جسمانی اپروچ (Approach) نہیں ہے بلکہ اس سے مراد فہم ہے، یعنی یہ انسان کی شناخت کی کمند میں آ جائے،

انسان کی شناخت کی دسترس میں آجائے، انسان کی معرفت اور علمی رسائی اس حقیقت تک ہو جائے لیکن یہ کیسے حاصل ہوگی؟ یہ فاصلہ کیسے کم ہو؟ یہ کام اس حقیقت نے خود کر دیا، یعنی ذاتِ خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن کو نازل کیا ہے، نزول یعنی دسترس میں قرار دیا ہے، دسترس میں قرار دینا یعنی علمی دسترس میں قرار دیا ہے، معرفت کی دسترس اور فہم کی دسترس میں قرار دیا ہے چونکہ یہ فہم انسان سے بالاتر تھا۔

(۱۱) ہدایت کے دو پہلو

ہدایت جسمانی چیز نہیں ہو سکتی ہے بلکہ خواہ مخواہ غیر جسمانی چیز ہوتی ہے۔ چونکہ ہدایت کے اندر دو پہلو ہیں، اس کے اندر ایک معرفت ہے اور دوسرا اس معرفت کے ذریعے سے انسان کو تحریک دینا ہے، انسان کو اکسانا ہے کہ کسی فعل پر یا کسی کام پر حرکت کرے، ہدایت کے یہ دو کام ہیں، فقط حرکت دینا ہدایت نہیں ہے اور فقط معرفت بھی ہدایت نہیں ہے، وہ معرفت جس کے نتیجے میں انسان کے اندر حرکت پیدا ہو، ارتقاء پیدا ہو تو اس کو ہدایت کہیں گے یعنی ایسی معرفت کہ جو انسان کو ایک ادنیٰ نقطے سے کسی اعلیٰ اور بلند نقطے کی طرف منتقل کرے، لامحالہ ایسی چیز جسمانی نہیں ہو سکتی ہے چونکہ معرفت جسمانی و مادی نہیں ہے بلکہ غیر مادی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت تک پہنچنے کے دو طریقے ہیں۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان حقیقتوں تک پہنچے لیکن حقیقتیں تو اپنے خاص عالم میں ہیں اور ہر

حقیقت کا اپنا ایک مقام ہے، چونکہ اس عالم میں پوری کائنات حقائق سے ترتیب یافتہ ہے اور کائنات کے سب کے سب موجودات حقائق ہیں، ہدایت حقائق میں سے ہے، علم حقائق میں سے ہے، یہ ساری حقیقتیں ہیں اور حقائق تک رسائی دو طریقوں سے ممکن ہے، ایک یہ ہے کہ حقائق اپنے مقام پر ہی رہیں اور انسان ان حقائق کی طرف سفر کرے، اس صورت میں انسان تکامل کرتا ہے یعنی انسان بڑا ہوتا ہے، انسان ترقی و ارتقاء کرتا ہے چونکہ انسان کا مقام حقائق سے نیچے تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو اتنی ترقی دی اور خود کو اتنا اوپر لایا کہ حقائق اس کو سمجھ میں آنا شروع ہو گئے، اس نے حقائق کو دیکھنا شروع کر دیا، حقائق کو سمجھنا شروع کر دیا اور حقائق کو اپنا نا شروع کر دیا۔

۱۲) علم کی تعریف

چونکہ اس گفتگو کا متن ہم نے صدر المتالہینؒ کی کتاب مفاتیح الغیب سے اختیار کیا ہے کہ جو قرآنی حقائق کے بارے میں ہے اور اس کا ایک باب آداب فہم قرآن کے نام سے ہے، اس میں صدر المتالہینؒ نے یہ مطلب دوسرے حکماء سے زیادہ واضح تر بیان کیا ہے، چونکہ ہم نے علم کے بارے میں تعلیمی دنیا میں بھی اسی طرح سنا ہوا ہے اور علم کی تعریف بھی ایسے ہی کی گئی ہے کہ جس کی وجہ سے یہ مطلب ہمارے ذہنوں میں پکا بیٹھا ہوا ہے کہ علم انسان تک آتا ہے، علم کی تعریف بھی یوں کرتے ہیں کہ

الْعِلْمُ هُوَ حُصُولُ صُورَةِ الشَّيْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ..... (۲۶)

کسی چیز کی صورت کا عقل میں آجانا علم کہلاتا ہے.....

إِنَّ الْعِلْمَ هُوَ الصُّورَةُ الْحَاصِلَةُ مِنَ الشَّيْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ..... (۲۷)

تحقیق علم سے مراد عقل میں کسی چیز سے حاصل ہونے والی صورت ہے۔

الْعِلْمُ هُوَ : حُضُورُ صُورَةِ الشَّيْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ..... (۲۸)

علم کسی شے کی صورت کا عقل میں حاضر ہونا ہے۔

ان کا مطلب یہ ہے کہ صورتِ شے حاصل ہوتی ہے، عقل کے پاس علم آتا ہے یعنی حقیقت اپنی جگہ پر ہے، انسان اپنے گھر میں ہے اور وہاں سے صورتِ علمی اٹھ کر انسان کے ذہن میں منتقل ہوتی ہے، صدر المتاھینؒ فرماتے ہیں کہ یہ اشتباہ ہے، علم کبھی بھی انسان کی طرف نہیں آتا ہے بلکہ انسان علم کی طرف جاتا ہے اور حقیقت کی طرف جاتا ہے، اسی لئے علم کے ذریعے سے انسان کو تکامل حاصل ہوتا ہے ورنہ اگر انسان اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور علم اس کے پاس بار بار آتا جاتا رہے تو انسان تو وہیں رہے گا لیکن علم ترقی کرتا جائے گا، چونکہ ترقی وہ کرتا ہے کہ جس میں حرکت ہوتی ہے لہذا انسان علم کی طرف جاتا ہے نہ کہ علم انسان کے پاس آتا ہے۔

بعض بزرگ حکماء نے اپنے علمی فرزندوں کے لئے، غیر صلبی اولاد کے لئے وصایا لکھیں ہیں مثلاً امام خمینیؒ نے اپنے معنوی پیروکاروں کے لئے لکھا اور اولاد کیلئے وصیت نامہ لکھا ہے یعنی جو بھی اسلام ناب کو قبول کرنے والا ہے، قرآن اور اسلام محمدی ﷺ کو قبول کرنے والا ہے ان سب کے لئے یہ وصیت نامہ ہے، اسی طرح ان حکماء نے اپنی علمی اولاد کے لئے کہ جو ان کے علم سے اور



ان کی کتب سے استفادہ کرتے ہیں وصیت نامہ لکھا کہ علم اور چیز ہے اور عبارتیں واصطلاحیں اور چیز ہیں، کہیں ان کو آپس میں مخلوط نہ کر بیٹھنا۔

پس علم کی تعریف بھی الگ ہے یعنی اَلْعِلْمُ نُورٌ، علم نور ہے لیکن اصطلاحی نور نہیں ہے، عبارت نور نہیں ہے، حکماء نے بھی علم کو نور کہا ہے اور اتفاق سے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام سے بھی یہی تعریف منقول ہے، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی علم کی یہی تعریف بیان فرمائی ہے کہ

اَلْعِلْمُ نُورٌ..... (۲۹)

علم نور ہے.....

دنیا میں ایسے لوگ فراواں ہیں کہ جن کے پاس معلومات کے کثیر ذخیرے اور قوی حافظے ہیں، بہت سارے لوگوں کو خدا نے یہ صلاحیتیں دی ہوئی ہیں، دنیا میں ایک ریکارڈ بک ہے کہ جس کے اندر دنیا کے بڑے بڑے بے نظیر اور بے مثل قسم کے کارنامے یا اعمال درج کئے جاتے ہیں اور یہ ہر سال چھپتے ہیں، یہ کتاب گینز بک آف ورلڈ ریکارڈز (Guinness Book of World Records) کے نام سے ہے یعنی جو بھی ایسا کام کرے کہ جو دوسرے عام لوگ نہ کر سکتے ہوں اسے اسی کے نام سے اس کتاب میں درج کر دیا جاتا ہے، اگر مطالعہ کرنا ہے تو اس کو پڑھیں، بعض زبانوں میں ترجمہ بھی ہوتی ہے، بڑی دلچسپ اور پڑھنے کی کتاب ہے، اس پر عمل نہیں کرنا لیکن معلومات کے لئے پڑھنا ہے، کبھی اس میں نام لکھوانے کی کوشش مت کرنا، اس میں ایک ریکارڈ جو ہر سال قائم ہوتا ہے مثلاً ایسے افراد کے ریکارڈز کہ جن کو ٹیلیفون نمبر زیادہ سے زیادہ یاد ہوں، یہ آدمی

ایک پوری ڈائرکٹری (Directory) ہوتا ہے، مثلاً ایک انسان ایسا ہے کہ جس کو نوے ہزار ٹیلیفون نمبرز یاد ہیں اور وہ بھی پورے انکے مشخصات کے ساتھ، مثلاً اسے یہ بھی پتہ ہے کہ یہ نمبر کس انسان کا ہے، یہ نمبر کس شہر کا ہے، عورت کا ہے یا مرد کا ہے، بچے کا ہے یا جوان کا ہے، ادارے کا ہے یا گھر کا ہے، ان ساری خصوصیات کے ساتھ اس کو نوے ہزار نمبرز ازبر ہیں اور ہمیں نو نمبر بھی یاد نہیں ہوتے ہیں اور کبھی اپنا نمبر بھی بھول جاتے ہیں لیکن اس انسان کو نوے ہزار نمبرز پوری خصوصیات، پوری ڈیٹیل (Detail) کے ساتھ یاد ہیں، ہم اس سے متاثر تو بہت ہوتے ہیں لیکن آیا ہم اس کو علم کہیں گے کہ نوے ہزار ٹیلیفون نمبرز کسی نے رٹ لئے ہوں؟ یا اسی بک میں ہے کہ ایک بچے کو تمام ممالک کے دارالخلافے ازبر ہیں، مثلاً پانچ سال کا بچہ ہے، ہمیں تو یہ بھی نہیں پتہ ہے کہ دنیا میں کتنے ملک ہیں؟ بظاہر اس کی توقع نہیں ہے یعنی اس بات کا شائبہ تک نہیں ہے، کیوں کسی کو شعور نہیں ہے؟ اس لئے کہ سروکار نہیں ہے لیکن اگر کسی کو معلوم ہو کہ دنیا میں اس وقت کتنے ملک ہیں؟ البتہ یہ معلومات ہونی چاہئیں، اپ ڈیٹ (Update) رہنے کے لئے کم از کم اتنا پتہ ہو کہ جس دنیا میں رہتے ہیں اس میں کتنے ممالک ہیں لیکن بعض لوگوں کو ان ممالک کی خصوصیات بھی پتہ ہیں مثلاً اتنے ملک ہیں، ہر ملک کا یہ دارالخلافہ ہے، اس کا رقبہ یہ ہے، اس کے پڑوسی یہ ہیں، اس کے اندر معدنیات یہ ہیں، یہ ساری خصوصیات ازبر ہیں، کیا یہ علم ہے؟ یہ علم نہیں ہے۔

اسی طرح ایک انسان کو مثلاً پوری پوری کتابیں حفظ ہوں، اس نے رٹا ہوا ہو تو یہ ایسے ہی

ہے کہ جیسے اس نے نوے ہزار ٹیلیفون نمبرز یاد کئے ہوں، یہ علم نہیں ہے، یہ ایک مہارت ہے اور اچھی



مہارت ہے، اس پہ اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے اور حوصلہ افزائی بھی یہ کہ تالیاں بجا دو، یہ مہارت اس سے زیادہ کی حقدار نہیں ہے لیکن یہ علم نہیں ہے بلکہ علم نور ہے۔

لہذا اگر انسان یہ کام کرے تو بہترین کام ہے یعنی بہت ہی مطلوب حالت ہے، جس کو عام زبان میں بڑی آئیڈیل (Ideal) صورت کہتے ہیں کہ انسان اٹھے اور حقیقت کی طرف سفر کرے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں انسان کو اپنے آپ کو حقیقت کی سطح تک بلند کرنا پڑے گا، ارتقاء و ترقی انسان کے لئے ضروری ہے، انسان کے اندر خواہ تکامل آئے گا اور ایسے ہی ہوتا ہے مثلاً پہلے بچے تھے تو نہیں سمجھتے تھے، حقائق ہم سے بڑے تھے لیکن اس بچپن سے جب ہم نے بلوغ میں قدم رکھا تو آج بہت ساری چیزیں ہمیں سمجھ میں آنا شروع ہو گئی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ارتقاء کیا ہے اور ہمارے اندر تکامل آیا ہے ورنہ اگر ہم بچے ہی رہتے اور یہ ساری چیزیں ہم تک آ پہنچتیں تو چیزیں ترقی کر جاتیں اور ہم وہیں رہتے۔ صنعتی دنیا یہی کام کر رہی ہے، صنعتی دنیا میں انسان نے کوئی ترقی نہیں کی ہے، لوگ یہ جملے بھی کہتے ہیں کہ انسان اتنی ترقی کر گیا ہے، مغرب نے ترقی کی ہے اور مشرق کو غلط فہمی ہو گئی ہے، مغربی انسان اتنی ترقی کر گیا ہے، حالانکہ انسان نے تو ترقی نہیں کی ہے بلکہ انسان کے وسائل نے ترقی کی ہے، گاڑیاں ترقی کر کے کہاں سے کہاں جا پہنچی ہیں، ٹیلیفون لائنیں ترقی کر کے کہاں سے کہاں جا پہنچی ہیں، مواصلاتی نظام ترقی کر کے کہاں سے کہاں جا پہنچا ہے لیکن انسان تو وہیں ہے۔ وسائل انسان کی طرف آرہے ہیں نہ کہ انسان کہیں جا رہا ہے۔ جو حرکت کرتا ہے وہ ترقی کرتا ہے لیکن جو بیٹھا ہوا ہے وہ ترقی نہیں کر سکتا ہے۔

(۱۳) بعض اوقات حقیقت خود تنزل کرتی ہے

پس ایک صورت یہ ہے کہ حقیقت انسان تک پہنچے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان حقیقت تک پہنچے، اس صورت میں انسان ترقی کرتا ہے لیکن بعض حقیقتیں ایسی ہیں کہ انسان پہلے قدم میں اتنی ترقی نہیں کر سکتا ہے کہ ان حقائق تک پہنچے، وہاں پر دوسرا نظام یا دوسرا عمل شروع ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ حقیقت انسان تک پہنچائی جاتی ہے نہ کہ انسان حقیقت تک پہنچتا ہے، یہ دو مطلب اگر ہمیں سمجھ میں آجائیں تو بہت سارے راز سمجھ میں آجائیں گے اور ہم بہت ساری چیزوں کو سمجھنے کے قابل بھی ہو سکتے ہیں۔ کچھ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں کہ پہلے قدم پر انسان اتنی ترقی نہیں کر سکتا ہے مثلاً خالی ہاتھ اتنی ترقی کرے کہ ان حقائق سے جاملے ہو، ان حقائق کے بارے میں بھی انسان کیلئے معرفت ضروری ہے بالآخر انسان کو وہ حقائق بھی سمجھنا چاہئیں، ان حقائق سے واسطہ بھی ہے اور وہ حقائق انسان کی زندگی سے مربوط ہیں۔ یہاں پر ظاہر ہے کہ انسان جب حقیقت تک پہنچے تو خود ترقی کرتا ہے لیکن جب حقیقت انسان کی طرف آئے تو حقیقت تنزل کرتی ہے، حقیقت کو انسان کی سطح پر آنا پڑتا ہے۔

بعض اوقات حقیقت خود تنزل کرتی ہے

(۱۴) کشف کرنے اور انکشاف ہونے میں فرق

اس مطلب کو ذرا اور سادہ و آسان کر کے بیان کرتے ہیں کہ واضح طور پر سمجھ میں آجائے۔ دو لفظ ہم اپنی عام بول چال میں استعمال کرتے ہیں، ایک کشف اور ایک انکشاف، عام اردو میں ہم یہ لفظ استعمال کرتے ہیں کہ میں نے یہ حقیقت کشف کی، اس حقیقت کا مجھ پر انکشاف ہوا۔ ان

دونوں جملوں میں بہت فرق ہے کہ یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی اور یہ حقیقت میں نے کشف کی، میں اگر وضاحت نہ بھی کروں تو بھی سننے والے کو صاف فرق محسوس ہو رہا ہوتا ہے کہ کیا کہنا چاہتا ہوں، یہ حقیقت میں نے کشف کی یعنی حقیقت جہاں تھی وہیں رہی لیکن میں اس کی طرف گیا اور میں نے اسے کشف کر لیا۔ کشف کرنا یعنی اس کی راہ میں جو حجاب تھے، اس کی راہ میں جو پردے تھے اور رکاوٹیں تھیں وہ ساری میں نے دور کیں، پردے ہٹا کر میں اس حقیقت تک اور اس راز تک پہنچ گیا۔ بہت ساری چیزیں انسان نے کشف کی ہیں، یہ حقائق تھے کہ جو خدا نے بنائے ہوئے تھے اور صدیوں سے انسان ان حقائق کو نیچے دبا کر اوپر بیٹھا ہوا تھا، اوپر زندگی بسر کر رہا تھا اور دوڑ دھوپ کر رہا تھا۔

یہ تیل زمین کے نیچے تھا اور عرب اوپر اونٹ دوڑاتے تھے، تیل نیچے موجود تھا لیکن وہ اس تک نہیں پہنچ سکے، بعد میں کچھ تعلیم یافتہ لوگ آئے اور انہوں نے زمین کھود کر پردے ہٹائے، ریت ہٹائی یعنی پہلے جہالت کا پردہ ہٹایا پھر زمین کا پردہ ہٹایا، اس زمین کے اندر گھسے اور تیل کشف کر لیا، اس کو کہتے ہیں کہ یہ کشف کیا ہے۔ اسی طرح انسان نے مادی دنیا کے اندر بہت ساری چیزیں کشف کی ہیں مثلاً بہت سارے سیارے، ستارے اور کہکشائیں ایسی موجود ہیں کہ جو آج انسان نے کشف کی ہیں، یہ پہلے بھی موجود تھیں لیکن اندھیروں میں اور کئی ہزار ملین سال دور تھیں لیکن انسان نے دقیق آلات و اوزار بنائے اور ان کی مدد سے انہیں کشف کر لیا۔ انسان نے حقیقتیں کشف کی ہیں، ایجاد نہیں کی ہیں، وہ پہلے سے موجود تھیں لیکن پنہاں تھیں اور ان کے اوپر پردے تھے، طبعی پردے،

کشف کرنے اور انکشاف ہونے میں فرق

عالم طبیعت کے پردے، جسمانیّت و مادیت کے پردے تھے اور انسان نے کوشش کر کے ان کو کشف کیا۔

لیکن کچھ حقیقتیں خود اپنے آپ کو انسان پر پیش کرتی ہیں، یہ کونسی حقیقتیں ہیں کہ جو انسان کے کشف کے انتظار میں نہیں ہیں؟ یہ وہ حقیقتیں ہیں کہ جو انسان کے لئے ضروری ہیں، جن کے بغیر انسان کی زندگی بسر نہیں ہوتی ہے اور اگر انسان ان سے محروم رہے تو ہلاکت میں پڑ جائے گا اور اگر اتنا انتظار کرے کہ خود انسان ان تک پہنچے تو پھر انسان کو ان حقائق تک پہنچنے کے لئے طویل عمر لگے گی یا شاید اصلاً پہنچ ہی نہ سکے، ایسی حقیقتوں کو خود منکشف ہونا پڑتا ہے، خود حقیقت کو انسان کی طرف آنا پڑتا ہے، حقیقت اپنے رخ سے خود حجاب ہٹاتی ہے، خود برسر انسان اور نظر انسان کے سامنے آتی ہے تاکہ انسان کے سامنے آ کر اپنی آرائش کرے اور انسان اس کی طرف توجہ کریں، اس کی طرف جذب ہوں اور اس سے استفادہ کریں، مثلاً سورج انسان نے کشف نہیں کیا ہے، کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہ سورج فلاں کا کشف ہے، یہ کسی سائنسدان، کسی عالم نے کشف نہیں کیا بلکہ سورج خود انسان پر منکشف ہوا ہے یعنی خود حقیقت انسان پر منکشف ہوئی ہے، انسان کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اگر انسان حقیقت کو کشف کرے تو یہ ارتقائے انسان ہے لیکن اگر انسانی زحمت کے بغیر خود حقیقت انسان پر منکشف ہو تو یہ نزول حقیقت ہے اور اسی کو نزول کہتے ہیں۔

کشف کرنے اور انکشاف ہونے میں فرق

۱۵) کتابِ مکنون کا معنی

قرآن مجید نے خود اپنا تعارف سورہ مبارکہ واقعہ میں آیت ۷۷ اور ۷۸ میں اس طرح

کروایا ہے کہ

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ۝

یہ بڑا محترم قرآن ہے۔

فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ۝

جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔

یہ کتاب مکنون میں ہے، مکنون پردے کی جمع ہے، مکنون یعنی پردے میں محبوب چیز، پردے کے پیچھے چھپی ہوئی پنہاں چیز، یہ کتاب مکنون ہے یعنی پنہاں چیز ہے، سادہ تعبیر میں کتاب مکنون سے مراد یہ ہے کہ یہ معمولی انسان کی دسترس سے باہر ہے، جیسے بہت سارے حقائق زمین کے نیچے تھے اور سابقہ نسلوں کی دسترس سے باہر تھے لیکن اس نسل نے ان تک رسائی کی ہے، اسی طریقے سے یہ قرآن حقیقت ہے،

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ۝ فِی كِتَابٍ مَّكْنُونٍ۝

یہ بڑا محترم قرآن ہے۔ جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔

قرآن مکنون میں ہے یعنی پردوں اور حجابوں کے پیچھے ہے، اس حالت میں یہ کتاب مکنون

ہے یعنی دسترس سے باہر کتاب ہے،

لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ (۳۰)

اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

یہ کتاب ہر ایک کی دسترس سے باہر ہے مگر ان لوگوں کی دسترس سے باہر نہیں ہے کہ جن کی تطہیر کی گئی ہے، جنہیں پاک کیا گیا ہے، مطہرون یعنی پاک ہستیاں، پاک ذاتیں، پاک نفوس اور پاک موجودات، پس نزول کے بغیر قرآن ایک حقیقت ہے، ایک حقیقت پنہاں، حقیقت مکنون اور پردوں کے نیچے اس حقیقت تک کسی کی رسائی نہیں ہے،

لَا يَمْسُهُ.....

اس تک کسی کی رسائی نہیں ہے،

إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝

مگر پاکیزہ موجودات کی ہے، شناختہ شدہ موجودات میں ایک ملائکہ ہیں کہ جو پاکیزہ ہیں اور ان کے اندر ایسی کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ جو انہیں قرآن کی حقیقت تک پہنچنے سے روکے البتہ شاید سب ملائکہ بھی نہ ہوں بلکہ ملائکہ مقربین ہوں کہ جن کے بارے میں کہہ سکتے ہیں، مسلم حقیقت ہے کہ ملائکہ مقربین وہ پاکیزہ موجودات ہیں اور ان کی رسائی وہاں تک ہے اور پھر قرآن نے مطہرون کا ایک طبقہ متعارف کرایا ہے، سورہ مبارکہ احزاب آیہ ۳۳ میں ہے کہ

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝

بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہلبیت کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ

کتاب مکنون کا معنی

رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

یعنی کچھ انسان، کچھ نفوس کہ جو اہلبیت علیہم السلام کے عنوان میں آتے ہیں وہ ایسے ہیں کہ خدا نے ان کو پاکیزہ کیا ہے، خدا نے ان کی تطہیر کی ہے کہ جو معلوم ہیں کہ یہ مطہرین پیغمبر اکرم ﷺ اور خاندان پیغمبر اکرم ﷺ ہے، انشاء اللہ فصلِ ادب دوم میں تطہیر کا اور اسی مضمون کا معنی بیشتر ہو جائے گا کہ قرآن کے لئے جس تطہیر کی ضرورت ہے اس سے کیا مراد ہے؟ یہاں اتنا جان لینا ضروری ہے کہ قرآن نے اپنا تعارف خود کروایا ہے کہ یہ حقیقت مکنون تھی اور سوائے مطہرون کے قابل دسترس نہیں تھی۔ مطہرون ملائکہ ہیں یا اہلبیت علیہم السلام ہیں لیکن ادھر سے قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ ناس کے لئے ہدایت ہے،

هُدًى لِلنَّاسِ.....

پھر کہتا ہے کہ یہ ناس کی دسترس سے باہر ہے،

لَا يَمَسُّهُ.....

کوئی مس نہیں کر سکتا ہے، پس یہ کتاب ہدایت ہے لیکن جس طبقے کے لئے ہدایت ہے اس کی دسترس سے باہر ہے کیونکہ یہ مطہرون میں سے نہیں ہے، ہم جیسے لوگ مطہرون میں سے نہیں ہیں یعنی قرآن ایک مکنون، عالی اور بلند حقیقت ہے لیکن جس طبقے کے لئے ہدایت ہے وہ نیچے اور پستی میں ہے، اب یہ طبقہ اس انتظار میں رہے کہ اپنے آپ کو اس حقیقت تک پہنچائے یعنی یا فرشتہ بنے یا مثلاً اہلبیت علیہم السلام کی طرح پاکیزہ ہو جائے تو یہ بھی ممکن نہیں ہے، پس کیا کیا جائے؟ جب انسان ترقی

کر کے اس حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا ہے تو لامحالہ اس حقیقت کو انسان کے سامنے پیش کر دیا جائے
یعنی انسان کتاب مکنون کو کشف نہیں کرے بلکہ کتاب مکنون اپنے آپ کو انسان کے سامنے منکشف
کرے، نمایاں کرے اور کھل کے انسان کے سامنے آجائے اور نزول کا معنی بھی یہی ہے۔

۱۶) لَا يَمَسُّهُ سے مراد

خدا نے قرآن کا یہ قانون مقرر کر دیا ہے کہ

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝

یہ بڑا محترم قرآن ہے۔ جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔ اسے پاک و پاکیزہ
افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

قرآن کا وضو کے بغیر مس ظاہری بھی نہیں کرنا چاہئے، یہ حکم شرعی ہے، نہی کی گئی ہے کہ اگر
آپ کا بدن خبث و حدث سے پاک نہیں ہے تو آپ الفاظ قرآن کو مس نہ کریں لیکن سورہ واقعہ میں
جو فرمایا گیا ہے کہ

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝

اس لَا يَمَسُّهُ سے مراد کتاب کو ہاتھ سے چھونا نہیں ہے بلکہ فہم ہے یعنی فہم ناپاک قرآن کو
مس نہیں کر سکتا ہے، یہ بھی ایک محاورے کی زبان ہے کہ اگر بات دشوار ہو تو کہتے ہیں کہ آپ کی بات
کو ذہن نے چھوا بھی نہیں ہے یا اس مطلب نے چھوا بھی نہیں ہے یعنی یہ مطلب ذہن کی گرفت سے

لَا يَمَسُّهُ سے مراد

باہر ہے، سمجھ جانا ذہن کو چھونا ہے، مس کرنا ہے، مسِ ذہنی، مسِ عقلی، مسِ علمی، مسِ فہم، نہ کہ مسِ جسمانی ہے یعنی انسان پاکیزہ ہی اس کو سمجھ سکتا تھا اور غیر پاکیزہ انسان اس کے تعقل سے اور اس کے فہم سے قاصر تھا لیکن خداوند تبارک و تعالیٰ نے ایک بہت بڑا لطف کہ جو انسانیت اور بشریت پر کیا وہ یہ ہے کہ قرآن یعنی اس حقیقتِ مکنون کو نازل کیا، منکشف کیا اور انسان کی سطح پر لے آیا، چونکہ انسانی فہم کے کچھ اپنے لوازمات ہیں، انسانی فہم کے لوازمات یہ ہیں کہ ایک چیز پہلے فہم کی شکل میں ہو، مفہومی صورت اختیار کرے اور وہ مفہیم بھی لفظی قالب میں، لفظی شکل میں انسان کے سامنے آئیں، جب تک کوئی حقیقت لباسِ مفہوم نہیں پہنتی تو وہ حقیقت ہی ہے اور انسانی رسائی سے باہر ہے یعنی جب تک وہ مفہوم لفظی لباس نہیں پہنتا، لباسِ الفاظ نہیں پہنتا ہے تو اس وقت تک انسان کی فہم سے باہر ہے لہذا قرآن کا نزول ہوا یعنی وہ حقیقتِ مکنون مفہوم بنی اور اس نے معانی کی شکل اختیار کی اور یہ معانی قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ پر اترے البتہ یہ اتارنے کے لئے بیچ میں ایک وسیلہ چاہئے تھا، اس سے حقیقتِ وحی کی طرف ایک ضمنی اشارہ ہوتا ہے، اس موضوع کی طرف ابھی ہم نہیں جاتے لیکن انسان ضمناً متوجہ ہوتا ہے کہ حقیقتِ وحی کیا ہے؟

نزولِ قرآن کی ضرورت

۱۷) نزولِ قرآن کی ضرورت

وحیِ ڈاک پہنچانا نہیں ہے کہ خداوند عالم نے پیغام دیا کہ یہ انسانوں تک لے جائیں، گویا

خود خدا کی معاذ اللہ انسانوں تک رسائی نہیں تھی، اسی آئیہ شہر رمضان کے ذیل میں ہے کہ

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا

لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي..... (۳۱)

اور اے پیغمبر اگر میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں۔ پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں جب بھی پکارتا ہے لہذا مجھ سے طلب قبولیت کریں اور مجھ ہی پر ایمان و اعتماد رکھیں.....

لہذا پہلے ذکر کیا کہ ہم نے قرآن نازل کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ

الَّذِي أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ..... (۳۲)

اے ایمان والو! اللہ، رسول اور وہ کتاب جو رسول پر نازل ہوئی ہے اور وہ کتاب جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہے سب پر ایمان لے آؤ.....

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ

وَالْإِنْجِيلَ ۝ (۳۳)

اس نے آپ پر وہ برحق کتاب نازل کی ہے جو تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور توریت و انجیل بھی نازل کی ہے۔

إِنَّ وَلِيِّ اللَّهِ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ... (۳۴)

بیشک میرا مالک و مختار وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل کی ہے.....

نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ..... (۳۵)

کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے.....

نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ..... (۳۶)

جس پر قرآن نازل ہوا ہے.....

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ..... (۳۷)

با برکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے.....

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِائِلِ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ..... (۳۸)

اے رسولؐ کہہ دیجئے کہ جو شخص بھی جبریلؑ کا دشمن ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ جبریلؑ نے

آپ کے دل پر حکم خدا سے قرآن نازل کیا ہے.....

خدا نے قرآن کو قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل کیا ہے اور جبریلؑ کے ذریعے سے

نازل کیا، بیچ میں واسطے کیوں پڑے ہیں؟ اس وجہ سے کہ ان کے بغیر نزول ممکن ہی نہیں تھا، عام آدمی

کی سطح تک حقیقت کا نزول یعنی حقیقت کا منکشف ہونا اس کے علاوہ ممکن ہی نہیں تھا لہذا نزول کے

لئے بیچ میں واسطہ ضروری تھا، یہ وسائل نزولِ قرآن تھے، جس طرح بعد میں یہی وسائل ارتقائے

انسان بنیں گے پس نزولِ قرآن ہوا یعنی قرآن انسان کی فہم کی سطح تک آگیا ہے۔ اب اگر انسان

اس کو سمجھنا چاہے تو سمجھ سکتا ہے لیکن اس نزول کے بہت سارے لوازمات ہیں، اس کے لئے قلب

چاہئے، ذریعہ چاہئے، واسطہ چاہئے اور دیگر لوازمات کے ساتھ ساتھ ایک چیز جو قرآن مجید نے اس

کیلئے متعارف کروائی ہے وہ یہ ہے کہ نزول کیلئے زمان مناسب چاہئے، یہ قرآن ایک زمان مناسب میں قلب نورانی پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہوا ہے کہ جسے شہر رمضان یا لیلة القدر کہا گیا ہے۔

پس رمضان ماہ نزول قرآن ہے یعنی ماہ فہم قرآن ہے، رمضان میں قرآن سمجھ میں آتا ہے، یہ زمان ضروری ہے، یہ زمان فہم قرآن کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اس ماہ میں انسان کے اندر فہم قرآن کے لئے جو آمادگی پیدا ہوتی ہے وہ ہر زمانے سے بیشتر ہے بلکہ باقی تمام زمانوں کے لئے یہ ضروری ہے، چونکہ قرآن پیغمبر اکرم ﷺ کے قلب نورانی پر لیلة القدر میں نازل ہوا اور پھر تدریجاً جو آیات نازل ہوئیں وہ خارج از رمضان بھی نازل ہوئی ہیں، قرآن تیس سالوں میں نازل ہوا ہے لیکن وہ تیس سالہ نزول رمضان نزول کا نتیجہ ہے یعنی تیس سالہ نزول تدریجی و تفصیلی اس رمضان نزول کا رہن منت ہے۔ یہ پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عام انسان کے لئے بھی ہے چونکہ اب قرآن کو قلب نورانی پیغمبر اکرم ﷺ سے نازل ہونا ہے اور قلب مومن تک آنا ہے، یہ بھی قرآن کا ایک اور تنزل ہے چونکہ قلب نورانی پیغمبر اکرم ﷺ تک تو مومن کی بھی رسائی نہیں ہے۔

لوگوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرز گفتگو

۱۸) لوگوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرز گفتگو

امام صادق علیہ السلام کی حدیث کے مطابق پیغمبر اکرم ﷺ نے کبھی بھی اپنی گُنہ عقل کے

ساتھ لوگوں سے خطاب نہیں کیا،

مَا كَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْعِبَادَ بِكُنْهِ عَقْلِهِ قَطُّ. (۳۹)

رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ بس لوگوں کی عقلوں کی صلاحیت کے مطابق فرمایا

ہے۔

یعنی رسول اکرم ﷺ نے اپنی حقیقت عقل، اپنی عقل کی گہرائی کے ساتھ کبھی بھی انسانوں سے گفتگو نہیں کی ہے چونکہ اس عقل کی گہرائی سے گفتگو ہو تو انسانوں کے پلے نہیں پڑتی بلکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ

إِنَّا مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ أُمِرْنَا أَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلَى قَدْرِ عُقُولِهِمْ..... (۴۰)

بے شک! ہم گروہ انبیاء اس بات پر معمور ہیں کہ ہم لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں.....

یعنی انبیاء علیہم السلام لوگوں کی ذہنی سطح کے مطابق مطالب کو تنزل دیتے ہیں، لوگوں کو چاہئے کہ ہماری ذہنی سطح پر آجائیں لیکن یہ لوگوں کے لئے دشوار ہے پس ہم مطالب کو آسان کرتے ہیں اور لوگوں کے لئے قابل فہم بنا دیتے ہیں لہذا قرآن کا نزول عمومی اور نزول خصوصی ہے، پہلے یہ لوح محفوظ سے یا کتاب مکنون سے قلب نورانی پیغمبر اکرم ﷺ پر آیا اور اب قلب نورانی پیغمبر اکرم ﷺ سے قلوب مومنین تک بھی انہی دو مرحلوں میں آئے گا، ممکن ہے ایک انسان کو قرآن پوری عمر میں جا کر سمجھ آجائے، ممکن ہے چند سال لگ جائیں مثلاً قرآن سمجھتے ہوئے یا قرآن کو اپنی زندگی کا منشور بناتے ہوئے تیس سال لگ جائیں کہ خوانخواہ یہ کام تدریجاً ہوگا لیکن اس کے لئے نزول رضائی و نزول لیلۃ القدر مقدمہ بنے گا، اگر یہ نزول نہیں ہوا تو وہ تدریجی بھی نہیں ہو سکتا ہے، اس لئے

لوگوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرز گفتگو

ماہ رمضان ماہ فہم قرآن ہے۔

۱۹) قرآن فہمی کیلئے آمادگی کی ضرورت

خداوند عالم نے قرآن میں فرمایا ہے کہ

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ..... (۴۱)

پس خدا جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے.....

پھر سورہ انشراح میں فرمایا کہ ہم نے قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ کو آمادہ کیا،

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (۴۲)

کیا ہم نے تیرے لئے تیرے سینے کو کشادہ نہیں کر دیا۔

یعنی ہم نے صدرِ پیغمبر اکرم ﷺ، سینہ پیغمبر ﷺ و قلبِ پیغمبر ﷺ کو قرآن کے

نزول کے لئے آمادہ کیا اور پیغمبر اکرم ﷺ سے بھی فرمایا کہ آپ اپنے آپ کو آمادہ کریں،

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ..... (۴۳)

اے نبی ﷺ آپ اپنے آپ کو آمادہ کریں، رات کی فرصت سے فائدہ اٹھائیں، کیوں؟

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا (۴۴)

ہم عنقریب تمہارے اوپر ایک سنگین حکم نازل کرنے والے ہیں۔ بیشک رات کا اٹھنا نفس کی

پامالی کے لئے بہترین ذریعہ اور ذکر کا بہترین وقت ہے۔

لوگوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرز گفتگو

چونکہ بہت ہی گراں چیز آپؐ کے قلبِ نورانی پہ اترنے والی ہے لہذا اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں چنانچہ خود پیغمبر ﷺ نے بھی اپنے آپ کو آمادہ کیا اور ذاتِ خدا نے بھی آپؐ کو آمادہ کیا، جب قلبِ نورانی پیغمبر ﷺ آمادہ ہو گیا تو یہ حقیقتِ مکنون اس قلبِ نورانی پہ نازل ہو گئی، اب قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ سے مومن کے قلب پہ یعنی میرے اور آپؐ کے قلب پہ یہ قرآن تب اترے گا جب ہم بھی اپنے قلوب کو آمادہ کریں گے، ہم جب تک اپنی فہم کو آمادہ نہیں کریں گے اس وقت تک قرآن تو رہے گا، قرآن کو پڑھیں گے بھی، حافظ بھی بنیں گے اور سب کچھ کریں گے لیکن قرآن نازل نہیں ہوگا، یہ نزول کئے بغیر ہمارے ارد گرد رہے گا اور مہجور و متروک رہے گا لہذا مہجوریت سے نکالنے کے لئے فہم کو آمادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ امور انجام دینے کی ضرورت ہے کہ جن کے ذریعے سے اس قولِ ثقیل کو قبول کرنے کے لئے انسانی فہم آمادہ ہوتی ہے یعنی دوسرے لفظوں میں عام مومنین کو بھی یہی خطاب ہے کہ اے ایمان والو، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا.....

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ.....

آپؐ بھی رات کی فرصت سے فائدہ اٹھاؤ،

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا۝

یہ رات کی فرصت آپؐ کے لئے بہت مناسب ہے، اس فرصت سے اپنے دلوں کو تیار کرو، اپنی فہم کو تیار کرو، کیوں؟ کیونکہ ہم آپؐ کے دلوں میں بھی وہ قولِ ثقیل نازل کرنے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب فہم آمادہ نہیں ہوگی تو یہ قولِ ثقیل کے قابل نہیں ہوگی، غیر آمادہ فہم کے لئے دشوار امور اور

لوگوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرز گفتگو

آسان امور یکساں ہیں چونکہ آمادہ نہیں ہے، دشواری اور آسانی میں فرق ان لوگوں کے لئے یا ان ذہنوں کے لئے ہے کہ جو سمجھنے کے لئے آمادہ ہوں، جن چیزوں سے ہماری فہم آمادہ ہوگی تاکہ قرآن ہماری حد تک، ہماری سطح تک اور ہمارے اندر اتر آئے تو اس کیلئے کچھ اصول و قوانین ہیں اور انہی کا نام ”آداب فہم قرآن“ ہے، ان آداب کے ساتھ ہم اپنی فہم کو آمادہ کر سکتے ہیں کہ یہ نزول مرحلہ دیگر طے کرے اور ان اوراق سے، ان سطروں سے ہمارے دلوں میں اتر آئے یا قلب نورانی پیغمبر اکرم ﷺ سے ہمارے دلوں میں اتر آئے، ہمارے لئے تو یہ لفظی قرآن بھی کتاب مکنوں ہے نہ یہ کہ ہمارے لئے یہ کتاب تنزل یافتہ ہے، ہمیں تو یہ بھی پلے نہیں پڑا اور ابھی اس کی فہم بھی ہمیں حاصل نہیں ہوئی پس بنا براین کہ

لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝

اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

لہذا اس تطہیر کی ہمیں بھی ضرورت ہے، بعض قرآن شناس لوگوں نے زحمت کی ہے اور واقعاً تطہیر قلب کے مراحل کو طے کر کے فہم قرآن کیلئے خود کو آمادہ کیا ہے۔ انشاء اللہ اس فصل کے حصہ دوم میں فہم قرآن کیلئے تدبر کی ضرورت کو مزید اجاگر کیا جائے گا۔

لوگوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرز گفتگو

حوالہ جات

(۱)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۸۵)

(۲)..... (سورۃ مبارکہ واقعہ، آیہ ۷۹، ۷۸، ۷۷)

(۳)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲)

(۴)..... (سورۃ مبارکہ عصر، آیہ ۱، ۲)

(۵)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۵)

(۶)..... (سورۃ مبارکہ فرقان، آیہ ۳۰)

(۷)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۶۰)

(۸)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۶۶)

(۹)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۷۵)

(۱۰)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۹۰)

(۱۱)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۸۸)

(۱۲)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۰۹)

(۱۳)..... (سورۃ مبارکہ ہود، آیہ ۲۷)

(۱۴)..... (سورۃ مبارکہ مومنون، آیہ ۲۴)

(۱۵)..... (سورۃ مبارکہ مومنون، آیہ ۳۳)

(۱۶)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲)

(۱۷)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۸۵)

- (۱۸)..... (سورۃ مبارکہ نحل، آیہ ۱۰۲)
- (۱۹)..... (سورۃ مبارکہ نمل، آیہ ۲)
- (۲۰)..... (سورۃ مبارکہ لقمان، آیہ ۳)
- (۲۱)..... (سورۃ مبارکہ فرقان، آیہ ۱۵)
- (۲۲)..... (سورۃ مبارکہ مریم، آیہ ۶۳)
- (۲۳)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۲۸) (سورۃ مبارکہ قصص، آیہ ۸۳)
- (۲۴)..... (سورۃ مبارکہ نبأ، آیہ ۳۱)
- (۲۵)..... (سورۃ مبارکہ انعام، آیہ ۹۹) (سورۃ مبارکہ رعد، آیہ ۱۷) (سورۃ مبارکہ نحل، آیہ ۱۰)
- (سورۃ مبارکہ نحل، آیہ ۶۵) (سورۃ مبارکہ حج، آیہ ۶۳) (سورۃ مبارکہ فاطر، آیہ ۲۷) (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۲۱)
- (۲۶)..... (المنطق - مظفر، صفحہ ۱۲)
- (۲۷)..... (مفہیم قرآن جلد السادس)
- (۲۸)..... (کتاب مبانی نقد متن الحديث)
- (۲۹)..... (امثال القرآن) (انسان و قرآن، الجزء ۲، صفحہ ۱۲)
- (بحار الانوار، الجزء ۱، صفحہ ۲۲۵) (مصباح الشریعة المنسوب للصادق، الجزء ۱، صفحہ ۵)
- (۳۰)..... (سورۃ مبارکہ واقعہ، آیہ ۷۹)
- (۳۱)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۸۶)
- (۳۲)..... (سورۃ مبارکہ نساء، آیہ ۱۳۶)

(۳۳)..... (سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۳)

(۳۴)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۹۶)

(۳۵)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۷۶)

(۳۶)..... (سورۃ مبارکہ حجر، آیہ ۶)

(۳۷)..... (سورۃ مبارکہ فرقان، آیہ ۱)

(۳۸)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۹۷)

(۳۹)..... (التفسیر الأصفی - الفیض الکاشانی، الجزء ۱، صفحہ ۱۴) (تسہیم تفسیر

قرآن کریم - آیۃ اللہ جوادی آملی مدظلہ) (الکافی - الکلینی، الجزء ۱، صفحہ ۲۸)

(شرح أصول کافی - مولی محمد صالح المازندرانی، الجزء ۲، صفحہ ۷۱)

(بحار الأنوار - العلم العلامة الحجة فخرالامۃ المولی الشیخ محمد باقر

المجلسی، الجزء ۱، صفحہ ۸۵) (سنن النبی - السید الطباطبائی، الجزء ۱، صفحہ ۱۲۱)

(۴۰)..... (الکافی - الکلینی، الجزء ۱، صفحہ ۲۸) (بحار الأنوار - العلم العلامة الحجة

فخرالامۃ المولی الشیخ محمد باقر المجلسی، الجزء ۱، صفحہ ۸۵) (التفسیر

الأصفی، الجزء ۱، صفحہ ۱۴) (تفسیر المیزان، بحث روائی، الجزء ۶، صفحہ

۱۶۴) (سنن النبی - السید الطباطبائی، الجزء ۱، صفحہ ۱۲۱) (تفسیر مجمع

البيان، باب المعنی، الجزء ۶، صفحہ ۱۸۸)

(۴۱)..... (سورۃ مبارکہ انعام، آیہ ۱۲۵)

(۴۲)..... (سورۃ مبارکہ شرح، آیہ ۱)

(۴۳).....(سورۃ مبارکہ اسراء، آیہ ۷۹)

(۴۴).....(سورۃ مبارکہ مزمل، آیہ ۶، ۵)

www.ziaraat.com
jagir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

تمہید

(حصہ دوم)

(۱) دلوں کے لحاظ سے قرآن کے مخاطبین کی اقسام

☆ اولوا الالباب

☆ مہر شدہ سخت دل رکھنے والے

☆ مریض القلوب

(۲) خدا نے قرآن کو آسان بنایا ہے

(۳) فہم کی آمادگی کیلئے مشق کی ضرورت

(۴) تدبر و تفقہ سے خالی قرأت و عبادت

(۵) ثواب مقصدِ قرآن نہیں

(۶) قرآن میں تدبر نہ کرنے کی مذمت

(۷) قرآن میں تعقل کی ضرورت

(۸) اکثریت فہم کیلئے آمادہ نہیں

(۹) قرآن میں تدبر کی تاکید

(۱۰) ماہِ رمضان قرآن فہمی کا مہینہ

(۱۱) قرآن فہمی کیلئے آداب کی ضرورت

قرآن مجید نے خود ہی اپنے مخاطبین کو چند قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ قرآن مخاطب تو سب کیلئے ہے، ہدی للناس ہے لیکن بعض مخاطبین قرآن ایسے ہیں کہ جن کے اندر فہم آمادہ ہے، ان کے اندر ہدایت قبول کرنے اور ہدایت حاصل کرنے کی شرائط موجود ہیں یعنی انہوں نے اپنے اندر یہ شرائط پیدا کی ہیں۔

۱) دلوں کے لحاظ سے قرآن کے مخاطبین کی اقسام

☆ اولوا الالباب

پہلا گروہ ان لوگوں کا ہے کہ جو اولی الالباب ہیں۔

الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ
وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ (۱)

جو بات کو سنا کرتے ہیں اور اس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی صاحبان عقل ہیں۔

یہ لوگ خدا کی آیات اور نشانیوں سے ہدایت لینے کے قابلیت رکھتے ہیں لہذا آیاتِ تدوینیٰ خدا اور آیاتِ تکوینیٰ خدا کن لوگوں کیلئے ہدایت کا سرچشمہ بن سکتی ہیں؟

لأولی الالباب..... (۲)

اولی الالباب کیلئے لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ فلاح پانے کیلئے انہیں بھی تقویٰ اختیار کرنا

ہوگا۔

دلوں کے لحاظ سے قرآن کے مخاطبین کی اقسام

فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (۳)

اے صاحبانِ عقل اللہ سے ڈرتے رہو شاید کہ تم اس طرح کامیاب ہو جاؤ۔

☆ مہر شدہ سخت دل رکھنے والے

قرآن مجید نے دوسرا گروہ ان لوگوں کا ذکر کیا ہے کہ جن کے اندر یہ فہم اور استعداد و صلاحیت مرچکی ہے، سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور یہ ذرہ برابر قرآن سے استفادہ نہیں کر پائیں گے، خداوند تبارک و تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو بھی منع کیا ہے اور روکا ہے یعنی دوسرے لفظوں میں ارشاد کیا ہے کہ آپ اپنی توانائیاں اور اپنا وقت ان پر ضائع نہ کریں،

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ
وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (۴)

ان کے لئے سب برابر ہے، آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر گویا مہر لگا دی ہے کہ نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں اور آنکھوں پر بھی پردے پڑ گئے ہیں، ان کے واسطے آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔

اس لئے کہ ان کے دل بند ہو چکے ہیں، انہیں سمجھانا اور نہ سمجھانا برابر ہے، ان کے سامنے قرآن پیش کرنا اور نہ پیش کرنا برابر ہے یعنی جیسا نتیجہ نہ سمجھانے کا ہے تو سمجھانے کا نتیجہ بھی وہی ہے، نہ سمجھانے کے نتیجے میں انہیں کوئی ہدایت نہیں ملے گی لیکن سمجھانے کے نتیجے میں بھی انہیں کوئی ہدایت

حاصل نہیں ہوگی چونکہ ان کے دل بند ہو چکے ہیں، ان کے دلوں نے حاصل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ قرآن نے ان کے لئے مختلف صفات ذکر کی ہیں، مثلاً ان کے لئے قفل ذکر کیا گیا ہے،

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (۵)

تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی تدبر نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں میں قفل پڑے ہوئے

ہیں۔

یعنی انسان کی دو ہی حالتیں ہیں تیسری کوئی حالت نہیں ہے، بصورتِ قضیہ مانعہ الخلو، منطقی اصطلاح میں بصورتِ مانعہ الخلو یہ ہے کہ غیر ہدایت یافتہ انسانوں نے یا تو قرآن میں تدبر نہیں کیا ہے یا پھر ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

ان کیلئے بعض اوقات قساوت کو بھی ذکر کیا ہے کہ

قُلُوبُهُمْ قَاسِيَةٌ..... (۶)

وَالْقَاسِيَةُ قُلُوبُهُمْ..... (۷)

فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ..... (۸)

فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ..... (۹)

فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا

كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۰)

پھر ان سختیوں کے بعد انہوں نے کیوں فریاد نہیں کی، بات یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہو گئے

☆ مہر شدہ سخت دل رکھنے والے

ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے آراستہ کر دیا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً..... (۱۱)

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے پتھر یا اس سے بھی کچھ زیادہ سخت.....

یہ دل یا فہم کی مختلف حالتیں ہیں کہ جو انسان کے اندر بن جاتی ہیں اور انسان ہدایتِ قرآن

سے محروم رہتا ہے۔

☆ مریض القلوب

تیسرا گروہ ان لوگوں کا ذکر کیا ہے کہ جو بین بین ہیں یعنی جو فہمِ قرآن کے لئے نہ صد در صد آمادہ ہیں اور نہ ہی ابھی اس انتہائی نوبت تک پہنچ چکے ہیں کہ شاید ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہو بلکہ درمیانی حالت میں ہیں، ان کو کہا گیا ہے کہ یہ مریض القلوب ہیں، ان کے دلوں کے اندر مرض ہے،

فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ..... (۱۲)

ان کے دل بیمار ہیں، اگر یہ چاہیں تو علاج بھی ہو سکتا ہے اور اگر چاہیں تو یہ دل اس انجام

تک بھی پہنچ سکتا ہے کہ یہی بیماری ان کے دل کی ہلاکت اور دل کی موت کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

اسی تقسیم کے حوالے سے قرآن مجید نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب ایک آیتِ قرآن نازل ہوتی ہے تو

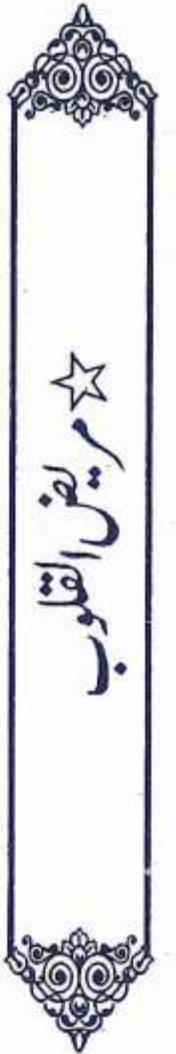
جن کے دلوں میں ایمان ہے یعنی جن کے دل آمادہ ہیں، جن کی فہم آمادہ ہے، ان کے ایمان میں

اضافہ ہو جاتا ہے یعنی ان کے لئے نزولِ آیہ قرآن باعثِ تقویتِ ایمان ہے اور جن کے دل آمادہ

نہیں ہیں، جن کے دلوں میں زلیغ ہے، جن کے دلوں میں زنگ ہے، جن کے دلوں میں ضعف و کمزوری و کجی ہے تو یہی آیہ جب نازل ہوتی ہے تو ان کی گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آیہ کے اندر تو گمراہی موجود نہیں ہے، آیہ نور ہے لیکن یہ نور جب ایک ایسے ظرف کے اندر اترتا ہے کہ جو تیار نہیں ہے اور آلودہ ظرف ہے تو یہ قانون ہے کہ اگر ہم آلودہ چیز کے اندر پاک چیز بھی ڈالیں تو وہ چیز بھی یعنی مظروف بھی ناپاک ہو جاتا ہے۔

ایسا نہیں ہوتا ہے کہ ہم پاک شے کسی ناپاک برتن میں ڈالیں تو وہ برتن بھی پاک ہو جائے بلکہ عموماً وہ شے ناپاک ہو جاتی ہے، مثلاً اگر آپ ایک ٹیالے برتن کے اندر صاف و شفاف پانی ڈالیں تو مٹی نہیں دھلے گی بلکہ پانی ٹیالہ ہو جائے گا یا اگر آپ ایک نجس برتن کے اندر دودھ ڈالیں تو برتن پاک نہیں ہوگا بلکہ دودھ نجس ہو جائے گا۔ یہی تمثیل انسان کے فہم کیلئے بھی ہے کہ اگر انسان کی فہم آلودہ ہو اور اس دل کے اندر قرآن کا نور اتر بھی جائے تو وہ نور قرآن کو آلودہ کر دیتا ہے نہ یہ کہ قرآن اس کے دل کو پاک کر دے گا۔

ظرف و مظروف کا یہ قانون کہ جو عام طور پر طبعی اور مادی عالم کے لئے ہے یہی قانون فہم کیلئے بھی ہے یعنی ظرف و مظروف معنوی کے لئے بھی یہی قانون ہے، اس بنا پر کچھ چیزیں ضروری ہیں تاکہ جس طرح بحث تفسیری میں یہ مطلب بیان ہوا ہے کہ اگر انسان کا دل سخت ہو جائے اور خدا نخواستہ انسان قساوت قلبی کا شکار ہو جائے تو کس طرح سے دل کو نرم کریں؟ کس طرح سے دل میں خشوع پیدا ہو؟ یعنی اگر غیر آمادہ فہم ہو تو اس فہم کو انسان کس طرح آمادہ کرے؟ تاکہ اس کے کچھ پلے



پڑنا شروع ہو جائے، اس فہم سے کچھ سمجھ میں آنا شروع ہو جائے، قرآن کا نور اس کے دل کے اندر اترنا شروع ہو جائے اور اس کا وجود قرآن سے منور ہو جائے لہذا اجمالی طور پر کہیں گے کہ جو چیزیں دل کے اندر خشوع پیدا کرتی ہیں اور قرآن کیلئے فہم کو تیار کرتی ہیں انہی چیزوں کا نام آداب فہم قرآن ہے۔

۲) خدا نے قرآن کو آسان بنایا ہے

قرآن نے سورہ مبارکہ میں متعدد مواقع پر اس نکتے کو بیان فرمایا ہے کہ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝ (۱۳)

اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے، تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا

ہے؟

یعنی قرآن میں پہلے اسرار تھے، اس کے اندر دشواری تھی لیکن خداوند تبارک و تعالیٰ نے انسانیت اور بشریت پر لطف کیا، جہاں بہت سارے الطاف انسان کے شامل حال ہوئے ہیں ان میں سے ایک نزول قرآن یا سہولت قرآن ہے۔ اللہ فرما رہا ہے کہ ہم نے قرآن کو سہل بنایا ہے، یسرنا القرآن یعنی قابل فہم بنایا ہے، چونکہ دوسری طرف سے خود قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ

هُدًى لِلنَّاسِ (۱۴)

یہ تمام بشریت کے لئے ہدایت ہے اور ظاہر ہے کہ فقط قرآن فقط ایک نسل کے لئے نہیں

ہے بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے، نزول قرآن سے لے کر قیامت تک کتاب خاتم ہونے کے لحاظ

خدا نے قرآن کو آسان بنایا ہے

سے و کتاب مہیمن ہونے کے لحاظ سے یہ ہر نسل کے لئے اور ہر عصر کے لئے ہدایت ہے، کوئی خاص طبقہ قرآن کا مخاطب نہیں ہے، اس کتاب کی بشریت کے لئے ہدایت ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ یہ عام بشر کے لئے قابل فہم بھی ہو، اگر قرآن فقط اہل عربی کے لئے قابل فہم ہو اور غیر عربی کے لئے قابل فہم نہ ہو تو یہ غرض ہدایت کے ساتھ سازگار نہیں ہے، یعنی یہ ہدی للناس شمار نہیں ہوتی بلکہ یہ ہدی للعب ہے، اگر قرآن فقط علماء کے لئے قابل فہم ہو اور غیر علماء کے لئے قابل فہم نہ ہو تو یہ پھر بھی ہدی للناس نہیں ہے بلکہ ہدی للعلماء ہے چونکہ ناس عامۃ الناس کو کہتے ہیں اور عامۃ الناس میں ظاہر ہے کہ وہ تخصص موجود نہیں ہوتا ہے کہ جو عربی دان طبقے میں ہے یا اہل علم میں ہے، اس لئے قرآن مجید کو خداوند تبارک و تعالیٰ نے آسان کیا اور چند آیات میں اس کو تکرار کیا ہے۔

خدا نے قرآن کو آسان بنایا ہے

قرآن کو مجہوریت سے نکالنے کے لئے خداوند متعال نے انسانوں پر یہ لطف کیا ہے کہ قرآن کو ہمارے لئے آسان کر دیا ہے لیکن بعض لوگ کوشش میں ہیں کہ برعکس کام کریں، خدا نے جتنی کوشش کی البتہ خدا کے کاموں کے لئے کوشش تو نہیں کہہ سکتے ہیں یعنی خدا نے ہم پر یہ لطف کیا، یہ عنایت و رحمت کی کہ ہم پر قرآن کو آسان بنا کر پیش کیا، اب کچھ لوگ مشغول ہیں کہ قرآن کو دوبارہ مشکل بنائیں، اتنا مشکل بنائیں کہ پھر فرشتوں ہی کی سمجھ میں آئے۔ خدا کہہ رہا ہے کہ ہم نے آسان کیا ہے لیکن لوگ اس کے جواب میں اسے اتنا مشکل بنانے میں مشغول ہیں کہ پھر یہ کسی کو سمجھ میں نہ آئے اور اس کو کتاب مکنون سے بھی بالاتر کسی جگہ پر پہنچا دیں۔

دوسرے لفظوں میں یسرنا القرآن نزول کی تفسیر ہے، جب کہا کہ



إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ..... (۱۵)

ہم نے قرآن نازل کیا ہے، کیا مطلب کہ نازل کیا ہے؟ یعنی نہ کہ یہ آسمان پہ تھا اور اس کو اب زمین پر لے آئے ہیں یا کسی فلک پہ تھا اور اس کو اب کسی دوسرے فلک پہ منتقل کیا ہے یا کسی مکانِ بلند پہ تھا اور اس کو ہم نے اب مکانِ ادنیٰ میں منتقل کیا ہے، نزولِ جسمانی نہیں ہوا ہے بلکہ نزول کا معنی یہ ہے کہ پہلے یہ انسان کی دسترس سے باہر تھا لیکن اب ہم نے اسے انسان کی دسترس میں قرار دیا ہے،

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِیْ كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ (۱۶)

یہ بڑا محترم قرآن ہے۔ جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔ اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

یہ دسترسِ انسان سے باہر تھا، پھر فرمایا کہ

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۱۷)

یعنی خدا نے اس کو نازل کیا، کس طرح سے نازل کیا؟

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ.....

یہ تنزیل کی تشریح ہے یا نزول کی وضاحت ہے کہ ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے یعنی قابلِ فہم بنا دیا ہے، چونکہ پہلے یہ کتابِ مکنون تھی، یہ غیر مفہومی حقیقت تھی اور یہ قرآن غیر لفظی تھا لیکن ہم نے اسے انسان کی فہم کی سطح تک پہنچا دیا ہے یعنی ان حقائق کو ہم نے مفہوم کا جامع پہنایا ہے اور

خدا نے قرآن کو آسان بنایا ہے

ان مفہیم کو بھی الفاظ کی شکل دی ہے، پس قرآن کو خداوند تبارک و تعالیٰ نے اس قابل بنادیا ہے کہ انسان کے لئے قابل فہم ہو جائے لیکن دوسری طرف سے انسان کی فہم کو بھی آمادگی کی ضرورت ہے۔

۳) فہم کی آمادگی کیلئے مشق کی ضرورت

اگرچہ فہم انسان میں پیدائشی طور پر نہ صرف قرآن بلکہ بہت سارے غیر قرآنی معارف کو بھی درک کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے یعنی قابلیت بالفعل نہیں ہوتی ہے لیکن خدا نے انسان کے اندر ایسی طاقت یا قوت رکھی ہوتی ہے کہ اگر انسان چاہے تو اس کی تکمیل کر کے ایسے مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ وہ ان معارف، ان مطالب اور ان معارف کو درک کر سکے، ہر فہم ہر قسم کے مطلب کو سمجھنے کے قابل نہیں ہوتی بلکہ اس فہم کو جسمانی صلاحیتوں کی طرح آمادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مثلاً انسان کے بدن میں جسمانی صلاحیتیں فراواں ہیں لیکن سارے اجسام ہر کام کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے ہیں مخصوصاً اگر ہم ایسے جسمانی کاموں پر نظر رکھیں کہ جن کو کرنے کیلئے لوگ معمول سے ہٹ کر اور مشق کر کے اپنے بدن کو تیار کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد محیر العقول کام سرانجام دیتے ہیں مثلاً اگر جمپ لگانا ہے، بغیر سہارے رسی پر چلنا ہے یا کوئی بھاری وزن اٹھانا ہے تو اسی معمولی جسم کے ساتھ انسان یہ امور انجام نہیں دے سکتا ہے لیکن اسی جسم کو جب آمادہ کیا جائے، مشق کراوائی جائے، ریاضت کراوائی جائے اور تیار کروایا جائے تو یہی جسم وہ کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نفس انسان اور روح انسان بھی ہے، جسمانی صلاحیتوں کی طرح روحانی

طاقتیں اور صلاحیتیں بھی انسان کے اندر ہیں، ان کے اندر بھی کبھی آمادگی موجود نہیں ہوتی ہے لیکن اگر انہیں آمادہ کیا جائے، تیار کیا جائے تو اس آمادگی کے بعد انسان انہی کاموں کو کرنے کے قابل ہو جاتا ہے کہ جن کیلئے پہلے تیار اور آمادہ نہیں تھا۔ ایسے کام بہت سارے ہیں کہ جن کے لئے ہمیں کہا گیا ہے کہ اپنے آپ کو آمادہ کرو، تیار کرو، اگر آپ بغیر آمادگی کے اس مرحلے میں پہنچ گئے تو ضرر اور نقصان ہے، مثلاً عرصہ غیبت کبریٰ میں اور انتظار کے زمانے میں فریضہ انتظار یہ ہے کہ اپنے آپ کو آمادہ کرو، انتظار یعنی تیاری کا زمانہ، آمادگی کا زمانہ، اگر بغیر آمادگی کے ظہور ہو جائے، غیر آمادہ قوم کے اندر، غیر آمادہ امت کے اندر ظہور ہو جائے کہ جیسے سابقہ امتوں میں ایسا اتفاق رونما ہوا ہے مثلاً بنی اسرائیل کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا عظیم رہبر آیا درحالیکہ بنی اسرائیل اس کے لئے آمادہ اور تیار نہیں تھے، غیر آمادہ قوم میں اگر ایک نبی اور معصوم بھی آجائے تو کام آگے نہیں بڑھتا ہے، اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام نے جب اقتدار حکومت سنبھالا تو اس وقت قوم آمادہ نہیں تھی، اس رہبر کی رہبری کے لئے امت تیار نہیں تھی یا ایسے اور بہت سارے دیگر تاریخی واقعات ہیں کہ جیسے کوفہ ایک شہرہ عالم مثال ہے کہ کوفہ کے لوگوں نے اپنے امام کو بلایا، رہبر کو بلایا لیکن آمادہ نہیں تھے، آمادگی کے بغیر طلب کر لیا، آمادگی کے بغیر اس کی طرف دعوت نامہ ارسال کر دیا۔

غیر آمادہ لوگوں کو اگر کوئی چیز میسر آ بھی جائے تو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں اور وہ چیز یقیناً ان کے ہاتھ سے زائل و ضائع ہو جاتی ہے بلکہ ممکن ہے کہ غیر آمادہ طبقہ زیادہ نقصان کرے۔ اسی طرح قرآن مجید کے لئے ہے، اگرچہ قرآن کے نزول کے لئے اُس طرف سے جتنی سہولت و آسانی

ممکن تھی وہ انجام دی گئی ہے یعنی قرآن کو مرتبہ مکننہ سے، مقام لدن سے، مقام علیم و حکیم سے اور لوح محفوظ سے نازل کیا گیا ہے، یہ تعبیریں خود قرآن کی ہیں کہ قرآن پہلے یہاں تھا یا بالامرتبہ قرآن یہ تھا اور وہاں سے اسے نازل کیا گیا ہے، پھر ارشاد ہوا کہ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ.....

ہم نے قرآن کو آسان، سادہ اور عام فہم بنایا ہے یعنی قرآن کو آسان کیا گیا ہے لیکن دوسری طرف سے فہم انسان کو بھی ان مطالب کو درک کرنے کے لئے آمادہ ہونا چاہئے، جیسا کہ قرآن مجید نے اول مقصد بھی یہی ذکر کیا ہے کہ قرآن کو فہم کی ضرورت ہے یعنی انسان قرآن کو سمجھے، صرف قرآن کا موجود ہونا کافی نہیں ہے یا کوئی بھی کام کہ جو انسان قرآن کے حوالے سے انجام دیتا ہے اگر ان کے اندر فہم کا عنصر شامل نہ ہو تو وہ چنداں مفید نہیں ہیں۔

مدبر و تفقہ سے خالی قرأت و عبادت

۴) تدبر و تفقہ سے خالی قرأت و عبادت

انسان تلاوت و قرأت قرآن کرتا ہے لیکن اگر انسان کے اندر فہم و تدبر نہ ہو تو اس کی فضیلت کی نفی کی گئی ہے اور بعض اوقات سرے سے اس کی افادیت کی نفی کر دی گئی ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، یہ حدیث امیر المومنین حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ

أَلَا لَا خَيْرَ فِي قِرَاءَةٍ لَا تَدْبُرُ فِيهَا..... (۱۸)

آگاہ رہو! جس قرأت میں تدبر نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

یعنی ایسی قرآن خوانی کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ جس کے اندر تدبر موجود نہ ہو، یہ احادیث معصومین علیہم السلام سے منقول ہیں اور متعدد مضامین کے ساتھ ہیں، فرمایا کہ اس قرأت اور قرآن خوانی کے اندر کوئی خیر نہیں ہے یعنی کوئی کمال نہیں ہے، بے شک وقت صرف کرنا ہے، ٹائم پاس ہوگا، وہ سرگرمی ہے اور ممکن ہے اس کے بہت سارے فائدے بھی حاصل ہو جائیں لیکن خیر کوئی بھی نہیں ہے، ہم کتنے قرآن ختم کر کے پھر یہ سمجھتے ہیں کہ اتنی خیر ہے کہ ہم سے بھی زیادہ ہے اور مردے کو بھی بھیجتے ہیں کہ یہ سارا خیر اس مردے کو مل جائے کہ جو اس کے اندر ہے، قرآن خوانی میں عموماً مدرسے کے طالب علموں کو قرآن پڑھنے کے لئے لے آتے ہیں اور ویسے گنیز بک (Guinness Book) کے مطابق عالمی ریکارڈ تو سات منٹ میں سپارہ پڑھنا ہے لیکن یہ جو ختم قرآن میں پڑھتے ہیں یہ تین منٹ سے بھی کم میں سپارہ پڑھتے ہیں بلکہ پڑھتے نہیں ہیں صرف ورق گردانی کرتے ہیں، پھر اس کے بعد بڑے خلوص کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ یہ جو قرآن خوانی ہوئی ہے اس کا ثواب مردے یا مرحوم کو پہنچے لیکن جو حرکتیں انہوں نے قرآن پڑھتے ہوئے کی ہیں، یہ سب کچھ جو انہوں نے کیا ہے اگر یہ مردے تک پہنچ جائے تو وہ تو تڑپ جائے گا، یہ تو حکمتِ خدا ہے کہ اس تک یہ سب کچھ نہیں پہنچتا ہے۔

آپ نے ایصالِ ثواب کرنا ہے تو ایک سورہ فاتحہ کیلئے کسی کو بلاؤ کہ جو آپ کے لئے اس کی تفسیر کرے، آپ سے تدبر کروائے اور دوسروں کو بھی متوجہ کرے، مردہ بھی اس سے بہرہ مند ہو اور زندہ بھی چونکہ جو چیز زندوں کے کام نہیں آسکتی ہے وہ مردے کے کام آئے گی؟ قرآن زندوں

کے لئے نازل ہوا ہے، نہ کہ مُردوں کے لئے، لہذا اس قرآن خوانی سے حاصل کچھ بھی نہیں ہوگا کہ جس میں تدبر نہ ہو یعنی خیر سے خالی تلاوتیں، خیر سے خالی قراتیں، خیر سے خالی شپینے، خیر سے خالی قرآن خوانیاں اور خیر سے خالی ختم قرآن۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سات دن سے پہلے قرآن ختم نہ کرو، کیوں؟ اس لئے کہ خود قرآن نے کہا ہے کہ

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً (۱۹)

اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر باقاعدہ پڑھو۔

تدبر و تفقہ سے خالی قرات و عبادت

قرآن کے اندر تدبر کرو، ظاہر ہے کہ اس کیلئے فرصت کی ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ قاریوں نے قرآن پڑھنے کے آداب لکھے ہیں کہ جو تلاوت قرآن سے متعلق ہیں اور وہ آداب الفاظ کے ذریعے سے ہیں کہ مثلاً یہاں وقفہ ہے، یہاں پر وقفہ لازم ہے، یہاں سکتہ ہے، یہاں سانس ٹوٹنی چاہئے، یہاں سانس جوڑنی چاہئے، ان میں ساری توجہ سانس کی طرف ہوتی ہے، بعد میں موانع فہم بھی تحریر میں لائیں گے، ان موانع فہم میں سے ایک یہی چیز ہے یعنی مخرج اور یہ امور کہ جن کے لئے ابھی قرآن میں زیادہ حساسیت پیدا ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ جب انسان سانس کے چکر میں پڑا ہوا ہو کہ کہاں روکوں؟ کہاں چھوڑوں؟ تو معنی کی طرف تو توجہ نہیں جاتی ہے، جتنی بھی سانس ہے وہ جہاں رکتی ہے روک دو، اصل وقفہ کہاں کرو؟ معنی پر وقفہ کرو، کچھ معانی ایسے ہیں کہ جہاں رک جاؤ، وقف یعنی ٹھہر جاؤ، یہ مقام گزرنے کا نہیں ہے، یہاں تامل، تعقل، تدبر اور غور و فکر کرو، اس طرح سے

فر فر پڑھ جانا مطلوب نہیں ہے۔ یقیناً اس طرح ثواب بھی کم ہے یا کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح فر فر پڑھنے کا بہت محدود ثواب ہے، قرآن کو تدبر کے ساتھ پڑھو تو ثواب بھی بیشتر ہے اور اس کا مقصد بھی حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ

لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَا فِقْهَ فِيهَا..... (۲۰)

اس عبادت کا کوئی فائدہ نہیں جس میں تفقہ نہ ہو۔

فقہ بھی فہم کے معانی میں ہے اور یہ قرآن مجید کی اصطلاح ہے، روایت دیگر حضرت امام

زین العابدینؑ سے ہے کہ

آيَاتُ الْقُرْآنِ خَزَائِنُ الْعِلْمِ..... (۲۱)

قرآن کی آیتیں خزانوں کی حیثیت رکھتی ہیں یعنی ہر آیت قرآن اپنی جگہ خزانہ ہے، اسی

مضمون کو دیگر الفاظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے مثلاً

إِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَهْرًا وَ بَطْنًا وَ لِبَطْنِهِ بَطْنًا إِلَى سَبْعَةِ أَبْطُنٍ..... (۲۲)

بیشک قرآن کیلئے ظاہر ہے اور باطن ہے اور ہر باطن کیلئے باطن ہے، یہاں تک کہ سات

باطن ہیں۔

اسی طرح فرمایا گیا ہے کہ ستر باطن ہیں،

إِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَهْرًا وَ بَطْنًا وَ لِبَطْنِهِ بَطْنًا إِلَى سَبْعَةِ أَبْطُنٍ أَوْ إِلَى سَبْعِينَ

بَطْنًا..... (۲۳)

بیشک قرآن کیلئے ظاہر ہے اور باطن ہے اور ہر باطن کیلئے باطن ہے، یہاں تک کہ سات باطن ہیں یا ستر باطن ہیں.....

قرآن کی ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کے ماوراء ایک اور حقیقت ہے اور اس حقیقت کے ماوراء ایک حقیقت دیگر ہے، اب یہ انسان کی توفیق ہے کہ ان درجات یا ان حقیقتوں تک اپنے آپ کو کیسے پہنچا سکتا ہے، آیات قرآن علم کے خزانے ہیں لیکن یہ خزانہ بند ہے،

آيَاتُ الْقُرْآنِ خَزَائِنُ الْعِلْمِ فَكُلَّمَا فُتِحَتْ خَزَانَةٌ فَيَنْبَغِي لَكَ أَنْ تَنْظُرَ

فِيهَا.....

قرآن کی آیات علم کے خزانے ہیں پس جب خزانے کی جگہ کھل جائے تو سزاوار یہ ہے کہ تم

ان پر نظر کرو۔

یعنی انسان جب تلاوت کر رہا ہوتا ہے تو یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے ایک صندوق ہو کہ جس کے اندر قیمتی جواہر قیمتی موتی موجود ہوں لیکن وہ صندوق بند ہو اور انسان کے پاس اس کی چابی نہ ہو لہذا اس صندوق کا اس انسان کو کوئی فائدہ نہیں ہے یا قرآن ایک معدن کی طرح ہے کہ اس معدن کے اندر بہت قیمتی دھاتیں موجود ہیں لیکن اس معدن کے نیچے جانے کے لئے انسان کے پاس کوئی راستہ موجود نہیں ہے تو انسان کیلئے ایسی معدن کا یا اس سے سروکار رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے،

امیر المومنین حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ

مدبر و تفقہ سے خالی قرأت و عبادت

تَدَبَّرُوا آيَاتِ الْقُرْآنِ وَ اعْتَبِرُوا بِهِ فَإِنَّهُ أُبْلَغَ الْعِبَرِ..... (۲۴)

قرآن مجید کی آیات میں تدبیر کرو اور ان کے ذریعے عبرت لے لو بے شک یہ سب سے

زیادہ عبرت والی ہیں۔

۵) ثواب مقصد قرآن نہیں

آغاز کتاب میں یہ بتانا ضروری ہے کہ بعض کام قرآن مجید کی طرف رغبت بڑھانے کے لئے پیش کئے گئے ہیں، ہمیں ان کاموں میں رغبت اور مقصد قرآن میں فرق معلوم ہونا چاہئے، دائماً ہم کسی حال میں بھی اس سے غفلت نہ برتیں از جملہ ثواب ہے کہ آپ آیات قرآن پڑھیں، آپ ختم قرآن کریں، آپ حفظ قرآن کریں اور قرآن کے حوالے سے جتنے اعمال ہیں وہ انجام دیں کہ جن کے بارے میں فضیلت ذکر کی گئی ہے اور ثواب ذکر کیا گیا ہے لیکن ثواب مقصد قرآن نہیں ہے۔ قرآن کی طرف لانے کے لئے ثواب ایک رغبت ہے، اس کو متعدد دفعہ مومنین کے سامنے اور عوام کے سامنے ذکر کیا ہے، چونکہ اس میں سبھی گرفتار ہیں، خواص بھی اور عوام بھی، سب ہی اس کی حدود کی برہمی کا شکار ہوئے ہیں، امور اپنے اپنے مقام پر نہیں ہیں بلکہ درہم برہم ہو گئے ہیں، ان کی حدود آپس میں مکس (Mix) ہو گئی ہیں اور ان میں ملاوٹ ہوئی ہے۔

کچھ چیزیں ایسی ہیں جو اصل مقصود ہیں اور انسان کو اس مقصود کی طرف لانے کے لئے کچھ

رغبتیں ایجاد کی جاتی ہیں، رغبتیں بھی ان لوگوں کے لئے ایجاد کی جاتی ہیں کہ جن کو معرفت نہ ہو چونکہ

انسان قرآن کی طرف یا حقائق کی طرف دو محرکات کے تحت آتا ہے، اول یہ کہ انسان بالغ ہے، کمال یافتہ انسان ہے اور معرفت اس کے لئے کافی ہے۔ علم و معرفت انسان کو اس حقیقت تک لے آتی ہے اور غیر از معرفت کوئی محرک دیگر انسان کو نہیں چاہئے۔ دوسرا محرک رغبت ہے یعنی بعض انسان ایسے ہیں کہ نہ ان کے پاس معرفت ہے یا معرفت ہے لیکن کافی نہیں ہے اسی لئے ایسی رکاوٹوں میں اور موانع میں مبتلا ہوتے ہیں کہ فقط حقیقت کا جان لینا اور کشف ہو جانا ان کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ان کے اندر اس سے زیادہ جاذبہ، کشش اور رغبت موجود ہوتا کہ یہ اس حقیقت تک پہنچ جائیں مثلاً بڑے اور بالغ انسان خود علم حاصل کرنے جاتے ہیں، کلاسوں میں، مدرسوں میں اور درسوں میں جاتے ہیں، خود کتابیں پڑھتے ہیں اور انہیں رغبت دلانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے لیکن چھوٹے بچوں کو والدین جب اسکول بھیجتے ہیں تو انہیں کلاسوں میں اور مدرسوں میں ہزار رغبتوں کے ساتھ بھیجتے ہیں، کبھی انہیں کوئی کپڑے خرید کر دیتے ہیں، کبھی انہیں جوتے خرید کر دیتے ہیں، کبھی انہیں کھانا خرید کر دیتے ہیں اور کبھی انہیں کھلونا خرید کر دیتے ہیں، یہ ثواب ہیں۔

اگر ہم ثواب کو تمثیل کے ساتھ پیش کریں تو کہیں گے کہ ثواب رغبت کے طور پر ہے یعنی نابالغ انسان جو معرفت نہیں رکھتا ہے جیسے بچہ ہے کہ اسے علم کی معرفت نہیں ہے، اسکول کی معرفت نہیں ہے، کتاب کی معرفت نہیں ہے کہ اس معرفت کے ساتھ اسکول جائے بلکہ وہ رغبتوں کی وجہ سے اسکول جاتا ہے، اگر یہ رغبتیں بچ میں سے ہٹا دی جائیں تو یہ ایک دن بھی جانے کے لئے حاضر نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو بالغ انسان ہیں جیسے امیر المومنین علیہ السلام بالغ انسان ہیں ان کا یہ فرمانا ہے کہ

مَا عَبَدْتُكَ خَوْفًا مِنْ نَارِكَ وَلَا طَمَعًا فِي جَنَّتِكَ وَلَكِنْ وَجَدْتُكَ أَهْلًا
لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُكَ..... (۲۵)

میں نے تیرے جہنم کے خوف سے اور جنت کی لالچ میں تیری عبادت نہیں کی لیکن تجھے
عبادت کا اہل پایا تو تیری عبادت کی.....

کیونکہ میں عبدِ الہی ہوں، میں خدا کی نعمتوں کا بندہ نہیں ہوں یعنی رغبتیں اور نعمتیں مجھے خدا
کی طرف لے کر نہیں آتی ہیں، خدا نے مجھے نعمتوں کی طرف متوجہ کیا ہے نہ کہ نعمتوں نے مجھے خدا کی
طرف متوجہ کیا ہے لہذا فرمایا کہ اگر جنت اور جہنم نہ بھی ہو تو بھی علیؑ کی عبادت میں ذرہ برابر کوئی فرق
نہیں پڑے گا چونکہ علیؑ نابالغ انسان ہیں اور عبادت خدا کے لئے معرفتِ خدا کافی ہے۔

لیکن ہم نابالغ بچوں کی طرح ہیں، روزہ تب رکھتے ہیں کہ جب روزے کے فراواں
فضائل بیان کئے جائیں، فضائل سے مراد مادی اور معنوی رغبتیں ہیں، جنت کی نعمتیں اور دنیا کی نعمتیں
جب بتائی جائیں تو روزے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں مثلاً روزہ رکھنے سے جسم میں خون کنٹرول ہوتا ہے،
شوگر کنٹرول ہوتی ہے اور جسم میں یہ اچھے اثرات پڑتے ہیں تو پھر ہم روزہ رکھتے ہیں یا مثلاً جب یہ کہا
جائے کہ روزہ رکھو تو بہشت میں یہ نعمتیں ملیں گی تو پھر روزہ رکھتے ہیں لیکن اگر ہمیں یہ کہا جائے کہ
روزہ رکھو یا نہ رکھو ہمیں جنت میں تو جانا ہی جانا ہے تو پھر کوئی بھی روزہ نہیں رکھے گا چونکہ ہمارا روزہ
رغبت کے لئے ہے، اس مقصود کے لئے روزہ نہیں ہے، یہ ہمارے عدمِ بلوغ کی علامت ہے لہذا
کثرت سے قرآن کی تلاوت اور قرآن کی آیات کے بارے میں ثواب ذکر کیا گیا ہے تاکہ لوگ

رغبت کریں۔

ہم ثواب کے متوالے اور دلدادہ ہیں اور قرآن کے ذریعے سے ثواب کمانا چاہتے ہیں، خدا کو ثواب کے ذریعے سے قرآن تک پہنچانا مقصود تھا نہ کہ قرآن کے ذریعے سے ثواب تک پہنچانا یعنی ثواب مقصد قرآن نہیں ہے بلکہ ثواب کا مقصد قرآن ہے۔ اس لئے ثواب رکھا گیا ہے کہ انسان رغبت پیدا کرے اور قرآن کی طرف آئے لہذا قرآن کو دیکھنے کا بھی ثواب ہے کہ مثلاً جو کسی وجہ سے دیکھ نہیں سکتا ہے تو اس کا بھی ثواب ہے کہ وہ آکر دیکھے یعنی قرآن کسی انسان کو لا تعلق نہیں رکھنا چاہتا ہے، ذاتِ خدا نے کسی انسان کو قرآن سے لا تعلق نہیں رہنے دیا لہذا کوئی بہانہ نہ کرے کہ مجھے قرآن پڑھنا نہیں آتا تھا۔ اگر آپ کو پڑھنا نہیں آتا ہے تو آپ سنیں، اگر کوئی کہتا ہے کہ میں سن بھی نہیں سکتا ہوں تو آپ دیکھیں یعنی لا تعلق کے لئے خدا نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ بالآخر ان رغبتوں کی وجہ سے جب انسان قرآن کی طرف آتا ہے یا کسی بھی وجہ سے آجاتا ہے تو وہ حقیقت انسان پر اپنا اثر چھوڑتی ہے۔

اکثر مومنین کو اسی مطلب کو سمجھانے کے لئے یہ مثال بھی دی ہے کہ بچوں کی عمر میں ایک ضدی زمانہ آتا ہے۔ جب بچہ ڈھائی تین سال کا ہوتا ہے تو اس کی ضد کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے، اس کے اندر ایک فکرِ استقلال آ جاتی ہے کہ وہ اپنا ہر کام خود کرنا چاہتا ہے اور امر و نہی برداشت نہیں کر سکتا ہے، آپ نے اور ہم سب نے یہ زمانہ گزارا ہوا ہے، اگر اپنا یاد نہیں ہے تو دوسروں کو دیکھ کر معلوم ہوگا کہ ہم بھی بچپن میں ایسے ہی تھے، مثلاً ایک چیز کہ جس میں ضد کرتا ہے وہ یہ ہے کہ کھانا نہیں کھاتا ہے

ثواب مقصد قرآن نہیں

یاد دودھ نہیں پیتا ہے اور ماں کو معلوم ہے کہ اگر دودھ نہیں پئے گا تو یہ کمزور ہو جائے گا، مریض ہو جائے گا یا اینکه دودھ میں اس کی حیات ہے، دودھ میں اس کی بقاء ہے لیکن یہ ضد کرتا ہے اور دودھ کی طرف نہیں آتا ہے، ماں اس کو کھلونے کا وعدہ دیتی ہے کہ تم دودھ پیو اور میں تمہیں کھلونا دوں گی اور وہ کھلونے کی وجہ سے دودھ پیتا ہے، اسی لمحے اگر اس بچے سے پوچھیں کہ دودھ کیوں پیتے ہو؟ تو وہ کہے گا کہ کھلونے کی خاطر پیتا ہوں، ماں سے پوچھیں کہ ایسا کیوں کر رہی ہو؟ کھلونا کیوں دے رہی ہو؟ تو وہ کہے گی کہ دودھ کی خاطر، یعنی بچے کی نظر میں کھلونا ہدف ہے اور دودھ پینا ذریعہ ہے لیکن ماں کے نزدیک کھلونا ذریعہ، کشش اور رغبت ہے اور دودھ پلانا مقصد ہے۔

ہم قرآن کی طرف ثواب کی خاطر آئے ہیں لیکن خدا نے اس لئے ثواب رکھا ہے کہ ہم قرآن کی طرف آئیں اور قرآن کا اصل ہدف یہ ہے کہ اس کو سمجھیں اور اسے اپنی زندگی کا منشور قرار دیں۔

۶) قرآن میں تدبیر نہ کرنے کی مذمت

قرآن کی آیات خزانہ ہیں اور ان خزانوں کو فہم و تعقل و تدبیر کی ضرورت ہے، آیات کریمہ میں اس نکتے کو ذکر کیا گیا ہے کہ آیات قرآن کو فہم کی ضرورت ہے یعنی انسان قرآن کو سمجھے، فقط قرآن کا ہونا یا پڑھ لینا، فہم سے خالی تلاوت، فہم سے خالی عبادت یا فہم سے خالی قرأت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ سورہ محمد ﷺ میں کہ جو پیغمبر اکرم ﷺ کے نام گرامی پر موسوم ہے ان لوگوں کی مذمت کی گئی

ہے کہ جو قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں، فہم نہیں کرتے ہیں اور غور و فکر نہیں کرتے ہیں۔ سورہ مبارک

محمد کی آیہ (۲۳) اور (۲۴) میں ہے کہ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ۝

یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور ان کے کانوں کو بہرا کر دیا ہے اور ان کی

آنکھوں کو اندھا بنا دیا ہے۔

یعنی پہلے ان لوگوں کا ذکر کر کے، ان کے اعمال کا تذکرہ کر کے پھر فرمایا کہ ان پر خدا کی

لعنت ہے اور لعنتِ خدا یہ ہے کہ یہ محروم ہیں۔ قرآن میں لعن در مقابلہ رحمت ہے، رحمت یعنی خدا نے

اپنی نعمتیں ان کو عطا کی ہوئی ہیں اور لعنت یعنی اپنی نعمتیں ان سے روکی ہوئی ہیں، انہیں محروم رکھا ہوا

ہے، اس محرومی کی ایک علامت یا اس کا ایک مصداق یہ ہے کہ

فَأَصَمَّهُمْ.....

خدا نے ان کو بہرا قرار دیا ہے، یہ آواز سنتے ہیں لیکن اس آواز کے نتیجے میں جو پیغام ہے

اسے نہیں سمجھتے ہیں مثلاً آوازِ قرآن سنتے ہیں، آیات کی آواز ان کے کانوں میں پڑتی ہے لیکن پیغام

قرآن ان کے اندر منتقل نہیں ہوتا ہے،

وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ۝

اور خدا نے ان کی آنکھیں اندھی قرار دی ہیں، پھر آیہ ۲۴ میں فرمایا کہ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝

تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی تدبر نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں میں قفل پڑے ہوئے ہیں۔

روایت میں آیا ہے کہ

رُبَّ تَالِ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهُ..... (۲۶)

بہت سارے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں جن پر خود قرآن لعنت کرتا ہے۔

غور کیجئے کہ قرآن ان پر لعنت کر رہا ہے حالانکہ یہ قاری قرآن ہیں۔ ایک اور روایت

قرآن ہی کے حوالے سے ہے کہ جہنم میں سخت ترین عذاب ان لوگوں کو ملے گا کہ جو حامل قرآن ہیں یعنی جن کو قرآن حفظ ہے یا قرآن پڑھتے ہیں لیکن قرآن میں غور و فکر و تدبر اور عمل نہیں کرتے ہیں، چونکہ فہم مقدمہ عمل ہے، جیسے عرض ہوا تھا کہ قرآن منشور حیاتِ انسان ہے یعنی حیات کا عملی منشور ہے اور اس پر عمل ہونا چاہئے، عمل کا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن میں فہم ہو، فہم بھی مقصدِ اصلی نہیں ہے کہ اگر ہم نے قرآن کو سمجھ لیا تو حق ادا کر دیا، فہم کے بعد اس منشور کو اپنی زندگی میں عملی بھی کرنا ہے، پس فہم ایک مقدمہ ہے۔

مقدمہ ہے۔

۷) قرآن میں تعقل کی ضرورت

سورہ زخرف میں بھی قرآن کے نزول کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو عربی

الفاظ کے قالب میں کیوں ڈھالا ہے؟

سورہ مبارکہ زخرف کی ابتداء میں آیہ سوم میں ہے کہ

إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

بیشک ہم نے اسے عربی قرآن قرار دیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔

یعنی ہم نے اس کو لفظی قالب و لفظی شکل دی ہے اور وہ بھی عربی لفظی شکل دی ہے اور بعض

آیات میں ہے کہ ہم نے عربی مبین کی شکل دی ہے،

بَلِسَانَ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝ (۲۷)

اس کے علاوہ سورہ مبارکہ نحل، آیہ ۱۰۳ میں بھی عربی مبین کا لفظ استعمال ہوا ہے، لیکن یہ

سب کس لئے کیا ہے؟

لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

تاکہ قرآن میں تعقل کرو، تدبر کرو اور تفکر کرو۔

سورہ مبارکہ فصلت میں کہ جس کو حم سجدہ بھی کہتے ہیں، اس کے بھی آغاز میں آیہ سوئم میں

ہے کہ

كِتَابٌ فَصَّلْتُ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

اس کتاب کی آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، عربی زبان کا قرآن ہے اس قوم

کے لئے جو سمجھنے والی ہو۔

ان تعبیروں کے اندر لطافتیں ہیں، صرف تنزیل ہے نہیں کہا، بعض جگہ پر ہے کہ

تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ (۲۸)

یہ خدائے حکیم و حمید کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔

تَنْزِيلٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۲۹)

یہ عالمین کے رب کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ (۳۰)

تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ (۳۱)

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ (۳۲)

لیکن سورہ مبارکہ زخرف کی آیہ ۲ میں خصوصیت کے ساتھ رحمن و رحیم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

یہ خدائے رحمان و رحیم کی تنزیل ہے۔

یعنی ان صفات، اسماء اور معانی کی تنزیل ہمراہ با رحمت رحمانیہ و رحیمیہ ہے۔ یہ تنزیل ہم

نے کی ہے یعنی یہ بھی انسان کے اوپر خدا کی ایک رحمت ہے۔ قرآن خود ایک مصداق رحمت ہے اور

تنزیل رحمت دُوم خداوند تبارک و تعالیٰ ہے یعنی قرآن کو آسان کرنا، قابل فہم بنانا بھی ایک لطف

دیگر خدا ہے کہ جو انسان کے لئے مقرر ہوا ہے، سورہ فصلت کی آیہ سوئم میں ہے کہ

فُصِّلَتْ آيَاتُهُ.....

اس کی آیات کو ہم نے الگ الگ کر کے، جدا جدا کر کے، ایک ایک کر کے نازل کیا ہے۔

یہ رحمت کا ایک نمونہ و مصداق ہے اور قرآن عربی بنایا ہے یعنی اس کو عربی الفاظ کا قالب دیا ہے اور

اس کی آیات کو ہم نے الگ الگ اور جدا جدا کیا ہے تاکہ تمہیں آسانی ہو،

يَسِّرُنَا الْقُرْآنَ.....

اسے نزول کی تفسیر کہہ لیں یعنی یسرنا القرآن نزول قرآن کی تفسیر ہے اور یہ آیت

فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا.....

یہ یسرنا کی تفسیر ہے یعنی ہم نے قرآن کو اتنا آسان کر دیا ہے کہ ہر آیت الگ الگ، ہر مطلب جدا جدا اور ہر چیز مفصل کر کے پیش کی ہے، اس کو آپ کے لئے بہت واضح، روشن، زبانِ مبین اور بتیان کی صورت میں بیان کیا ہے تاکہ آپ کو سمجھنے میں مشکل نہ ہو لیکن

بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ (۳۳)

یہ قرآن بشارت دینے والا اور عذاب الہی سے ڈرانے والا بنا کر نازل کیا گیا ہے لیکن اکثریت نے اس سے اعراض کیا ہے اور وہ کچھ سنتے ہی نہیں ہیں۔

۸) اکثریت فہم کیلئے آمادہ نہیں

قرآن کو تو خداوند تبارک و تعالیٰ نے آمادہ کیا ہے، آسان اور قابلِ فہم بنایا ہے لیکن ادھر سے مخاطبین قرآن کا کام یہ ہے کہ اپنی فہم کو بھی قرآن کے لئے آمادہ کریں، بعض لوگوں نے یہ کام کیا یا نہیں کیا؟

فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ.....

اکثریت فہم کیلئے آمادہ نہیں

اکثر نے نہیں کیا، کیونکہ قرآن کو سمجھنے کے لئے آمادہ نہیں تھے،

فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝

سنتے نہیں تھے،

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنَكَ

حِجَابٌ فَأَعْمَلْ إِنَّنَا غَامِلُونَ ۝ (۳۴)

اور کہتے ہیں ہمارے دل جن باتوں کی تم دعوت دے رہے ہو ان کی طرف سے پردہ میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بہرا پن ہے اور ہمارے تمہارے درمیان پردہ حائل ہے لہذا تم اپنا کام کرو اور ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔

ان کا یہ کہنا تھا کہ ہم آمادہ نہیں ہیں، جس چیز کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اس چیز میں اور ہمارے درمیان پردے ہیں،

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ

اکنہ یا اکنان پردے کو کہتے ہیں، مکنون پردے میں چھپی ہوئی محبوب چیز کو کہتے ہیں یعنی جس چیز کی طرف آپ اور قرآن ہمیں بلا رہے ہیں اس کے لئے ہمارا دل آمادہ نہیں ہے، تیار نہیں ہے، ان دلوں کے اندر اور اوپر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان قرآن اور حجاب ہیں۔ پس خدا نے تو قرآن کو آسان بنایا ہے لیکن اکثریت فہم قرآن کیلئے آمادہ نہیں ہے۔

اکثریت فہم کیلئے آمادہ نہیں

۹) قرآن میں تدبیر کی تاکید

سورہ ص میں آیہ ۲۹ میں ہے کہ

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ

ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف نازل کی ہے، یہ کتاب مبارک ہے، مبارک یعنی اس کے اندر برکات ہیں، اس کتاب کے اندر وہ برکات ہیں کہ جو آپ کی زندگی کے لیے ضروری ہیں، برکات یعنی خیر کے ذخیرے، کثیر ذخیروں کو برکات کہتے ہیں، ہم عموماً برکت کا لفظ بہت استعمال کرتے ہیں مثلاً خدا برکت دے، اس میں برکت نہیں ہے، اس میں برکت ہے، گھر میں برکت ہے، مال میں برکت ہے، زندگی میں برکت ہے لیکن متوجہ بہت کم ہوتے ہیں کہ برکت سے مراد کیا ہے؟ اگر کوئی ہم سے پوچھ بیٹھے کہ برکت کس کو کہتے ہیں تو زبان گنگ ہو جاتی ہے، برکت یعنی خیر کثیر، جس کے اندر فراواں خیر ہو، انسان کی زندگی کی ضرورت جس کے اندر فراواں ہو، وافر مقدار میں ہو اور فور کے ساتھ موجود ہو تو اس کو برکت کہتے ہیں لیکن اسی آیہ میں آگے فرمایا کہ

لِيَذَّبَرُوا آيَاتِهِ

ضرورت اس کی ہے کہ تم اس قرآن میں تدبیر کرو، ہمارا کام نازل کرنا تھا، آسان کرنا تھا، قابل فہم بنانا تھا لہذا بنا دیا لیکن قابل فہم چیز کو سمجھنے کے لئے کوئی فہم بھی تو آمادہ ہو، تمہارا کام اس کے اندر تدبیر کرنا ہے، پھر فرمایا کہ

وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

اور ہم نے اس کو نازل کیا ہے تاکہ اولی الالباب متذکر ہوں، صاحبانِ لب یعنی صاحبانِ عقل، اولی الالباب یعنی جو صاحبانِ عقل ہیں، نہ یہ کہ ان کا ایسی نوع سے تعلق ہے کہ جس نوع میں شائیتِ عقل موجود ہے، عموماً ہم اپنے آپ کو عاقل اس وجہ سے سمجھتے ہیں کہ ہمارا ایسی نوع سے تعلق ہے کہ جس کی صلاحیت یہ ہے کہ اس کے بعض افراد میں عقل موجود ہے یعنی ملکہ بلحاظِ نوع کرتے ہیں، ہم اگر فردی لحاظ سے دیکھیں تو اولی الالباب کم ہیں، یہاں فردی لحاظ سے اولی الالباب مراد ہیں نہ کہ نوعی لحاظ سے، یعنی حیوانوں کی بعض انواع ہیں لیکن وہ نوعِ اولی الالباب میں سے نہیں ہیں، صاحبِ لب اور صاحبِ عقل نہیں ہیں، انسان تنہا نوع ہے کہ جس کے اندر عقل موجود ہے لیکن انسانوں میں بھی آیا سب میں عقل موجود ہے؟ یہ فرد فرد کے لحاظ سے دیکھا جائے گا، خدا نے فرمایا کہ ان میں سے بعض لوگ اولی الالباب ہیں یعنی جو فہم رکھتے ہیں اور اہل لب ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کو قرآن سمجھ میں آئے گا، یہ قرآن میں غور کریں گے، فکر کریں گے اور نتائج لیں گے۔

سورہ مبارکہ یوسفؑ میں آیہ دوم اور سوم میں خود قرآن بتا رہا ہے کہ جس چیز کو ابھی پڑھنے جا رہے ہو، جس کی تلاوت کرنے جا رہے ہو یہ ہے کیا؟

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے کہ شاید تم لوگوں کو عقل آجائے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ

اس کتابِ مبین کو ہم نے نازل کیا ہے، نزول سے پہلے بھی یہ کتاب مبین تھی لیکن تمہاری

دسترس سے باہر تھی، سورہ مبارکہ واقعہ کی آیات ۸۰-۷۷ میں فرمایا کہ

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝

پھر فرمایا کہ اس کو ہم نے نازل کیا یعنی قابل فہم بنایا۔

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اسی طرح سورہ مبارکہ یوسف آیہ دوم میں فرمایا کہ

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے کہ شاید تم لوگوں کو عقل آجائے پھر آیہ سوم میں

ارشاد فرمایا کہ

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ

كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝

یعنی اس میں ہم آپ کیلئے فراواں چیزیں پیش کریں گے، قصص بیان کریں گے، مطالب

ذکر کریں گے کہ جو آپ کو پہلے معلوم نہیں تھے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے کہ قرآن جو تعلیمات لے کر

آیا ہے تو آیا یہ پہلے سے انسان کو معلوم تھیں یا پہلے یہ آسمانی کتب میں آئیں؟ آیا عقل یہاں تک تنہا

پہنچ سکتی ہے یا نہیں؟ اس آیت میں وہ موضوع بھی موجود ہے اور اسی موضوع پر سورہ مبارکہ نساء کی

آیہ ۸۲ میں ہے کہ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا

کثیراً ۵

یعنی آیا یہ لوگ کہ جو قرآن سے دور ہیں یا قرآن کے بارے میں تشویش کا شکار ہیں یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں؟ اگر قرآن میں غور کیا ہوتا تو انہیں بخوبی معلوم ہو جاتا کہ یہ کلامِ خدا ہے کیونکہ اس کے اندر ذرہ برابر بھی اختلاف موجود نہیں ہے اور یہ حقیقت تدبر سے واضح و روشن ہوتی ہے کہ آیا قرآن میں کوئی اختلاف موجود ہے یا نہیں ہے،

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ.....

کیوں تدبر نہیں کرتے ہیں، یہ ایک قسم کی توبیخ و سرزنش ہے کہ تدبر کیوں نہیں کرتے؟ اس ساری گفتگو کا خلاصہ و محاصل یہ ہے کہ قرآن کو سمجھنے کی ضرورت ہے، یہ منشورِ حیات تدبر و تفکر کا محتاج ہے اور تدبر کی دعوت خود قرآن نے دی ہے اور تدبر نہ کرنے کی مذمت کی ہے۔ قرآن فہم کا محتاج ہے لیکن اس فہم کے لئے آمادگی چاہئے، ہم آمادہ فہم کے مالک نہیں ہیں، جیسے بہت سارے کاموں کے لئے ہمارا جسم آمادہ نہیں ہے لیکن اگر اس کو آمادہ کریں تو یہ آمادہ ہو جائے گا۔ تھوڑی سی زحمت دیں، تھوڑی سی مشقت دیں، اس کو تھوڑی سی مشق کروائیں تو یہ آمادہ ہو جائے گا۔

۱۰) ماہِ رمضان قرآن فہمی کا مہینہ

ہماری قوتِ فہم، قوتِ عاقلہ اور قوتِ تدبر کہ جو خدا نے عطا کی ہے وہ آمادہ نہیں ہے اور وہ بھی ہماری وجہ سے آمادہ نہیں ہے کہ اس کو ہم نے مشغول کیا ہوا ہے، اس کے مشغلے کثیر ہیں، لہو و لعب

ماہِ رمضان قرآن فہمی کا مہینہ

فراواں ہیں، سرگرمیاں ہیں، غفلت ہے اور بہت ساری چیزیں ہیں کہ جو خود قرآن نے ہی ذکر کی ہیں اور بعض فہم کے لحاظ سے تو قرآن نے کہا ہے کہ

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ (۳۵)

بعض تو قساوت کا شکار ہیں، بعض فہم یعنی دل، ان کے اندر قساوت ہے، سختی ہے اور ان کے اندر شدت آگئی ہے، وہ بھی اس طرح سے کہ اب کوئی چیز ان پر اثر نہیں کرتی ہے بلکہ

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے پتھر یا اس سے بھی کچھ زیادہ سخت

بعض فہم قرآن کے ادراک سے اور قرآن کے سمجھنے سے اتنے قاصر ہیں کہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ قرآن نے پتھر کے تین مرتبے ذکر کیے ہیں کہ پتھر میں گنجائش ہے، پتھر میں پانی نکلتا ہے، پتھر میں نہر جاری کی جاسکتی ہے، پتھر میں چشمہ پھوٹتا ہے اور پتھر خشیتِ خدا سے گر جاتا ہے لیکن ہبوط کرتا ہے لیکن دل اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ اس پر کلامِ خدا بھی اثر نہیں کرتا ہے یعنی وہ فطری فہم انسان کی فطرت سے ہٹ کر اور منحرف ہو کر کسی اور نقطے تک پہنچ جاتا ہے کہ جس کو قرآن نے شقاوت اور قساوت سے تعبیر کیا ہے، اس فہم کو قساوت سے نکال کر قرآن کے لئے آمادہ کریں اور اس کے لئے بہترین موقع ماہِ رمضان ہے کیونکہ قرآن ماہِ رمضان میں نازل ہوا ہے اور نزولِ فہم قرآن کے معنی میں ہے لہذا فرمایا کہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (۳۶)

یعنی ماہِ رمضان قرآن فہمی کا مہینہ ہے، دلوں کو نرم کرنے کے لئے یہ زمانہ انتہائی مناسب ہے، ماہِ رمضان میں قساوتِ قلبی کچھ درجہ خود ہی کم ہو جاتی ہے اور اگر انسان ساتھ میں کچھ کوشش بھی کرے تو مکمل طور پر قساوت کا خاتمہ کر کے خشوع بھی پیدا کر سکتا ہے اور انسان کے دل میں نرمی پیدا ہو سکتی ہے کہ جس کے بعد انسان کو قرآن سمجھ میں آنا شروع ہو جاتا ہے، اس دل کو آمادہ کرنے کے لئے کچھ امور کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، بقول شیخ سعدی

سعدی حجاب نیست تو آئینہ پاک دار

زنگار خود دہ چون بنماید جمالِ دوست..... (۳۷)

یعنی اے سعدی پردہ نہیں ہے، محرومیت نہیں ہے بلکہ تیرا آئینہ صاف نہیں ہے اور اس کو زنگ لگا ہوا ہے، جمالِ دوست موجود ہے جبکہ دوسرے آئینوں میں متجلی اور منعکس ہو رہا ہے لیکن تیرے آئینے میں کیوں منعکس نہیں ہوا ہے؟ تیرے سامنے بھی وہ جمال ہے لیکن تیرے اندر اس کا انعکاس نہیں ہے چونکہ تیرے آئینے پہ زنگ چڑھا ہوا ہے، اب گلے اور شکوے نہ کر بلکہ اپنے آئینے کو صاف کر اور متمیز کر۔

قرآن فہمی کیلئے آداب کی ضرورت

(۱۱) قرآن فہمی کیلئے آداب کی ضرورت

بعض بزرگ علماء نے قرآن کے آداب کے عنوان سے ان امور کو ذکر کیا ہے مثلاً آدابِ

تلاوتِ قرآن ہیں، آدابِ سماعتِ قرآن ہیں۔ کچھ آداب خود قرآن نے ذکر کئے ہیں،

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (۳۸)

لہذا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطانِ رجیم کے مقابلے کے لئے اللہ سے پناہ طلب

کریں۔

فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ (۳۹)

پھر جب ہم پڑھو ادیس تو آپ اس کی تلاوت کو دہرائیں۔

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (۴۰)

اور قرآن کو باقاعدہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۴۱)

اور جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو خاموش ہو کر غور سے سنو کہ شاید تم پر رحمت نازل

ہو جائے۔

یعنی جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو توجہ سے سنو، ساکت ہو جاؤ اور اس کے مقابلے میں

اظہارِ نظر نہ کرو، یہ آدابِ فہم قرآن میں سے ہے۔ پہلے ہمیں جاننا ہوگا کہ ادب کسے کہتے ہیں؟ جیسے

اشارہ کیا تھا کہ برکت ایک مفہوم ہے کہ جسے کثرت سے استعمال کرتے ہیں لیکن ہم اس کے بیان اور

وضاحت سے بسا اوقات عاجز و قاصر ہوتے ہیں، شاید اس وجہ سے کہ بہت واضح مفہیم ہوتے ہیں،

جس طرح بہت مبہم مفہیم کی وضاحت نہیں ہو سکتی ہے اسی طرح بہت واضح مفہیم کی وضاحت بھی

نہیں ہو سکتی ہے، برکت ہی کی طرح کا ایک مفہوم ادب بھی ہے، ابھی ہماری بحث آدابِ فہم قرآن

میں ہے، فہم یعنی سمجھنا، پیغام قرآن کو دریافت کرنا، حقیقت قرآن تک پہنچنا کہ جو مقصود قرآن ہے،
 لب قرآن ہے لہذا اپنی قوت فہم کی مدد سے اس تک پہنچنے کو فہم قرآن کہتے ہیں یعنی تعقل و تدبر فہم قرآن
 ہے لیکن پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ادب کس کو کہتے ہیں، انشاء اللہ فصل تعارف ادب میں اس
 کی وضاحت کی جائے گی۔

قرآن فہمی کیلئے آداب کی ضرورت

www.ziaraat.com
 Sabeel-e-Sakina
 jabir.abbas@yahoo.com

حوالہ جات

- (۱)..... (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۱۸)
- (۲)..... (سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۱۹۰) (سورۃ مبارکہ ص، آیہ ۴۳) (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۲۱)
- (سورۃ مبارکہ غافر، آیہ ۵۴)
- (۳)..... (سورۃ مبارکہ مائدہ، آیہ ۱۰۰)
- (۴)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۷۰، ۷۱)
- (۵)..... (سورۃ مبارکہ محمد، آیہ ۲۴)
- (۶)..... (سورۃ مبارکہ مائدہ، آیہ ۱۳)
- (۷)..... (سورۃ مبارکہ حج، آیہ ۵۳)
- (۸)..... (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۲۲)
- (۹)..... (سورۃ مبارکہ حدید، آیہ ۱۶)
- (۱۰)..... (سورۃ مبارکہ انعام، آیہ ۴۳)
- (۱۱)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۷۴)
- (۱۲)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۰) (سورۃ مبارکہ انفال، آیہ ۴۹) (سورۃ مبارکہ مائدہ، آیہ ۵۲)
- (سورۃ مبارکہ توبہ، آیہ ۱۲۵) (سورۃ مبارکہ احزاب، آیہ ۶۰، ۱۲) (سورۃ مبارکہ حج، آیہ ۵۳)
- (سورۃ مبارکہ محمد، آیہ ۲۹، ۲۰) (سورۃ مبارکہ مدثر، آیہ ۳۱)
- (۱۳)..... (سورۃ مبارکہ قمر، آیہ ۴۰، ۳۲، ۲۲، ۱۷)
- (۱۴)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۸۵)

- (۱۵)..... (سورۃ مبارکہ قدر، آیہ ۱)
- (۱۶)..... (سورۃ مبارکہ واقعہ، آیہ ۷۹، ۷۸، ۷۷)
- (۱۷)..... (سورۃ مبارکہ واقعہ، آیہ ۸۰) (سورۃ مبارکہ حاقۃ، آیہ ۴۳)
- (۱۸)..... (التفسیر و المفسرون)
- (۱۹)..... (سورۃ مبارکہ منزل، آیہ ۴)
- (۲۰)..... (تنبیہ الغافلین و ارشاد الجاہلین عما يقع لهم من الخطأ حال تلاوتهم لكتاب اللہ المبين، باب تنبیہات، الجزء ۱، صفحہ ۱۱۹)
- (۲۱)..... (کیف نقرأ القرآن)
- (۲۲)..... (تفسیر المیزان - العلامة الطباطبائیؒ، مقدمة و بحث روائی الجزء ۳، صفحہ ۴۰) (شرح خطبہ البیان امام علی بن ابی طالبؑ)
- (باطن و تاویل قرآن)
- (۲۳)..... (تفسیر المیزان - علامہ طباطبائیؒ)
- (۲۴)..... (غرر الحکم و درر الکلم، الجزء ۱، صفحہ ۵۷)
- (میزان الحکمة - الریشہری، الجزء ۸، صفحہ ۲۰۷)
- (۲۵)..... (مستدرک نہج البلاغہ) (البیان فی تفسیر القرآن، الجزء ۱، صفحہ ۳۲۲) (التفسیر الصافی - الفیض الکاشانی، الجزء ۴، صفحہ ۳۶۵)
- (شرح اصول کافی - مولی محمد صالح المازندرانی، الجزء ۲، صفحہ ۱)
- (مستمک العروۃ - السید محسن الحکیمؒ، الجزء ۲، صفحہ ۴۶۳)

(بحار الانوار-علامہ مجلسیؒ، الجزء ۶، صفحہ ۲۳۴)

(۲۶)..... (روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی،

الجزء ۱۱، صفحہ ۳۶۵)

(۲۷)..... (سورۃ مبارکہ شعراء، آیہ ۱۹۵)

(۲۸)..... (سورۃ مبارکہ فصلت، آیہ ۴۲)

(۲۹)..... (سورۃ مبارکہ واقعہ، آیہ ۸۰) (سورۃ مبارکہ حاقۃ، آیہ ۴۳)

(۳۰)..... (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۱) (سورۃ مبارکہ جاثیہ، آیہ ۲) (سورۃ مبارکہ احقاف، آیہ ۲)

(۳۱)..... (سورۃ مبارکہ یس، آیہ ۵)

(۳۲)..... (سورۃ مبارکہ غافر، آیہ ۲)

(۳۳)..... (سورۃ مبارکہ فصلت، آیہ ۴)

(۳۴)..... (سورۃ مبارکہ فصلت، آیہ ۵)

(۳۵)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۷۴)

(۳۶)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۸۵)

(۳۷)..... (کلیات سعدی، بر اساس نسخہ محمد علی فروغی، صفحہ ۴۴۹)

(۳۸)..... (سورۃ مبارکہ نحل، آیہ ۹۸)

(۳۹)..... (سورۃ مبارکہ القیامہ، آیہ ۱۸)

(۴۰)..... (سورۃ مبارکہ منزل، آیہ ۴)

(۴۱)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۲۰۴)

فصل تعارفِ ادب

۱) ادب کی تعریف بلحاظ لغت

☆ قرآن دسترخوانِ خدا ہے

۲) ادب کے لغوی معنی کے دیگر موارد

۳) معنی "ادب بزبان علامہ طباطبائی"

۴) دیگر اہل لغت کے نزدیک ادب کا معنی

۵) امیر المومنین حضرت علیؑ کے نزدیک افضل ادب

۶) اخلاق اور آداب میں فرق

۷) آداب، مقاصد کیلئے نشانِ راہ

☆ علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

۸) آداب اور اخلاق میں ربط

۹) آداب کی تعریف اور آدابِ فہمِ قرآن میں ارتباط

اجمالی طور پر وہ اوصاف جن کی مدد سے قرآن سے استفادہ کیلئے فہم کو آمادہ کیا جاسکتا ہے آداب فہم قرآن کہلاتے ہیں لیکن دقیق معانی ادب معلوم کرنے کے لئے اس موضوع پر ہم بحث کر رہے ہیں یعنی ”آداب فہم قرآن“، لہذا ادب کے معانی کی شناخت کی ضرورت ہے۔

۱) ادب کی تعریف بلحاظ لغت

اگر ہمیں کسی جگہ ادب کی تشریح کرنی پڑ جائے تو ادب کی تشریح ادب سے ہی کریں گے کہ ادب، ادب کو کہتے ہیں، عموماً ہم واضح مفہم یا مبہم مفہم کی تشریح ایسے ہی کرتے ہیں مثلاً آپ اپنے آپ سے سوال کریں کہ ادب کس کو کہتے ہیں؟ شاید بعض کی توجہ بھی پہلی دفعہ ہوگی کہ ادب کی تفسیر کی بھی ضرورت ہے، پہلے سمجھتے تھے کہ ادب واضح مفہوم ہے چونکہ ادب عربی لفظ ہے لہذا دوسری زبانوں میں اس کے متبادل الفاظ موجود ہیں لیکن پہلے ہم ادب کو سمجھ لیں پھر اگر کوئی متبادل لفظ ہو تو اس کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

پہلے ادب کا لغوی معنی بیان کرتے ہیں نہ کہ استعمالی معنی، بسا اوقات ادب کے استعمالی معانی ہوتے ہیں یعنی یہ لفظ بہت سارے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور ایک لغوی معنی ہوتا ہے کہ جس کو طلبہ اپنی اصطلاح میں موضوع کہتے ہیں یعنی لغت نے اس کو وضع و مقرر کیا ہے، ادب لغت میں بمعنی جمع کرنا، اکٹھا کرنا ہے، کسی بھی چیز کے جمع کرنے کو ادب کہتے ہیں، چونکہ عرب مہمان نواز تھے،

پیہ نہیں ابھی ہیں یا نہیں ہیں، اب تو نہیں ہیں لیکن کسی زمانے میں مہمان نواز تھے، ان میں بڑی مثبت صفات تھیں چونکہ قبائلی لوگ تھے، یہ خصوصیات عربوں کی نہیں تھیں، ان خصوصیات کو ہم عربی خصوصیات نہیں کہہ سکتے ہیں بلکہ جہاں بھی قبائلی زندگی ہو وہاں کچھ چیزیں مشترک ہوتی ہیں، کچھ اقدار، کچھ ویلیوز (Values) ہوتی ہیں۔ ان قبائلی اقدار میں سے ایک مہمان نوازی ہے، قبائلی جہاں بھی ہوں مہمان نواز ہوتے ہیں۔ اکثر جب یہ لوگ اکٹھے ہوتے تھے تو کھانے پہ اکٹھے ہوتے تھے، کبھی قبائلی مہمان نوازی کی وجہ سے مختلف مناسبتوں سے اپنے گھر میں مہمان بلاتے تھے اور ان میں دسترخوان بچھاتے تھے اور دسترخوان پر اجتماع ہوتا تھا۔

ابھی بھی پاکستان میں جو قبائل ہیں وہ کسی بھی خوشگوار اور ناگوار واقعے پر مل بیٹھتے ہیں لیکن مل کر بیٹھنے کے لئے جو جگہ ہوتی ہے وہ دسترخوان ہوتا ہے۔ ہم نے لفظ جرگہ سنا ہوا ہے، افغانستان میں آئے دن لوگ جرگہ بلاتے ہیں، جرگہ یعنی وہی اجتماع، قبائلی بزرگوں کا اجتماع کہ جو کسی بھی وجہ سے مل بیٹھیں لیکن کھانا ضرور ہونا چاہئے، کھانا نہیں ہے تو اجتماع موضوعیت نہیں رکھتا ہے، اگر اس نے کھانا آمادہ نہیں کیا ہوا تو ممکن ہے کہ میزبان کو کھا جائیں، اس کے اندر کھانا ضروری ہے لہذا ان کا اجتماع کسی بھی وجہ سے ہو یعنی مقصد اجتماع کوئی بھی ہو لیکن اجتماع کھانے پر تھا، اس لئے عرب ادب کا لفظ استعمال کرتے تھے، ادب یعنی کھانے پر لوگوں کو اکٹھا کرنا، بلانا، اجتماع کرنا، دعوت کرنا اور بہت ساروں کو بلانا، ایک دو کی دعوت کرنے کو ادب نہیں کہتے تھے بلکہ سب لوگوں کو اپنے دسترخوان پر بلانا، جمع کرنا، اکٹھا کرنا ادب تھا، پھر جو موضوع اور ایجنڈا (Agenda) ہے وہ الگ ہے اور ادب

سے باہر ہے، ادب یہ ہے کہ دسترخوان پر آکر بیٹھ جائیں، اسی وجہ سے دسترخوان کو مادہ کہتے ہیں، بعض نے مادہ بھی کہا ہے، بعض نے احتیاطاً تینوں حرکتیں اس کے اوپر ڈال دی ہیں، جیسے بھی پڑھو شاید یہ جائز الوجوہ ہو، مادہ بھی پڑھتے ہیں، مادہ بھی اور مادہ بھی۔ ادب یعنی اجتماع، اکٹھا ہونا اور مادہ یعنی جائے ادب، جہاں پر اکٹھے ہوئے ہوں۔

☆ قرآن دسترخوانِ خدا ہے

قرآن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے حدیث بھی مروی ہے کہ

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَادَبَةُ اللَّهِ..... (۱)

یعنی بے شک یہ قرآن دسترخوانِ خدا ہے، چونکہ ماہِ صیام کو کہتے ہیں کہ یہ ماہِ رمضان ضیافتِ اللہ ہے، صوم ضیافتِ اللہ ہے، روایت میں بھی ہے کہ یہ خدا کی مہمانی ہے اور میزبان ذاتِ خدا ہے۔ ہر میزبان ایک دسترخوان پر بلاتا ہے، دسترخوان بچھاتا ہے لیکن خدائے غنی، خدائے رازق، خدائے کریم یعنی کریم ترین ذات کے مہمان کو کہا گیا ہے کہ تم نے کھانا کچھ بھی نہیں ہے۔ عجب دعوت ہے کہ دعوت کر کے کہا کہ نہ کھانا ہے، نہ پینا ہے اور تم ہمارے مہمان ہو، اس طرح سے اگر انسان کسی کو مہمان کرے اور کہے کہ آپ ہمارے مہمان ہیں لیکن نہ کچھ کھانا ہے اور نہ کچھ پینا ہے، یہاں یہ نکتہ عرض کرتا چلوں کہ خدا نے اسی لئے اپنی ضیافت میں کھانا پینا ممنوع قرار دیا ہے چونکہ بہترین کریم میزبان اور لئیم میزبان میں فرق ہے، لئیم یعنی خسیس، کنجوس اور بخیل، جو مہمانی پر اکثر نہیں بلاتا ہے

لیکن جب پھنس جاتا ہے یا نا خواستہ کوئی اس کے ہاں چلا جاتا ہے یا یہ کبھی مروت اور رکھ رکھاؤ میں پھنس جاتا ہے، یعنی فرومایہ انسان اور گھٹیا آدمی ہوتا ہے، اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مثلاً اگر پھنس کر کہیں گھر میں مہمان بلا بھی لیا ہے تو یہ دیکھتا ہے کہ کہیں مجلس ہو رہی ہو تو پہلے اسے وہاں لے جائے، زیارت کے بہانے جھکراں لے جائے، ادھر ادھر لے جائے اور کچھ کھلا پلا کر پھر گھر میں لائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ خسیس ہے، بخیل ہے، اپنا کھانا بچانے کے لئے کہیں اور سے پیٹ بھروا کر پھر گھر میں لے کر آنا چاہتا ہے یا مثلاً وہ چیزیں کہ جو بھوک کو مار دیتی ہیں کہ عموماً چائے پینے سے بھوک مرجاتی ہے لہذا پہلے ان کو چائے پلا دیتا ہے تاکہ یہ زیادہ کھانا نہ کھا سکیں۔

جیسے کہتے ہیں کہ ایک مولانا کی دوستی کسی آدمی کے ساتھ تھی تو مولانا روز تکلف میں کہہ دیتے تھے کہ ہمارے ہاں آؤ، ایک دن وہ آگیا، کھانا ان کے ہاں نہیں تھا لہذا ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو کھانا تھا تو مولانا صاحب نے کہا کہ آپ بسم اللہ پڑھ کر شروع کریں کہ شیطان بیچ میں شامل نہ ہو چونکہ نہ پڑھیں تو شیطان بھی ساتھ کھاتا ہے، انہوں نے کھانے کا ادب یہ بیان کیا کہ بسم اللہ سے شروع کریں اور ساتھ وجہ بھی بیان کی کہ بسم اللہ پڑھیں تاکہ شیطان ہمارے ساتھ شامل نہ ہو، کھانا ویسے بھی تھوڑا تھا، بہر کیف ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں نے کھایا، وہ آدمی بھوکا رہ گیا، بعد میں اس نے مولانا کی دعوت کی اور زیادہ آدمیوں کا کھانا پکایا، دو آدمیوں کے لئے دس آدمیوں کا کھانا پکایا اور کہا کہ مولانا آپ بھی کھائیں، آپ کا شیطان بھی کھائے، سارے مل کر کھائیں، کھانا زیادہ

ہے۔

لہذا خسیس آدمی اگر کسی کی کھانے پر دعوت کر لے تو پہلے کوشش کرتا ہے کہ اس کی بھوک مر جائے لیکن سخی آدمی، کریم آدمی اگر کسی کی دعوت کرے تو پہلے اس کو کھلاتا نہیں ہے تاکہ اس کی بھوک چمکے، کھانا زیادہ اور لذیذ بناتا ہے اور ادھر سے مہمان کو بھی تیار کرتا ہے یعنی ایک طرف سے کھانا تیار کرتا ہے اور ایک طرف مہمان کو بھی تیار کرتا ہے، مہمان جتنا بھوکا ہوا تھا بہترین مہمان ہے اور کھانا جتنا اچھا اور لذیذ ہوا تھا بہترین کھانا ہے، بہترین میزبان اور بہترین مہمان۔ عموماً الا بلا کھانے سے انسان کی بھوک مر جاتی ہے، ریڑھیوں سے لے کر کھائیں، دکانوں سے لے کر کھائیں، چھابڑی والے سے لے کر کھائیں یا دست فروشوں سے لے کر کھائیں تو بھوک مر جاتی ہے پھر جب اصلی غذا کھانے کا وقت آتا ہے تو بھوک نہیں ہوتی ہے۔

مثلاً ایران میں زائرین آتے ہیں اور ہوٹلوں میں کھانا کھاتے ہیں، یہاں رواج ہے کہ پہلے پیش غذا پیش کرتے ہیں کہ جس کو کھانا کھانے سے پہلے دیا جاتا ہے مثلاً سوپ دیتے ہیں یا سلاد دیتے ہیں، یہ ایران میں رسم ہے، ہمارے زائرین یہ سمجھتے ہیں کہ یہی غذا ہے لہذا اسی سے پیٹ بھر لیتے ہیں اور جب اصلی غذا آتی ہے تو ان کے یہاں گنجائش ہی نہیں ہوتی ہے لہذا وہ چھوڑ دیتے ہیں یا آدھی کھاتے ہیں اور آدھی چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ جو پہلے ان کو دیا تھا وہ بھوک چمکانے کیلئے تھا لیکن اسی کو کہتے ہیں کہ وہ الا بلا تھا، وہ ہماری نظر میں الا بلا تھا لیکن ان کے لئے اپیٹائزر (Appetizer) ہے۔ کہتے ہیں کہ الا بلا کھلا کے پیٹ بھر دیا اور جب اصلی غذا کا وقت آیا تو بھوک ہی ختم تھی۔ اسی طرح قرآن مادہ خدا ہے، دسترخوان خدا ہے اور خدا نے اس کے اندر انسان کی

خوراک و غذا آمادہ کی ہے کہ جو ہدایت ہے لیکن ہدایت کے لئے انسان کے اندر بھوک ہو، کیوں کہا ہے کہ روزہ رکھو الا بلا نہ کھاؤ؟ چونکہ ان چیزوں کو کھانے سے انسان کی بھوک مر جاتی ہے، کھا کھا کر اونگھ جاتے ہیں، اسی لئے کہا کہ نہ کھاؤ، جب قرآن پڑھو تو کھا کے مت آؤ تا کہ آپ کو اونگھ نہ آئے، الا بلا کھاؤ گے تو آپ کی بھوک مٹ جائے گی اور آپ کی فہم کام نہیں کرے گی۔ نہج البلاغہ اور غرر میں امیر المؤمنین علیؑ نے بیان فرمایا ہے کہ

لَا تَجْتَمِعُ الْفِطْنَةُ وَالْبِطْنَةُ..... (۲)

ذہانت اور شکم پُری ایک ساتھ جمع نہیں ہوتیں۔

بطانت بطن یعنی پیٹ سے ہے، شکم پرست آدمی کبھی بھی ذہین نہیں ہو سکتا ہے، جو دبا کر کھائے، چار ٹائم کا ایک ٹائم کھائے، چونکہ اس کو ہمیشہ نیند، اونگھ اور سستی آئے گی، قرآن مادبہ خدا ہے، دسترخوان خدا ہے، یہ ادب گاہ خدا ہے اور تمام مہمانوں کو خدا نے قرآن پر جمع کیا ہے۔ سورہ مبارکہ بقرہ کی آیہ ۱۸۵ میں فرمایا کہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ.....

ماہ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے.....

پس یہ قرآن مادبہ خدا ہے اور ماہ رمضان میں ہم دسترخوان خدا میں ہوتے ہیں اور چونکہ میزبان بہت کریم ہے اور سخی ہے، لئیم نہیں ہے کہ جو کہتا ہے کہ الا بلا کھا کر آنا، جب قرآن پڑھنے آؤ تو الا بلا کھا کر آنا یعنی اونگھتے رہنا، ادھر سے قرآن پڑھنا اور ادھر سے اونگھتے رہنا لیکن یہ میزبان چونکہ

سخی ہے لہذا کہا کہ الا بلا نہیں کھانا بلکہ روزہ رکھنا، کوئی چیز نہ کھاؤ تا کہ قرآن تمہاری سمجھ میں آئے، بطانت نے تمہاری فطانت ختم کر دی ہے، شکم پری نے تمہاری ذہانت کو ختم کر دیا ہے اور فہم کو ناقص کر دیا ہے۔ لہذا ادب جمع کرنے کے معنی میں ہے، چونکہ وہ دسترخوان پہ جمع ہوتے تھے لہذا دسترخوان کو مادہ کہتے تھے، اس لئے روایت نبوی ﷺ ہے کہ

أَنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَادَبَةُ اللَّهِ.....

بے شک یہ قرآن دسترخوانِ خدا ہے۔ ماہِ رمضان میں ہمیں دسترخوانِ خدا میں مدعو کیا جاتا ہے، کتنا عظیم اور کریم میزبان ہے اور اب یہاں مہمان کو آمادہ ہو کر جانا ہے لیکن کس طرح سے؟ ادب سے، لیکن ادب تو جمع کرنے کے معنی میں ہے، آدابِ فہم قرآن سے اس کا کیا تناسب ہے یا یہ ادب تو بہت ساری چیزوں کی صفت ہے مثلاً آدابِ اخلاقی، آدابِ معاشرت، آدابِ ملی و قومی، آدابِ زندگی، آدابِ دوستی، آدابِ جہاد، آدابِ نماز و ملحقات، آدابِ شریعہ، آدابِ ماہ، آدابِ مہمانی، آدابِ زیارت، آدابِ مجلس، آدابِ نفوس، آدابِ کلام، آدابِ دعا، آدابِ لباس، آدابِ سفر، آدابِ تبلیغ اور اسی طرح لفظِ ادب بہت سارے متعلقات کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، لفظِ ادب کا استعمال معنی کہ جو رائج ہے اور جو معنی ہمیں اس بحث میں مقصود ہے یعنی آدابِ فہم قرآن میں تو اس لغوی معنی اور اس میں کیا ارتباط ہے؟ انشاء اللہ اس کی وضاحت کی جائے گی لیکن ابھی ادب کے لغوی معنی کے دیگر موارد پر توجہ کو مرکوز کرتے ہیں۔

۲) ادب کے لغوی معنی کے دیگر موارد

ادب کا لغوی معنی اسی مناسبت سے دیگر معانی کے اندر بھی استعمال ہوا ہے یعنی یہ معنی لغوی کے ساتھ ایک طرح کا تناسب رکھتا ہے یعنی اسی اجتماع کا معنی دیگر موارد میں بھی موجود ہے اور ان میں سے لغوی معنی کے ساتھ جس معنی کی مناسبت بنتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے اندر اچھی صفات کو جمع کرنا لیکن اس خصوصیت کے ساتھ کہ وہ صفات مثبت ہوں منفی نہ ہوں لہذا مثبت صفات کو اپنے اندر جمع کرنا بھی ادب کہلاتا ہے، جس طرح مہمان نواز انسان اپنی سخاوت کی وجہ سے لوگوں کو اپنے دسترخوان پر اکھٹا کرے تو یہ ادب ہے، اسی طرح انسان اچھی صفات کو اپنے نفس کے اندر جمع کرے تو یہ بھی ادب ہے، البتہ اس کی قید ہے یعنی ہر قسم کی صفات کو جمع کرنا ادب نہیں کہلاتا ہے بلکہ اچھی اور مثبت صفات کا جمع کرنا ادب کہلاتا ہے یعنی اچھے خصائل جمع کرنا۔

اب معنی ادب اصطلاح کی طرف زیادہ نزدیک تر ہوا ہے چونکہ جس معنی سے ابھی ہمیں آداب فہم قرآن میں سروکار ہے وہ آداب کا اصطلاحی معنی ہے لیکن لغوی معنی سے متاثر ہے اور اسی معنی لغوی کی طرف ناظر ہے، انسان کے اندر اچھی صفات کو جمع کرنے کی چند خصوصیات اور چند قیود بھی ہمراہ ہیں، اول یہ کہ وہ صفات ایسی ہوں کہ جن کے اندر صفت حسن یا احسان موجود ہو، حسن کے معانی موزونیت کے ہیں، حسن کا معنی زیبائی بھی کرتے ہیں اور اسی وجہ سے کرتے ہیں چونکہ اس کے اندر موزونیت اور تناسب ہوتا ہے، انسان اسی وجہ سے کسی موزوں چیز کو دیکھے تو ذہن انسان یا حس انسان کو لذت محسوس ہوتی ہے، جن چیزوں کے اندر توازن ہو، جن امور کے اندر توازن ہو تو

اس توازن کی صفت کو ہی حُسن کہتے ہیں۔

ان صفات کا حسین ہونا ضروری ہے یعنی وہ موصوف کے لئے موزوں صفات ہوں اور دُوم یہ ہے کہ یہی صفات کہ جن کے اجتماع کو ادب کہتے ہیں اس شے کی غرض کے حصول کے لئے مؤثر بھی ہوں یعنی فقط باعثِ زینت نہ ہوں چونکہ ایک موزونیت ایسی ہے کہ جس میں شے کے اندر حسن آجاتا ہے لیکن فقط زینت کی حد تک یعنی جس جس سے انسان اس شے کو دیکھتا ہے فقط وہ حس لذت محسوس کرتی ہے کہ عموماً زیبائی اور آرائش ظاہری اسی حد تک ہوتی ہے اور حسن اس سے زیادہ مؤثر نہیں ہوتا ہے یا موزونیت مؤثر نہیں ہوتی ہے کہ فقط دیکھتے ہوئے انسان کی آنکھ کو اچھی لگے، انسان کے دل کو اچھی لگے، انسان کے ذہن کو پسند آئے، اس کے اندر ملائمت اور سازگاری موجود ہو لیکن بعض اوقات یہی موزونیت سبب بنتی ہے کہ اس شے کی غرض اور غایت بھی انہی صفات کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے یا اس کا حصول آسان ہو جاتا ہے، اگر اس شے کے اندر یہ صفات نہ ہوں تو شے کی غرض سرے سے حاصل ہی نہیں ہوتی۔

ادب کے لغوی معنی کے دیگر موارد

پس اچھی صفات کا جمع کرنا ادب ہے لیکن وہ اچھی صفات کہ جن کے اندر حسن ہو اور باعثِ حسن موصوف بنیں، وہ صفات فقط صفات نہ ہوں، یعنی نہ منفی ہوں اور نہ ہی حسن سے خالی ہوں بلکہ وہ صفات باعثِ زینت موصوف بنیں اور ادب کے اندر دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ہم ان صفات کے جمع کرنے کو ادب کہیں گے کہ جن کے ذریعے سے موصوف اپنی غرض و غایت تک پہنچ جائیں یا ان اوصاف کی مدد سے موصوف کے اندر موجود غرض حاصل ہو سکے پس اصطلاح میں ادب

ان صفات کے اجتماع کو کہیں گے۔ آداب اسی کی جمع ہے یعنی ان صفات کا مجموعہ کہ جو موصوف کے اندر حسن و زیبائی و زینت کا باعث بھی بنیں اور اس کے اندر موجود غرض کے حصول کا باعث بھی بنیں۔

کئی چیزوں کے لئے ادب صفت واقع ہوتا ہے یعنی موصوف ادب بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں کہ ان میں سے رائج ترین الفاظ ہیں مثلاً الفاظ کی اسحات کو قواعد لفظیہ کو ادبیات کہتے ہیں، وہ علوم کہ جو الفاظ سے بحث کرتے ہیں مثلاً نحو کہ جس میں الفاظ کے اعراب و بناء سے بحث کی جاتی ہے یا صرف جس میں اوزان الفاظ سے بحث کی جاتی ہے اور اسی طرح معانی و بیان و بدیع کہ جس میں عبارت یا کلام کے حسن و زیبائی سے بحث کی جاتی ہے لہذا ایسے قاعدوں اور ضابطوں کے مجموعہ علوم کو ادبیات کہا جاتا ہے۔

ادبیات یعنی آداب الفاظ۔ وہ علوم جو متعلق بہ ادب الفاظ ہیں، ان کو آداب کیوں کہا جاتا ہے؟ اسی وصف کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان قواعد کے ذریعے سے الفاظ کے اندر یہ دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں، اول یہ کہ اگر یہ قواعد لحاظ نہ کئے جائیں اور یہ ضابطے ملحوظ خاطر نہ رکھیں جائیں تو پڑھنے اور لکھنے کے دوران ایک تو الفاظ میں حسن اور زینت پیدا نہیں ہوتی ہے، اگر الفاظ کے اندر یہ قواعد اور ضابطے ہٹا کر کوئی گفتگو کرے تو اس کے کلام میں حسن پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ سننے والے پر ایسا کلام بہت گراں اور شاق گزرتا ہے اور دوم یہ کہ الفاظ کے اندر ایک غرض ہے، انسان کسی غرض کے لئے الفاظ بولتا ہے، لکھتا ہے یا حتیٰ بحث کرتا ہے، معانی کے لئے الفاظ کی غرض یہ ہے کہ انسان اپنی مراد کسی

دوسرے تک پہنچائے اور معنی تفہیم کرے، اس کو ہم اصطلاح میں غرض الفاظ کہتے ہیں۔

الفاظ عبث نہیں ہیں، انسان جب بھی کوئی لفظ استعمال کرتا ہے تو غرض اصلی یہ ہوتی ہے کہ میرے ضمیر اور ذہن کے اندر جو معنی موجود ہے یا جو مطلب میں دوسرے تک منتقل کرنا چاہتا ہوں وہ ان الفاظ کے ذریعے سے اس تک پہنچاؤں، پس یہ غرض الفاظ ہے لیکن یہ غرض بھی ان قواعد کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، اگر یہ قواعد ہٹ جائیں اور فقط الفاظ ہوں تو تنہا الفاظ اپنی غرض پہنچانے میں ناکام ہیں، کوئی انسان ان الفاظ سے غرض نہیں سمجھے گا یا برعکس سمجھے گا مثلاً بولنے والا کچھ اور کہنا چاہے گا اور سننے والا کچھ اور سن رہا ہوگا لہذا غرض پوری نہیں ہوگی، پس الفاظ کے ذریعے سے غرض بھی حاصل ہونی چاہئے، نتیجہ یہ ہوا کہ الفاظ کو ان دو چیزوں کے لئے قواعد کی ضرورت ہے۔

الفاظ موصوف ہیں اور صفات، قاعدے و ضابطے ان کے اوصاف ہیں، ان اوصاف سے متصف ہو کر الفاظ میں اول یہ کہ زینت پیدا ہوتی ہے، عبارت کے لحاظ سے حسن پیدا ہوتا ہے اور اس کے اندر جمال لفظی آتا ہے اور دوم یہ کہ الفاظ اپنے معانی بخوبی ادا کرتے ہیں کیونکہ الفاظ کی غرض ان قواعد کی مدد سے حاصل ہوتی ہے، اس وجہ سے ان قواعد کے مجموعے کو اصطلاح میں ادب کہا جاتا ہے یا علم ادب اور ادبیات کہا جاتا ہے۔ یہ تو الفاظ کی صفت ہے لیکن اس سے پہلے کہ آداب قواعد لفظیہ کے لئے استعمال ہوں یعنی ان کو ہم ادبیات کہیں چونکہ از جملہ الفاظ افعال انسان ہیں، یہ خود انسان کے آداب ہیں، ایسے اوصاف اور ایسے کمالات کہ جن کی وجہ سے یہ دو چیزیں حاصل ہوں، ایک یہ کہ انسان کے اندر حسن، زیبائی اور جمال پیدا ہو اور دوسرا یہ کہ انسان کو ان ضابطوں کے ذریعے سے

غرض حاصل ہو یعنی انسان ان اوصاف کی مدد سے اپنے مقصدِ خلقت تک پہنچ سکتا ہو، لہذا ان اوصاف کو انسان کے آداب کہا جاتا ہے۔

(۳) معنی ادب بزبان علامہ طباطبائیؒ

مرحوم علامہ طباطبائیؒ نے معانی ادب کو زیادہ خوبصورتی سے بیان کیا ہے، تفسیر شریف المیزان میں ادب مع اللہ کے ذیل میں بحث ادب بھی بہت خوبصورتی سے انجام دی ہے یعنی انسان کے خدا کے ساتھ آداب۔ بارگاہِ خدا میں انسانی آداب کیا ہیں؟ ان آداب کے ذیل میں پہلے ادب کا معنی کیا ہے، اسی کتاب شریف المیزان سے عبارات ملاحظہ کرتے ہیں کہ انہوں نے ادب کا کیا معنی کیا ہے؟ جلد ششم میں صفحہ ۲۵۶ میں کلام فی معنی الادب کے نام سے ایک بحث مفصل ہے، جس طرح المیزان کا اسلوب ہے کہ پہلے مختلف آیات کے ذیل میں تفسیری بحث ہوتی ہے اور پھر اس آیہ کا جو مرکزی مفہوم ہوتا ہے، جس پیغام کو آیہ پہنچا رہی ہوتی ہے اس کو الگ سے محل بحث قرار دیتے ہیں یا اس پر بحث فلسفی، بحث اجتماعی، بحث روائی یا ادبی بحث ہوتی ہے۔ سورہ مائدہ کی بعض آیات کے ذیل میں انہوں نے ایک پوری فصل کلام فی معنی الادب کے نام سے لکھی ہے، گویا یہ ادب پہ پوری ایک مختصری کتاب ہے، اس میں فرماتے ہیں کہ

نبحت فیہ عن الأدب الذی أدب اللہ بہ أنبیائہ ورسلہ (علیہم السلام) فی

عدة فصول..... (۳)

ہم چند آداب سے بحث کریں گے، وہ آداب کہ جن آداب سے خداوند تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مودب فرمایا ہے یعنی آداب انبیاء یا آداب الہی کہ جو خداوند تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لئے مقرر کئے ہیں، اس کے ذیل میں چند فصلیں ہیں، پہلی فصل خود معنی ادب میں ہے کہ ادب کہتے کس کو ہیں؟ فرماتے ہیں کہ

الأدب علی ما یتحصل من معناه هو الهيئة الحسنۃ الیٰ ینبغی أن یقع علیہ الفعل المشروع اما فی الدین أو عند العقلاء فی مجتمعهم کآداب الدعاء و آداب ملاقات الاصدقاء وان شئت قلت ظرافۃ الفعل.....

یعنی ادب اس حالت زیبا، حالت حسنہ اور ہیئت حسنہ سے عبارت ہے کہ جو انسان کے فعل کے اوپر طاری ہوتی ہے۔ انسان جب بھی کوئی فعل انجام دیتا ہے تو وہ فعل متصف ہوتا ہے یعنی اس کے گونا گوں حالات ہیں، اس کی مختلف ہیئتیں اور شکلیں ہیں، ان مختلف شکلوں میں سے جو شکل فعل کی زیبا شکل ہو، حسین شکل ہو، خوبصورت اور موزوں شکل ہو کہ طبعاً جس فعل کو جیسا انجام پانا چاہئے اسی ہیئت کے مطابق اگر فعل انجام پائے تو اس کو اصطلاح میں یعنی اس ہیئت حسنہ فعل کو، اسی صفت حسنہ کو یا ہیئت جمیلہ کو کہ جو فعل کے اوپر طاری ہوتی ہے ادب کہتے ہیں۔

البتہ ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ اس کی شرائط ہیں، ایک یہ کہ ادب ان صفات کو کہتے ہیں جو جائز فعل کی صفات ہوں، وہ فعل مشروع ہو، فعل مشروع ہونا یعنی جائز ہو، ناجائز فعل نہ ہو مثلاً ظلم کے آداب، چوری کے آداب، جھوٹ کے آداب، نا، ان امور کے لئے ادب کا لفظ استعمال کرنا غلط ہے،

معنی ادب بزبان علامہ طباطبائی

لغتاً ایسے استعمال کرنا سرے سے غلط ہے حتیٰ مجازاً بھی استعمال نہیں کر سکتے ہیں مثلاً کوئی انسان جھوٹ بولے چونکہ جھوٹ بھی فعلِ انسان ہے اور کہے کہ یہ جھوٹ بولنے کے آداب ہیں، نہیں، چونکہ جھوٹ نامشروع فعل ہے، یہ نامشروع یعنی ناجائز فعل کیوں ہے؟ اس وجہ سے کہ کسی فعل کو جواز دو منابع سے حاصل ہوتا ہے یا تو شریعتِ مقدسہ یعنی وحی کے ذریعے سے کسی فعل کا جواز پیدا ہوتا ہے یا عقل کے ذریعے سے جواز پیدا ہوتا ہے، مثلاً ہم سے جتنے بھی اعمال اور افعال سرزد ہوتے ہیں تو یہ دیکھنے کیلئے کہ آیا یہ جائز افعال ہیں یا ناجائز افعال ہیں ہمیں دو منابع سے استفتاء کی ضرورت ہے، پوچھنے کی ضرورت ہے، ایک شریعت سے کہ میرا یہ فعل جائز ہے یا ناجائز ہے اور ایک عقل سے۔

جن افعال کو عقل کہے کہ ناجائز ہیں تو شریعت بھی ان افعال کو ناجائز کہتی ہے اور جن افعال کو شریعت کہتی ہے کہ ناجائز ہیں تو وہ عقل کے نزدیک بھی ناجائز ہیں، منتہی بسا اوقات یہ ناجائز ہونا، کسی فعل کا غیر مشروع ہونا ہم روایت کے ذریعے سے سمجھتے ہیں اور بسا اوقات کسی دلیل عقلی کی مدد سے کشف کرتے ہیں، پس پہلے یہ طے ہونا چاہئے کہ وہ فعل جو انسان انجام دیتا ہے یا جو انسان سے سرزد ہو رہا ہے وہ جائز ہے یا ناجائز ہے یعنی اس کے حلال ہونے، مباح ہونے یا جائز ہونے کا فتویٰ عقل و شریعت نے دیا ہے یا نہیں دیا ہے، جن افعال کو عقل و شریعت نے کہا ہے کہ یہ جائز ہیں تو پھر ان کے بارے میں بحث ہوتی ہے کہ ان افعال و اعمال کے آداب ہیں لیکن جن کو پہلے قدم پر ہی عقل و شریعت کہہ دے کہ یہ ناجائز فعل ہیں تو ان کے بارے میں بحثِ آداب وہیں ختم ہو جاتی ہے یعنی ان کے بارے میں اب مزید بحث نہیں کر سکتے ہیں کہ ان کے آداب کیا ہیں، جیسے اشارہ کیا کہ ظلم

معنی ادب بزبان علامہ طباطبائیؒ

ہے، ستم ہے، جھوٹ ہے، سرکشی ہے، غیبت ہے مثلاً غیبت کرنے کے آداب، نا، غیبت کرنے کے کوئی آداب نہیں ہیں، آداب اچھے فعل کے ہوتے ہیں یا جائز فعل کے اور دوسرا یہ ہے کہ یہ فعل اختیاری ہو۔

مرحوم علامہؒ فرماتے ہیں کہ آداب ان افعال انسان کے ہیں کہ اول انسان کا فعل عقل اور شریعت کے ذریعے سے جائز فعل ہو اور دوم یہ کہ یہ اختیاری فعل ہو کہ بعض اوقات غیر اختیاری افعال انسان سے سرزد ہوتے ہیں اور ان کے اندر انسان کا اپنا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، یعنی انسان کے ارادے، علم اور اختیار کے تحت وہ افعال صادر نہیں ہوتے ہیں بلکہ غیر اختیاری ہیں مثلاً جیسے انسان کی نبض چلتی ہے، انسان کا دل دھڑکتا ہے، انسان کے معدے میں غذا ہضم ہوتی ہے تو یہ فعل انسان کے ہی ہیں اور یہ انسان کے جسمانی افعال ہیں یا انسان کے روحانی افعال ہیں لیکن انسان کے ارادے کو ان میں کوئی شمولیت حاصل نہیں ہے، انسان ارادہ کریں یا نہ کریں یہ افعال انسان سے سرزد ہوتے ہیں، ادب ان افعال کی صفت کہلاتا ہے کہ جو اختیار اور ارادہ انسان سے صادر ہوں یعنی انسان چاہے تو ان کو انجام دے اور نہ چاہے تو انجام نہ دے، ارادی ہونے کے معانی یہی ہیں کہ اگر انسان چاہے۔

إِنْ شَاءَ فَعَلَ وَإِنْ لَمْ يَشَأْ لَمْ يَفْعَلْ..... (۴)

اگر چاہے تو انجام دے اور اگر نہ چاہے تو انجام نہ دے.....

ان افعال کی ضمام خود انسان کے اختیار میں ہو، ان افعال کی انجام دہی پر اور ان کے ترک

معنی ادب بزبان علامہ طباطبائیؒ

کرنے پر اور نہ ہی فعل پر وہ مجبور نہ ہو، مثلاً جس طرح سے جسمانی رشد و نشوونما ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد اس کا جسم بڑھنا شروع ہو جاتا ہے تو یہ غیر اختیاری فعل ہے، نہ انسان اس کو روک سکتا ہے، نہ انسان اس کو ترک کر سکتا ہے اور نہ ہی انسان اپنے اختیار سے اس کو انجام دے سکتا ہے، اسی طرح سے بہت ساری چیزیں انسان کے جسم اور روح میں موجود ہیں، اختیاری فعل اس کو کہیں گے کہ مثلاً جو انسان دیکھتا ہے لیکن اگر چاہے تو نہ دیکھے، انسان کھاتا ہے لیکن اگر ارادہ کرے تو نہ کھائے، انسان بولتا ہے لیکن اگر ارادہ کرے تو نہ بولے، یعنی جس فعل کا انجام دینا اور ترک کرنا دونوں مقدور انسان ہوں، چاہے تو انجام دے اور چاہے تو انجام نہ دے، پس پہلا یہ ہے کہ جائز فعل ہو دوسرا یہ ہے کہ یہ انسان کا اختیاری فعل ہو، غیر اختیاری نہ ہو۔ ان افعال کے لئے کچھ قواعد و ضوابط ہیں اور ان قواعد و ضوابط کی خصوصیات پہلے بیان کی ہیں کہ ان میں وہ دو خصوصیتیں ہوں تو پھر ان افعال کی صفات کو آداب کہتے ہیں۔

انسان یہ افعال کچھ صفات اور کچھ ضابطوں کے تحت انجام دیتا ہے، ان افعال کے انجام دینے کے کچھ قاعدے ہیں اور ان قاعدوں کے اندر دو خصوصیتیں ہوں، پس دو خصوصیتیں فعل کے اندر ہیں اور دو خصوصیتیں صفت کے اندر ہیں۔ صفات کے اندر یہ خصوصیات ہوں کہ اول باعث حسن و زینت و جمال فعل ہوں، ان صفات کے آنے سے فعل انسان زیبا ہو جائے، دوم یہ ہے کہ ان صفات کی وجہ سے فعل اپنی غرض و غایت تک پہنچ سکتا ہو، اس فعل کے اندر جو مقصود و غایت ہے یعنی جس کیلئے انسان یہ فعل انجام دیتا ہے تو وہ مقصود و غایت ان صفات کے ذریعے سے حاصل ہو، اگر یہ

معنی ادب بزبان علامہ طباطبائی

صفات نہ ہوں تو فعل کی غرض حاصل نہیں ہوتی ہے اور جن صفات سے فعل کی غرض حاصل نہیں ہوتی ہو تو وہ صفات ادب کے زمرے میں نہیں آتیں، پس مرحوم علامہؒ نے ادب کا معنی یہ کیا کہ ادب حالتِ زیبا سے، حالتِ حسنہ و موزونہ یعنی موزوں حالت سے عبارت ہے۔ چونکہ ہمارے ذہنوں میں مصادیق بیٹھے ہوئے ہیں لہذا جب حسن کہتے ہیں، تو ذہن میں کوئی پھول آ جاتا ہے، کوئی سینری (Scenery) آ جاتی ہے، حسن کا مفہوم موزوں چیز ہے، جس کے وجود کے اندر تناسب ہو، جس کے اجزاء و اعضاء کے اندر تناسب و موزونیت موجود ہو تو اس کو حسن کہتے ہیں۔

بعض اوقات چیزیں موزوں نہیں ہوتی ہیں بلکہ غیر موزوں ہوتی ہیں مثلاً ایک کلام غیر موزوں ہے یا ایک انسان کہ جس کے اعضاء غیر موزوں ہیں، اس کے ہاتھ، پاؤں غیر موزوں ہیں یا تو حد سے چھوٹے ہیں یا حد سے بڑے ہیں تو یہ غیر موزوں انسان ہے، چہرے کے خدو خال بسا اوقات موزوں ہیں اور بسا اوقات ناموزوں ہیں، اگر موزوں ہوں تو یہ باعثِ حسن ہیں لیکن اگر نا موزوں ہوں تو ان کی وجہ سے حسن پیدا نہیں ہوتا۔

معنی ادب بزبان علامہ طباطبائیؒ

پس حسن اس حالتِ زیبا اور حالتِ حسنہ کو کہتے ہیں کہ جو انسان کے فعل پر طاری ہوتی ہے اور یہ حالتِ حسن و حالتِ حسنہ کچھ صفات اور قواعد و ضوابط کے ذریعے سے طاری ہوتی ہیں۔ فعل کے اندر دو صفتیں موصوف کی ہیں اور دو خصوصیتیں صفات کی ہیں لہذا ان صفات کو ادب کہیں گے کہ جن کے اندر دو خصوصیات پائی جاتی ہوں، اول یہ کہ باعثِ زینتِ فعل ہوں، دوم باعثِ حصولِ غرضِ فعل ہوں اور دو صفتیں موصوف کے اندر یعنی فعل کے اندر ہوں، اول یہ جائزِ فعل ہو، ناجائزِ فعل نہ ہو

اور دوم یہ انسان کا اختیاری فعل ہو۔ ان خصوصیات کے ساتھ اگر انسان سے ایک فعل سرزد ہوتا ہے اور اس فعل کے اوپر یہ صفات طاری ہوں تو نتیجے میں فعل ایک حالتِ حسنہ و حالتِ موزوں پیدا کر لیتا ہے اسی کو ادب کہتے ہیں۔ پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ فعل انسان کا مودبانہ فعل ہے یا یہ فاعل انسان مودب انسان ہے۔

۴) دیگر اہل لغت کے نزدیک ادب کا معنی

بعض بزرگانِ لغت نے یہ کہا ہے کہ آداب ان صفاتِ فعلِ انسان کو کہا جاتا ہے کہ جن کے اوپر انسانوں کا، عقلاء کا اجتماع، اجماع اور اتفاق ہو یعنی جن صفات کے زیبا ہونے اور حسین ہونے پر سب کا اتفاق ہو، سب کہیں کہ یہ اچھی صفات ہیں کیونکہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو سب کے سب عقلاء انسان کے لئے صفاتِ موزوں کہتے ہیں یعنی معنی لغوی تو وہی ہے، بنیادی اور اصل معنی وہی ہے کہ اجتماع اور جمع کرنا، امور کا اکٹھا کرنا ادب کہلاتا ہے، اس معنی کے لحاظ سے مقصود یہ تھا کہ انسان کے اندر یا انسانی فعل کے اندر ان صفات کو اکٹھا کرنا کہ جن صفات کے نتیجے میں فعل کے اندر حسن و موزونیت پیدا ہو۔ یہ وہی چیزیں ہیں کہ جن کو طلاب منطق میں بھی پڑھتے ہیں، اس اصطلاح سے طلابِ علوم آشنا ہیں شاید غیر طلاب کے لئے اتنی معروف اصطلاح نہ ہو کہ جسے ہم منطقی اصطلاح میں آرائے محمودہ کہتے ہیں، منطقی اصطلاح میں آرائے محمودہ ان اوصاف یا امور کو کہا جاتا ہے کہ جن کے حسین ہونے پر عقلاء کا اتفاق ہو۔

مثلاً عدالت انہی امور میں سے ہے، عدالت ایک اچھی چیز ہے، اگر معاذ اللہ شریعت نہ بھی کہے یا خدانخواستہ شریعت میں حکم عدالت کے بارے میں کوئی حکم نہ ہوتا تو عدالت کے حسن کے لئے عقل کافی ہوتی، عقل خود کہتی ہے کہ عدالت خوب ہے، زیبا ہے اور تمام عقلائے عالم عدالت کو پسند کرتے ہیں پس اس وجہ سے عدالت پر اتفاق ہے، لہذا عدالت کی صفت آداب میں سے ہو جائے گی، پس ان ماہرین لغت کے بقول آداب ان صفات کو کہتے ہیں کہ جن کے خوب ہونے پر اور اچھا ہونے پر یا جن صفات کے حسنہ ہونے پر اتفاق عقلاء ہو۔ کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اور نتیجتاً مصداق ایک ہی ہو جاتا ہے یعنی وہ صفات کہ جن کے اکٹھا ہونے سے انسان کا فعل حسین ہوتا ہو یا جن صفات کے حسن پر عقلاء کا اتفاق ہو، دونوں لازم و ملزوم ہیں، چونکہ وہ صفات کہ جن کی وجہ سے انسان کا فعل حسن سے متصف ہوتا ہے، جمال و زیبائی سے متصف ہوتا ہے تو ان ساری صفات پر عقلائے عالم کا اتفاق بھی ہے یا عقلاء جن صفات کے اچھا ہونے پر اتفاق رکھتے ہیں تو یہ وہی امور ہیں کہ اگر انسان کے فعل میں آجائیں تو فعل کو حسین و زیبا بنادیتے ہیں، انسان کے عمل کی زینت بن جاتے ہیں۔

دیگر اہل لغت کے نزدیک ادب کا معنی

پس یہ دونوں باتیں الگ الگ نہیں ہیں، ہم اس کو تضاد نہیں کہیں گے کہ یہ ادب کا معنی کچھ اور کرتے ہیں اور وہ ادب کا معنی کچھ اور کرتے ہیں مثلاً فرض کر لیں کہ بولنا، گفتگو کرنا یہ فعل انسان ہے، عقلاء اتفاق رکھتے ہیں کہ اگر بلاغت اور فصاحت کے ساتھ گفتگو ہو تو یہ کلام کے لئے بہترین اور اچھی صفت ہے، بلاغت اور فصاحت کے حسن پر عقلائے عالم کا اتفاق ہے، اول یہ کہ کلام کے اندر

حسن اور زیبائی پیدا کر دیتی ہے، فعل کو مزین کر دیتی ہے اور گفتگو زیبا ہو جاتی ہے اور دوم یہ کہ فصاحت اور بلاغت سے مقصود کلام آسانی سے ادا ہوتا ہے، اس کی غرض حاصل ہو جاتی ہے لہذا دونوں قول لازم و ملزوم ہیں، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں فرق ہے۔

۵) امیر المومنین حضرت علیؑ کے نزدیک افضل ادب

بعض اہل لغت نے ادب کیلئے ایک اور معنی استعمال بھی ذکر کیا ہے اور یہ معنی بھی روایات سے ماخوذ ہے، یہ روایت کئی جگہ نقل ہوئی ہے از جملہ کتاب شریف غرر میں، غرر الحکم امیر المومنینؑ کے کلمات اختصار کا مجموعہ ہے، مرحوم آمدیؒ نے اس کو جمع کیا ہے، ایک مجموعہ جناب سید رضیؒ نے جمع کیا ہے۔ کلام امیر المومنینؑ کے کئی مجموعے ہیں، غرر الحکم ہے، نہج البلاغہ ہے اور ایک مستدرک نہج البلاغہ ہے کہ وہ جناب آغا محمدی نے جمع کی ہے۔ مستدرک نہج البلاغہ یعنی تمام کلمات امیر المومنینؑ، خطبات، دعائیں، مناجات اور جو کچھ امیر المومنینؑ سے منقول ہے وہ سارا انہوں نے ایک جگہ پر اکٹھا کیا ہے بنام مستدرک نہج البلاغہ، اس کا نام نہج السعاده ہے۔ غرر میں بھی یہ روایت موجود ہے، اگرچہ بعض ماہرین لغت نے ادب کا یہ معنی ذکر کیا ہے لیکن روایت موجود ہے، ہم دونوں طرف سے استناد دے سکتے ہیں، لغت کی طرف بھی اور روایت کی طرف بھی، امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ

أَفْضَلُ الْأَدَبِ أَنْ يَقِفَ الْإِنْسَانُ عِنْدَ حَدِّهِ وَلَا يَتَعَدَّى قَدْرَهُ..... (۵)

امیر المومنین حضرت علیؑ کے نزدیک افضل ادب

افضل ادب یہ ہے کہ انسان اس کی حد میں رہے اور اس سے آگے نہیں بڑھے.....
 یعنی انسان کے لئے جو مقدار معین کی گئی ہے، جو حدود معین کی گئی ہیں ان حدود سے باہر
 قدم نہ رکھے، یہ انسان کا بہترین ادب ہے۔ ہر شے کی اپنی ایک حد مقرر ہے، انسان کی ایک حد ہے،
 انسان کے کام کی ایک حد ہے، ہر شے اور دنیا میں جو بھی موجود ہے اس کی ایک حد ہے، بغیر حد کے
 فقط ذاتِ خداوند تبارک و تعالیٰ ہے، ذاتِ خدا لا محدود ہے، خدا کی کوئی حد نہیں ہے لیکن غیر از خدا ہر
 چیز کی اپنی ایک حد ہے، اسی حد کے اندر اس شے کے رہنے کو ادب کہتے ہیں۔ اگر ہم دوسرے جہان
 میں نہ جائیں کہ ہمارا ذہن مُشَوَّش نہ ہو جائے اور صرف معنیِ ادب میں انسان اور انسان کے فعل ہی
 کے اوپر بحث کو مرکوز رکھیں کہ مثلاً انسان کی حدود ہیں، یہ حدود بھی شریعت نے مقرر کی ہیں، یہ
 حدود قانونی ہیں یا تکوینی ہیں۔

انسان کے لئے دو قسم کی حدود متعین کی گئی ہیں، بعض تکوینی حدود ہیں کہ جو خلقت میں
 خداوند تبارک و تعالیٰ نے مقرر کر دی ہیں، تکوینی حدود یہ ہیں کہ انسان اس خاص ہیئت اور اس خاص
 شکل میں ہو، اتنے اعضاء ہوں مثلاً اس طرح کی اس کی قامت ہو، اس طرح کا انسان کا پیکر ہو، یہ
 حدودِ تکوینی انسان ہیں، جیسے مرد ہے تو اس کے جسم میں یہ خصوصیات ہوں، عورت ہے تو اس کے جسم
 میں یہ خصوصیات ہوں، ظاہر کی یہ خصوصیات ہوں، باطن کی یہ خصوصیات ہوں، یہ حدودِ تکوینی انسان
 ہیں، اس کے علاوہ کچھ حدودِ قانونی انسان ہیں یعنی انسان کے لئے خلقت کی حدود کے علاوہ کچھ
 حدودِ قانونی بھی رکھی گئی ہیں، چونکہ انسان موجود با اختیار اور آزاد موجود ہے، صاحبِ علم و فراست

امیر المومنین حضرت علیؑ کے نزدیک افضل ادب

ہے، خدا نے اس کو یہ نعمتیں دی ہیں، خواںخواہ اس کے لئے قانون ہیں، شریعت ہے اور قانون کے اندر بھی اس کے لئے حدود مقرر ہیں کہ ان حدود سے آگے اس کا حق نہیں بنتا ہے اور اسے ان حدود سے باہر نہیں جانا چاہئے لہذا انہی حدود کے اندر رہنا اور خود کو ان حدود کے اندر رکھنا ادب کہلاتا ہے، مثلاً انسان اپنی حدود کے اندر رہے، انسان حدودِ تشریعی اور حدودِ قانونی کے اندر رہے، حدودِ اخلاقی کے اندر رہے اور حدودِ فقہی کے اندر رہے تو یہ انسان کا ادب ہے، اسی طرح سے فعلِ انسان بھی ہے، جس طرح خود انسان کی حدود ہیں اسی طرح انسان کے فعل کی بھی حدود ہیں مثلاً آپ بولیں، لیکن کتنا بولیں؟ اس کے لئے ایک حد ہے، آپ بے حد نہیں بول سکتے ہیں، لا محدود نہیں بول سکتے ہیں یعنی دونوں لحاظ سے لا محدود مثلاً آپ بولتے رہیں اور کسی کا خیال نہ رکھیں، جس موضوع پہ مرضی ہو بولتے رہیں، آپ یہ خیال بھی نہ کریں کہ یہ گالی ہے، یہ تہمت ہے، یہ بہتان ہے، یہ غیبت ہے، یہ ناسزا ہے، یہ نازیبا الفاظ ہیں اور جو منہ میں آئے کہتے جائیں۔

ایسی گفتگو کرنا انسان کا حق نہیں ہے، گفتگوئے انسان محدود ہے یعنی متعین ہے اور اس بولنے کے کچھ قاعدے اور ضابطے ہیں، انہی قاعدوں و ضابطوں کے اندر آپ کو بولنا ہے، انہی قاعدوں اور ضابطوں کا خیال رکھنا یعنی اپنے کلام کو حدود کے اندر رکھنا ادبِ کلام ہے، آپ عبارت استعمال کریں لیکن اس عبارت کے کچھ ضابطے ہیں، کچھ حدود ہیں اور گفتگو ان حدود کے اندر رکھنا عبارت کا ادب ہے لہذا ادبیات کو اس معنی میں بھی ادبیات کہتے ہیں کہ الفاظ کے کچھ ضابطے اور کچھ قاعدے ہیں اور یہ ہر زبان کے اندر ہیں، اگر آپ گفتگو کر رہے ہیں اور اس گفتگو کو ان ضابطوں کے

امیر المومنین حضرت علیؑ کے نزدیک افضل ادب

اندر رکھیں اور حدود کے اندر رکھیں تو آپ ادیبانہ گفتگو کر رہے ہیں یعنی آپ مودب ہیں اور آپ کے الفاظ آداب سے متصف ہیں۔ حدود وہی ہیں کہ جو شریعت نے یا عقلاء نے مقرر کی ہیں یا یوں کہیں کہ تکوین اور تشریع میں مقرر ہیں، مثلاً آواز حد سے تجاوز کرنے پر قرآن نے مذمت کی ہے،

وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ (۶)

اور اپنی آواز کو دھیمار کھنا کہ سب سے بدتر آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔

یہ جانوروں کی آوازوں کو نہیں کہا گیا ہے بلکہ انسان کو کہا گیا ہے کہ بدترین آواز جو انسان نکالتا ہے وہ آواز ہے کہ جو گدھے کی شبیہ ہے، یعنی اس طرح سے چیخ و پکار نہ کرو، خواہ منبر کے نیچے ہو یا منبر کے اوپر ہو، اس طرح سے نہ ہو کہ یہ کلام حدود سے خارج ہو جائے، بالآخر بولنے کی حد ہے مثلاً آواز اتنی دھیمی بھی نہ رکھو کہ حد سے باہر ہو جائے کہ سرگوشی شروع کر دو اور کسی کے کان تک آواز ہی نہ جائے اور اتنی کرخت آواز میں بھی نہ چلاؤ، اتنی چیخ و پکار کہ پیٹ کا زور، انتڑیوں کا زور اور معدے کا زور بھی لگا دو، ظاہر ہے کہ سارے اعضاء خدا نے اپنے اپنے کام کے لئے بنائے ہیں، معدے کا کام غذا ہضم کرنا ہے، انتڑیوں کا کام اس کو اور جگہ منتقل کرنا ہے، اعصاب کو خدا نے قوت دی ہے لیکن انسان بیٹھ کر اعصاب کی قوت بھی اکٹھی کرے، انتڑیوں کی بھی، معدے کی بھی اور سارا زور لگا کر گفتگو کرے تو پھر اس صورت میں باقی کام رہ جائیں گے، اس کی حد ہے یعنی صوت کے لحاظ سے بھی حد ہے کہ نہ حد سے نیچے بولو نہ اوپر۔

امیر المومنین حضرت علیؑ کے نزدیک افضل ادب

اسی طرح دیکھنے اور نگاہ کرنے کے بھی آداب ہیں، بعض نگاہیں ایسی ہیں کہ جو انسان کو

ناگوار گزرتی ہیں مثلاً گھور کر دیکھنا، جبکہ بعض نگاہیں ایسی ہیں کہ جو اس کو پسند آتی ہیں، مثلاً شفقت بھری نگاہوں سے دیکھنا، چونکہ نگاہیں پڑھی جاسکتی ہیں، جب انسان گھورتا ہے تو یہ بھی ایک نگاہ ہے لیکن حد سے متجاوز ہے، ایسے نگاہ نہیں کرنی چاہئے تھی کہ انسان ڈر جائے، سہم جائے اور خوفزدہ ہو جائے، نگاہ کی حد ہونی چاہئے اسی طرح سننے کی بھی حد ہے پس کسی بھی شے کی حد ہے، وہ حد تکوینی ہو یا قانونی کسی شے کو اسی حد کے اندر رکھنا اس شے کا ادب ہے، اب شمار کریں تو بے شمار افعال انسان ہیں لیکن جتنے بھی افعال ہیں ان سارے اعمال اور افعال کی حدود مقرر کی گئی ہیں، انسان اگر انہی حدود کے اندر افعال بجالائے تو یہ آداب فعل انسان ہیں، آیا یہ ادب کا تیسرا معنی ہے؟ بسا اوقات انسان سمجھتا ہے کہ ادب کہ یہ مختلف معانی کئے گئے ہیں، نہیں، یہ بھی وہی معانی ہیں فقط عبارت تبدیل ہے۔

عبارتنا شتی و حسنک واحد

وکل الی ذاک الجمال یشیر..... (۷)

یعنی عبارتیں مختلف ہیں لیکن معنی ایک ہے۔ ہم اس کو مختلف تعبیروں سے بیان کر رہے ہیں، ہماری یہ عبارتیں، الفاظ اور جملے مختلف ہیں لیکن حقیقت ایک ہی ہے کہ جس کو ادا کیا جا رہا ہے، پہلے جو دو معانی ذکر کئے گئے ہیں یہ اسی کی بازگشت ہے، محل مطلب ایک ہی ہے۔ جیسے کہا تھا کہ دو خصوصیات موصوف کے اندر ہوں اور دو خصوصیات صفات کے اندر ہوں تو اس وقت اس کو ہم ادب کہیں گے، یعنی صفات وہ ہوں کہ جو فعل کے اندر یا موصوف کے اندر حسن پیدا کریں اور دوم یہ

امیر المومنین حضرت علیؑ کے نزدیک افضل ادب

صفات وہ ہوں کہ جن کے ذریعے موصوف کی غرض و غایت کو مقصود حاصل ہوتا ہو اور فعل کی خصوصیات یہ ہوں کہ خود وہ فعل موصوف جائز بھی ہو اور اختیاری بھی ہو، یہ مرحوم علامہؒ نے ادب کے ذیل میں بیان فرمایا ہے، بعض نے کہا کہ نہیں آداب ان صفات کو کہتے ہیں کہ جن پر اتفاقِ عقلاء ہو، ان کے حسن پر اور ان کے نیک اور اچھا ہونے پر اتفاقِ عقلاء ہو تو اس کو ادب کہتے ہیں، دونوں ایک ہی مطلب ہیں، جیسے بیان کیا تھا کہ لازم و ملزوم ہیں۔

تیسرا معنی ادب اس شے کو اپنی حدود میں رکھنا ہے، چونکہ شے کے اندر حسن اسی سے پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی حدود کے اندر رہے، حدود کے اندر رہنے سے دونوں مقصد حاصل ہوتے ہیں، اس کے اندر زینت اور زیبائی بھی پیدا ہوتی ہے، حد سے بڑھ جائے تو زینت اور موزونیت ختم ہو جاتی ہے اور دوم یہ ہے کہ اگر حدود سے باہر آ جائے تو اس کی غرض حاصل نہیں ہوتی ہے، مثلاً فرض کر لیں کہ آپ گفتگو کرنا چاہتے ہیں لیکن اتنے آرام سے اور دھیمی آواز میں بولے کہ دوسرے تک آواز نہیں پہنچی تو غرضِ کلام حاصل نہیں ہوئی یا اتنا زور سے بولے کہ دوسرا کچھ بھی نہ سمجھ سکا کہ کیا کہہ رہے ہیں، انسان بسا اوقات چیخ رہا ہوتا ہے تو اسے کہتے ہیں کہ آرام سے بولو تا کہ کچھ سمجھ میں آ جائے کہ آپ کیا کہہ رہے ہو، آپ اگر اپنے ٹی وی (TV) کی آواز اونچی کر دیں، فل ولیم (Full volume) کر دیں تو کچھ پتہ نہیں چلے گا کہ کیا کہہ رہا ہے، اس کو ایک حد میں رکھیں، نہ آواز بہت دھیمی ہو اور نہ بہت اونچی ہوتا کہ آپ کو سمجھ میں آئے کہ کیا کہہ رہا ہے۔ غرض انہی حدود کے اندر رہنے سے غرض حاصل ہوتی ہے۔

امیر المومنین حضرت علیؑ کے نزدیک افضل ادب

پس بنا براین کسی شے یا موصوف کے اندر حدود ہی باعث ایجادِ جمال و زیبائی ہیں اور انہی حدود کے اندر رہنے سے شے یا موصوف کی غرض پوری ہوتی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ شے یا وہ فعلِ انسانِ اختیاری ہو اور دوم یہ کہ وہ فعل جائز اور مشروع فعل ہو، عقل و شریعت نے اس کی اجازت دی ہو تو اس کیلئے لفظ ادب استعمال کیا جاتا ہے۔

۶) اخلاق اور آداب میں فرق

ادب کے بارے میں روایات بھی فراواں ہیں اور بزرگان نے بھی اس کے بارے میں بہت کچھ بیان کیا ہے، مرحوم علامہ طباطبائیؒ نے اسی ادب کے ذیل میں چند اور خصوصیات بھی ذکر کی ہیں اور بہتر ہے کہ یہ ہمیں آغازِ بحث میں معلوم ہو جائیں تاکہ اثنائے بحث میں کسی مشکل کا شکار نہ ہوں، مرحوم علامہ طباطبائیؒ کے مطابق ایک خصوصیت یہ ہے کہ آداب اخلاق نہیں ہیں بلکہ اخلاق اور آداب میں فرق ہے۔ عام طور پر سنی سنائی باتوں یا مجمل اور مبہم ہونے کی وجہ سے ذہنوں میں یہی بات موجود ہے، جیسے برکت کے لئے کہا کہ مجمل اور مبہم مفہوم ہے یا ادب ایک مجمل اور مبہم مفہوم ہے۔ ہم ان مفاہیم کے اندر کمتر تحلیلی بحث کرتے ہیں اسی لئے بسا اوقات اخلاق کو آداب سمجھتے ہیں اور اسے استعمال بھی کرتے ہیں، لکھ بھی دیتے ہیں اور بیان بھی کر دیتے ہیں، نہیں، بلکہ آداب اور اخلاق میں فرق ہے۔

اخلاق، خلق کی جمع ہے، خلق سے مراد ملکات، راسخ عادتیں، انسان کے نفس اور وجود

کے اندر اچھی راسخ عادتیں ہیں اور تعریفِ ملکات بھی یہ کرتے ہیں کہ انسان کے اندر ایسی راسخ عادتیں کہ جن کی مدد سے انسان سے کوئی فعل اور عمل سہولت کے ساتھ انجام پاتا ہے انہیں اخلاق کہا جاتا ہے اور صدر المتألهینؒ نے اخلاق کے ذیل میں جو بعض مطالب بیان کئے ہیں وہ بہت ہی عرشی و نورانی ہیں ان میں ایک مطلب خلق وخلق کے درمیان فرق ہے۔ انسان دو ہی چیزوں کا مجموعہ ہے۔ خلق ہے اور خلق ہے، خلق یعنی ہمارے اندر جو کچھ خدا نے بنایا ہے وہ خلق ہے اور خدا کی بنائی ہوئی اس تصویر کے اندر جو کچھ ہم بناتے ہیں وہ خلق ہے، ایک پلاٹ (Plot) ہے، ایک بیک گراؤنڈ (Background) ہے کہ جو خدا نے ہمیں بنا کر دیا ہے یہ خلق ہے اور پھر ہمیں کہا کہ یہ لو قلم اور خود جو مرضی ہے اس کے اندر بناؤ لہذا اس کے اندر جو کچھ ہم بنا رہے ہیں یہ ہمارا خلق ہے، یہ ہمارا اخلاق ہے، پس اخلاق انسان کی اپنی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ اپنے وجود کے اندر، عادتیں، ملکات اور راسخ چیزیں اور ایسے ملکات کہ جن کے ذریعے سے انسان سے فعل بہت آسانی سے انجام پاتا ہے۔

عادتیں غلط اور صحیح دونوں طرح کی ہوتی ہیں اور دونوں ملکات کہلاتے ہیں لہذا اخلاق میں بھی بعض اچھی اور بعض بری عادتیں ہیں، مثلاً بعض لوگوں کے لئے جھوٹ بولنا بہت آسان ہے، اتنا ہی آسان ہے کہ جتنا دوسروں کے لئے سچ بولنا آسان ہے، بعض کے لئے سچ بولنا بہت آسان ہے، اگرچہ خطر و ضرر ہو، کیوں؟ اس لئے کہ ان کے اندر صداقت و سچائی ملکہ ہے اور ان کے اندر کذب و جھوٹ ملکہ بن گیا ہے، جھوٹ بولنا اس کی عادت ہے یا جیسے امانت اور خیانت ہے، ایک شخص کیلئے

امانت رکھنا بہت آسان ہے، امانت کو راز رکھتا ہے، دوسروں کی امانتیں سنبھالتا ہے اور ادا کرتا ہے، کتنی ہی بڑی امانتیں ہوں لیکن ان کو محفوظ بھی رکھتا ہے اور ادا بھی کرتا ہے، کسی کاراز نہیں اگلتا اور ایک انسان ہے کہ جس کے اندر خیانت ملکہ بن گئی ہے یعنی اس کے نزدیک خیانت کرنا بہت آسان ہے، سب کی باتیں سب کو بتائے گا اور اگر اس کو کوئی چیز سونپ دیں تو یا وہ سرے سے ادا ہی نہیں کرے گا یا چیز کو نقصان پہنچا کر ادا کرے گا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اپنے صحابہ کو، اپنی سپاہ کو یہ فرمایا کہ جس کی وجہ سے ہمارے بعض خطباء کہتے ہیں کہ یہ قسمت امیر المومنین علیہ السلام ہے یا فارسی زبان میں کہتے ہیں کہ یہ مولاً کا شانس یعنی قسمت ہے کہ ایسے لوگ میسر آئے ہیں کہ جن کے بارے میں خود امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر میں تمہیں امانت کے طور پر ایک سفالین یعنی مٹی کا پیالہ بھی دوں تو وہ بھی تم مجھے خیانت کر کے لوٹاؤ گے یعنی اس کا بھی کنڈا توڑ کر واپس دو گے، یہی مٹی کا بے قیمت پیالہ بھی تم خیانت کر کے لوٹاؤ گے، کیوں؟ آخر اس میں خیانت کی کیا وجہ ہے؟ اس کنڈے سے کیا تمہیں ملے گا؟ وہ ٹوٹ جانے سے کنڈا بھی بے کار ہو جاتا ہے اور پیالہ بھی بے کار ہو جاتا ہے لیکن جس کی عادت خیانت کرنے کی ہو وہ یہ تو نہیں دیکھتا ہے کہ اس سے مجھے کیا حاصل ہوگا، خیانت اس کی عادت ہے، کسی کے مال میں انگلی مارنا اس کی عادت ہے لہذا خیانت کرتا ہے، یہ اس انسان کی عادت بن گئی ہے لہذا ملکات اچھے بھی ہیں اور برے بھی ہیں اور یہ اخلاق انسان ہیں، اخلاق صفاتِ راسخہ نفس کو کہتے ہیں یعنی نفس کے اندر راسخ صفتیں و خصلتیں، نفس کے اندر اتری ہوئی غیر قابلِ زوال صفات، لہذا غیر

قابل زوال صفات کو کہ جو انسان کے اندر موجود ہیں ان کو ملکات کہتے ہیں اور یہ اخلاقِ انسان ہیں۔
 آداب کن چیزوں کو کہتے ہیں؟ فرماتے ہیں کہ آداب اخلاق نہیں ہیں، آداب اوصافِ فعلِ انسان ہیں نہ کہ اوصافِ نفسِ انسان ہیں۔ آداب صفاتِ فعل و عملِ انسان ہیں لیکن صفاتِ راسخہ در نفس کو آداب نہیں کہتے ہیں بلکہ وہ خُلُقیاتِ انسان ہیں۔ انسان جب کوئی عمل کرتا ہے یا کوئی فعل انجام دیتا ہے مثلاً لکھتا ہے تو لکھنے کے آداب ہیں لیکن لکھائی فعلِ انسان ہے، لکھائی فعلِ نفسِ انسان و فعلِ ذاتِ انسان ہے، ذات کی صفات کو آداب نہیں کہیں گے بلکہ خُلُقیات کہیں گے لیکن جب یہ انسان ایک فعل انجام دیتا ہے مثلاً لکھتا ہے اور اس لکھائی کے اندر اوصاف ہوں، وہی اوصاف کہ جن کی طرف ابھی اشارہ ہوا ہے یعنی جن کی وجہ سے اس فعل کے اندر حسن و زینت بھی ہو اور اس کی غرض بھی حاصل ہوتی ہو تو اس لکھائی کے فعل کی صفات کو آداب کہیں گے۔

اب آدابِ لکھائی یہ نہیں ہیں کہ مثلاً وہ قرآن کہ جو بہت چھوٹا لکھا جاتا ہے، مائکرو (Micro) قرآن کہ جو ایک ملی میٹر اور دو ملی میٹر کے طول و عرض میں لکھا ہوتا ہے اور بقول آغائے قرائتی کے کہ اس قرآن کو تو جن بھی نہیں پڑھ سکتا ہے، یہ کس لئے لکھتے ہیں؟ اس کی غرض کیا ہے؟ یہ ادب نہیں ہے یا ایک اور قرآن کہ ابھی خود ایران میں ہی لکھا گیا ہے کہ کہتے ہیں بیس ٹن کا قرآن ہے، جس کا ورق الٹنے کے لئے بھی دس دس بندے جائیں گے کہ اس کا ایک ورق الٹ دیں، یہ کس لئے لکھا ہے؟ یہ تو کوئی دیو ہو کہ جس کے لئے لکھا گیا ہو، یہ آداب کے خلاف لکھنا ہے۔ اگر قرآن لکھنا ہے تو اس طرح لکھیں کہ اس کے اندر دو کام ہوں ایک باعثِ زینت ہو یعنی خطِ قرآن

باعثِ زینت و زیبائی قرآن ہو اور دوم یہ کہ مقصودِ قرآن حاصل ہو رہا ہو، یہ بیس ٹن کا میکرو (Macro) قرآن اور ایک ملی میٹر کے مائکرو (Micro) قرآن میں زینت کہاں ہے؟ اور دوسرا یہ کہ ان کا مقصد و غرض کیا ہے؟ آیا اس سے قرآن کا مقصد حاصل ہوتا ہے؟

اسی طرح انسان کوئی اور فعل انجام دیتا ہے مثلاً بسا اوقات ایسا خط لکھتا ہیں کہ جو پڑھا نہیں جاسکتا ہے، اس کے اندر زینت تو ہے لیکن مقصود حاصل نہیں ہوتا ہے اور اگر مقصود حاصل نہیں ہوتا ہے تو یہ غیر ادبیانہ کام کیا ہے، غیر مؤدب کام کیا ہے، یہ آداب کے بغیر اور آداب سے خالی لکھائی ہے۔ پس بہت واضح طور پر مرحوم علامہؒ فرماتے ہیں کہ آداب اور اخلاق میں فرق ہے، اخلاق صفاتِ راسخہ نفس کو کہتے ہیں اور آداب صفاتِ جمیلہ فعل انسان کو کہتے ہیں۔

(۷) آداب، مقاصد کیلئے نشانِ راہ

مرحوم علامہ طباطبائیؒ نے ایک نکتہ دیگر بیان فرمایا ہے کہ آداب چونکہ صفاتِ جمیلہ فعل انسان کو کہتے ہیں اور وہ صفات کہ جن کو ہم آداب کہتے ہیں ان کی دو خصوصیتیں ذکر فرمائی ہیں، یہ حفظ کریں اور ان مطالب کو ذہن میں رکھیں، موصوف یعنی فعل کی دو خصوصیتیں ہیں یعنی انسان کا فعل شریعت و وحی اور عقل کے ذریعے سے جائز فعل ہو اور دوم یہ کہ یہ اختیاری فعل ہو اسی طرح ان صفات کی بھی دو خصوصیتیں ہیں، ایک یہ کہ باعثِ زینت موصوف ہوں اور دوسری یہ کہ باعثِ حصولِ غرض موصوف ہوں یعنی موصوف کی غرض ان سے حاصل ہوتی ہو، لکھائی موصوف ہے اور اس لکھائی کے

اندروہ خصوصیتیں کہ جن کی وجہ سے لکھائی میں حسن و زیبائی پیدا ہوتی ہو اور وہ خصوصیتیں کہ جن سے لکھائی کی غرض حاصل ہوتی ہو تو یہ خصوصیات و صفات آداب کہلائیں گی اور چونکہ آداب غرض کے حصول میں دخیل ہیں کہ ان کے بغیر غرض حاصل نہیں ہو سکتی لہذا اس وجہ سے فرماتے ہیں کہ ہم آداب کے ذریعے سے اغراض کی نشاندہی بھی کر سکتے ہیں۔ آداب انسان دلیل براغراض انسان ہیں یا آداب فعل انسان دلیل براغراض فعل انسان ہیں۔

اسی طرح مختلف معاشروں، قوموں اور طبقات کے اندر آداب موجود ہیں، یہ آداب بتاتے ہیں کہ ان لوگوں کے پیش نظر کیا اغراض ہیں، یہ کیا چاہتے ہیں؟ ان کے مقاصد کیا ہیں؟ انہی آداب سے بخوبی پتہ چل جاتا ہے اور پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ مثلاً اگر آپ دیکھیں کہ کسی شخص نے جو عمل کیا ہے تو وہ کس ادب کے تحت کیا ہے، وہیں سے انسان سمجھ جاتا ہے کہ وہ شخص کیا کرنا چاہتا ہے؟ کہاں پہنچنا چاہتا ہے؟ اور اس کا مقصد کیا تھا؟ آداب بتائیں گے کہ آیا اس کی غرض مادی ہے، نفسانی ہے یا اس کی غرض الہی و معنوی ہے، مثلاً فرض کر لیں کہ طالب علم مشغول تحصیل ہیں، یونیورسٹیوں میں، کالجوں میں، دینی مدرسوں میں اور حوزوں میں بھی مشغول تعلیم و تحصیل ہیں۔ یہ تحصیل بھی ایک فعل ہے، تحصیل یعنی علم حاصل کرنا، یہ بھی ایک عمل ہے اور اس عمل کے بھی آداب ہیں، آداب یعنی قاعدے، ضابطے اور صفات، انہی صفات سے اندازہ ہوگا کہ اس انسان کی علم حاصل کرنے کی غرض کیا ہے۔ اس کے جو آداب زمانہ طالب علمی میں ہیں یا طالب علمانہ آداب ہیں وہی بتائیں گے اور نشاندہی کریں گے کہ یہ کس مقصد کے لئے علم حاصل کر رہا ہے؟ اور کہاں جانا چاہتا

ہے؟ آیا اس سے شخصیت بنانا چاہتا ہے؟ عزت و شہرت چاہتا ہے؟ یا مال کمانا چاہتا ہے؟

☆ علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

روایات میں تحصیل علم کے بہت سارے مقاصد ذکر کئے گئے ہیں اور ان کی شدید مذمت بھی کی گئی ہے، اتفاقاً وہ مذموم مقاصد بیشترین مقاصد ہیں کہ جو اس وقت حصول علم کیلئے نظر آتے ہیں۔ رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ

لَا تَعْلَمُوا الْعِلْمَ لِيَمَارُوا بِهِ السُّفَهَاءُ، وَتُجَادِلُوا بِهِ الْعُلَمَاءُ، وَلِتَصْرِفُوا
وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْكُمْ..... (۸)

یعنی علم اسلئے حاصل نہ کرو کہ احمقوں کے ساتھ جھگڑا (بحث) کرو اور علماء کے ساتھ مباحثہ (جدال) کرو اور لوگوں کا رخ اپنی طرف کرو.....

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِأَرْبَعِ دَخَلَ النَّارَ : لِيَبَاهِي بِهِ الْعُلَمَاءَ، أَوْ يُمَارِيَ بِهِ
السُّفَهَاءَ، أَوْ لِيُصْرِفَ بِهِ وَجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ، أَوْ يَأْخُذَ بِهِ مِنَ الْأُمَرَاءِ. (۹)

جو علم کو چار مقاصد کیلئے طلب کرتا ہے وہ جہنم میں جائے گا، علماء پر فخر و مباحثات کرنے کیلئے یا احمقوں کے ساتھ جھگڑا (بحث) کرنے کیلئے یا لوگوں کا رخ اپنی طرف کرنے کیلئے یا حاکموں سے پیسہ لینے کیلئے.....

اسی طرح امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث مبارکہ ہے کہ

☆ علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ، أَوْ يُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ
وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (۱۰)

یعنی جو علم حاصل کرتا ہے تاکہ علماء پر فخر و مباحات کرے یا احمقوں کے ساتھ
جھگڑا (بحث) کرے یا یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے تو ایسا آدمی اپنے ٹھکانے کو جہنم میں
معین کر لے.....

مولائے متقین حضرت علیؑ فرما رہے ہیں کہ

خُذُوا مِنَ الْعِلْمِ مَا بَدَأَ لَكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تَطْلُبُوهُ لِحَصَالِ أَرْبَعٍ: لِيُبَاهُوا بِهِ
الْعُلَمَاءَ، أَوْ تُمَارَوْا بِهِ السُّفَهَاءَ، أَوْ تَرَأَوْا بِهِ فِي الْمَجَالِسِ، أَوْ تَصْرِفُوا وَجُوهَ النَّاسِ
إِلَيْكُمْ (۱۱)

یعنی علم میں سے جس کو چاہتے ہو حاصل کرو لیکن علم کو چار مقاصد کیلئے حاصل کرنے سے
بچو: علماء پر فخر و مباحات کرنے کیلئے یا احمقوں کے ساتھ جھگڑا (بحث) کرنے کیلئے یا اس کے ذریعے
اجتماعات میں ریا کرنے کیلئے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کیلئے.....

لِتَمَارَوْا بِهِ السُّفَهَاءَ،

یعنی احمقوں کے ساتھ الجھنے کے لئے، بحث برائے بحث کیلئے، مثلاً میں اس لئے پڑھوں

تاکہ کسی محفل میں پیچھے نہ رہ جاؤں تو یہ غرض مذموم ہے یا

لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ،

☆ علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

یعنی علم اس لئے حاصل کرتا ہے تاکہ علماء پر فخر کرے، اترائے کہ میں اتنا بڑا علما ہوں،

میں اتنا زیادہ جانتا ہوں، میں بہت بڑی شخصیت علمی ہوں، یہ مذموم غرض ہے یا

يَا خُذْ بِهِ مِنَ الْأُمَرَاءِ.

یعنی علم اس لئے حاصل کرے تاکہ اس کو ذریعہ معیشت قرار دے، یہ بھی مذموم غرض ہے،

اور غرض چہارم کہ جس کی مذمت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ

لِيُصْرِفَ بِهِ وَجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ،

کوئی شخص علم اس لئے حاصل کرتا ہے تاکہ اس علم کی مدد سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچے،

مبذول کرائے تو یہ بھی قابل مذمت غرض ہے اور ان مقاصد کے لئے علم نہیں ہونا چاہئے اور اس

وقت یہی تین چار اغراض نمونہ اور رائج ترین اغراض ہیں مثلاً سارے علمی اداروں اور یونیورسٹیوں

میں دیکھیں کہ لوگ علم کیوں حاصل کرتے ہیں؟ کیوں مشغول علم ہیں؟ اور ان کی غرض کیا ہے؟ تو ان

کی اغراض ان چیزوں کے ارد گرد گھومتی نظر آئیں گی۔ علامہ اقبالؒ نے شاہین کو ایک ماڈل کے طور

پر انسان کے لئے ذکر کیا ہے کہ انسان کو شاہین ہونا چاہئے، بعض نے کلام اقبالؒ پر نقد کیا ہے، فکر

اقبالؒ پر نہ کہ خود اقبالؒ پر۔ نقد یہ کیا ہے کہ آپ نے شاہین کے طور پر اچھا نمونہ (Model) نہیں دیا

ہے۔ درست ہے کہ اس کی پرواز بلند ہے،

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا..... (۱۲)

کہیں فرمایا کہ

☆ علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں..... (۱۳)

کہیں لب کشاہیں کہ

جوانوں کو مری آہ سحر دے

پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پردے..... (۱۴)

آپ نے شاہین کے عنوان سے اور بھی بہت کچھ کہا ہے یعنی ایک سادہ سا نمونہ لے کر نو جوانوں کو اور اپنے مخاطبین کو بیداری کی طرف متوجہ کیا ہے، چونکہ ایک جہت مقصود ہوتی ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ جس نے فکرِ اقبال پر تنقید کی ہے وہ کتنی درست ہے؟ اور تنقید اپنی جگہ زیبا بھی ہے، تنقید انہوں نے یہ کی ہے کہ شاہین بہت بلند پرواز ہے اور پہاڑوں کی چٹانوں میں بسیرا کرتا ہے، شکاری ہے، جھپٹتا ہے، پلٹتا ہے اور لپکتا ہے، یہ سب کرتا ہے لیکن درعین حال اتنی بلند پرواز کر کے بھی اس کی نگاہیں زمین پر ہوتی ہیں اور وہ بھی چوہے پر، بہت اونچی اڑان اڑتا ہے، تند و تیز ہواؤں اور تندیٰ بادِ مخالف سے نہیں ڈرتا، اسکی نگاہیں بھی فوق العادہ نگاہیں ہیں کہ اتنی بلندی سے نیچے چھوٹا سا چوہا دیکھ لیتا ہے اور اس پر آ کر جھپٹتا ہے۔ یہ نمونہ اس لئے درست نہیں ہے کہ اگر کوئی شاہین بن بھی جائے، پرواز کرے اور اتنا پڑھ لکھ کر شاہین بنے کہ ملکوت میں چلا جائے، چونکہ بعض پڑھ کر ایسے پرواز کرتے ہیں کہ دنیا میں ہی نہیں ہوتے ہیں، اصلاً ملکوت میں ہوتے ہیں لیکن اس ملکوت پر پہنچ کر بھی نگاہ کس پہ لگی ہوئی ہے؟ زمین کے اوپر موجود چوہے پر لگی ہوئی ہے۔

حافظ شیرازی کے بقول

☆ علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

واعظان کاین جلوہ در محراب و منبر میکنند

چون بخلوت میروند آن کار دیگر میکنند..... (۱۵)

منبر پر بیٹھ کر ملکوت کی باتیں اور فلاں کی باتیں لیکن نگاہ کس پہ لگی ہوئی ہے؟ ان ساری باتوں کے معاوضے پر کہ جس کے متعلق امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا کہ یہ کوڑھی کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سور کی انتڑیاں ہیں یعنی دنیا، نگاہ دنیا پہ لگی ہوئی ہے، علمی طور پر انسان آسمانِ علم بن جائے لیکن نگاہ زمین پر لگی ہوئی ہو یعنی مقام پر، پوسٹ (Post) پر، شہرت پر یا معاوضے پر۔

لِيُصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ،

تاکہ لوگ میری طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کریں، میری تقلید زیادہ ہو، میری تقریر میں زیادہ لوگ ہوں، میرے شاگرد زیادہ ہوں، میری کتابیں زیادہ ہوں، میری کیٹشیں زیادہ ہوں، میرے سی ڈیز زیادہ ہوں، میرے فوٹوز زیادہ ہوں، یہ کیا ہے؟ یہ شاہین کیا دیکھ رہا ہے؟ چوہا دیکھ رہا ہے، بہت بلند جا کر بھی نیچے بہت پست چیز پہ نگاہ رکھی ہوئی ہے، تنقید زیاہے لیکن دفاع کیا جاسکتا ہے کہ اقبالؒ کی مراد شاہین کا یہ پہلو نہیں ہے یعنی شاہین چوہا کھانے کی وجہ سے شاہین نہیں ہے، اس میں صرف پرواز ہی ان کے مد نظر ہے، باقی پرواز سے دیکھنا کس کو ہے، پرواز سے نیچے نہیں دیکھنا ہے یعنی اقبالؒ کا شاہین چوہے تلاش نہیں کرتا ہے بلکہ وہ فرشتے شکار کرتا ہے۔ واقعاً ایسا لکھا ہے کہ تو فرشتے شکار کر تیرا شکار بڑا ہے،

تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں..... (۱۶)

☆ علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

اور کہیں فرما رہے ہیں

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا..... (۱۷)

یعنی پروازِ اقبال وہ نہیں ہے کہ تجھے واپس آنا ہے، تو ایک دفعہ اڑا تو بس اڑا۔ پس تنقید

کرنے والے کی جہت مختلف ہے بلکہ خود اقبال کے بقول

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا..... (۱۸)

غرض یہ ہے کہ یہ وہ اغراض ہیں جن کی پرزور مذمت کی گئی ہے کہ ان کے لئے علم حاصل نہ

کرو، علامہ طباطبائیؒ کے مطابق آداب سے ان اغراض کا پتہ چل جاتا ہے، آداب یعنی وہ ضوابط و

قواعد کہ جن کے تحت انسان علم حاصل کر رہا ہے، اسی سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کی غرض کیا ہے، اس

کی تحصیل علم کی صفات سے اور تحصیل علم کے انداز سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ شخص کدھر جا رہا

ہے؟ اس کی غرض کیا ہے؟ اور اس سے کیا حاصل کرنا چاہتا ہے؟ پس مرحوم علامہؒ فرماتے ہیں کہ بین

آداب و اخلاق فرق ہے، دوم یہ کہ آداب سے انسان کے اعمال کے اندر اغراض کا بھی علم ہو جاتا ہے

کہ کس غرض کے لئے یہ سب کچھ انجام دیا جا رہا ہے۔

آداب اور اخلاق میں ربط

۸) آداب اور اخلاق میں ربط

علامہ طباطبائیؒ نقطہٴ سوم یہ بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ بین آداب اور اخلاق فرق ہے لیکن

اخلاق ہی آداب کی پیدائش کا ذریعہ ہیں، اخلاق سے ہی آداب پیدا ہوتے ہیں، دوسرے لفظوں میں آداب فرزندِ اخلاق اور اولادِ اخلاق ہیں۔ اگر انسان کے اندر اخلاق نہ ہوں یعنی صفاتِ فاضلہ حسنہ نفس کے اندر موجود نہ ہوں تو صفاتِ حسنہ کے بغیر اس کے فعل کے اندر کبھی بھی ادب پیدا نہیں ہوتا ہے کہ جو فعل کو مزین کرے اور انسان کے فعل کو خوبصورت بنا دے مثلاً نماز ایک فعلِ انسان ہے اور اس کیلئے آدابِ نماز ہیں یعنی جو نماز میں حسن و زیبائی پیدا کرتے ہیں اور نماز کی غرض میں مدد دیتے ہیں لیکن اگر انسان کے اندر عبودیت کا ملکہ ہو تو اس صورت میں انسان عابدانہ نماز ادا کرتا ہے اور انسان کی نماز کے اندر حسن و زیبائی پیدا ہوتی ہے ورنہ یہ نماز بدترین طریقے سے بھی پڑھی جاسکتی ہے اور پڑھی جاتی ہے، پس اگرچہ آداب و اخلاق الگ الگ ہیں لیکن رشتہ بہت گہرا اور عمیق ہے۔

خلاصتاً یہ کہیں گے کہ آداب سے مراد وہ خصائل اور صفات ہیں کہ جو کسی شے کے لئے بعنوانِ صفت طاری ہوتی ہیں اور اس کے اندر حسن و زینت ایجاد کرتی ہیں اور دوم یہ صفات اس شے کی غرض و غایت کے حصول کا ذریعہ بنتی ہیں، اس شے کو کہیں پہنچنے میں جو مقصود تھا یہ اس کی امید ہوتی ہیں اور اس شے کے لئے خصوصیت یہ ہے کہ اول تو وہ شے جائز امور میں سے ہو، مشروع ہو، جیسے کہ مرحوم علامہ طباطبائیؒ نے ادب کی تعریف میں بیان فرمایا ہے یعنی شریعت، وحی اور عقل کی طرف سے جائز اور مشروع ہو۔ نامشروع کام کا ادب نہیں ہوتا ہے، ناجائز کاموں میں آداب نہیں ہوتے ہیں بلکہ آداب ہمیشہ جائز کام کے لئے ہوتے ہیں اور دوم یہ ہے کہ وہ انسان کا اختیاری فعل ہو۔ بعض بزرگان نے کہا کہ آداب ان صفات کو کہتے ہیں کہ جن پر اتفاقِ عقلاء ہو، ان کے حسن پر اور

ان کے نیک اور اچھا ہونے پر اتفاقِ عقلاء ہو تو اس کو ادب کہتے ہیں، دونوں ایک ہی مطلب ہیں اور یہ لازم و ملزوم ہیں۔ تیسرا معنی ادب اس شے کو اپنی حدود میں رکھنا ہے۔

مرحوم علامہؒ نے اخلاق اور آداب میں فرق بیان فرمایا ہے کہ اخلاق ان صفات کو کہتے ہیں کہ جو نفسِ انسان میں ہیں اور آداب ان صفات کو کہتے ہیں کہ جو فعلِ انسان کیلئے ہوں۔ جس طرح سے انسان کیلئے اخلاقِ حسنہ ہیں اسی طرح سے افعال کے لئے ہیں آدابِ حسنہ بھی ہیں نیز ہم آداب کے ذریعے سے اغراض کی نشاندہی بھی کر سکتے ہیں۔ آداب نتیجہ اخلاق ہیں اس اعتبار سے کہ انسان کے نفس میں جو خلقیات اور ملکات پیدا ہوتے ہیں تو انہی خلقیات اور ملکات کے ذریعے انسان سے فعل سرزد ہوتا ہے اور وہ فعل بھی آداب سے متصف ہوتا ہے لہذا فعلِ نتیجہ ملکہ وخلق ہے اور صفاتِ فعل بھی انہی ملکات کا نتیجہ ہیں۔

۹) آداب کی تعریف اور آدابِ فہمِ قرآن میں ارتباط

ادب کی تعریف کی رو سے آداب ان اوصاف کے مجموعے کو کہتے ہیں کہ جو باعثِ زینتِ فعلِ انسان ہوں اور باعثِ حصولِ غرضِ فعلِ انسان ہوں، اس تعریف کی روشنی میں آدابِ فہمِ قرآن سے مراد وہ امور اور وہ صفات ہیں کہ جو باعثِ زینتِ فہمِ قرآن ہوں، باعثِ زینتِ درکِ مطالب و معانی قرآن ہو، جو فہم و درکِ انسان کے اندر حُسن و موزونیت ایجاد کریں اور دوسری طرف سے اس فہم کو یعنی فہمِ قرآن کو مقاصدِ قرآنی و اغراض و غایاتِ قرآنی تک پہنچانے میں مؤثر ہوں یعنی باعثِ

آداب کی تعریف اور آدابِ فہمِ قرآن میں ارتباط

حصولِ غرضِ فہمِ قرآن ہوں۔ یہ اشارہ پہلے گزرا تھا کہ قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے اور غیر از کتابِ ہدایت نہیں ہے، باقی استعمالاتِ قرآن غیر مجاز ہیں، برخلافِ ہدایت یا ہدایت سے ہٹ کر جو بھی مصارفِ قرآن ہیں کہ جو ہدایت کے منافی ہیں وہ غرضِ قرآن کے مخالف ہیں اور ہدایت فہم کی محتاج ہے، جب تک انسان سمجھتا نہ ہو، درک نہ کرتا ہو اور تفکر و تدبر نہ کرے تو اس کتابِ ہدایت سے ہدایت حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اور فہم یا تدبر اس وقت قرآن سے ہدایت لے سکتا ہے کہ جب فہم آمادہ ہو، فہم تیز ہو اور اس کے سامنے رکاوٹیں نہ ہوں، فہم کے اندر بالفعل آمادگی اس صورت میں آتی ہے کہ جب فہم چند صفات سے متصف ہو یا چند آداب سے مؤدب و متآدب ہو، اُس وقت فہم اس قابل ہو جاتا ہے کہ انسان قرآن سے کچھ نہ کچھ استفادہ کرے۔ آداب کی مزید اہمیت فصلِ اہمیتِ ادب میں بیان کی جائے گی۔

حوالہ جات

- (۱).....(وسائل الشیعة، باب وجوب تعلم القرآن، الجزء ۶، صفحہ ۱۶۸)
- (مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل، الجزء ۴، صفحہ ۳۳۲)
- (بحار الأنوار-علامہ مجلسیؒ، الجزء ۸۹، صفحہ ۱۹) (تفسیر الامام العسکریؑ)
- (۲).....(غرر الحکم و درر الکلم، الجزء ۱، صفحہ ۲۴۵)
- (۳).....(تفسیر المیزان، باب بحث روائی، الجزء ۶، صفحہ ۱۴۱)
- (سنن النبی (ص) - السيد الطباطبائيؒ، الجزء ۱، صفحہ ۳۳)
- (۴).....(بررسی تطبیقی مفهوم و آثار اضطرار در حقوق مدنی، الجزء ۴، صفحہ ۲)
- (۵).....(میزان الحکمة - الریشهری، باب الادب، الجزء ۱، صفحہ ۵۷)
- (عیون الحکم والمواعظ - علی بن محمد الیشی الواسطی، الجزء ۱، صفحہ ۱۰۶)
- (۶).....(سورة مبارکه لقمان، آیه ۱۹)
- (۷).....(حقائق الاصول، الجزء ۱، صفحہ ۴۰۱) (زهر الأکم فی الأمثال والحکم، الجزء ۳، صفحہ ۸۱) (البحر المديد فی تفسیر القرآن المجید، الجزء ۴، صفحہ ۴۹۶) (دراسات فی علم الاصول، الجزء ۲۲، صفحہ ۸)
- (۸).....(بحار الانوار-علامہ مجلسیؒ، الجزء ۲، صفحہ ۳۸، حدیث ۶۰)
- (۹).....(بحار الانوار-علامہ مجلسیؒ، الجزء ۲، صفحہ ۳۸، حدیث ۶۱)
- (۱۰).....(الكافي-الکلینیؒ، الجزء ۱، صفحہ ۴۷)

(۱۱).....(بحار الانوار - علامہ مجلسیؒ، الجزء ۲، صفحہ ۳۱، حدیث ۱۹)

(۱۲).....(بالِ جبریلؑ، کلام ۴۰، صفحہ ۶۱)

(۱۳).....(بالِ جبریلؑ، عنوان: ایک نوجوان کے نام، صفحہ ۱۲۰)

(۱۴).....(بالِ جبریلؑ، رباعیات، صفحہ ۸۶)

(۱۵).....(دیوان حافظ شیرازی، از روی نسخہ تصحیح شدہ علامہ محمد

قزوینی، غزل ۱۹۹، صفحہ ۱۵۶)

(۱۶).....(بالِ جبریلؑ، کلام ۴۰، صفحہ ۶۱)

(۱۷).....(ضربِ کلیم، عنوان: اسرارِ پیدا، صفحہ ۷۲)

(۱۸).....(بالِ جبریلؑ، کلام ۸، صفحہ ۳۲)

فصل اہمیت ادب

۱) بے ادبانہ اعمال کا نتیجہ

۲) روایاتِ امیر المومنین علیہ السلام کی روشنی میں ادب کی اہمیت

☆ ادب، سونے چاندی سے زیادہ اہم

☆ صاحبانِ عقل کیلئے ادب کی اہمیت

☆ ذہانت و فطانت، ادب کی رہینِ منت

☆ مناجاتِ شعبانیہ میں نورِ بصیرت کیلئے دعا

☆ آداب، حجابوں کو چیرنے میں مددگار

۳) مولانا روم کی نظر میں ادب کی اہمیت

☆ بے ادب لطفِ خدا سے محروم

☆ بے ادب کی وجہ سے دنیا آگ کی لپیٹ میں

☆ بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب

☆ بے ادب، راہِ زن و نامرد

☆ شیطان بے ادبی کی وجہ سے شیطان بنا

۴) مولانا روم کے اشعار امیر المومنین علیہ السلام کے فرامین کی شرح



چونکہ ہم اس بحث کو آداب فہم قرآن کے عنوان سے کر رہے ہیں لہذا ہمارے پیش نظر ایک خاص ادب ہے ورنہ آداب کی بحث وسیع ہے، خود یہ موضوع آداب مستقل ہے یعنی ادب، متعلقات ادب و موصوفات ادب وغیرہ۔

۱) بے ادبانہ اعمال کا نتیجہ

انسان کے تمام افعال کے لئے ادب ضروری ہے، چھوٹا فعل ہو یا بڑا فعل ہو، انفرادی عمل ہو یا اجتماعی عمل ہو، انسان کے اپنے متعلق ہو یا غیر کے متعلق ہو، چونکہ اعمال آداب کے سائے میں ہی اپنے نتائج تک پہنچتے ہیں لہذا ہم اکثر جو عمل کرتے ہیں، کوششیں و زحماتیں کرتے ہیں تو وہ نتیجہ بخش نہیں ہوتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ فقط عمل انجام دیتے ہیں لیکن اس عمل کے آداب کا خیال نہیں رکھتے، آداب کے تحت اس عمل کو نہیں بجالاتے ہیں لہذا اثر بھی نہیں ہوتا ہے۔

مثلاً تبلیغ کرتے ہیں لیکن نتیجہ نہیں نکلتا ہے چونکہ آداب تبلیغ رعایت نہیں کرتے ہیں، دعا مانگتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتی، استجاب نہیں ہوتی ہے چونکہ آداب دعا کا خیال نہیں رکھتے ہیں، بے ادبانہ و غیر مؤدبانہ دعا کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں لیکن پھر بھی برائیوں سے باز نہیں آتے چونکہ آداب نماز کی رعایت نہیں کرتے ہیں اور بغیر ادب کے جو عمل انجام دیا جائے تو ظاہری بات ہے کہ مقصود و غرض عمل آداب کے گروہ میں ہے اور آداب ہی کسی عمل کا نتیجہ عطا کرتے ہیں، پس بنا براین ممکن نہیں ہے کہ آداب کو چھوڑ کر ہم کوئی عمل انجام دیں اور وہ عمل کسی نتیجے تک پہنچ پائے، اس لئے ادب خود ایک مستقل موضوع ہے۔ انسان کو تمام اعمال میں اور تمام حالات میں ادب کے ساتھ رہنا

بے ادبانہ اعمال کا نتیجہ

چاہئے مثلاً ہم احکام عبادت جانتے ہیں لیکن آداب عبادت انجام نہیں دیتے ہیں، عبادتیں بلا ادب اور غیر مودبانہ ہیں، احکام کے لحاظ سے بالکل درست ہیں، فقہی لحاظ سے بالکل درست ہیں لیکن آداب کے لحاظ سے بے ادبانہ عبادتیں ہیں، بعض بزرگان کے بقول لوگ اپنے گناہوں پہ توبہ کرتے ہیں لیکن ہمیں اپنی عبادتوں پر خدا سے معذرت و معافی مانگنی چاہئے چونکہ بے ادبانہ عبادتیں ہیں اور عبادتوں کے اندر فراواں بے ادبی کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں لیکن ادب روزہ نہیں ہوتا ہے، ذکر کرتے ہیں لیکن ادب ذکر نہیں ہوتا ہے، خدا کو پکارتے ہیں لیکن اس کے اندر ادب دعا ملحوظ نہیں ہوتا ہے، اسی طرح ہر چیز کے آداب ہیں لیکن اس کتاب میں ہماری بحث فقط آداب فہم قرآن کے بارے میں ہے۔

روایات امیر المومنین علیہ السلام کی روشنی میں ادب کی اہمیت

۲) روایات امیر المومنین علیہ السلام کی روشنی میں ادب کی

اہمیت

آداب کی اہمیت لئے فراواں روایات ذکر کی گئی ہیں، مخصوصاً امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے ادب کے بارے میں زیادہ روایات مروی ہیں کہ انسان کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز ادب ہے۔



☆ ادب، سونے چاندی سے زیادہ اہم

ایک روایت میں امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

إِنَّكُمْ إِلَى اِكْتِسَابِ الْآدَبِ أَحْوَجُ مِنْكُمْ إِلَى اِكْتِسَابِ الْفِضَّةِ

وَالذَّهَبِ..... (۱)

تم ادب سیکھنے کے زیادہ محتاج ہو اس بات سے کہ تم چاندی اور سونا کماؤ.....

یعنی سونے اور چاندی کی طرف حاجت اور نیاز مندی سے کہیں زیادہ آپ کی ضرورت

ادب ہے۔ انہی دنیوی ذخائر کہ جن کی طلب کیلئے انسان روز و شب تگ و دو کر رہا ہے لیکن ان سے

کہیں زیادہ انسان کو ادب کی ضرورت ہے۔

☆ صاحبانِ عقل کیلئے ادب کی اہمیت

مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام سے ہی ایک اور روایت مروی ہے کہ جس کے اندر تشبیہ کے

ذریعے سے انسان کی ضرورت بتائی گئی ہے کہ انسان کو ادب کی کتنی ضرورت ہے؟ فرماتے ہیں کہ

إِنَّ بِذَوِي الْعُقُولِ مِنَ الْحَاجَةِ إِلَى الْآدَبِ كَمَا يَظْمَأُ الزَّرْعُ إِلَى الْمَطَرِ

..... (۲)

بے شک صاحبانِ عقل ادب (سیکھنے) کے ایسے محتاج ہیں جس طرح سے کھیتی (زراعت)

بارش کی محتاج ہوتی ہے۔

☆ ادب، سونے چاندی سے زیادہ اہم

کھیت میں فصل اگائی جاتی ہے یا بیج بویا جاتا ہے لیکن اگر اسے دو گنا ثمرہ دینا ہے تو پانی اور بارش کی بغیر ناممکن ہے۔ اسی طرح انسان کے اندر آداب کے بغیر ناممکن ہے کہ وہ اپنے مقاصد تک جا پہنچے اور بغیر ادب کے ثمرہ حاصل ہو۔

☆ ذہانت و فطانت، ادب کی رہینِ منت

فہم کیلئے بھی ادب موثر ہے، بغیر ادب کے اگر انسان کسی چیز کو سمجھنے کی کوشش کرے تو وہ فہم بھی نتیجہ بخش نہیں ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام سے ہی ایک اور روایت منقول ہے اور یہ بھی کتابِ غرر سے ہے کہ

بِالْأَدَبِ تَشْحَذُ الْفِطَنُ..... (۳)

ادب کے ذریعے ذہانت کو تیز کرو.....

فطانت فہم کے معنی میں ہے، ادب کے ذریعے انسان کی فہم بڑھتی ہے، فہم کو بھی نتیجے تک ادب ہی پہنچاتا ہے، وَاِلَّا فہم ابتر اور بے ثمر ہے۔ اگر انسان سالہا سال بھی کسی چیز کو سمجھنے میں مشغول رہے لیکن ادب فہم کو ملحوظ نہ رکھے تو اس کا یہ فہم انسان کو کسی نتیجے تک نہیں پہنچاتا ہے، اگر کوئی انسان بغیر ادب کے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرے تو فہم بے ثمر ہے، آدابِ قرآن بھی مختلف ہیں مثلاً قرأتِ قرآن کے آداب ہیں، تلاوتِ قرآن کے آداب ہیں، حملِ قرآن کے آداب ہیں، یہ سارے آداب ہیں لیکن ان سب میں ایک فہمِ قرآن ہے، اکثریت فہم کے کسی مرحلے تک آنے کی کوشش ہی نہیں کرتی

☆ ذہانت و فطانت، ادب کی رہینِ منت

ہے بلکہ خود کو فہم سے بے نیاز سمجھتی ہے۔

کثرت سے قرآن پڑھا جاتا ہے لیکن تاثیر قرآن نہیں ہے اس لئے کہ ان کے اندر ادب موجود نہیں ہے۔ ادب کی تعریف کی روشنی میں ہر چیز کی غرض ادب کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے، اگر ادب نہ ہو تو وہ فعل انجام پا جاتا ہے لیکن نتیجہ نہیں نکلتا ہے اسی طرح فہم کا عمل سرزد ہو جاتا ہے لیکن اس فہم کا نتیجہ نہیں نکلتا ہے۔ ادب فہم کے اوپر اثر چھوڑتا ہے، امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ادب فہم کو تیز کر دیتا ہے، تشخیز فہم کرتا ہے، تشخیز یعنی جس طرح چاقو یا چھری کی دھار کو تیز کیا جاتا ہے تاکہ خوب کاٹے اسی طرح ذہن انسان بھی کند ہو جاتا ہے، جس طرح کسی بچے کے ہاتھ میں تیز دھار چاقو یا چھری دے دیں تو وہ اس کی دھار کو لکڑی پر، پتھر پر مار کر اور ادھر ادھر مار کر کند کر دیتا ہے، پھر اس چاقو یا چھری سے کہ جو کند ہو جاتی ہے کوئی چیز نہیں کٹتی ہے حتیٰ انسان اس سے فروٹ (Fruit) تک نہیں کاٹ سکتا ہے، اسی طرح ہم نے اپنی ذہنیت اور ذہانت کو بھی پتھروں پہ مار مار کے کند کر دیا ہے، ذہانت کو ہم نے مفادات میں، خواہشات میں، اغراض میں اور ہوس میں استعمال کیا ہے، ہوس کی دھار کند ہو جاتی ہے کہ تیز ترین ذہن بھی اسکے اوپر استعمال ہو تو وہ بھی کند ہو جاتا ہے، ذہن کی دھار کند ہو جاتی ہے، فہم کی دھار کند ہو جاتی ہے لہذا اس کو تشخیز کی ضرورت ہے یعنی دوبارہ ذہن کو تیز کرنے کی ضرورت ہے اور تیز ذہن وہ ہے کہ جو مطالب کو سمجھتا ہے، چونکہ ذہانت کا مطلب یہ ہے کہ جو پردے حقائق پہ پڑے ہوئے ہیں ذہانت ان پردوں کو چیر کے ان کے اندر اترے۔

☆ ذہانت و فطانت، ادب کی رہین منت

☆ مناجاتِ شعبانیہ میں نورِ بصیرت کیلئے دعا

امیر المؤمنین علیہ السلام مناجاتِ شعبانیہ میں بارگاہِ خداوندِ تبارک و تعالیٰ میں فرماتے ہیں کہ

وَإِنِّ أَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا إِلَيْكَ.....

یعنی میری آنکھوں کو یا میری نورِ بصیرت کو اس طرح سے نورانی فرما کہ

حَتَّى تَخْرِقَ أَبْصَارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ إِلَى مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ.....

بصیرت اتنی تیز ہو جائے کہ نورانی پردوں کو بھی چیر دے، نورانی پردوں کو چیر کے ان پردوں

کے ماوراء چھپے ہوئے حقائق کو دیکھ لے۔ یہ ذہانت اور فطانت تیز ہو تو پردے چیرتی ہے۔ یہ پردے

سخت پردے ہیں کہ جو حقیقتوں کے اوپر پڑے ہوئے ہیں، کچھ انسان کے اپنے ڈالے ہوئے پردے

ہیں اور کچھ حقائق بھی پردوں کے اندر لپٹے ہوئے ہیں، حقائق کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ اور ہے،

الفاظ کا ایک پردہ ہے، معانی کا ایک پردہ، مصادیق کا ایک پردہ ہے، پھر افکار کا پردہ ہے، نظریات کا

پردہ ہے، خرافات کا پردہ ہے، بدعتوں کا پردہ ہے اسی طرح ہزاروں پردے حقیقت کے اوپر پڑے

ہوتے ہیں لہذا بہت تیز دھار والی فہم چاہئے کہ جو ان پردوں کو چیر کر اس حقیقت تک پہنچ جائے اور

اس لب تک پہنچ جائے۔

قرآن نے انہی کو اولی الالباب کہا ہے یعنی ایسے تیز ذہن کے مالک لوگ کہ جو لب تک جا

پہنچتے ہیں۔ لب سے مراد مغز ہے یعنی جو اس مغز تک جا پہنچتے ہیں، اخروٹ یا بادام کے اندر موجود مغز

کو لب کہتے ہیں، لب یا مغز کے اوپر چھلکے ہوتے ہیں، ان پردوں کے اندر مغز لپٹا ہوا ہے، لب لپٹا ہوا

☆ مناجاتِ شعبانیہ میں نورِ بصیرت کیلئے دعا

ہے اور کچھ لوگ اہل لب ہیں یعنی اتنی تیز ذہانت کے مالک ہیں کہ حقائق کہ جو پردوں میں لپٹے ہوئے ہیں، چھپے ہوئے ہیں وہ لوگ ان تک پہنچ جاتے ہیں، اکثر حقائق واضح و آشکار نہیں ہوتے ہیں بلکہ ہمیشہ پردوں کے پیچھے پنہاں ہوتے ہیں اور ان کو سمجھنے کے لئے تیز ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن عموماً ہم اپنی ذہانت کو کند کئے بیٹھے ہوتے ہیں، ہم نے ذہن کو غیر ضروری چیزوں پر استعمال کر کے کند کر دیا ہے، خواہشات اور مفادات کے لئے ذہن استعمال ہوتا ہے، ہوئی و ہوس کے لئے ذہانت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، یہ کند ذہنیت ہے، کند ذہن انسان اسی کو کہتے ہیں کہ جو پردے ہٹا کر حقیقتوں تک نہ پہنچ سکے۔ مثلاً ایک سادہ سی عبارت ہے لیکن اس عبارت کے معنی تک بھی نہ پہنچ سکے یعنی الفاظ کی حقیقت کو چیر کر معنی کی حد تک نہیں پہنچ سکتا ہے تو یہ ایک کند ذہن انسان ہے، کند یعنی تیز کی ضد، جس طرح کنڈی در مقابل تندی یا تیزی ہے۔ ایک تند دھار ہوتی ہے اور ایک کند دھار ہوتی ہے، عموماً ہم کہتے بھی ہیں کہ کند ذہن انسان ہے، اسی طرح کند ذہن کے مقابلے میں تیز ذہن انسان ہوتا ہے کہ جس کے ذہن کی دھار یعنی فہم کی دھار کند نہیں ہوئی ہے۔ فہم کی یہ تیز دھار آداب کی مرہونِ منت ہے۔

☆ آداب، حجابوں کو چیرنے میں مددگار

آداب کا فائدہ یہی ہے، اگر انسان آداب فہم کی رعایت کریں تو ذہانت بڑھ جاتی ہے اور تندی اور تیزی آ جاتی ہے اور انسان ان پردوں کو چیر کے، عبور کر کے حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ کسی

ادیب کے بقول خداوند تبارک سے ایسا نورِ بصر چاہئے کہ

دیدہ ای باید سبب سوداخ کن

تا حُجب را بر کند از بیخ و بُن..... (۴)

یعنی خدا سے مجھے اس دید و بصیرت کی طلب و ضرورت ہے، کہ جو پردے چیرنے والی دید ہو، جو حجابوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے اور جس سے انسان حجابوں کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقت کو دیکھ لے۔ بہت ساری چیزیں ایسی ہیں کہ جو خدا نے اپنے اہل کے لئے رکھی ہوئی ہیں مثلاً اخروٹ کا مغز باہر نہیں بنایا بلکہ اسے مضبوط ہڈی کے اندر رکھا گیا، اوپر چھلکا پھر اس چھلکے کے اندر کھوپڑی، پھر کھوپڑی کے اندر مغز، امرود کی طرح یا سیب کی طرح اخروٹ کا غذائی مادہ بھی باہر ہو سکتا تھا لیکن پھر اس کو کوئی بھی کھا جاتا، بلبل کھا جاتی، کوئے کھا جاتے، چڑیا اور دیگر پرندے کھا جاتے اور مغز انسان تک پہنچتا ہی نہیں اور اگر پہنچتا بھی تو داغ والا پہنچتا، اس لئے اس کو سنبھال کے رکھا گیا ہے کہ صرف اہل ہی اس تک پہنچے۔ جو چیزیں قیمتی ہوتی ہیں ان کو ہمیشہ پردوں میں رکھا جاتا ہے تاکہ نا اہل سے محفوظ رہیں اور اہل ہی ان تک پہنچے، اہل لوگ ان تک پہنچ جاتے ہیں، ان پردوں کو عبور کر کے ان کی حقیقتوں کے پس منظر میں اتر جاتے ہیں۔

کچھ لوگ ظاہر بین ہوتے ہیں یعنی جو چھلکوں پہ اکتفا کر لیتے ہیں، ان کے لئے یہی کافی ہیں مثلاً ان کو لُب کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، اہل لُب کے مقابلے میں اہل قشر ہیں، لُب یعنی مغز اور اس کے مقابلے میں قشر یعنی چھلکا، قرآن نے کہا کہ اولی الالباب لہذا ان کے مقابلے میں اولی

الاقشار ہیں یعنی چھلکے کھانے والے، دین میں بھی چھلکے کھانے والے موجود ہیں کہ جو فقط ظواہر پہ اکتفا کر لیتے ہیں اور حقائق تک نہیں پہنچتے ہیں حتیٰ یہ قرآن میں بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ روایت میں بھی ہے کہ کتاب خدا چار چیزوں پر مشتمل ہے: عبارت پر، اشارت پر، لطیف نکات پر اور حقائق پر،

فَالْعِبَارَةُ لِلْعَوَامِّ وَالْإِشَارَةُ لِلْخَوَاصِّ وَاللَّطَائِفُ لِلْأَوْلِيَاءِ وَالْحَقَائِقُ لِلْأَنْبِيَاءِ..... (۵)

عوام کیلئے عبارت ہے، خواص کیلئے اشارت ہے، (اس میں) اولیاء کیلئے لطیف نکات ہیں اور انبیاء کیلئے حقائق ہیں.....

قرآن کے اندر بعض لوگ فقط عبارت تک اکتفا کر لیتے ہیں کہ مبتدا و خبر معلوم ہو گئی تو پس قرآن ان کے لئے حل ہو گیا اور یہ ان کی دنیا و آخرت کے لئے کافی ہے لیکن کچھ ایسے ہیں کہ قرآن کی مبتدا و خبر سے آگے بڑھتے ہیں، ان کے لئے خدا نے اس کے اندر لب رکھا ہوا ہے، یہ اولیٰ الالباب ہیں لیکن یہ اہل لب و اہل خرد بعض اوقات کند ذہن ہو جاتے ہیں، ممکن ہے کہ ریاضی (Mathematics) انہیں خوب سمجھ میں آتی ہو، جغرافیہ (Geography) خوب سمجھ میں آتا ہو، تاریخ (History) بھی اچھی سمجھتے ہوں لیکن قرآن نہ سمجھتے ہوں، بعض ایسے ہیں کہ جو فزکس (Physics)، کیمسٹری (Chemistry)، اکنامکس (Economics) اور پیتھالوجی (Pathology) کو بہترین سمجھتے ہیں، بزنس (Business) کی تمام باریکیوں کو سمجھ جاتے ہیں لیکن قرآن نہیں سمجھتے ہیں، یہ کند ذہن لوگ ہیں، یہ خود کو تیز ذہن نہ کہیں، اس لئے کہ انہوں نے ذہن

کی دھار ان چیزوں پہ مار مار کے کند کر دی ہے لہذا جب قرآن پڑھتے ہیں تو انہیں یہ چیزیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ ان کے کند ذہنوں کو تیز کرنے کی ضرورت ہے لیکن تیز کس سے ہوتے ہیں؟ ادب سے تیز ہوتے ہیں۔

بِالْأَدَبِ تَشْحَدُ الْفِطْنُ.....

ادب کے ذریعے ذہانت کو تیز کرو.....

فطانت اور ذہانت ادب کے ذریعے سے تیز ہوتی ہے اور انسان کو خدا سے یہی دعا مانگنی چاہئے، جیسا کہ ملا رومی نے خداوند تبارک و تعالیٰ سے یہی ادب مانگا، جس طرح بیان کیا ہے کہ خود دعا کے بھی آداب ہیں، آداب دعا میں سے ایک یہ ہے کہ آپ خدا سے مفاتیح یعنی چابیاں مانگیں، خزانوں کی چابیاں مانگیں چونکہ خدا کے پاس خزانے ہیں۔

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ..... (۶)

اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں.....

وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ..... (۷)

اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں.....

(۳) مولانا روم کی نظر میں ادب کی اہمیت

اب مولانا روم کے کلام میں دیکھیں کہ ادب کیا چیز ہوتی ہے؟ اور خدا سے ادب مانگنے کا کیا

مولانا روم کی نظر میں ادب کی اہمیت

نتیجہ نکلتا ہے؟ آغازِ مثنوی میں یہ دعائے مولانا روم موجود ہے، البتہ یہ دعائے انبیاء علیہم السلام ہے، جس طرح ذکر کیا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے خداوند تبارک و تعالیٰ سے ادب بھی نہایت ادب سے مانگا تھا، امیر المومنین علیہ السلام کے اندر نہایت اوج ادب تھا، انشاء اللہ اثنائے بحث میں بعض کی طرف اشارہ ہوگا۔

☆ بے ادب لطفِ خدا سے محروم

جس طرح ادب کے اثرات ہیں اسی طرح بے ادبی کے بھی اثرات ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ

از خدا جو یسر توفیق ادب (۸)

یعنی خدا سے دعا میں توفیقِ ادب طلب کریں۔ ماہِ رمضان دعا کا مہینہ ہے از جملہ اس ماہ کے اندر ایک عمل بھی بہت با فضیلت ہے لہذا اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے لیکن کس طرح اور کس چیز کی دعا مانگیں؟ ادیبانہ و مودبانہ دعا مانگیں، ادب کے حصول کی دعا مانگیں، ابھی ہم ادیب اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو الفاظِ ادبیات پڑھا ہوا ہو یعنی اس کو الفاظ کا ادب معلوم ہو، آدابِ لفظی سے مہم تر آدابِ انسانی اور آدابِ فعلِ انسانی ہیں، ادیبِ انسانی ادیبِ لفظی سے بہتر ہے، پہلے انسان خود ادیب بنے پھر آدابِ الفاظ سے آشنا ہو، ادیبِ لفظی یعنی جو الفاظ کے آداب کی رعایت کرتا ہے لیکن اپنے آداب کی رعایت نہیں کرتا، ممکن ہے انسان اپنی زندگی میں بے ادب ہو لیکن قواعدِ لفظیہ سے آشنا ہو۔ پس خدا سے جو دعا مانگنی ہے وہ ادب کی توفیق ہے، لیکن توفیقِ ادب کیوں مانگے؟ اسلئے کہ

بی ادب محروم شد از لطفِ رب

بے ادب محروم ہے، چونکہ اغراضِ ادب کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں، جس چیز کا یہ ادب ہے یا صفت ہے ان امور کی اغراض و غایاتِ آداب کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہیں، بے ادب خواہ نہ خواہ ان اغراض سے محروم ہے مثلاً اگر ہم آدابِ لفظیہ کو ہی دیکھ لیں کہ الفاظ کے معانی ہیں، الفاظ کی اغراض ہیں، الفاظ کے اندر مرادیں ہیں، جو ادب سے آشنا ہے اور با ادب ہے وہ الفاظ کے معانی سمجھتا ہے لیکن جس کو آدابِ لفظیہ کا علم نہیں وہ اغراضِ لفظیہ سے بھی آشنا نہیں ہے بلکہ محروم ہے، پس بے ادبی کا پہلا اثر محرومیت ہے۔

پس لطفِ پروردگارِ آداب کے ساتھ ہے لہذا جہاں آداب ہیں وہیں پر لطفِ پروردگار شامل حال ہوتا ہے اور بے ادب انسان محروم ہیں۔

☆ بے ادب کی وجہ سے دنیا آگ کی لپیٹ میں

بی ادب تنہا نہ خود را داشت بد

بلک آتش در ہمہ آفاق زد

بے ادب انسان اتنے مضر ہیں کہ یہ نہ فقط خود لطفِ خداوندِ تعالیٰ سے محروم رہتے ہیں بلکہ پوری دنیا میں جو آگ لگی ہوئی ہے یہ بھی بے ادبوں کی وجہ سے ہے، اگر یہ بے ادب نہ ہوں تو دنیا آسودہ ہو۔ اس وقت زمین پر بے ادب ترین انسان بش ہے اور اس کا عملہ بھی گستاخ ہے، اس کی وجہ

☆ بے ادب کی وجہ سے دنیا آگ کی لپیٹ میں

سے پوری دنیا آگ میں جل رہی ہے اور پھر چھوٹے چھوٹے بش جو مختلف جگہوں پر موجود ہیں، یہ گستاخ اور بے ادب چھوٹے شیطان اپنی اپنی قلمرو کے اندر موجود ہیں کہ جن کی وجہ سے پوری دنیا آگ اور بے ادبی کے شعلوں میں جل رہی ہے۔ واقعاً دین کے اندر بھی جتنی مشکلات اور جھگڑے ہیں یہ سب بے ادبوں کی وجہ سے ہیں، ساری آفات گستاخوں کی وجہ سے ہیں، ان کے اندر ادب انسانی نہیں ہے، ادب دینی نہیں ہے، ادب الہی نہیں ہے، ادب معاشرتی نہیں ہے، ادب فردی نہیں ہے، ادب علمی نہیں ہے، ادب عملی نہیں ہے۔ مثلاً جس طرح سے ایک حیوان ہوتا ہے اسی طرح سے بے ادب انسان ہے لیکن مقام انسانی سے گر کے بے ادب محض بن گیا ہے بلکہ جانور سے بھی پست ہو گیا ہے۔ مولانا روم نے ایک قرآنی مثال منتخب کی ہے کہ بے ادبی انسان کے ساتھ کیا کرتی ہے۔ ایک بے ادب پوری قوم اور ملک کو تباہ و ویران کر سکتا ہے۔

مایدہ از آسمان درمی رسید

من وسلوی قرآنی مثال ہے،

وَضَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلْوٰی كُلُّوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۹)

اور ہم نے تمہارے سروں پر ابر کا سایہ کیا، تم پر من و سلوی نازل کیا کہ پاکیزہ رزق اطمینان

سے کھاؤ، ان لوگوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ خود اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔

وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلْوٰی كُلُّوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا

☆ بے ادب کی وجہ سے دنیا آگ کی پیٹ میں

وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (۱۰)

اور ان پر من و سلوی جیسی نعمت نازل کی کہ ہمارے دیئے ہوئے پاکیزہ رزق کو کھاؤ اور ان لوگوں نے مخالفت کر کے ہمارے اوپر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ اپنے ہی نفس پر ظلم کر رہے تھے۔

يَا بَنِي اِسْرَآئِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنَاكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَاْعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْاَيْمَنِ

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰ وَالسَّلْوٰ ۝ (۱۱)

اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دلائی ہے اور طور کی داہنی طرف سے توریت دینے کا وعدہ کیا ہے اور من و سلوی بھی نازل کیا ہے۔

خداوند تبارک و تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ یاد کرو کہ ہم نے تم پر من و سلوی نازل کیا ہے یعنی تیار کھانا اور وہ بھی بہترین کھانا، یہ پوری قوم کو نصیب ہوتا تھا، ماندہ یعنی دسترخوانِ غذا،

مایدہ از آسمان در می رسید

بی صداع و بی فروخت و بی خرید

یہ غذا انہیں بغیر کسی کوشش و زحمت کے اور بغیر خرید و فروخت کے ملتی تھی، نہ ہی پیسے دینے پڑتے تھے اور نہ ہی خریدنی پڑتی تھی۔ من و سلوی ایسی غذا تھی کہ یہ لوگ رات کو سو کر جب صبح اٹھتے تھے تو یہ خوراک ان کیلئے آمادہ ہوتی تھی، جیسے بعض نے ذکر کیا ہے کہ درختوں پر من و سلوی آویزاں و مہیا ہوتا تھا اور آمادہ مل جاتا تھا، مثلاً ہم صبح اٹھیں تو ناشتہ میں درخت کے اوپر حلوا پوری رکھی ہوئی ہو،

☆ بے ادب کی وجہ سے دنیا آگ کی پیٹ میں

مکھن رکھا ہوا ہو یا ایرانی کے لئے پنیر چونکہ ان کے لئے تو مکھن سے زیادہ اچھی چیز پنیر ہے اور اس کے ساتھ بالائی ہو یا جیسا جس کا ذوق ہے مثلاً ہر ایک اپنے ذائقے کے مطابق کھائے، انڈا فرائی تیار اور آمادہ ہو، چائے بنی ہوئی ہو اور یہ سب غذا آپ کو درخت کے اوپر لٹکی ہوئی مل جائے، یہ من و سلویٰ ہے، طلبہ کو جو ملتا ہے یہی ملتا ہے، خود تو کوئی زحمت نہیں کرتے ہیں، صبح اٹھتے ہیں تو ہر چیز آگے تیار رکھی ہوتی ہے لیکن خیال رہے یہ من و سلویٰ بند ہو جاتا ہے۔ یہ خوب صورت داستان ہے، ان کو نہ زحمت تھی، نہ رنج تھا، نہ پیسہ لگتا تھا، نہ خرید و فروخت تھی، نہ دکان پہ جانا تھا، کچھ بھی نہیں کرنا تھا بلکہ ان کو گھر میں بیٹھے بیٹھے پکا پکایا کھانا ملتا تھا۔

☆ بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب

درمیان قومِ موسیٰ چند کس

بے ادب گفتند کو سیر و عدس

یہ ایک لحاظ سے شخصی تجربہ بھی ہے یعنی بے ادب کی وجہ سے سب محروم ہو جاتے ہیں، یہ مثال طلبہ کے لئے عبرت آمیز ہے، استاد بزرگوار کہ خدا انہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے اور سلامتی دے، حضرت آیت اللہ حسن زاہد آملی دام ظلہ العالی، آپ اہل علم کیلئے خوب شناختہ شدہ شخصیت ہیں، توفیق نصیب تھی کہ ان کے پاس مدتِ مدید تک تلمذ کی اور ان کے پاس فلسفہ اور دوسرے موضوعات پر دروس پڑھتے رہے لیکن نہایتاً ایک بے ادب کی وجہ سے وہ سارے دروس تعطل کا شکار ہو گئے، صرف

ایک بے ادب انسان کی وجہ سے، ایک ایسا بے ادب درس کے اندر حاضر ہوا اور اس نے بس ایک سوال بے ادبانہ کیا، اس کی وجہ سے پورا حوزہ اس اُستادِ ارجمند کے فیوضات سے محروم ہو گیا، درس معطل ہو گئے، خصوصی و عمومی سب معطل کر دیئے گئے بائیکہ پہلے خود مقید تھے، ان کے درسوں میں عام آدمی کو جانے کی اجازت نہیں تھی جیسے بعض حوزے کے خصوصی دروس ہوتے ہیں کہ جس میں منتخب لوگوں کو لیا جاتا ہے، اسی وجہ سے لیا جاتا ہے کہ اس کے اندر مودب لوگ آئیں لیکن اس ماحول میں بھی بعض اوقات لبادہ اوڑھ کر بے ادب گھس جاتے ہیں یعنی اس کی بے ادبی کا خمیازہ پورا حوزہ بھگت رہا ہے کہ ہمیں ابھی تک ان دروس کی معطل ہونے کا افسوس ہے، ایک بے ادب انسان کی وجہ سے وہ سارا سلسلہ تعطل کا شکار ہو گیا۔

یہ پہلے بھی ہوا ہے یعنی بے ادبوں کی وجہ سے بہت سارے بزرگوار استاد کہ جن میں ہر ایک اپنی جگہ ایک عظیم شخصیت تھی لیکن ان بے ادبوں کے ہاتھوں وہ حوزوں سے چلے گئے، جن میں مرحوم حکیم الہی قم، مترجم قرآن، جنہوں نے فارسی میں قرآن کا بہترین ترجمہ کیا ہے، یہ استادِ حوزہ علمیہ قم تھے، آیت اللہ تھے، بعض لوگوں نے ان کے ساتھ بے ادبی کی لہذا یہاں سے تہران چلے گئے اور وہاں جا کر دانش گاہ میں پڑھانا شروع کر دیا، اسی طرح سے ایسی اور بہت ساری مثالیں موجود ہیں کہ جن کے ساتھ نہایت بے ادبی کی گئی اور ان بے ادبی کی وجہ سے وہ منتقل ہو کر چلے گئے، بسا اوقات ایک بے ادب پوری قوم کو محروم کر دیتا ہے، یہی مطلب مولانا مثنوی میں بیان فرما رہے ہیں،

درمیان قومِ موسیٰ چند کس

☆ بے ادب، پوری قوم کی حریمیت کا سبب

بے ادب گفتند کو سیر و عدس

موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں چند کس یعنی چند افراد بے ادب تھے، ان کے اوپر مائدہ یعنی آسمانی من و سلویٰ اترتا تھا لیکن ان بے ادبوں نے کہا کہ ہمیں من و سلویٰ اچھا نہیں لگتا بلکہ ہمارے لئے سیر و عدس آنے چاہئیں، سیر یعنی لہسن اور عدس یعنی دال ہونی چاہئے۔ اس کے بارے میں آیہ قرآن ہے کہ

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ (۱۲)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا: اے موسیٰ! ہم ایک ہی قسم کے طعام پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے.....

اصلاً تعبیر دیکھیں کہ کتنی گستاخانہ ہے،

یا موسیٰ.....

ان کو پتہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام رسول خدا ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے بھی دیکھ چکے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کے ذریعے انہوں نے نجات بھی پائی تھی لیکن کبھی بھی بنی اسرائیل نے انہیں یا رسول اللہ نہیں کہا ہے، قرآن میں سب سے زیادہ تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے اور بہت ساری جگہوں پر بنی اسرائیل کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب قرار دیئے گئے ہیں اور قرآن نے وہ آیات بیان کی ہیں لیکن کسی ایک جگہ پر بھی قرآن نے ان کی زبان سے یا نبی، یا رسول خدا، یا رسول اللہ یا اس طرح کی تعبیر ذکر نہیں کی کہ بلکہ جہاں بھی بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا

☆
بے ادب، پوری قوم کی حر و میت کا سبب

ہے تو کہا یا موسیٰ علیہ السلام، ان کی تعبیر بے ادبانہ و گستاخانہ ہے۔

درحالیہ مسلمانوں کے اندر یہ ادب تھا بااینکہ یہ ان کو امی کہتے تھے، کچھ لوگ مسلمانوں کے اندر بھی تھے کہ جو بے ادب تھے، جو رسول اللہ ﷺ کے گھر کے باہر آ کر اونچی آواز سے جیسے ایک دوسرے کو بلاتے تھے آواز دیتے تھے کہ یا محمد ﷺ، قرآن نے ان کی سرزنش و مذمت کی اور کہا کہ یہ بلانے کا بے ادبانہ طریقہ ہے، اس طرح سے رسول اللہ ﷺ کو نہ بلاؤ، اس طرح نہ بلاؤ کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بلکہ ادب سے بلاؤ، کہو یا رسول اللہ ﷺ، یا نبی اللہ ﷺ، یا حجۃ اللہ ﷺ، اے ہادی خدا ﷺ، لہذا اس کے بعد مسلمانوں کی جتنی تعبیریں ہیں وہ یا رسول اللہ ﷺ ہیں۔

اسی طرح ائمہ علیہم السلام کو کتنے ادب سے پکارتے تھے، کہتے تھے یا بن رسول اللہ ﷺ، معاصرین ائمہ حتیٰ مخالفین ائمہ بھی جب ائمہ علیہم السلام کو بلاتے تھے تو ادب سے بلاتے تھے اور کہتے تھے یا بن رسول اللہ ﷺ، اے فرزند رسول خدا ﷺ، یہ کتنی خوبصورت تعبیریں ہیں لیکن وہ لوگ یا موسیٰ کہتے تھے، یہ بے ادب تھے، گستاخ تھے اور اس سے بے ادب تر بات یہ ہے کہ خدا سے کہو کہ ہم ایک کھانا پسند نہیں کرتے ہیں، ہم اکتا گئے ہیں، انہوں نے یہ بھی نہیں کہا کہ زمین سے جو چیزیں اُگتی ہیں وہ ہمارا خدا پیدا کرے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ.....

یا موسیٰ کہنا پہلی بے ادبی ہے،

☆
بے ادب، پوری قوم کی حریمیت کا سبب

لَنْ نَصْبِرَ عَلَى طَعَامٍ وَاحِدٍ.....

یہ خود دوسری بے ادبی ہے کہ ہم ایک کھانا نہیں کھا سکتے ہیں،

فَاذْغُ لَنَا رَبِّكَ.....

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ فَاذْغُ لَنَا رَبَّنَا یعنی ہمارے پروردگار سے کہو بلکہ کہا کہ ربِّک

یعنی جا کر اپنے خدا سے کہو کہ ہم سے یہ کھانا نہیں کھایا جاتا ہے،

يُخْرِجُ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَ

بَصَلِهَا.....

ہمارے لئے زمین سے اُگنے والی چیزیں فراہم کرے جیسے ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور اور

پیاز.....

یعنی ہمیں وہ چیزیں چاہئیں جو زمین سے اُگتی ہیں، ان کے اندر تنوع ہو، فقط لذت کے

لئے، جیسے بعض روزہ رکھتے ہیں صرف پکوڑوں اور سموسوں کے لئے چونکہ لذیذ چیزیں ہوتی ہیں،

افطار لذیذ چیزوں سے ہوتی ہے، روزہ رکھتے ہیں چونکہ افطار میں بہت لذت آتی ہے، وہ بھی یہی

چاہتے تھے، اسی طرح کے چٹارے لینے کے لئے اور فقط لذت اٹھانے کے لئے یہ چیزیں منگواتے

تھے، یہ نہایت بے ادبی ہے، یعنی قومِ موسیٰ علیہ السلام میں چند بے وقوف اور بے ادب لوگ تھے، انہوں نے

کہا کہ یہ سبزیاں وغیرہ کہاں ہیں؟

منقطع شدنان و خوان آسمان

☆ بے ادب، پوری قوم کی حریمیت کا سبب

ماند ذرع ویل و داسمان

اس گستاخی کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہ تمثیل ہے، بے ادبی کا اثر بتا رہے ہیں، میں نے اس لئے وہ نمونہ پہلے بیان کیا تھا کہ بے ادب بسا اوقات پورے حوزے کو محروم کر دیتا ہے، ایک بے ادب پورے حوزے کو بے ادب کرتا ہے۔ یہاں ایک اور نمونہ ہے، یہ تمثیلی واقعہ ہے، یہ بے ادبی خدا کو اچھی نہیں لگی اور وہ آسمانی کھانا، دسترخوانِ من و سلویٰ ختم ہو گیا،

اب پیچھے کیا رہ گیا؟ اب کھیتی، پھاوڑا، زحمت، رنج اور کوششیں رہ گئیں یعنی بے ادبی کی وجہ سے آمادہ کھانا ختم ہو گیا اور اب اس کے بعد یہ چیزیں انہیں خود کاشت کرنی تھیں، یہ ساری زحمت بے ادبوں کی وجہ سے ہوئی اور وہ رحمت چلی گئی، چالیس سال تک بنی اسرائیل سرگرداں گھومتے رہے، جسے تیرہ کا زمانہ کہتے ہیں، چالیس سال تک بنی اسرائیل حیران و سرگرداں تھے کہ نہ کوئی رہبر، نہ کوئی راہنما، نہ کوئی سرپرست، نہ کوئی راہ دکھانے والا بلکہ یہاں تک موجود ہے کہ ان کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ یہ اپنے ہی گرد گھومتے رہتے تھے، دن کی گرمی میں ٹیلوں کی پناہ لیتے تھے، نہ کھانے کے لئے کچھ تھا، نہ پینے کے لئے کچھ تھا اور پھر رات کو سفر کرتے تھے، سفر بھی ستاروں کو دیکھ کر کرتے تھے اور ان کے ساتھ جو اتفاق رونما ہوتا تھا وہ یہ تھا کہ رات بھر چلتے رہتے تھے اور جب صبح ہوتی تھی تو یہ سمجھتے تھے کہ ہم صحرا سے باہر جا چکے ہیں لیکن جب دیکھتے تھے تو وہیں ہوتے تھے کہ جہاں سے رات کو چلے تھے، یہ اپنے گرد چالیس سال تک گھومتے رہے ہیں، یہ کس وجہ سے ہوا؟ یہ سب کچھ بے ادبی کی وجہ سے ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان بے ادبوں نے گستاخی کی،

☆ بے ادب، پوری قوم کی حریمیت کا سبب

باز عیسیٰ چون شفاعت کرد حق

خوان و دستاد و غنیمت بر طبق

پھر خدا نے ایک لطف دیگر کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

شفاعت کی اور کہا کہ اے پروردگار! مائدہ آسمانی ان کے اوپر نازل فرما، خدا نے عیسیٰ علیہ السلام کی خاطر

چونکہ عیسیٰ علیہ السلام انہایت باادب نبی ہیں لہذا خدا نے ایک ادیب نبی کی وجہ سے پوری امت پر پھر سے اپنی نعمتیں اور برکتیں نازل کرنا شروع کر دیں،

باز گستاخان ادب بگذاشتند

چون گدایان ذلہا برداشتند

پھر بعض گستاخوں نے دوبارہ ادب ترک کر دیا، بے ادب ہر جگہ ہیں، جس طرح ایک

حوزوی بے ادب کو آپ نے سنا، حضرت استاد سے جب بعض لوگوں نے کہا کہ ایک بے ادب نے

اگر بے ادبی کی ہے تو آپ اس بے ادب کو چھوڑ کر باقیوں کو درس دیتے رہیں تو انہوں نے کہا کہ کیا

دلیل ہے کہ کل ایک اور بے ادب پیدا نہیں ہوگا؟ بے ادب کی نسل تو منقطع نہیں ہوئی ہے، بے ادب

سے بے ادب ہی پیدا ہوتا ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ یہ گدا بن گئے، بے ادب اور گستاخ گداؤں کی طرح انہوں نے جو

حرکتیں شروع کیں وہ یہ تھیں کہ غذا کھاتے تھے اور کھانے کے بعد جو غذا بچ جاتی تھی وہ بچی کچی غذا ان

بے ادبوں نے چرانا شروع کر دی،

لا بہ کردہ عیسیٰ ایشانرا کہ این

دایمست و کمرنگردد از زمین

عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ بچی ہوئی غذا کیوں چراتے ہو؟ مثلاً چند آدمی کھاتے تھے اور باقی دیک اٹھا کر لے جاتے تھے، اپنی کل کے لئے حریص تھے، جیسے بعض ہوتے ہیں کہ کھانا ہو تو زیادہ لے لیتے ہیں اور فرج (Fridge) میں لے جا کر رکھ دیتے ہیں اور وہ فرج میں ہی سوکھتا رہتا ہے چونکہ اگلے ٹائم پھر پک جاتا ہے، یہ حرص کی وجہ سے لے جاتے ہیں اور جا کر ضائع کر دیتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ یہ غذا تو ختم ہونے والی نہیں ہے، یہ تو آپ کو ہر وقت ملے گی، بالآخر تم خدائے کریم، خدائے رازق کے مہمان ہو اور خدا نے تمہیں یہ لطف ہمیشہ کے لئے دیا ہے،

بدگمانی گردن و حرص آوردے

کفر باشد پیش خوان مہترے

جس کے دسترخوان پر تم بیٹھے ہوئے ہو وہ ایسا میزبان ہے کہ جو کریم، سخی، صاحبِ جود ہے، جس کے خزانے نہ ختم ہونے والے ہیں اور جس کی جود نہ ختم ہونے والی ہے، اس کے دسترخوان پر جب بخیل بیٹھتا ہے تو گستاخانہ کام کرتا ہے، اتنا کھاتا نہیں ہے کہ جتنا اپنے ساتھ باندھتا ہے، چراتا ہے، یہ تو ہین ہے، یہ بدگمانی ہے، حرص کے ساتھ بیٹھنا کفر ہے، خدا کے دسترخوان پر بیٹھ کر بھی بدگمانی کہ اگلے وقت کون دے گا؟ یہ واقعاً کفر ہے، جس خدا نے ابھی دیا ہے وہ دوسرے وقت کا کھانا بھی دے گا۔

☆ بے ادب، پوری قوم کی حریمیت کا سبب

زان گداڑوین نادیدہ زآز

آن در رحمت برایشان شد فراز

یہ گدائے نادیدہ یعنی جن کی آنکھیں بھوکی تھیں، نادیدہ ان لوگوں اور گداؤں کو کہتے ہیں کہ جن کی آنکھ بھوکی ہوتی ہے، ان کا پیٹ بھر جاتا ہے لیکن آنکھ نہیں بھرتی ہے، فرماتے ہیں کہ ان لالچی نادیدہ گداؤں پر در رحمت کھل گیا،

ابر بر ناید پی منع زکات

وز زنا افتد و با اندر جہات

اب انہوں نے کلام سے کلام نکالا ہے، کلام بجز الکلام، مطلب سے مطلب، یہ مولانا کی خصوصیت ہے کہ جولانی ذہنی بہت زیادہ ہے البتہ مربوط مطلب ہے لیکن ہم اس کی تشریح سے دور ہو جائیں گے،

ہر چہ بر تو آید از ظلمات و غم

آن زبی با کسی و گستاخست ہم

یہ جتنے مصائب ہیں بے ادبی کی وجہ سے ہیں۔ آج ہم اس صدی میں بیٹھ کر طاغوتی اور استکباری طاقتوں کے مظالم پوری دنیا میں مشاہدہ کر رہے ہیں، مولانا روم نے آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے یہ مطالب ذکر کئے ہیں۔ جن مشکلات، مصائب، سختیوں، غم، رنج و اندوہ اور ظلمات کا آپ کو سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ کہاں سے ہوتا ہے؟ اس کا سبب کیا ہے؟ اور اس کی وجہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں

کہ یہ بے ادبوں کی وجہ سے ہے، یہ گستاخوں کی وجہ سے ہے، جیسے امام خمینیؑ نے فرمایا تھا کہ

تمام بد بختی ہائی مسلمین از دست آمریکہ است

طے کر لیں کہ اگر ایک جوانِ مسلم بے روزگار ہے تو وہ امریکہ کی وجہ سے ہے، اگر ایک اُن

پڑھ ہے تو وہ امریکہ کی وجہ سے ہے، اگر کسی کا علاج نہیں ہو رہا ہے تو یہ امریکہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا

ہے لیکن یہ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ کون کس طرح سے محصور ہے۔ یہ گستاخوں اور بے ادبوں کی وجہ

سے ہے۔ جتنی مشکلات اور مصائب تیرے اوپر ٹوٹے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی ذمہ دار ضرور ہے؟ اور وہ

بے ادب اور گستاخ لوگ ہیں۔

بعض اوقات لطفِ پروردگار آمادہ ہوتا ہے کہ جیسے پہلے کسی مناسبت سے دعا کی بحث میں

عرض کیا تھا کہ دعا خدا کی رحمت کے تار کو چھیڑنا ہے، بحرِ جو خدا کہ جو آرام و سکون میں ہوتا ہے لیکن

ایک بندہ اپنی مناجات کے ذریعے، اپنے چند جملوں کے ذریعے اس بحر میں تلاطم پیدا کر دیتا ہے،

یعنی بحرِ جو خدا احساسات کی مانند ہے، جیسے ہمارے احساسات ابھی سکون میں ہیں لیکن اگر کوئی

آدمی اُٹھ کر احساساتی باتیں کرنا شروع کر دے تو ان احساسات میں ایک دم تلاطم آ جائے گا، ان

احساسات کے اندر عشق جاری ہوگا، آنسو جاری ہوں گے۔ احساسات بھی مانندِ تار ہیں، جس طرح

نغموں میں ساز اور سازوں کے اوپر تاریں ہیں اور ان تاروں کو چھیڑنے سے نغمہ نکلتا ہے، وہ تار سکون

میں ہیں، وہ نغمہ یا وہ ساز و سوز سکون میں ہے، اس کو چھیڑنے والا کوئی نہیں ہے، بس ذرا سا کوئی چھیڑ

دے، علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ

☆ بے ادب، پوری قوم کی حریمیت کا سبب

مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز

تو ذرا چھیڑ تو دے تثنہ مضرب ہے ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے

طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کیلئے..... (۱۳)

جو خدا تشبیہ و تمثیل ہے، جو دو بخشش خدا شامل حال ہونے کیلئے بے تاب ہے لیکن کوئی

چھیڑتا نہیں ہے لہذا کوئی آکر اس کو چھیڑ دے۔ دعا اس بحرِ جو خدا کو چھیڑنا ہے، اس میں تلاطم و موج

ایجاد کرنا ہے اور ایک با ادب شخص مناجات کے ذریعے، ایک دعا کے ذریعے اور ایک ذکر کے ذریعے

رحمت خدا کا رخ کسی قوم کی طرف موڑ دیتا ہے لیکن ایک بے ادب اور گستاخ اس رحمت کا رخ اس

قوم سے موڑ کر محروم کر دیتا ہے۔

☆ بے ادب، راہ زن و نامرد

ہر کہہ بی با کی کند در دراز دوست

دراز مردان شد و نامرد اوست

جو بھی دوست کی راہ میں، خدا کی راہ میں بے ادب ہو گیا اور بے باک یعنی گستاخ ہو گیا تو

ایسا شخص راہزن اور نامرد ہے چونکہ سب سے زیادہ بے ادبی بارگاہِ خدا میں انجام پاتی ہے، وہ انسان

جو الفاظ کے ادیب ہیں، جو دوسروں کے سامنے آداب کا خیال رکھتے ہیں لیکن خدا کے سامنے آداب

کا خیال نہیں رکھتے ہیں، مرحوم علامہ طباطبائیؒ نے ادب کے بارے میں بہت خوبصورت اور زیبا وعظ کیا ہے کہ بارگاہِ خدا میں ادیب ترین انسان روئے زمین پر انبیاءؑ اور معصومینؑ تھے کہ جو بارگاہِ خدا میں آداب کو ملحوظِ خاطر رکھتے تھے اور اسی لئے کسی چیز سے بھی محروم نہیں تھے چونکہ باادب تھے، شیطان بے ادب تھا لہذا لطفِ رب سے محروم رہ گیا۔

یہ ایک غلط محاورہ ہے کہ عموماً اہل علم میں زیادہ مدخل ہے، شاید آپ نے سنا ہوگا کہ

بَيْنَ الْأَحْبَابِ تَسْقُطُ الْأَدَابُ..... (۱۴)

دوست احباب کے درمیان آداب ختم ہو جاتے ہیں.....

اس کی مثال لاہوری دوستی ہے، لاہوری دوستی معلوم نہیں کہ آپ نے دیکھی یا سنی ہوئی ہے یا نہیں؟ لاہوریوں سے معذرت کے ساتھ کہ لاہور میں اپنائیت کی دلیل یہ ہے کہ گالی دے کر بات کرتے ہیں۔ جس کو گالی دے سمجھو بہت قریبی دوست ہے اور جتنی گندی گالی دے، غلیظ تر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں انسیت اور زیادہ ہے، اگر گالی نہ دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ تکلف سے کام لے رہے ہیں، ہمیں دوست نہیں سمجھتے ہیں، ہمیں اپنا بھائی نہیں سمجھتے ہیں، اس میں معیار گالی ہے کہ یہ لاہوری دوستی صرف لاہور میں نہیں ہے بلکہ ہر جگہ ہے، اہل علم میں یہ مشہور ہے کہ

بَيْنَ الْأَحْبَابِ تَسْقُطُ الْأَدَابُ.....

یعنی دوستوں کے درمیان آداب نہیں ہوتے ہیں، بلکہ اتفاقاً جتنی دوستی عمیق تر ہوا اتنا ہی ادب بیشتر ہوتا ہے، انسان دوست کے ساتھ ہی سب سے زیادہ باادب رہتا ہے، ممکن ہے اجنبی

اور بیگانے کے ساتھ آداب نہ ہوں لیکن جس کے ساتھ ضرورت ہے، جس کے ساتھ زیادہ دوستی ہونی چاہئے لہذا وہاں ادب ہے اور سب سے بہترین دوست اصطلاح عرفانی میں خداوند تبارک و تعالیٰ ہے، عرفان میں جہاں بھی دوست مراد ہو وہاں پہ ذات خداوند تبارک و تعالیٰ مراد ہے، جیسے امام خمینیؑ کے کلام میں ہے کہ

من بخال لبّی دوست گرفتار شدم

چشم بیمار تو را دیدم و بیمار شدم..... (۱۵)

پاکستان میں کسی سے پوچھا کہ یہ کیسا شعر ہے تو کہا کہ یہ طالب علمی سے پہلے کی بات ہے یعنی اس وقت طالب علم نہیں تھے حالانکہ اتفاقاً آخر عمر کی غزل ہے، امامؑ کی رحلت سے پہلے جو آخری سال تھا اس سال کی ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ثقلین، خطبہ شعبانیہ اور خطبہ غدیریہ سب آخری سال کی باتیں ہیں، اسی طرح یہ امام خمینیؑ کے آخری سال کی غزل ہے، چشم بیمار اصطلاح عرفانی ہے، جس طرح ادبیات کی اصطلاح مثلاً فاعل ہے، یہ اصطلاح ادبیات ہے، مبتدا و خبر ہے، اس پر تو کوئی اعتراض نہیں کر سکتا ہے کہ آپ اس کو مبتدا کیوں کہتے ہیں؟ آپ اس کو خبر کیوں کہتے ہیں؟ خبر تو وہ ہوتی ہے کہ جو ٹی وی میں نشر ہوتی ہے، اس کو آپ خبر کیوں کہتے ہیں؟ کوئی آپ کے ساتھ الجھ سکتا ہے، آپ جب کہتے ہیں کہ یہ مبتدا ہے اور یہ خبر ہے تو ایک اناڑی آدمی کہ جس نے فقط ٹی وی پہ خبریں سنی ہیں وہ کہے گا کہ یہ کیا کہتے ہو، یہ خبر ہے یا وہ خبر ہے جو بی بی سی اور سی این این دیتا ہے، یہ جو آپ کہہ رہے ہو کہ یہ لفظ خبر ہے تو یہ کہاں کی خبر ہے؟ آپ اس کے ساتھ نہیں الجھیں، یہ

ایک اصطلاح ہے، اس کا حق بنتا ہے کہ جو یہ کہے، دوست یعنی خدا کی ذات۔ اہل اللہ اور مقربینِ خدا، خداوندِ تبارک و تعالیٰ کو حضرت دوست تعبیر کرتے ہیں۔

مولانا روم فرما رہے ہیں کہ یہ مردوں کا راہزن ہے، یہ بے ادب مانند ڈاکو ہے، یہ نامرد انسان ہے، نامرد سے مراد عورتیں نہیں ہیں، قرآن نے بھی کہا ہے کہ نامرد موجود ہیں،

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (۱۶)

مومنین میں ایسے بھی مرد میدان ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے وعدے کو سچ کر دکھایا ہے ان میں بعض اپنا وقت پورا کر چکے ہیں اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی بات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی ہے۔

اس آیت کا لب و لہجہ اور لحن دیکھیں،

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ.....

یہ نہیں ہے کہ مومنین میں سے کچھ رجال ہیں اور کچھ نساء ہیں یعنی مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ رِجَالٌ، بلکہ مومنین آیا ہے مومنات نہیں ہے، مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ، مومنین خود صیغہ مذکر ہے۔ لوگوں میں سے کچھ مومنین ہیں اور کچھ غیر مومنین ہیں لیکن مومنین میں سے بھی کچھ رجال ہیں یعنی مرد ہیں کہ جن کے اندر مردانگی ہے، اس رجال کے مقابل میں کیا ہے؟ وہ نہج البلاغہ میں ہے کہ

يَا أَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَلَا رِجَالٌ..... (۱۷)

اے مردوں سے شبابہت رکھنے والوں جو کہ مرد نہیں ہو.....

یعنی اس مردانگی کے مقابلے میں یہ جملہ ہے کہ اے مردوں جیسی شکل والے نامردوں۔

☆ شیطان بے ادبی کی وجہ سے شیطان بنا

مولانا روم فرماتے ہیں کہ

اذا ادب پر نور گشتست این فلک

وذا ادب معصوم و پاک آمد ملک

فلک میں جو نورانیت ہے وہ ادب کے ذریعے سے ہے، دنیا ادب کی وجہ سے روشن ہے۔ ستارے کتنے با ادب ہیں کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو چھپ جاتے ہیں، یہ ایک شاعرانہ تمثیل ہے، سائنسی تحقیق نہیں ہے، بسا اوقات ہم جو دیکھتے ہیں اسے بیان کر رہے ہوتے ہیں نہ کہ اسے کہ جو واقعاً ہے۔ ہم ظاہر آید دیکھتے ہیں کہ جب سورج نکلتا ہے تو ستارے ہوتے ہیں لیکن دکھائی نہیں دیتے، یہ سورج کے سامنے ان کا ادب ہے لیکن یہاں بے ادب کون ہے؟ بے ادب ستارہ و سیارہ بھی نہیں ہے، ایک شمع، لیمپ و بلب بھی نہیں ہے، مثلاً جگنو ہے کہ جس کی دم میں الیکٹرک کرنٹ تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے نکلتا رہتا ہے، وہ بھی اس کے اضطراب کی وجہ سے نکلتا ہے، مگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ جگنو روشنی کا ذریعہ ہے، چونکہ دم بھی تو مشکلات پیدا کرتی ہے، مولانا روم کا ہی ایک شعر ہے کہ

ہر کہ او بی سرب جنبد دُمر بود

☆ شیطان بے ادبی کی وجہ سے شیطان بنا

جنبشش چون جنبش کژدم بود..... (۱۸)

یعنی جو بھی سر کے بغیر گھومتا ہے تو سمجھو وہ بچھو ہے، بچھو ایک دم ہے چونکہ بچھو کا سارا ناز اس کی دم پر ہے، دم میں اس کی ڈنک ہے، یہ کژدم ہے۔ اگر فلک روشن ہے تو ادب کی وجہ سے روشن ہے اور ادب کی وجہ سے اس کے اندر نورانیت آئی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ فرشتہ کیوں معصوم ہے؟ چونکہ با ادب ہے۔ شیطان کیوں رجم ہے؟ چونکہ بے ادب ہے، شیطان مردود اور بے ادب کو خدا نے بارگاہ سے نکال دیا ہے لیکن فرشتے کو پاک کر دیا اور معصوم بنایا، انبیاء علیہم السلام بھی معصوم ہیں اور یہ ادب کا نتیجہ ہے،

بُذْ گستاخی کسوفِ آفتاب
شد عزازیلی ز جراتِ درِ باب

بے ادبی کی وجہ سے سورج کو کُسو ف یعنی گرہن ہے چونکہ زمین اور سورج کے بیچ میں آنا بے ادبی ہے۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ ہم ان چیزوں کا خیال نہیں رکھتے ہیں، مثلاً پشت نہ کرنا، پشت نہیں کریں البتہ اگر درس یا مجلس ہو تو اور بات ہوتی ہے، ادب مجلس الگ ہے، ادب درس الگ ہے، ادب نشست الگ ہے لیکن اگر ایک عام مجلس و محفل میں بیٹھے ہوئے ہیں تو کسی کی طرف پشت نہ کریں، ایران میں اس چیز کو بہت معیوب سمجھتے ہیں کہ آپ کسی سے بات کر رہے ہیں اور دوسرے کی طرف پشت کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، ہندوستان اور پاکستان میں یہ نہایت ادب ہے کہ پیٹھ کر کے کسی کی طرف نہ بیٹھیں، لہذا اگر چاند، سورج اور زمین کے درمیان آ گیا ہے تو اس لئے کُسو ف ہوا ہے کہ

☆ شیطان بے ادبی کی وجہ سے شیطان بنا

یہ سورج کیلئے بے ادبی ہے، بے ادبی کی وجہ سے اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے۔

اسی طرح شیطان کا کتنا بڑا مقام تھا؟ جن ہوتے ہوئے یہ ملائکہ کی صف میں موجود تھا لیکن بے ادبی کی وجہ سے ردِ باب ہوا، دھتکار دیا گیا اور بارگاہِ خدا سے نکال دیا گیا، شیطان کا اصلی نام عزازیل ہے، ابلیس نہیں ہے، ابلیس صفت ہے اور شیطنیت بھی صفت ہے یہ اس کے نام نہیں بلکہ عہدے ہیں، اس کا نام عزازیل ہے، ابلیس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ تلپیس اور التباس کی وجہ سے شک میں ڈالتا ہے، درہم برہم کر دیتا ہے، حق و باطل ملا دیتا ہے، وہ لباسِ حق کو لباسِ باطل اور لباسِ باطل کو لباسِ حق پہناتا ہے اور اسی کام کو التباس کہتے ہیں، تلپیس یعنی کسی اور چیز کو کوئی اور لباس پہنا دینا، عورت کو مرد کا لباس اور مرد کو عورت کا لباس پہنا دینا، تلپیس ابلیس لباس پہنانا اور لٹے لباس پہنانا ہے۔ شیطنیت بھی اس کا فعل ہے یا اس کی صفت ہے لیکن اس کا اصل نام عزازیل ہے۔ بے ادبی کی وجہ سے یہ راندہ درگاہ کر دیا گیا،

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ..... (۱۹)

یعنی ارشاد ہوا کہ تو یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے۔

۴) مولانا روم کے اشعار امیر المومنین علیہ السلام کے فرامین

کی شرح

غرضیکہ مثنوی کے یہ اشعار امیر المومنین علیہ السلام کی ان روایات کی شرح ہیں،

مولانا روم کے اشعار امیر المومنین علیہ السلام کے فرامین کی شرح

إِنكُمْ إِلَىٰ اِكْتِسَابِ الْاَدَبِ اُخْرَجَ مِنْكُمْ إِلَىٰ اِكْتِسَابِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ.....

تم ادب سیکھنے کے زیادہ محتاج ہو اس بات سے کہ تم چاندی اور سونا کماؤ.....

إِنَّ بَذْوَى الْعُقُولِ مِنَ الْحَاجَةِ إِلَى الْاَدَبِ كَمَا يَظْمَأُ الزَّرْعُ إِلَى الْمَطَرِ.....

بے شک صاحبان عقل ادب (سیکھنے) کے ایسے محتاج ہیں جس طرح سے کھیتی (زراعت)

بارش کی محتاج ہوتی ہے۔

ادب کے بغیر انسان محروم ہے، مثنوی کی یہ پوری نظم جو آپ کی خدمت میں ذکر کی گئی یہ

وہی چیز ہے۔

بِالْاَدَبِ تَشْحَلُ الْفِطْنُ.....

ادب کے ذریعے ذہانت کو تیز کرو.....

پس ادب کے ذریعے سے فہم تیز ہوتی ہیں لہذا ادب فہم قرآن ایک خصوصی فہم ہے اور عام

فہم سے ذرا ہٹ کر ہے، ویسے تو فہم کلی ہے لیکن اس فہم کلی میں ایک خاص فہم فہم قرآن ہے، اول اس

فہم کی بھی حدود و قیود ہیں اور اس فہم کے بھی آداب ہیں، اگر وہ آداب ہوں تو یہ فہم تیز ہو جاتی ہے، یہ

قرآن کو سمجھنے کے لئے تیز ہوتی ہے اور اسی انسان کو قرآن نے متقی کہا ہے یعنی جو قرآن کو سمجھنے کے

لئے آمادہ ہے، جس نے اپنے آپ کو آمادہ کیا ہے، فہم پیدائشی طور پر آمادہ نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ آمادگی

اپنے اندر لانا پڑتی ہے۔

اب ہمیں تھوڑا اندازہ ہو گیا کہ آداب کیا ہوتے ہیں اور ان کی کیا اہمیت ہے لہذا آئندہ

مولانا روم کے اشعار امیر المومنین علیہ السلام کے فرائض کی شرح

فصلوں میں جب آدابِ فہمِ قرآن کی بحث کریں گے تو اندازہ رہے گا کہ آداب سے کونسی چیزیں مراد ہیں یا دقیقاً کس چیز سے بحث کرنا چاہتے ہیں اور ہمارے اندر یہ آمادگی آئے گی کہ ہم ان آداب میں وارد ہوں کہ جو بطور رسمی صدرالمتألفینؒ نے اپنی کتاب مفاتیح الغیب میں نقل کئے ہیں۔

مولانا روم کے اشعار امیر المومنین علیؑ کے فرامین کی شرح

www.ziaraat.com
jagir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

حوالہ جات

- (۱).....(عیون الحکم والمواعظ - علی بن محمد اللیثی الواسطی، الجزء ۱، صفحہ ۱۵۰)
- (۲).....(میزان الحکمة - الریشہری، باب الادب، الجزء ۱، صفحہ ۵۳)
- (غرر الحکم ودرر الکلم)
- (۳).....(غرر الحکم و درر الکلم، الجزء ۱، صفحہ ۱۶۳)(میزان الحکمة- الریشہری، باب الادب، الجزء ۱، صفحہ ۵۶)
- (۴).....(مثنوی معنوی، بہ تصحیح: رینولد ا. نیکلسون، دفتر پنجم، صفحہ ۷۸۹)
- (۵).....(التفسیر الصافی - الفیض کاشانی، الجزء ۱، صفحہ ۳۲)(تسنیم تفسیر قرآن کریم - آیت اللہ جوادی آملی، الجزء ۲، صفحہ ۲۴)(سیرۃ الامام جعفر صادقؑ، الجزء ۱، صفحہ ۲)(تفسیر جوامع الجامع - الشیخ ابی علی الفضل بن الحسن الطبرسی، الجزء ۱، صفحہ ۴)(میزان الحکمة - الریشہری، الجزء ۸، صفحہ ۲۱۴)
- (۶).....(سورۃ مبارکہ حجر، آیہ ۲۱)
- (۷).....(سورۃ مبارکہ انعام، آیہ ۵۹)
- (۸).....(مثنوی معنوی، بہ تصحیح: رینولد ا. نیکلسون، دفتر اول، صفحہ ۸)
- (۹).....(سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۵۷)
- (۱۰).....(سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۶۰)
- (۱۱).....(سورۃ مبارکہ طہ، آیہ ۸۰)
- (۱۲).....(سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۶۱)

- (۱۳)..... (کلیات اقبال، بانگ درا، حصہ سوم، عنوان: شکوہ، صفحہ ۱۶۹)
- (۱۴)..... (أسطورة العبوسة، الجزء ۳، صفحہ ۱۱)
- (۱۵)..... (دیوان امام خمینی، عنوان: چشم بیمار، صفحہ ۱۴۲)
- (۱۶)..... (سورۃ مبارکہ احزاب، آیہ ۲۳)
- (۱۷)..... (نہج السعادة، الجزء ۶، صفحہ ۲۶۶) (میزان الحکمة - الrishہری، باب الناس، الجزء ۱۰، صفحہ ۵۳۷)
- (۱۸)..... (مثنوی معنوی، بہ تصحیح: رینولد ا. نیکلسون، دفتر چہارم، صفحہ ۶۱۳)
- (۱۹)..... (سورۃ مبارکہ حجر، آیہ ۳۴) (سورۃ مبارکہ ص، آیہ ۷۷)

فصلِ ادبِ اول

﴿درکِ عظمتِ قرآن﴾

- ۱) تعارفِ مفاتیح الغیب
- ۲) درکِ عظمتِ کلام
- ۳) قرآنِ ذو مراتبِ حقیقت
- ۴) قرآن، ایک محجوب حقیقت
- ۵) قرآن رات میں نازل ہونے کی وجہ
- ۶) احترام بمناسبتِ عظمتِ مقام
- ۷) اللہ اپنے کلام میں متجلی ہے
- ۸) معرفت اور اجارے کی نماز میں فرق
- ۹) اللہ کو پانا ہے
- ۱۰) قرآن حبِ خدا ہے
- ۱۱) مستور قرآن لطفِ خدا ہے
- ۱۲) قرآن کی حکمت اور عبارت کا تعلق
- ۱۳) قرآن، نورِ حکمت
- ۱۴) قرآن، مشروبِ حیات

۱) تعارف مفاتیح الغیب

صدر المتألهینؒ کی کتاب کا نام ”مفاتیح الغیب“ ہے یعنی غیبی، اوجھل و پنہاں خزانوں کی چابیاں، مفاتیح الغیب یعنی اللہ کے خزانوں کی کنجیاں، یہی چابیاں آداب ہیں اور ان آداب ہی کے ذریعے سے انسان الہی خزانوں تک پہنچتا ہے لہذا اہل خرد و فہم چابی مانگ لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ خزانے کے اندر ان کی رسائی ہو جاتی ہے، خزانوں سے جتنی ضرورت ہے، جتنی بھوک و پیاس ہے اس حد تک حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا سے ادب مانگنا یعنی چابی لے لینا۔ مفاتیح الغیب میں سے ایک مفتاح یعنی ایک چابی و کنجی ادب ہے کہ انسان مودب ہو، غیر مودب انسان گستاخ انسان ہے۔

”مفاتیح الغیب“ قرآنی علوم کے مقدمہ کے طور پر لکھی گئی ہے۔ صدر المتألهینؒ کو عام لوگ بنام ملا صدر اپہچانتے ہیں، یہ حکیم الہی اور فیلسوف ربانی یعنی ذوالفنون ہیں، فلسفے میں شہرت ہے لیکن ان کی کتاب تفسیر بھی ہے، دیگر علوم قرآن کی کتابیں بھی ہیں، حدیث کی کتاب بھی ہے اور مختلف علوم میں کتابیں لکھی ہیں۔ اس کتاب مفاتیح الغیب میں بحث ”آداب فہم قرآن“ موجود ہے، البتہ انہوں نے اصل بحث غزالی سے اخذ کی ہے کہ جو معروف بہ ابو حامد غزالی ہیں، ان کی ایک معروف کتاب بنام احیاء العلوم ہے، اس کے اندر انہوں نے بحث قرآن کے ذیل میں آداب قرآن ذکر کئے ہیں، کچھ تصرف کے ساتھ مرحوم صدر المتألهینؒ نے اس بحث کو احیاء العلوم سے اقتباس و تلخیص کیا ہے اور نئے سرے سے تحریر بھی کیا ہے، بعض مطالب اس کے ترک کئے ہیں کہ جو موزوں

نہیں تھے یا یہ کہ نظروں میں مناسب نہیں تھے اور اس کے اندر بعض مطالب اپنی طرف سے اضافہ کئے ہیں، اس کتاب سے ہو بہو نقل نہیں کیا ہے۔

صدر الممتا لھینؒ نے عبارتوں کے اندر بہت ہی عمدہ لطائف بیان کئے ہیں۔ وہ عبارتیں بہت زیبا ہیں اور خود نفسِ عبارت بہت جالب ہوتی ہے اور اس کے اندر ایک دنیائے معرفت موجود ہوتی ہے، ہم انشاء اللہ اجمالاً بعض عبارتیں تحریر کریں گے تاکہ ہمیں ان تعبیروں کی لطافت کا احساس ہو جائے اور یہ عبارتیں سب کے لئے حل بھی ہوں۔

صدر الممتا لھینؒ فرماتے ہیں کہ اس فصل میں ہم قرآن کے اندر غور و فکر کرنے والوں کے آداب ذکر کریں گے، لیکن جنہیں فقط حفظ کرنا ہے، جنہیں فقط ختم قرآن کرنا ہے، جنہیں فقط دہرانا ہے، تلاوت کرنا ہے، ان کے آداب الگ ہیں، وہ بھی اسی کتاب میں ذکر کئے گئے ہیں لیکن یہ فصل مخصوصاً ان لوگوں کے لئے ہے کہ جنہیں قرآن میں تدبر، غور اور فکر کرنا ہے، اب ایک ایک کر کے ان آداب میں وارد ہوتے ہیں کہ جو مرحوم صدر الممتا لھینؒ نے کتاب شریفِ مفاتیح الغیب میں ذکر فرمائے ہیں، کتابِ مفاتیح الغیب کے صفحہ نمبر (۵۸) پر الفاتحة الثانية کے نام سے ایک باب ہے، فاتحہ اس کیلئے عنوانِ فصل ہے چونکہ ہم اس کتاب کا ایک باب پڑھ رہے ہیں لہذا اس کے متعلق بحث نہیں کرتے ہیں کہ فاتحہ ثانیہ کیا ہے؟ فقط اپنے موضوع پہ توجہ مرکوز رکھتے ہیں چونکہ کتاب کا پہلا اور بعد والا حصہ ابھی ہماری غرض میں نہیں ہے، آپ اس میں فرماتے ہیں کہ

☆ فی الاشارة الى آداب الناظرين في علم القرآن

فاتحہ دوم یا فصل دوم کتاب ان آداب کے متعلق ہے کہ جو قرآن کے اندر غور و فکر کرتے ہیں کچھ لوگ فقط قرأت قرآن کرتے ہیں، کچھ فقط تلاوت قرآن کرتے ہیں، کچھ صرف سماعت قرآن کرتے ہیں، کچھ قرآن پر محض نگاہ کرتے ہیں لیکن کچھ لوگ غور و فکر کرتے ہیں، یہاں نظر بمعنی فکر ہے اور فکر کے بھی آداب ہونے چاہئیں تاکہ درست فکر کریں اور اس فکر کا درست نتیجہ بھی نکلے۔

☆ المتدبرین فی آیات اللہ تعالیٰ.....

ہم ان کے آداب ذکر کرتے ہیں کہ جو لوگ آیات خدا میں اہل تدبر ہیں، اہل غور و فکر ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن نے انسان کو دعوت تدبیری ہے، جو لوگ عالم خلقت میں بھی اور آیات قرآن مجید میں بھی یعنی آیات عینیہ خداوند تبارک و تعالیٰ میں اور آیات تدوینیہ خداوند تبارک و تعالیٰ میں تدبر کرتے ہیں۔

☆ وہی عشرة:.....

اور وہ دس ادب ہیں، یہاں پر ذکر فرماتے ہیں کہ بعض ترتیب احیاء العلوم سے مختلف ہیں کہ اثنائے بحث میں اشارہ ہوگا۔

۲) درک عظمت کلام

☆ الاول: فہم عظمة الکلام.....

فہم قرآن اور درک معانی و مقصود قرآن کیلئے پہلا ادب درک عظمت قرآن ہے، جو شخص

قرآن کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ عظمتِ کلام کو درک کرے، البتہ اس سے پہلے آدابِ دیگر بھی موجود ہیں کہ جو ہم نے تحریر نہیں کئے ہیں، آپ خود مفاتیح الغیب سے پڑھ کر سکتے ہیں، ان میں سے بعض قرأتِ قرآن کے آداب ہیں، بعض سماعتِ قرآن کے آداب ہیں اور بعض تلاوتِ قرآن کے آداب ہیں چونکہ ہماری بحث تدبرِ قرآن میں ہے لہذا اس فصل کے متن کو بحث کے لئے منتخب کیا ہے۔ پس اس پہلے ادب کے مطابق اس کلام کا وصفِ عظمت یعنی مقام و منزلت اور علو و درجہِ عالی اسے معلوم ہونا چاہئے کہ میں کس بارگاہ میں ہوں؟ یہ نہ کہے کہ یہ بھی دوسری کتابوں کی طرح ایک کتاب ہے کہ یہ رکھ کر وہ اٹھالی اور وہ رکھ کر یہ اٹھالی کہ جس طرح ہم عموماً کرتے ہیں، ایک کتاب رکھ کر دوسری اٹھا لیتے ہیں، وہ رکھ کر تیسری اٹھا لیتے ہیں پھر اسے رکھ کر قرآن پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، نہیں، اس طرح سے نہ ہو، پہلے معلوم ہو کہ کس بارگاہ میں ہوں؟ کس کے کلام کی بارگاہ میں ہوں؟

قرآن کلامِ الہی ہے لہذا پہلے انسان اس کلامِ الہی کی عظمت کو درک کرے اور پھر قرآن میں فکر اور تدبر کرے، اس کے بعد انسان کو قرآن مجید سے کچھ حاصل ہوگا۔ اگر انسان عظمتِ کلامِ الہی کو سمجھے بغیر، تصدیق کئے بغیر، یقین پر پہنچے اور ایمان لائے بغیر قرآن کے اندر وارد ہو جائے تو اس کے اندر گشت تو کرے گا لیکن حاصل کچھ نہیں ہوگا چاہے وہ کثرت سے تلاوت و قرأتِ قرآن کرے۔ اگر انسان کے اندر حالتِ قرأتِ قرآن میں اور حالتِ فہمِ قرآن میں احساسِ عظمتِ کلام نہ ہو یعنی علم نہ ہو یا عظمتِ کلامِ الہی کی طرف توجہ نہ ہو تو انسان کو مقصودِ قرآن حاصل نہیں ہوگا اور چونکہ

قرآن کلام خداوند تبارک و تعالیٰ ہے لہذا عظمت کلام رہیں عظمت متکلم ہے یعنی جتنی عظمت متکلم کے اندر موجود ہوگی اتنی ہی عظمت کلام کے اندر موجود ہوگی۔ دوسری کتابوں میں بھی ایسے ہی ہے، فرض کریں کہ آپ کو ایک نامعلوم مؤلف کی کتاب ملی اور آپ کو پتہ نہیں ہے کہ اس کا مؤلف کون ہے؟ آپ اس کا مطالعہ کرنا شروع کر دیتے ہیں، اول سے آخر تک کتاب کو سمجھتے ہیں اور جب آپ کو اسی کتاب کا مؤلف معلوم ہو جائے اور وہ مؤلف بھی بہت گرانقدر انسان ہو، بہت ہی عظیم شخصیت کا مالک ہو مثلاً وہ عربی تحریر ہے اور ہم نے اس کو لے کر پڑھا اور اس سے کچھ نہ کچھ حاصل کیا، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خطبہ امیر المومنین علیہ السلام کا ہے لہذا اب ہم دوبارہ پڑھتے ہیں اور اب ہمیں یہ کتاب کچھ اور طرح سے سمجھ میں آتی ہے، فرق صرف یہ پڑا ہے کہ پہلے عبارت ہمارے سامنے تھی لیکن اس عبارت کی عظمت کا احساس نہیں تھا اور عظمت کا احساس اس وجہ سے نہیں تھا کہ ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کس کی کتاب ہے؟ یہ کس کا کلام ہے؟ یہ کس کا جملہ ہے؟

عظمت کلام رہیں عظمت متکلم ہے، یہ نکتہ نہ صرف فہم قرآن میں مؤثر ہے بلکہ عبادت انسان میں بھی مؤثر ہے اور اگر خدا نخواستہ انسان کا دل قساوت کا شکار ہو جائے، سخت ہو جائے تو اس دل کو نرم کیسے کیا جائے؟ یہ اہم نکتہ ہے چونکہ دل کو قسوی سخت کرنے والی بہت ساری چیزیں ہیں، نرم کرنے والی چیز کوئی ہے؟ خشوع قلب کے لئے بھی یہ نکتہ مہم ہے اور حضور در عبادت میں بھی، غالباً ہم عبادت میں غیر حاضر رہتے ہیں، غیر حاضر عبادتیں کرتے ہیں چاہے نماز میں ہوں یا روزے میں ہوں چونکہ روزہ بھی ایک عبادت خدا ہے، اس روزہ میں انسان کو کاملاً بارگاہ خدا میں ہونا چاہئے، نیت

روزہ سے افطار تک، روزہ یعنی حضور دربارِ گاہِ خدا، قطعِ تعلق ماسوا اللہ، یہ ہے روزہ انسان یعنی روح روزہ ہونہ کہ فقط حکمِ فقہی پر روزہ رکھیں، روح روزہ یعنی جس کی وجہ سے انسان پر روزے کا اثر پڑتا ہے اور روزے کا نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ تقویٰ وہ چیز ہے کہ انسان بارگاہِ خدا میں ہونہ کہ صرف منہ بند کیا ہوا ہو، امیر المومنین علیہ السلام کا فرمانا ہے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ جن کو روزے سے فقط فاقہ نصیب ہوتا ہے، جو فقط بھوک کاٹتے ہیں باقی روزہ نہیں ہوتا ہے، فاقہ اور روزہ میں فرق ہے، فاقہ نہ کھانے کو کہتے ہیں لیکن صیام غیر از فاقہ ہے۔

صیام بارگاہِ خدا میں حضوری کا نام ہے، عبادتوں کی ساری روح حضور ہے، بارگاہِ خدا میں حضورِ بندگانہ، حضورِ عبودانہ اور حضورِ عبیدانہ روحِ عبادتِ انسان ہے، نماز میں بھی یہی ہے، نماز میں ہماری توجہ کیوں نہیں ہوتی ہے؟ کیوں حضورِ قلب نہیں ہوتا؟ کیوں خضوع و خشوع نہیں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ ہم عبادت کو ایک رسم کے طور پر، ایک عبادت کے طور پر اور ایک عادت کے طور پر بجالاتے ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ خداوندِ تبارک و تعالیٰ کہ جس کی بارگاہ میں ہم حاضر ہیں اس کی عظمت کی طرف توجہ نہیں ہوتی ہے، اس لحظے ہم عظمتِ خدا کو درک نہیں کر رہے ہوتے ہیں، ہمارا ذہن و دل اس عظمت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے بلکہ دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب تک انسان کو ذاتِ خدا، کبرائی خدا، بزرگی خدا، قدرتِ خدا اور قہاریتِ خداوندِ تبارک و تعالیٰ کا اندازہ نہ ہو تو اسے معلوم نہیں ہوگا کہ میں کس کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اگر انسان احساس کر لے تو یہ معرفت خود انسان کو مودب بنادیتی ہے۔

اگر ناشاختہ طور پر ہم کسی بزرگ شخصیت کے سامنے کھڑے ہوں کہ جسے نہیں جانتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟ سفر میں اس کے ہمراہ ہوں، حضر میں اس کے ہمراہ ہوں لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کون ہیں؟ فرض کریں کہ آپ کے اپنے ہی مرجع تقلید ہوں اور اپنے اس عالمانہ لباس میں نہ ہوں، اگر عبا، قبا اور عمامہ کے بغیر کسی جگہ پر بیٹھے ہوئے ہوں تو ہم انہیں نہیں پہچانیں گے چونکہ ہم نے انہیں جب بھی دیکھا ہے عبا، قبا اور عمامے میں دیکھا ہے لہذا ہم ان کے ساتھ جو رویہ اور سلوک اختیار کریں گے وہ معمولی سا ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ گستاخانہ ہو یا انہیں نظر انداز کریں گے، ان سے چشم پوشی کریں گے، ان کی طرف توجہ نہیں کریں گے اور اگر کوئی ہمیں متوجہ کر دے کہ یہ کون ہیں؟ یہ وہ شخصیت ہیں کہ جس کے آپ مقلد ہیں، یہ وہ شخصیت ہیں کہ جس کے آپ پیروکار ہیں تو ناگہاں انسان اپنے آپ کو سمیٹ لیتا ہے یعنی فوری طور پر اور غیر ارادی طور پر سمٹ جاتا ہے، انسان کے عمل اور سلوک کے اوپر آگاہی اور معرفت کا اتنا اثر پڑتا ہے، توجہ نہ ہو تو انسان کا سلوک الگ طرح کا ہوتا ہے مگر توجہ ہوتے ہی انسان فوراً سمٹ جاتا ہے، اپنے آپ کو مؤدب بنا دیتا ہے، دوزانوں ہو جاتا ہے، پہلے چہچہا رہا تھا، اب بولتا نہیں ہے، پہلے کسی انداز میں تھا اور سبک حرکتیں کرتا تھا لیکن اب بالکل سنگین ہو گیا ہے چونکہ اس بارگاہ کی طرف توجہ آئی ہے اور اس محضر کی طرف متوجہ ہوا ہے۔

پس یہ پہلا قدم اور پہلا ادب ہے کہ اسے اندازہ ہو کہ کس کی بارگاہ میں ہوں؟ کس کلام کی بارگاہ میں ہوں؟ کس حقیقت کی بارگاہ میں ہوں؟ عربیت سے اور الفاظ سے دھوکہ نہ کھا جائے کہ یہ فقط جملے ہیں اور میں مبتدا و خبر کی بارگاہ میں ہوں بلکہ انسان یہ نسبت درک کرے کہ میں کلام خدا اور

نورِ خدا کی بارگاہ میں ہوں، امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن ایک حقیقتِ زندہ ہے۔ یہ جامد، ساکت اور بے شعور عبارت نہیں ہے، قرآن ایک باشعور زندہ ہے،

ذٰلِكَ الْقُرْآنُ فَاسْتَنْطِقُوْهُ..... (۱)

یعنی قرآن سے بات کرو، قرآن سے گفتگو کرو، فَاسْتَنْطِقُوْهُ یعنی اس کو گفتگو پر اُکساؤ، جب سوال کرو گے تو وہ جواب دے گا، بسا اوقات انسان بڑی جرأت کرتا ہے خصوصاً ہم مسلمان قرآن کا جو حشر کرتے ہیں یہ عظمتِ قرآن کا احساس نہ ہونے کا نتیجہ ہے، ہر بات پر استخارہ نکالتے ہیں، ہر بات پر قرآن دیکھنا کہ یہ خوب ہے، یہ بد ہے، یہ میانہ ہے، ہمیں یہ نہیں پتہ کہ کس کے ساتھ یہ سب کچھ کر رہے ہیں؟ یہ کیا چیز ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے؟ کلامِ خدا کے ساتھ ہم کیا سلوک کر رہے ہیں؟ آیاتِ خدا کے ساتھ کیا رویہ اختیار کر رہے ہیں؟ ہمیں عظمت کا ادراک نہیں ہے اس لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں اور اگر ہمیں پتہ ہوتا کہ یہ کیا حقیقت ہے تو اس کے ساتھ ہمارا رویہ اور سلوک دوسری طرح کا ہوتا۔

اس مطلب کی وضاحت کیلئے اہلبیت علیہم السلام کے کئی واقعات ہیں کہ جو ہم سب نے سنے ہوئے ہیں کہ حضرت امام سجاد علیہ السلام کئی دفعہ حج پر گئے، ایک گننام شخص کے طور پر گئے یعنی ایسے کاروان میں شامل ہو گئے کہ جو کہیں اور سے آیا تھا مثلاً شام یا دوسرے علاقوں سے، ان لوگوں نے امام علیہ السلام کا نام تو سنا ہوا تھا لیکن شخصاً اور چہرے سے نہیں جانتے تھے، راستے میں کاروان کے سارے لوگوں کے ساتھ جو رویہ و سلوک ہوتا ہے وہی ان کے ساتھ بھی کرتے تھے مثلاً کہیں کام کرواتے تھے، راستے میں

عام لوگوں کے ساتھ جو اندازِ مخاطب ہوتا ہے اسی طرح امام علیہ السلام سے مخاطب ہوتے تھے اور امام علیہ السلام بھی اسی لئے شامل ہوئے تھے کہ ان کے ساتھ کام کرتے رہیں، جہاں کچھ اٹھانا ہوتا تو اٹھاتے، کچھ پکانا ہوتا تو پکاتے، ان کو کھانا دیتے، کسی کی خدمت کرنا ہوتی تو کرتے، کسی جگہ جا کر ایسا اتفاق رونما ہوا کہ امام علیہ السلام کا کوئی آشنا مل گیا، اس نے ادب سے امام علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری دی تو اسے دیکھ کر اہل کاروان متعجب ہوئے کہ یہ کون شخصیت ہے کہ جس کے سامنے یہ احترام اور اس طرح کا خشوع و خضوع انجام دے رہا ہے؟ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ امام زین العابدین علیہ السلام ہیں۔

آپ توجہ کریں کہ کئی دن پیدل سفر تھا، لوگ کئی دن تک امام علیہ السلام کے ساتھ رہے لیکن حجاب تھا، یہ نہیں معلوم تھا کہ کون شخصیت ہے لہذا جب نہیں معلوم تھا تو سلوک بھی الگ تھا، غیر محترمانہ سلوک تھا اور جوں ہی امام علیہ السلام کا اور امامت کی عظمت کا ادراک ہوا تو ناگہاں رویہ بدل گیا، اسی طرح اگر ہمیں عظمتِ قرآن کا اندازہ ہو جائے تو ناگہاں قرآن کے بارے میں آج سے ہی ہمارا رویہ تبدیل ہو جائے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بھی اسے طرح کی عربی عبارت ہے کہ جس طرح سے دوسری عربی ہے، اس میں اخلاقی تذکرات ہیں، واقعات ہیں، اچھی اور بہترین کتاب ہے اور اس کے اندر کوئی ایسی غلط بات نہیں ہے، اگر بچوں کو پڑھائی جائے تو بچے خراب نہیں ہوں گے، بوڑھوں کو پڑھائیں گے کہ جب وہ چلے جائیں گے، حقیقتاً ہمیں عظمتِ قرآن کا ادراک نہیں ہے۔

(۳) قرآن ذو مراتب حقیقت

صدر المتألهینؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں جس مرحلہ قرآن سے سروکار ہے وہ مرحلہ تنزل یافتہ ہے، قرآن نازل ہوا ہے یعنی بصورت الفاظ، بصورت عبارات ہماری سطح تک اترتا ہے اور ہمیں اسی مرتبے سے سروکار ہے، ہم اسی سے مانوس ہیں اور جب بھی ایسی حقیقت کہ جس کے کئی مرتبے ہوں، ذو مراتب حقیقت ہو یعنی اسی حقیقت کا ایک مرتبہ یہ ہے کہ اس کا ایک مرتبہ بالا ہے، عالی مرتبہ ہے اور ایک مرتبہ تنزیل یافتہ ہے۔

بہت سارے حقائق ایسے ہیں کہ جن کے کئی مراتب ہیں، ذو مراتب امور ہیں، ان ذو مراتب امور میں اگر ہمیں سب سے ادنیٰ مرتبے سے انس ہو اور اس سے بالاتر مراتب سے آگاہی نہ ہو اور ہم یہ سمجھتے ہوں کہ اس شے کی تمام حقیقت یہی ادنیٰ مرتبہ ہے، یہی مرتبہ کہ جس سے ہمیں سروکار ہے، مثلاً قرآن مجید لوح محفوظ میں ہے، قرآن مجید لوح محفوظ سے بھی پہلے صق ربوبی میں ہے، صق ربوبی یعنی ذات خداوند تبارک و تعالیٰ، جس کو مرتبہ الوہیت کہتے ہیں، یہ پہلا مرتبہ قرآن ہے یعنی مرتبہ ذات، وہاں سے قرآن نے تنزل پیدا کیا، ذات سے مرتبہ لوح محفوظ میں آیا، لوح محفوظ علم الہی کا ایک مرتبہ ہے، یہ دوسرا مرتبہ قرآن ہے، مرتبہ دیگر قرآن بصورت کتاب مکنون ہے، ایک اور مرتبہ قرآن یہ ہے کہ اس کلام الہی نے وحی کی شکل اختیار کی اور پھر قرآن مرتبہ حضرت جبریلؑ میں آیا، مرتبہ دیگر قرآن وہ ہے کہ جو قلب نورانی پیغمبر اکرم ﷺ پر اترا اور پھر ایک اور مرتبہ قرآن یہی ہے کہ جو آج ہمارے پاس ہے، عبارتوں کی شکل میں، الفاظ کی شکل میں اور ایک

کاغذ کے اوپر لکھی ہوئی تعبیر کی شکل میں ہے، یہ مرتبہ عربی یا مرتبہ لفظی قرآن ہے۔ اتنے سارے مراتب قرآن ہیں۔ لیکن قرآن کی حقیقت ایک ہے نہ کہ کئی قرآن ہیں، قرآن ایک ہی ہے لیکن اس کے کئی مراتب ہیں۔

اس مطلب کو سادہ سی مثال کے ساتھ واضح کرتے ہیں تاکہ ایک حقیقت کو دو مراتب کرنے کی حقیقت معلوم ہو جائے، فرض کریں کہ آپ کے ذہن میں ایک مطلب ہے اور یہی مطلب کہ جو آپ کے ذہن میں ہے اس کو آپ نے کمپیوٹر (Computer) پر لکھ بھی لیا ہے لہذا اب یہ مطلب کمپیوٹر پر بھی آ گیا ہے، آپ کے ذہن میں بھی یہی بات ہے اور آپ کے ذہن میں ہوتے ہوئے کمپیوٹر پر یہی بات ہے، وہ بھی یہی بات ہے اور یہ بھی وہی بات ہے، دو چیزیں نہیں ہیں، حقیقت ایک ہے لیکن جگہیں دو ہیں یعنی ایک اس کا کمپیوٹر پر لفظی وجود ہے اور ایک اس کا آپ کے ذہن میں تصوری و علمی وجود ہے، جب آپ کمپیوٹر میں لکھتے ہیں تو آپ کے ذہن میں بات پھر بھی وہی رہتی ہے، یوں تو نہیں ہے کہ کمپیوٹر میں لکھنے سے ذہن میں ہدف ہو گئی ہے یا فقط کمپیوٹر میں ہے، پس ایک ہی حقیقت دو مرتبوں میں ہے، اگر اسی حقیقت کو کسی اور جگہ پھیلائیں مثلاً اس کا پرنٹ (Print) بھی نکال لیں تو وہی حقیقت کسی اور مقام پر بھی منتقل ہو جائے گی، کسی اور مرتبے میں بھی موجود ہوگی۔

پس قرآن ایک حقیقتِ دو مراتب ہے، قرآن کے درجات ہیں، ہمارا سروکار اس کے سب سے آخری تنزل یافتہ درجے سے ہے یعنی عبارتی قرآن، عربی قرآن اور الفاظ والے قرآن سے

ہمارا تعلق ہے اور ہم یہ سمجھے کہ قرآن بس یہی ہے، چونکہ بالامراتب سے ہمارا کوئی سروکار نہیں تھا اس لئے قرآن کو اس کے اندر منحصر سمجھتے ہیں کہ بس یہ عبارتیں ہی قرآن ہے۔ عربی عبارتیں قرآن کے علاوہ اور جگہ بھی فراواں موجود ہیں مثلاً احادیث بھی عربی عبارتیں ہیں، عربی اشعار بھی عربی عبارتیں ہیں، عربی دعائیں بھی عربی عبارتیں ہیں، عام بول چال بھی عربی عبارتیں ہیں، اگر عربی عبارتوں کو یکجا لکھ لیں تو کیا ساری عبارتِ عربی قرآن بن جائیں گی؟ یہ پہلا حجاب بنتا ہے یا باعث بنتا ہے کہ انسان یہ درک نہ کر سکے کہ اس کلام کی عظمت کیا ہے؟ چونکہ سب سے آخری تنزل یافتہ مرتبے سے ہمارا سروکار ہے، اس نازل شدہ مرتبے سے سروکار ہونا باعث بنتا ہے کہ ہم اس کی عظمت بھول جاتے ہیں کہ یہ کتنی عظیم حقیقت ہے کہ جو میرے سامنے بصورتِ کتاب موجود ہے۔

اس مطلب کو مزید واضح کرتے ہیں اور یہ مطلب حضرت استاد محمد تقی جعفریؒ نے نقل کیا ہے کہ جو کچھ عرصہ پہلے فوت ہوئے، ان کی کتاب شرح نہج البلاغہ اور شرح منہوی بہت معروف ہے، یہ شناختہ شدہ اور بہت معروف شخصیت ہیں، آپ حکیم و فیلسوف تھے، یہ جب نجف میں پڑھتے تھے، آپ اپنے استاد کے بارے میں فرماتے تھے کہ جن کا نام طالقانی تھا اور وہ دن میں کئی درس پڑھایا کرتے تھے۔ استاد جعفریؒ مرحوم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ہم ان کے پاس درس پڑھتے تھے اور وہ ہمیں اسفار یعنی فلسفے کی سب سے عالی کتاب کہ جو انہی صدر المتعالہینؒ کی فلسفہ حکمت مطالعہ کی سب سے بڑی اور عالی کتاب ہے پڑھاتے تھے پھر اس کے بعد کفایہ پڑھاتے تھے پھر اس کے بعد مختلف سطوحِ عالیہ کے دروس پڑھاتے تھے اور آخری درس کے قریب صدیہ پڑھاتے تھے، صدیہ

ادبیات کی کتاب ہے، یعنی کلاسیں بدلتی رہتی تھی نہ کہ ان اسفار والوں کو صدیہ پڑھاتے تھے یعنی پہلے فضلا آتے تھے کہ جو اسفار پڑھتے تھے اور پھر وہ چلے جاتے تھے، اس کے بعد دوسرے آتے تھے تو ان کو کفایہ پڑھاتے تھے، اس کے بعد دوسرے طلاب آتے تھے تو یہ انہیں کتاب مکاسب پڑھاتے تھے، اسی طرح ان کی آخری کلاس کتاب صدیہ پڑھتی کہ جو ادبیات میں ابتدائی کتاب ہے، یہ کتاب پہلی یا دوسری نوبت میں پڑھی جاتی ہے۔

اب توجہ کریں کہ ایک ایسے بزرگوار کہ جو اسفار بھی اسی تسلط کے ساتھ پڑھاتے تھے کہ جس تسلط کے ساتھ صدیہ پڑھاتے تھے یعنی ان کیلئے فرق نہیں تھا کہ صدیہ پڑھانا آسان تھا اور اسفار پڑھانا دشوار تھا یعنی ایک جیسا تسلط تھا بلکہ کیا خبر کہ اسفار زیادہ بہتر طریقے سے پڑھاتے تھے، جیسے ہوتا ہے کہ عموماً زائرین دلچسپی لیتے ہیں اور بسا اوقات طلبہ کے قریب آ کر بیٹھ جاتے ہیں، درس ہو رہا ہوتا ہے تو بیٹھ کر دیکھتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ اور کیا پڑھ رہے ہیں؟ اگر چند زائرین آئیں اور انہیں صدیہ پڑھاتے ہوئے دیکھیں اور پھر اس کے بعد چلے جائیں تو ان کے ذہنوں میں کیا آئے گا؟ یہی کہ یہ ادبیات کا بہت ہی ابتدائی اور معمولی استاد ہے چونکہ انہوں نے دوسری کلاسیں لیتے ہوئے تو نہیں دیکھا، فقط یہی دیکھا کہ یہ صدیہ پڑھاتے ہیں لہذا جس نے فقط یہی دیکھا تو ان کے نزدیک ان کا فضل و علم روشن نہیں ہے اور وہ یہی سمجھیں گے کہ یہ ادبیات کا ایک ابتدائی استاد ہے چونکہ ادبیات کی بڑی کتابیں دوسرے فاضل تر افراد پڑھاتے ہیں اور یہ بہت ہی ابتدائی کتاب پڑھاتے ہیں لہذا ان کے نزدیک اس شخصیت کا تصور کیا پیدا ہوا؟ آیا کوئی عظمت علمی ذہن میں آتی ہے کہ جس شخصیت

کو صد یہ پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے یا اس سے بھی چھوٹی کتاب الا مثلہ پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

اگر ان لوگوں کے سامنے آپ سے پوچھا جائے کہ اس حوزے میں سب سے بہترین استاد کون ہے؟ اور آپ کہیں کہ فلاں ہے اور انہوں نے دیکھا ہوا تھا کہ یہ تو صد یہ یا مثلہ یعنی ادبیات کی پہلی کتاب پڑھا رہے ہوتے ہیں تو وہ لوگ کہ جو دینی مدارس کے بارے میں سرے سے آشنا نہیں ہیں وہ ہنسیں گے، مثلاً فرض کر لیں کہ کوئی پروفیسر (Professor) ہے جو یونیورسٹی میں بھی پڑھا رہا ہے، ڈائریکٹریٹ (Directorate) کی کلاس کو بھی پڑھاتا ہے مثلاً فلسفہ کا درس دیتا ہے پھر دوسروں کو فزکس، کیمسٹری، الجبرا پڑھاتا ہے اور پھر بہت اعلیٰ سطح کی کلاسوں کو بھی پڑھاتا ہے لیکن یہی پروفیسر بعد میں کسی فارغ وقت میں کسی چھوٹے سے بچے کو اردو کی پہلی کتاب بھی پڑھاتا ہے، اب کسی نے اس کو فقط اردو کی پہلی کتاب یا انگریزی کی اے بی سی پڑھاتے ہوئے دیکھا ہو اور وہ آپ سے پوچھے کہ ہمیں ایک اچھا استاد، اچھا پروفیسر، اچھا سکالر معرفی کریں اور بتائیں کہ کون ہے؟ اگر آپ اسی کا نام لیں گے تو وہ ہنسے گا کہ یہ کیسے ہے؟ یہ تو اے بی سی پڑھاتا ہے، میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ کوئی اچھا فاضل، کوئی بزرگوار آدمی معرفی کریں اور آپ نے مجھے ایک ایسا بندہ دکھایا جو اے بی سی پڑھاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس نے یہی کلاس دیکھی ہے دوسری کلاسیں نہیں دیکھی ہیں لیکن جس نے اس کو پی ایچ ڈی کی کلاس کو فلسفہ پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے تو اس کے لئے اس شخصیت کی عظمت کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے، کوئی تعجب خیز اور حیرت کی بات نہیں ہے۔

جس انسان نے اس کا وہ مرتبہ بالا دیکھا ہوا ہے تو اس کے لئے درک کرنا آسان ہے لیکن

جس نے اسے فقط اے بی سی پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے اور الف ب پ پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے تو اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ اس کی عظمت کو درک کر سکے، چونکہ اس نے وہ مراحل اور وہ مراتب بالاتر مشاہدہ نہیں کئے ہیں، اگر کہا جائے کہ بہترین استادوں میں سے یہ ایک استاد ہے تو جنہیں نہیں معلوم یا جنہوں نے پہلی کتاب پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے وہ ہنسیں گے، کہیں گے اس میں کیا رکھا ہے، ہم تو ان کے پاس جاتے ہیں اور دیکھا ہے کہ اے بی سی پڑھا رہے ہوتے ہیں، یہ تو میں بھی پڑھا سکتا ہوں، اسی کو قرآن سمجھنے کے لئے مثال قرار دیں۔

قرآن مجید ایک حقیقتِ ذومراتب ہے یعنی جس کا ایک مرتبہ صقع ربوبی، ایک مرتبہ لوح محفوظ اور ایک مرتبہ لفظی ہے اور درمیان میں کئی اور مراتب بھی ہیں، قرآن کے کئی درجے ہیں، ان میں سے ہمارا سروکار فقط عربی اور لفظی قرآن سے ہے، لفظی قرآن کو دیکھ کر عظمتِ کلام کا احساس نہیں ہوتا ہے کہ یہ کونسا کلام ہے جو میرے سامنے ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس لئے انسان متاثر بھی نہیں ہوتا ہے۔ جب ذکر کیا جاتا ہے کہ فلاں قرآن پڑھتا تھا تو یوں اثر ہوتا تھا تو انسان حیران ہوتا ہے کہ مجھ پر کیوں نہیں ہوتا ہے؟ میں نے بارہا قرآن دیکھا اور سنا ہے، مجھ پر کیوں ایسا اثر کیوں نہیں ہوتا؟

ایک حدیث کے مطابق حقیقتِ توحید کو سمجھنے کے لئے آئینہ کافی ہے۔ یہی آئینہ جو ہم روز مرہ دیکھتے ہیں، یہ حدیث کسی درس میں ذکر کی تو ایک بزرگوار درس میں شریک تھے، درس کے بعد وہ گئے اور انہوں نے آئینہ دیکھا پھر دوسرے روز واپس آئے اور کہا کہ کل آپ نے بحث میں یہ کہا تھا

کہ حقیقتِ توحید کو سمجھنے کے لئے آئینہ کافی ہے لیکن میں تو صبح تک آئینے کے سامنے کھڑا رہا مجھے تو کوئی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی، صرف اپنی داڑھی ہی نظر آئی۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد حقیقتِ آئینہ ہے، انسان کس طرح آئینہ دیکھے؟ اور آئینے سے کیا مراد ہے؟ فوراً جا کر گھر میں جو آئینہ ہے وہ بھی جو واش روم میں ہے، عموماً آئینہ واش روم میں لٹکا ہوتا ہے، وہاں جا کر دیکھا تو ایک انسان کو کیا سمجھ میں آئے گا؟ کیا حقیقت سمجھ آئے گی؟ اسی طرح عظمتِ قرآن کو درک کرنے کے لئے ایک عام انسان جب عربی الفاظ دیکھتا ہے تو اس کی عظمت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اکثر کو تو عربی آتی بھی نہیں ہے، اکثر مسلمان عربی سے بے بہرہ ہیں لہذا ایک عام آدمی یہی کہے گا کہ اس کے اندر عظمت کہاں ہے؟ ایک عربی شعر میں اور اس عربی عبارت میں کیا فرق ہے؟ ایک عربی حدیث میں اور عربی آیت میں کیا فرق ہے؟ کوئی چیز اس کو دوسری عربی عبارتوں سے ممتاز کرتی ہے؟ یہاں اس نکتے کی طرف توجہ کریں کہ یہ عربی قرآنِ لطفِ خدا ہے، جیسا کہ پہلے اشارہ ہوا تھا کہ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ (۲)

ہم نے قرآن آسان کیا ہے، ہم نے اس کو آپ کے لئے قابلِ فہم بنایا ہے، ان مراتبِ بالا سے اس کو آپ کی دسترس میں قرار دیا ہے۔

۴) قرآن، ایک محبوب حقیقت

انسان جب تک کسی شے کے مقام و منزلت کو نہ سمجھتا ہو اور اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو اس

شے کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا ہے اور اس سے فائدہ بھی نہیں لے سکتا ہے حتیٰ اس حقیقت کے مقابلے میں مناسب عمل بھی انجام نہیں دے سکتا ہے۔ قرآن مجید کی مہجوریت کا ایک بڑا سبب یہی نکتہ ہے یعنی عظمتِ قرآن و عظمتِ کلامِ خدا ہمارے لئے روشن اور واضح نہیں ہے، چونکہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن کو عربی الفاظ اور عبارتوں کی شکل میں اپنے لطف و عنایتِ خاص کے ذریعے سے انسان کی سطحِ فہم تک اسکی ہدایت کے لئے نازل کیا ہے، اس تنزل یافتہ قرآن سے ہمارا سروکار ہے اور یہی باعث بنا ہے کہ اس تنزل کی بنا پر عظمتِ قرآن انسان سے مخفی و پنہاں رہ جائے، اس لئے کہ نزول کے لئے خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن کو فراواں حجابوں میں لپیٹا ہے یعنی جس طرح نورِ شدید ہو، نورِ قوی ہو اور اس نورِ قوی کو عام انسان کی معمولی آنکھ کے لئے نازل کیا جائے یعنی قابلِ رویت بنایا جائے، دیکھنے کے قابل بنایا جائے تو اس نور کو کئی پردوں کے اندر چھپانا پڑتا ہے۔

انسان اس حقیقت کی طرف متوجہ رہے کہ یہ کلامِ الہی جو اس وقت میرے سامنے ہے اس کے ماوراء اس کی حقیقت موجود ہے، قرآن مجید کو اس مرتبے پر اتارنے کے لئے، لفظی لباس پہنانے کے لئے، اس کے اوپر کئی حجاب ڈالنے پڑے تب جا کر قرآن نازل ہوا یعنی نازل ہونے سے مراد اب اترنا نہیں ہے، نازل ہونے سے مراد قابلِ فہم ہونا ہے، بہت سارے حجاب اس کے اوپر ڈالے گئے تب جا کر قرآن ہمارے لئے قابلِ فہم ہوا، ظاہر ہے کہ ایک حقیقتِ نورانی، ایک حقیقتِ عظیمہ پر جب حجاب ڈالے جائیں تو خوانخواہ کچھ چیز پنہاں ہوتی ہے، اس کی کچھ نورانیت چھپتی ہے، حجاب کا کام یہی ہے۔

مثلاً سورج جو منبع نور ہے اور نور بھی نورِ شدید ہے، اگر اس پر ہم نگاہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے ہیں، تجربہ کر لیں، سورج پر نگاہ نہیں کر سکتے ہیں مگر یہ کہ بادلوں کے پیچھے ہو، آگے حجاب ہو اور مدھم سی روشنی بادلوں سے چھٹ چھٹ کے نکل رہی ہو اور ہم اس شعاع کی مدد سے اندازہ لگائیں، جیسا کہ عموماً غروب کے وقت افقِ غربی میں بادل ہوتے ہیں اور ان بادلوں کے پیچھے سورج کی سرخ رنگ کی ٹکیا ہوتی ہے تو پھر ہم اس شعاع کی مدد سے اس کو دیکھنے پر قادر ہیں، سورج کے سامنے اگر اتنے حجاب نہ ڈالے جائیں تو انسان نگاہ نہیں کر سکتا ہے، شدتِ نورانیت کی وجہ سے انسان ایک لمحے کے لئے بھی سورج پر نگاہ نہیں کر سکتا ہے لیکن سورج کو اگر قابلِ نگاہ بنایا جائے یعنی قابلِ دید بنادیا جائے تاکہ ہم اپنی آنکھوں سے سورج کو دیکھ سکیں تو یا اس کو گرہن لگے کہ گرہن لگنا بھی ایک حجاب و پردہ ہے، سورج گرہن یعنی سورج اور زمین کے بیچ میں چاند آ جاتا ہے اور اس پردے کی وجہ سے سورج بجھ جاتا ہے، جیسے چاند گرہن میں سورج اور چاند کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے، یہ پردہ آتا ہے۔

قرآن، ایک مجرب حقیقت

عموماً چاند گرہن کو بھی کہتے ہیں کہ اگر دیکھنا ہو تو ایکس رے (X-Ray) کے فوٹو سے چاند کو دیکھیں یعنی تاریک اور سیاہ پردہ لے کر اس کے پیچھے سے دیکھیں یا کالی عینک لگائیں، یہ ایک تجرباتی چیز ہے کہ انسانی آنکھ کی رسائی اور حدِ دید بہت کم اور کمزور ہے یعنی اس کے اندر فقط اتنی طاقت موجود ہے کہ ایک معین حد تک نور کو دیکھ سکتی ہے، اس سے آگے اگر نور بڑھ جائے تو آنکھوں کے لئے اور دید کے لئے نقصان دہ ہے، اسی طرح نورِ حقیقی بھی ہے، نورِ قرآن بھی ہے، نورِ الہی بھی ہے کہ قرآن کلام

خدا ہے، ذاتِ خدا نور ہے اور کلامِ خدا بھی نور ہے، یہ نور انسان کی فہم کی حد تک لانے کے لئے اسے نازل کرنا پڑا اور نزول کے لئے یہ اہتمام کیا گیا کہ اس کو بہت سارے حجابوں کے اندر لپیٹا گیا ہے، پھر ان پردوں کے اندر چھپا ہوا نور انسان کی حد تک آیا ہے تاکہ انسان کے لئے مضر نہ ہو اور انسان اس نورانیت کو برداشت و تحمل کر سکے۔

مثال دیگر یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو ویلڈنگ (Welding) کرتے ہوئے دیکھا ہوگا کہ ایک شیشہ اپنے سامنے رکھتے ہیں جو بالکل سیاہ ہوتا ہے، اگر وہ شیشہ اٹھا کر دیکھیں، بعض لوگوں نے دیکھا بھی ہوگا، کچھ لوگوں کا تجربہ ہوگا کہ اس سے کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے، مطلقاً تاریک ہے، چونکہ جب مشین کے ذریعے سے برقی رو دوڑتی ہے تو شدید قسم کا نور پیدا ہوتا ہے، حرارت کی وجہ سے وہ نور اتنا شدید ہوتا ہے کہ اس سے آنکھیں اندھی ہو سکتی ہیں اس لئے وہ کور (Cover) اور تاریک شیشہ رکھتے ہیں کہ اس تاریک شیشے سے ایک ہلکی مدہم سی روشنی ہمیں اس کے اس طرف نظر آتی ہے کہ جہاں پر جوڑ لگ رہا ہے، جہاں ویلڈنگ ہو رہی ہے یعنی نور شدید جہاں پر موجود ہو تو اس کو دیکھنے کیلئے، قابلِ دید بنانے کے لئے سامنے پردہ ڈالا جاتا ہے یا تو اس نور پر پردہ ڈالا جاتا ہے یا آنکھ کے سامنے پردہ حائل کیا جاتا ہے جیسے عینک ہے تاکہ ہم اس نور شدید کو دیکھ سکیں۔

اس لئے خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید کو بہت سارے پردوں میں لپیٹا ہے، ایک پردے میں لپیٹا تو دیکھا کہ جبریل علیہ السلام کے علاوہ کسی کو سمجھ میں نہیں آتا ہے، ایک پردے میں لپیٹا تو دیکھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے علاوہ کسی کو سمجھ میں نہیں آتا ہے، مزید پردوں میں لپیٹا تو دیکھا کہ

اولیاءِ خدا علیہ السلام کے علاوہ کسی کو سمجھ میں نہیں آتا ہے، معمولی لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتا ہے، اسی طرح پردوں پہ پردے ڈالتا رہا تاہینکہ اس کے اوپر آخری پردہ حجابِ الفاظ اور حجابِ عبارت کا ڈال دیا۔ اس عالمِ طبیعت میں، اس عالمِ مادہ میں قرآن کو اتار کر اس کے اوپر یہ پردہ طاری کیا گیا ہے، اب ہم اس پردے کے پیچھے سے قرآن کو دیکھیں نہ کہ پردے کو دیکھیں، سورج کو جب دیکھنا ہو تو ہم نگاہ پر پردے ڈالتے ہیں اس لئے کہ پردے کے پیچھے جو نورِ شدید موجود ہے وہ ہمارے لئے مضر ہے، ہماری آنکھیں اس نور کو تحمل نہیں کر سکتی ہیں، اسی طرح ہماری روح ہے، ہمارے قلوب اور نفوس ہیں کہ جو ہماری آنکھ سے کہیں زیادہ ضعیف تر اور نازک تر ہیں، یہ نور ان کو ایک لحظے میں جلا کر راکھ کر سکتا ہے۔

قرآن ہی میں ذکر ہے کہ خداوند تبارک تعالیٰ نے جب طور پر تجلی کی تو نہ پہاڑ تحمل کر سکا، نہ موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہی تحمل کر سکے اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام سے وہ نورِ عیاں تحمل ہو سکا، پہاڑ دکا دکا ہوا، موسیٰ مدہوش ہوئے اور معمولی لوگ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ تھے وہ اصلاً اس دنیا سے ہی گزر گئے، حالانکہ وہ نور بھی کاملاً بغیر حجاب کے نہیں تھا بلکہ بہت سارے حجابوں میں تھا لیکن یہی حجاب کہ جس میں کلامِ خدا پوشیدہ ہے وہ ان حجابوں میں نہیں تھا بلکہ ان سے تھوڑا واضح تر تھا، اس نور کی تجلی بیشتر تھی لہذا تحمل نہیں ہو سکا، لیکن انسان کے دل پر یا انسان کے فہم کے لئے یہ نور قابلِ تحمل اس وجہ سے ہے کہ بہت سارے پردوں میں ہے اور پردے جو سہولت کے لئے اور یسر کے لئے، آسانی کے لئے خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام کے لئے ایجاد کئے ہیں یہی باعث بنے ہیں کہ عظمت ان پردوں

کے پیچھے پنہاں مخفی رہ جائے تاکہ انسان کلام کی طرف رجوع کر سکے لیکن ہم عظمت کلام کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ حقیقتاً آنکھ کے سامنے پردے ہیں، فہم کے سامنے حجاب ہیں اور پردوں کے پیچھے چھپی ہوئی فہم عظمت کو درک نہیں کر سکتی ہے، ظاہر ہے کہ جب مقام و منزلت و عظمت کو درک نہ کرے اور اس کی حقیقت تک نہ پہنچے تو ممکن نہیں ہے کہ انسان قرآن سے اس طرح سے استفادہ کر سکے کہ جس طرح حق استفادہ ہے، جس طرح بارگاہ قرآن میں حق حضور ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ لوگوں نے تقاضا کیا کہ

يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً..... (۳)

یعنی اے موسیٰ! ہم اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو اعلانیہ نہ دیکھ لیں..... ہم خدا کو جہرتاً اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ مشکل ہے، اس میں دو مشکلیں ہیں، ایک یہ ہے کہ خدا کی ذات وجود حسی نہیں ہے کہ آپ آنکھ سے دیکھ سکیں اور اس سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تمہارے آنکھ وہ نہیں ہیں کہ جو خدا کو دیکھ سکے، خدا آنکھ سے دیکھنے والی حقیقت نہیں ہے اور تمہاری آنکھ بھی خدا بین آنکھ نہیں ہے۔ تم یہ درخت دیکھو، ستارے دیکھو، کھانے دیکھو، چارہ دیکھو، سبزہ دیکھو، باغ اور بہار دیکھو یہ چیزیں تم دیکھ سکتے ہو، خدا بین آنکھ اور آنکھ ہے وہ تمہارے اندر موجود نہیں ہے۔ مولانا روم کا یہ شعر روزے ہی کی بھوک پر تطبیق ہو سکتا ہے نا کہ انسان کے دو منہ ہیں، ایک منہ یہی ہے کہ جس سے ہم بولتے ہیں، کھاتے ہیں، پکوڑے اور سمو سے کھاتے ہیں اور جب تک یہ منہ کھلا رہتا ہے تو ایک اور منہ بھی ہے وہ اس وقت بند رہتا ہے،

این دھان بستی دھانی باز شد

کاو خوردند لقمہ ہائی داو شد..... (۴)

یہ منہ بند کرو تا کہ وہ دوسرا منہ کھلے، جب تک یہ منہ کھلا ہوا ہے وہ منہ نہیں کھلتا ہے، اسی طرح سے یہ آنکھ بند کرو کہ انسان کی ایک اور آنکھ کھلے یعنی چشمِ خدا، یہ آنکھ کہ جس سے ہم سب کچھ دیکھ سکتے ہیں اس سے تو خدا نہیں دکھتا ہے بلکہ وہ ایک دوسری آنکھ ہے، جیسے امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے؟ فرمایا کہ مجھے اپنی طرح سمجھتے ہو؟ کہ تم نے سنا سنا یا خدا دیکھا ہے، یعنی سنتے ہو کہ خدا ہے، سنا ہوا ہے،

رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا..... (۵)

پروردگار ہم نے اس منادی کو سنا جو ایمان کی آواز لگا رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے.....

بلکہ مولائے متقیان علیہ السلام نے فرمایا کہ

لَمْ أَكُنْ أَعْبُدُ رَبًّا لَمْ أَرَهُ..... (۶)

میں نے ایسے خدا کی عبادت نہیں کی ہے جسے میں نے دیکھا نہ ہو.....

مَا كُنْتُ لِأَعْبُدُ رَبًّا لَمْ أَرَهُ..... (۷)

یعنی میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا کہ جسے دیکھا نہ ہو، خدا کو دیکھا ہے لیکن اس ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا، حقیقتاً انسان کی دوسری آنکھ بھی ہے لیکن وہ عضو کے بغیر دیکھتی ہے اور اس کو

بصیرت کہتے ہیں، ان لوگوں نے تقاضا کیا کہ

لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً.....

ہم اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو اعلانیہ نہ دیکھ لیں.....

خداوند نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ تقاضا پورا نہیں ہو سکتا ہے، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ایک ہی ماجرے میں یہ اتفاق رونما ہوا ہے، بعض نے ذکر کیا ہے کہ یہ دو الگ الگ ماجرے ہیں، ہمیں اس سے غرض نہیں ہے کہ یہ اتفاق الگ الگ رونما ہوا یا ایک ہی واقعے میں یہ دونوں ماجرے ہوئے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند سے تقاضا کیا کہ اے پروردگار مجھے مہلت دے تاکہ میں تجھے دیکھ سکوں تو خداوند نے فرمایا کہ

لَنْ تَرَانِي..... (۸)

تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے ہو.....

پھر دوسری دفعہ جب ان لوگوں نے تقاضا کیا کہ

أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً..... (۹)

ہمیں اللہ کو علی الاعلان دکھلا دیجئے.....

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ تقاضا بارگاہِ خدا تک پہنچایا تو خدا نے فرمایا کہ آپ پہاڑ پر نگاہ کرو، اس پر خدا کی تجلی ہوگی، اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر باقی رہا تو آپ بھی خدا کو دیکھ سکو گے اور اگر یہ پہاڑ باقی نہ رہا تو آپ کے لئے خدا کو دیکھنا ناممکن ہے، مقصود یہ بتانا تھا کہ جب تجلی خدا ہوگی، جلوہ خدا

ہوگا، ظہورِ خدا ہوگا اور نورِ خدا تمہارے سامنے آئے گا تو تمہارے وجود کے اندر اتنی استعداد نہیں ہے کہ اس نور کو تحمل و برداشت کر سکو، پہاڑ کو دیکھو کہ یہ استعداد پہاڑ میں بھی نہیں ہے، باوجود اس پر شکوہ عظمت و استقامت کے بھی پہاڑ کے اندر یہ صلاحیت و طاقت نہیں ہے کہ جلوۂ خدا کو تحمل کر سکے اور پھر قرآن نے بھی فرمایا کہ اگر یہ قرآن ہم پہاڑ پر نازل کرتے،

لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ.....

(۱۰)

ہم اگر اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم دیکھتے کہ پہاڑ خوفِ خدا سے لرزاں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جا رہا ہے.....

اور یہی اتفاق رونما ہوا کہ جب خداوند تبارک و تعالیٰ نے تجلی ڈالی،

فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا..... (۱۱)

اس کے بعد جب پہاڑ پر پروردگار کی تجلی ہوئی تو پہاڑ چور چور ہو گیا.....

تحمل نہیں کر سکا، البتہ موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے بہتر نکلے،

وَاَخْرَجَ مُوسَىٰ صَعِقًا.....

اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے.....

کیونکہ موسیٰ علیہ السلام دکا دکا نہیں ہوئے، موسیٰ علیہ السلام ریزہ ریزہ نہیں ہوئے لیکن مدہوش ہو گئے،

یعنی اتنی نورانیت موسیٰ علیہ السلام میں بھی نہیں تھی، لیکن پہاڑ میں تو سرے سے نہیں تھی، پہاڑ بالکل ریزہ

ریزہ ہو گیا چونکہ موسیٰ علیہ السلام ایک تو انسان ہیں اور پھر انسان کامل ہیں، پہاڑ انسان نہیں ہے چہ جائیکہ انسان کامل ہو۔ لہذا اگر اس نور کو دیکھنا ہی ہے اور اس نور تک پہنچنا ہی ہے تو آپ ان حجابوں سے متاثر ہو کر یہ نہ کہو کہ وہ تمام حقیقت یہی ہے کہ جو حجابوں میں لپٹی ہوئی ہے، جس طرح سے ایک سرے فوٹو کے ذریعے سے آپ سورج دیکھ رہے ہیں اور اس فوٹو کے پیچھے ایک مدہم سی روشنی، ایک مدہم سی روشن سرخ رنگ کی ٹکیا نظر آتی ہے تو یہ نہ سمجھنا کہ تمام حقیقت سورج یہی ہے۔ بیچ میں پردہ ہے اور اس پردے نے تمہاری آنکھ کو سلامت رکھا ہوا ہے یعنی یہ حجاب تمہاری آنکھ کی سلامتی کا ضامن ہے، اگر یہ حجاب ہٹ جائے اور وہ نور تمہاری آنکھ میں آپڑے تو،

جَعَلَهُ دَكًّا.....

نظر ختم ہو جائے گی، آنکھ ریزہ ریزہ ہو جائے گی، پس خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام کو یعنی اپنے نور کو کئی پردوں میں لپیٹا، کلام خدا نور خدا ہے، اس حقیقت کو ان پردوں میں لپیٹ کر ہم تک پہنچایا اور اسی وجہ سے ہم اس کو تحمل کر سکتے ہیں لیکن یہ پردے باعث نہ بنیں کہ ہم فقط اس کو عربی عبارت سمجھیں کہ یہ عربی جملے ہیں اور عربی جملوں کے عنوان سے اس کی مبتدا و خبر تلاش کریں، اس کے مثلاً تمیز و حال تلاش کریں اور اس کا فاعل و قضا یا ادوات گننے بیٹھ جائیں یعنی اس میں کتنی دفعہ الف استعمال ہوا ہے، کتنی دفعہ ب استعمال ہوا، کتنی دفعہ ش استعمال ہوا، کتنی بار ج استعمال ہوا۔ اگر ہم فقط قرآن کی ضمیروں اور الفاظ کی حد تک رہے تو گویا ہم فقط حجاب میں ہیں، یہ حجاب اس لئے تھا تا کہ تمہارے نفوس چندھیا نہ جائیں، دکا دکا نہ ہو جائیں اور اگر حقیقت قرآن روشن تجلی کرتی کہ جس طرح

پہاڑ پر تجلی ہوئی تھی تو پہاڑ کی طرح تمہارے نفوس بھی اپنی جگہ پر باقی نہیں رہتے۔

۵) قرآن رات میں نازل ہونے کی وجہ

اس حقیقت کو قرآن نے مختلف اشاروں سے بیان کیا ہے مثلاً

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ (۱۲)

ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا۔

یا

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ..... (۱۳)

ہم نے اس قرآن کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے.....

ہم نے اس قرآن کو رمضان میں نازل کیا اور رمضان میں بھی لیلۃ القدر میں نازل کیا، لیل میں کیوں نازل کیا؟ نہار میں کیوں نازل نہیں کیا؟ دن کا وقت تو بہتر ہے، آیا اس وجہ سے دن میں نازل نہیں کیا کہ دن میں رش ہوتا ہے، لوگ آ جا رہے ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ جبریل علیہ السلام معاذ اللہ خطا کر جائے کہ قرآن کس کو دوں؟ جیسے عموماً وہذا کرین پڑھتے ہیں کہ وحی لے کر آئے اور آ کر کہا کہ یہ کس کو دوں؟ یہ تو سارے محمد ہیں۔ یہ اس لئے نہیں تھا کہ رات کو باری پبلک (Public) سوئی ہوئی ہے اور رسول ﷺ تنہا جاگ رہے ہیں تاکہ رات کو اشتباہ نہ ہو جائے یا اس وجہ سے کہ کوئی چھین نہ لے مثلاً ابولہب اور ابو جہل حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر ان سے قرآن کو چھین نہ لیں اور یہ کہیں کہ یہ تو

ہم پر اتر رہے، رات کو اترنا خفیہ ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے نہیں تھا۔ یہ رات وہ رات نہیں ہے کہ جو سورج غروب ہونے کے نتیجے میں ہوتی ہے، یہ لیلۃ المبارکہ جو

خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (۱۴)

ہے۔ لیلۃ سے مراد پردہ یعنی حجاب ہے، یہ دن کو نہیں اتر سکتا تھا، دن کو تو جَعَلَهُ دَكًّا.....

پھر اس کو تحمل کون کرتا؟ ہم دن کو بھی اتر سکتے تھے، دن کو اترنا یعنی بغیر پردے کے اترنا، روشنی میں اترنا یعنی بغیر حجاب کے اترنا، لہذا ہم نے اس قرآن کو رات میں اتر رہے یعنی پردے کے اندر لپیٹ کر اتر رہے، چونکہ آپ اسے رات کو ہی تحمل کر سکتے ہو، دن کو تحمل نہیں کر سکتے۔

مولانا روم نے مثنوی میں بہت خوبصورت واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے موسیٰ پالے ہوئے تھے، گائے، بھینس، بھیڑ، بکریاں وغیرہ، ایک دفعہ رات کی تاریکی میں اس کو اپنے ریوڑ کے اندر کوئی ہلچل محسوس ہوئی گویا کسی حیوان کی رسی کھل گئی ہے اور وہ آزاد ہو گیا ہے، یہ نیند میں اٹھا اور دیکھا کہ ایک جانور پھر رہا ہے، اس نے اس کے گلے میں دوبارہ رسی باندھ کر پھر درخت سے باندھ دیا اور پھر اسکی پیٹھ پر اس نے ہاتھ پھیرا اور اسے اپنی زبان میں حدیثِ نفس کے طور پر کہا کہ یہ رات ہے اور اس طرح سے تیرا آزاد ہونا مناسب نہیں ہے، بہر کیف اسے باندھ کے جب جانے لگا تو معلوم ہوا کہ وہ بھوکا شیر تھا کہ جو جانور کھانے آیا تھا، رات کی تاریکی میں یہ شیر کے اوپر ہاتھ پھیر رہا تھا، اس کو گائے کا بچہ سمجھ رہا تھا، یہ اپنے ساتھ حدیثِ نفس کر رہا ہے یعنی اپنے دل میں اپنے آپ

سے مخاطب تھا کہ تو میرا بہت ہی قیمتی جانور ہے، تیرا رات کو اس طرح کھل جانا مناسب نہیں ہے، یہاں درندے ہیں، بھیڑیے ہیں اور تو کسی کا شکار ہو سکتا ہے، تجھے یہاں سے دور نہیں ہونا چاہئے اور شیر اپنے ساتھ ہم کلام ہے اور کہتا ہے کہ تو رات کا شکر یہ ادا کر کہ جو میرے قریب کھڑا ہے اور میرے اوپر ہاتھ پھیر رہا ہے، اگر دن ہوتا اور تو میرے قریب آتا اور میری پشت پہ ہاتھ لگاتا تو پھر میں دیکھتا کہ تو کتنا بڑا مرد ہے؟ یعنی تو رات کا شکر گزار ہو کہ اس رات کے پردے نے تجھے شیر جیسی حقیقت کے قریب کر دیا ہے اور شیر کے اوپر ہاتھ پھیرنے کے قابل بنا دیا، تجھے اتنا شجاع اور دلیر بنا دیا ہے، یہ سب کچھ رات کی وجہ سے ہوا ہے، اگر دن ہوتا تو شیر کے نام سے تیرے اندر وحشت و دہشت طاری ہوتی، تیری روح نکل جاتی چونکہ شیر کے اندر بھی ایک عظمت ہے، انسان کے اوپر شیر کی ایک دہشت ہے، اگرچہ وہ درندگی اور جان کے خوف سے ہے۔

انسان رات کا شکر گزار ہو کہ رات ہمارے لئے بہت ساری عظمتیں معتدل کر دیتی ہے، راتوں نے ہمارے لئے بہت سارے امور سہل کر دیئے ہیں۔ از جملہ یہ نورِ قرآن رات میں نازل ہوا ہے یعنی پردے میں نازل ہوا ہے، اس وجہ سے ہم اس کو ہاتھ بھی لگاتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں، وَاللّٰہُ اِگر دن ہوتا اور یہ قرآن ہوتا، طور ہوتا اور موسیٰ علیہ السلام ہوتا اور فقط ایک آیت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تجلی کرتی یعنی اگر یہ بسم اللہ رات کے پردے میں لپٹی ہوئی نہ ہوتی تو بسم اللہ سے طور بھی جل جاتا، موسیٰ علیہ السلام بھی بے ہوش ہوتے اور موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہی بھی جل جاتے، مسجد بھی جل جاتی، قاری بھی جل جاتا اور سننے والے بھی جل جاتے، پس انسان اس حقیقت کو دیکھے کہ میں کس کی بارگاہ میں

قرآن رات میں نازل ہونے کی وجہ

ہوں؟ کس کے کلام کے حضور میں ہوں؟ کس کے محضر میں ہوں؟ یعنی انسان اس کی عظمت کی طرف متوجہ ہو، جب اس ذہنیت کے ساتھ قرآن کی خدمت میں جائے تو فہم قرآن کے قابل ہو سکتا ہے۔

۶) احترام بمناسبت عظمت مقام

ہم اگر اپنے روزمرہ امور میں، معاملات میں اور آمد و رفت میں غور و فکر اور دقت کریں کہ جن مقامات کی عظمت کا ہمیں احساس ہوتا ہے وہاں ہم کسی اور طرح سے حاضر ہوتے ہیں اور جن مقامات میں وہ عظمت نہ ہو یا عظمت ہو لیکن ہمیں علم نہ ہو تو وہاں پر ہماری آمد و رفت کا انداز کچھ اور ہوتا ہے۔

مثلاً ہم دکان پر بھی جاتے ہیں لیکن وہاں پر کوئی آداب نہیں بجالاتے لیکن جب حرم میں جاتے ہیں تو وہاں ایک اور انداز سے داخل ہوتے ہیں، ایک اور انداز سے حرکت کرتے ہیں مثلاً وہاں وضو کر کے جاتے ہیں، باطہارت جاتے ہیں، توجہ کے ساتھ جاتے ہیں، وہاں سبک حرکات انجام نہیں دیتے ہیں، کیوں انجام نہیں دیتے ہیں؟ حالانکہ حرم بھی ایک مکان ہے، زمین ہے اور دکان بھی ایک مکان ہے اور زمین ہے، اس وجہ سے کہ حرم کے اندر، مسجد کے اندر یا کعبہ کے اندر جب ہم داخل ہوتے ہیں تو ہمیں اس مقام کی عظمت کا علم ہوتا ہے لہذا متوجہ ہوتے ہیں کہ یہ ایک مقام عظیم ہے اگرچہ یہ بھی اینٹیں اور پتھر ہیں، کعبہ بھی پتھر ہے، مسجد بھی اینٹیں اور پتھر ہیں لیکن یہ اینٹیں اور پتھر حجاب ہیں اور ان حجابوں کے پیچھے ایک عظمت موجود ہے، ان پتھروں کے پس منظر میں ایک حقیقت

کار فرما ہے، درحقیقت وہ عظمت انسان پر اثر انداز ہوتی ہے لہذا انسان خضوع و خشوع کرتا ہے، ان عظیم مقامات پر پتھروں کے لئے خضوع و خشوع نہیں کرتا ہے چونکہ پتھروں کے اندر کوئی عظمت نہیں ہے، پتھر حجاب ہیں۔ ان حجابوں کے پیچھے ایک عظمت کار فرما ہے لہذا جسے علم و آگاہی نہ ہو، جو مسلمان و مومن نہ ہو، اس کے لئے یہ فقط تعمیرات کا نمونہ ہیں لہذا وہ خضوع نہیں کرتا ہے، وہاں اس کے اندر تعظیم کی حالت ایجاد نہیں ہوتی ہے، اس مقام کی تکریم نہیں کرتا ہے، وہ وہاں ایسے ہی داخل ہوتا ہے کہ جیسے ایک دکان میں داخل ہوتے ہیں یا جیسے آثارِ قدیمہ کی کسی خاص عمارت داخل ہوتے ہیں اور فقط معمار کی نگاہ کرتا ہے۔

مثلاً حرم کے اندر جائیں تو ٹائلیں اور یہی خوبصورت نقش و نگار انسان کو متاثر نہیں کرتے ہیں، عظمتِ حرم ان کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خالی بھی ہو، سادہ بھی ہو تو اس کے باوجود بھی عظمت ہے جیسے کعبہ ہے، سادہ ترین حرم خانہ کعبہ ہے، کوئی زینت نہیں ہے، بالکل معمولی پتھروں سے بنا ہوا ہے لیکن انسان جتنا خضوع کعبہ کے سامنے کرتا ہے اتنا خضوع ان ٹائلوں کے سامنے نہیں کرتا ہے، اتنا خضوع اس نقش و نگار کے سامنے نہیں کرتا ہے چونکہ ان پتھروں کے پیچھے جو حقیقت کار فرما ہے عظمت درحقیقت اس کے اندر ہے اور انسان متوجہ ہے کہ یہ کعبہ کیا ہے؟ کس چیز کی علامت و نشانی ہے؟ یا جیسے انسان رسول اللہ ﷺ کے حرم میں جاتا ہے، کربلا جاتا ہے یا دیگر ائمہ اطہار علیہم السلام کی بارگاہ میں مشرف ہوتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ میں جن کے سامنے خضوع کر رہا ہوں وہ یہ ضریح نہیں ہے یا چاندی، سونا، لکڑی اور پتھر نہیں ہیں بلکہ درحقیقت یہ ایک ولی خدا کا، ایک خلیفہ خدا کا، ایک انسان

کامل کا اور ایک معصوم کا مدفن ہے اور عظمت اس وجود کے اندر اور اس نام کے اندر ہے کہ جس کے نام سے یہ سب کچھ منسوب ہے لہذا انسان کے دل میں ایک حالت دیگر طاری ہو جاتی ہے۔

پس ہم اپنے معمولات میں غور کریں تو بخوبی ہم اس حالت کو محسوس کرتے ہیں کہ جہاں پر ہمیں مکان کی عظمت کا علم ہو تو وہاں پر ہماری حالت کچھ اور ہوتی ہے لیکن جس مکان میں جائیں اور اس مکان کی عظمت کا علم نہ ہو یا اس میں عظمت ہی نہ ہو تو وہاں ہماری حالت کچھ اور ہوتی ہے، خیابان میں ہم بالکل معمول کے مطابق آتے ہیں، ہم اچھی اچھی خوبصورت جگہوں پر بھی جاتے ہیں لیکن وہ احساس جو دل میں حرم کے اندر پیدا ہوتا ہے وہ ہرگز بڑے بڑے شاندار محلوں میں پیدا نہیں ہوتا ہے، ممکن ہے کہ بہت بڑی باشکوہ عالیشان عمارتیں ہوں، مثلاً آپ تاج محل میں جائیں، تاج محل دنیا میں بنا ہوا ایک شاہکار ہے اور انسانی ہاتھ کا بنا ہوا ہے لیکن انسان کے دل میں وہ احترام و خضوع پیدا نہیں ہوتا ہے کہ جو کعبہ میں ہوتا ہے۔

کعبہ اور تاج محل کو اگر فنِ تعمیر کے لحاظ سے دیکھیں تو قابلِ قیاس نہیں ہیں، تاج محل شاہکار ہے اور کعبہ سادہ سی ایک بلڈنگ ہے لیکن انسان کے اندر جتنا خضوع کعبہ میں پیدا ہوتا ہے وہ تاج محل میں پیدا نہیں ہوتا ہے، بلکہ اصلاً سرے سے تاج محل میں پیدا ہی نہیں ہوتا، کیوں پیدا نہیں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ تاج محل فقط ایک عمارت ہے، اس کے پیچھے کوئی عظمت کا رفرما نہیں ہے، اگر ہے بھی تو بقول ایک ادیب اور اردو شاعر کے کہ ایک شہوت کا رفرما ہے، ایک سلطان کی ثروت کا رفرما ہے، مثلاً ایک دولت مند کی دولت کا رفرما ہے لہذا اس کے پیچھے عظمت نہیں ہے درحالیکہ کعبہ کے پیچھے

عظمتِ متجلی ہے کہ جو انسان کو معلوم ہے لہذا اس وجہ سے انسان کی کیفیت مختلف ہو جاتی ہے اور بدل جاتی ہے۔

یہی حال قرآن کا بھی ہے، قرآن اگر چہ عربی عبارت ہے، دیگر عربی عبارتوں کی طرح یہ بھی ایک عبارت ہے لیکن اگر انسان کو معلوم ہو کہ اس عبارت کے پیچھے کیا عظمت کا فرما ہے یا یہ عبارت ایک حجاب ہے اور ہماری سہولت کے لئے بنائی گئی ہے تاکہ ہم نورِ قرآن کو تحمل کر سکیں، نورِ قرآن کو برداشت کر سکیں ورنہ اگر یہ عبارت نہ ہوتی، یہ الفاظ نہ ہوتے تو جس طرح سے تجلی خدا نے طور کو جلادیا تھا اور جس طرح تجلی خدا نے اس کو دکا دکا کر دیا تھا، اسی طرح سے یہ بھی تجلی خدا ہے لیکن حجابوں میں ہے ورنہ خود قرآن مجید کے بقول اگر یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ خشیتِ الہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا، چونکہ قرآن کی عظمت کا راز اس میں ہے کہ یہ کلامِ خدا ہے لیکن اس نے نزول کیا ہے، تنزل کیا ہے اور ان حجابوں کے اندر چھپا کر ہم تک پہنچایا گیا ہے، یہ حجاب باعث بنے کہ ہم اس کی عظمت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اس کو فقط ایک لفظی عبارت سمجھ کر گزر جاتے ہیں یا حفظ بھی کر لیں، پڑھ بھی لیں تو بہت سادگی سے گزر جاتے ہیں اور وہ حیثیت و کیفیت طاری نہیں ہوتی ہے۔

احرامِ بمناسبتِ عظمتِ مقام

روایت میں ہے کہ جب حضرت امام رضا علیہ السلام کو جب خراسان لایا گیا، مدینہ سے طوس لایا گیا تو راستے میں امام علیہ السلام نے کثرت سے جو عمل انجام دیا وہ تلاوتِ قرآن تھی، کثرت سے یہ کام کیا حالانکہ دوسری عبادتیں بھی امام علیہ السلام نے انجام دیں، راستے میں گفتگو بھی کی، احادیث بھی بیان

فرمائیں اور کئی تاریخی واقعات اس سفر کے اندر رونما ہوئے لیکن کثرت سے اس سفر کے دوران جو عمل اس مہمل میں بیٹھے ہوئے، اس سواری پر امام علیہ السلام نے انجام دیا وہ تلاوتِ قرآن تھی اور وہ بھی کس طرح کی تلاوتِ قرآن؟ کئی مقامات پر نقل کیا گیا ہے کہ ان مقامات میں امام علیہ السلام کی تلاوتِ قرآن کے وقت کیا کیفیت تھی؟ جس طرح سے ایک انسان بہت عظیم بارگاہ کے اندر موجود ہو اور حضرت علیہ السلام کے وجود پر کپکی طاری تھی، لرزہ طاری تھا اور بارگاہِ خداوند تبارک و تعالیٰ میں گریہ و بکا طاری تھا اور ہر آیت کے پڑھنے سے حضرت علیہ السلام کے چہرے کے اثرات اور آثار بدل جاتے تھے یعنی اسی آیت کے مضمون کے مطابق تاثیر حاصل ہوتی تھی، قرآن پڑھتے ہوئے امام علیہ السلام کی یہ حالت کیوں تھی؟ درحالیہ ہم بھی یہ قرآن پڑھتے ہیں لیکن ہم پر یہ حالت طاری نہیں ہوتی، اس لئے کہ امام علیہ السلام کو توجہ تھی کہ میں کس کے کلام کی بارگاہ میں ہوں یعنی کس بارگاہ میں ہوں، قرآن کلامِ خدا ہے، کلامِ خدا فعلِ خدا ہے، فعلِ خدا صفاتِ خدا سے متجلی ہوا ہے۔

اللہ اپنے کلام میں متجلی ہے

(۷) اللہ اپنے کلام میں متجلی ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ خود قرآن میں متجلی ہیں، عظمتِ قرآن عظمتِ متکلم سے ہے،

لَقَدْ تَجَلَّى اللَّهُ لِخَلْقِهِ بِكَلَامِهِ..... (۱۵)

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے خدا نے تجلی کی اسی طرح خدا نے مخلوق کے لئے

قرآن میں تجلی کی ہے لیکن کس طرح سے تجلی کی ہے؟ فرمایا کہ

وَلَكِنَّهُمْ لَا يُبْصِرُونَ.....

لیکن عوام یا عام انسان اس تجلی کو درک نہیں کر پاتے،

وَاللّٰهُ لَقَدْ تَجَلَّىٰ اللّٰهُ لَخَلْقِهِ فِي كَلَامِهِ وَلَكِنَّهُمْ لَا يُبْصِرُونَ..... (۱۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اپنی مخلوق کے لئے ظاہر ہوتا ہے لیکن وہ دیکھتے نہیں ہیں

..... یعنی ان کے اندر بصیرت نہیں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ سکیں یا امیر المومنین علیہ السلام سے نہج البلاغہ میں خطبہ

۱۳۷ میں یہ موجود ہے کہ

فَتَجَلَّىٰ لَهُمْ سُبْحَانَهُ فِي كِتَابِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونُوا رَآؤُهُ..... (۱۷)

ان کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ظاہر ہوتا ہے، اس کے بغیر کہ وہ اسے ظاہری آنکھوں

سے دیکھیں.....

لیکن دیکھ سکتے ہیں جیسے نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام کے کلام سے بھی استفادہ ہوتا ہے

کہ خدا کو دیکھا جاسکتا ہے لیکن نہ کہ بصر سے بلکہ بصیرتِ ایمانی سے دیکھا جاسکتا ہے، یہ امیر المومنینؑ

نے نہج البلاغہ میں صراحت سے بیان فرمایا کہ

لَمْ أَكُنْ أَعْبُدُ رَبًّا لَمْ أَرَهُ..... (۱۸)

میں نے ایسے خدا کی عبادت نہیں کی ہے جسے میں نے دیکھا نہ ہو.....

پس ذاتِ خداوند تبارک و تعالیٰ قابلِ رویت ہے، خدا کی ذات قابلِ وجدان ہے، انسان

اللہ اپنے کلام میں مجتلی ہے

کو خدا نے قوتیں عطا کی ہیں، انسان فہم اور درک و بصارت کی قوتوں سے خدا کو پاسکتا ہے، درک کر سکتا ہے لیکن کلامِ خدا میں، فعلِ خدا میں خدا کی ذات متجلی ہے۔ اسی طرح دوسری عبادتیں بھی ہیں اگر انسان بارگاہِ خدا کی عظمت کی طرف متوجہ ہو تو اس کا انداز بدل جاتا ہے، روایت میں معصومین علیہم السلام کی نمازیں منقول ہیں کہ مختلف ائمہ کی نماز میں کیا حالت ہوتی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں معلوم تھا کہ ہم کس کی بارگاہ میں ہیں، عظمتِ خدا کی طرف توجہ تھی چونکہ انسان کے اندر درکِ عظمتِ خدا کے بعد خشوع پیدا ہوتا ہے، جب انسان عظمت کا احساس کرتا ہے تو تب اس کے بعد جھکتا ہے، انسان کے اندر یہ فطری عمل ہے کہ ہر کمال کے سامنے خضوع کرتا ہے، یہ انسان کے بس میں نہیں ہے، کیسا بھی انسان ہو اگر کسی جگہ کمال نظر آئے تو انسان اس کے سامنے ناخواستہ جھک جاتا ہے۔ چاہے وہ کمالِ عالمِ مادہ اور طبیعت میں نظر آئے، عالمِ معنی میں نظر آئے، انسانی دنیا میں نظر آئے، طبعی دنیا میں نظر آئے، جہاں بھی نظر آئے، انسان کی زبان سے کمال کی نسبت سے بے ساختہ تکریم و ثنا ادا ہوتی ہے۔

معرفت اور اجارے کی نماز میں فرق

۸) معرفت اور اجارے کی نماز میں فرق

جب انسان عظمتِ خدا کے سامنے واقع ہوتا ہے تو وہاں پر اس کی زبان سے بے ساختہ حمد و ثنا، کلماتِ تعریف اور کلماتِ عبیدانہ جاری ہوتے ہیں، اسی کو نماز کہتے ہیں۔ نماز حقیقی وہی ہے کہ جو انسان کی معرفت کا نتیجہ ہو نہ کہ انسان کی عادت کا نتیجہ ہو، چونکہ کہا گیا ہے کہ یہ کام کرنے سے انسان

جنت جاتا ہے لہذا یہ کام کر کے آرزو معاوضے میں پنہاں ہوتی ہے مثلاً اُجرت پہ نماز پڑھنا۔
فقہ میں ایک بحث اجارے کی نماز کے متعلق ہے۔ اگر ایک شخص اپنی زندگی میں نمازیں نہیں پڑھتا تھا اور وہ مر گیا تو اسکے ورثاء اس کے مادی اور معنوی حقوق ادا کریں، ان حقوق میں سے یہ ہے کہ اس کے واجبات ادا کریں، اس کی ترک شدہ یا قضا شدہ نمازیں ادا کروائیں اور یہ ہوتا بھی ہے عموماً اہل علم کو یا متدینین کو مردوں کی نمازوں کے لئے اجیر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک مولانا کو کسی مردے کی نمازیں اجارے پہ دی گئیں، مردے کے وارث کے ساتھ قرارداد باندھی گئی لیکن انہوں نے آکر قرارداد کو پھاڑ کر پھینک دیا، جو شخص ضامن بنا تھا اس نے کہا کہ یہ تو آپ کی ذمہ داری ہے، آپ کو پڑھنا چاہئے تو انہوں نے کہا کہ اتنا ہی نیک ہوتا تو پڑھ کر مرتا، میرے لئے کیوں چھوڑ کر گیا ہے کہ میں آؤں اور پیسوں کے لئے اس کی نمازیں پڑھوں؟ غرض یہ ہے کہ اجارے کی نمازیں رائج چیز ہے، اس سے کیا ملے گا؟ اجیر کو کیا ملے گا؟ اور جس کی نمازیں ہیں اس کو کیا ملے گا؟ اجارے کی نمازیں کو خدا ہی جانتا ہے چونکہ بعض تو شک بھی کرتے ہیں اور اس کے اجزاء میں تردید بھی کرتے ہیں کہ آیا اجارے کی نمازیں درست بھی ہیں یا نہیں ہیں؟ البتہ فتویٰ کہ حد تک مشہور یہ ہے کہ پڑھ سکتے ہیں یعنی حق ادا ہو جاتا ہے لیکن یہ تو قیامت میں جا کر پتہ چلے گا اور مشخص ہو جائے گا کہ اجارے کی نمازوں کا مستاجر کو کیا ملا؟ اور اس مردے کو کیا ملا؟ اب مردے کو کچھ ملے یا نہ ملے بہر کیف اس بچارے کو تو کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ بعض کام آبدار ہوتے ہیں اور بعض کام نانداز ہوتے ہیں یعنی بعض کام ایسے

ہیں کہ جن میں پانی ہوتا ہے اور بعض میں نان ہوتا ہے اور یہ شاہ عباس کے زمانے سے کہاوت بھی بنی ہے، صفوی بادشاہ کووزیروں نے مشورہ دیا کہ ملک کی آبادی کے لئے نہریں کھدوائی جائیں، ایران میں چونکہ نہری نظام نہیں ہے لہذا دریا بھی کم ہیں بارانی پانی کے لئے وہاں کنویں کھودے گئے تھے، جن کو قناتیں یا کاریز کہتے ہیں یعنی زیر زمین نہریں بنانا، مختلف علاقوں میں نہریں کھودنا شروع کر دی گئیں، کسی صحرا کے اندر مزدور لگائے ہوئے تھے، انہوں نے نہر کھودنا شروع کی، کھودتے گئے اور دوسو، تین سو میٹر نیچے چلے گئے لیکن کوئی پانی نہیں تھا، رطوبت بھی نہیں تھی، وزیر دورے پہ گیا تو مزدوروں نے اسے کہا کہ آپ خواہ مخواہ یہاں پیسہ ضائع کر رہے ہیں، یہاں سے کوئی پانی نہیں نکلے گا تو وزیر نے انہیں جواب دیا کہ ہمارے لئے پانی نہیں نکلے گا لیکن آپ کے لئے روٹی تو نکل رہی ہے، آپ کو کیا تکلیف ہے، آپ کھودتے رہو یعنی اس کنویں سے پانی نہیں نکلے گا لیکن روٹی تو نکل رہی ہے۔ لہذا اجارے کی نمازوں سے پانی نہیں نکلے گا لیکن روٹی تو نکل جائے گی، مردے کو کچھ ملے یا نہ ملے اس کو تو کچھ مل رہا ہے۔

اجارے کی نمازیں یعنی معاوضہ لے کر جو نمازیں پڑھی جاتی ہیں، حقیقت نماز ہونی چاہئے یعنی جو نماز انسان معرفت سے پڑھتا ہے، عارفانہ نمازیں نہ کہ اجارے کی نمازیں، حقیقت میں ہم اپنی نمازیں بھی اجارے کی ہی پڑھتے ہیں چونکہ اجارے کی نمازیں معاوضے والی نمازوں کو کہتے ہیں، اجارے کی نمازوں میں انسان کیسے نماز پڑھتا ہے؟ اسی لئے ضمانت لیتے ہیں کہ یہ صحیح پڑھے گا یا نہیں؟ شرائط رکھتے ہیں کہ کن کن آداب و مستحبات کے ساتھ پڑھے گا چونکہ اپنی تو نہیں ہیں بلکہ کسی کی

ہیں، میں نے تو کسی طرح پیسہ حلال کرنا ہے۔ اپنی نمازیں بھی جب انسان اجارے پہ پڑھے، حور کے لئے پڑھے، جنت کے لئے پڑھے، دودھ کے لئے اور شہد کے لئے پڑھے تو یہ بھی اجارے کی نمازیں ہیں، یہ نمازیں بھی انسان اسی طرح پڑھتا ہے کہ جیسے کرائے کے کام کرتا ہے، اس میں فٹیک (Fatigue) نہیں ہوتی ہے؟ فٹیک اس کو کہتے ہیں کہ کسی اور کا کام میری گردن پہ آپڑے، اجارے کی نمازوں میں تو رقت طاری نہیں ہوتی ہے، اجارے کی نمازوں میں تو انسان کے اندر خوفِ خدا پیدا نہیں ہوتا ہے، اجارے کی نمازوں میں خشوع و خضوع کہاں ہوتا ہے؟ اجارے کی نمازوں میں تو ساری نظر اجرت پہ ہوتی ہے یعنی فی رکعت اتنے روپے بنتے ہیں، اس کا میٹر چل رہا ہوتا ہے کہ فی رکعت کے لحاظ سے کتنے روپے بن گئے، اس کا ٹائم ہوتا ہے کہ ایک منٹ میں اس نے ایک دن کی نماز پڑھنی ہے یا ایک وقت کی نماز کو ختم کرنا ہے، جیسے لیلۃ القدر آتی ہے تو لوگ قضائے عمری پڑھتے ہیں اور ایک گھنٹے میں سو رکعت نمازیں ختم کرنی ہوتی ہیں، اس وقت کوئی ایسا میٹر (Meter) گاڑی کا بھی نہیں ہوتا ہے جتنا پیش نماز کا ہوتا ہے۔

یہ نماز کے ساتھ تمسخر ہوتا ہے، اجارے کی نمازوں میں قطعاً خضوع پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ معرفت کی نمازوں میں خضوع پیدا ہوتا ہے، جب انسان عارفانہ طور پر نماز پڑھتا ہے تو اس نماز میں انسان کے اندر خضوع و خشوع پیدا ہوتا ہے، دل نرم ہوتا ہے اور حالتِ خوف پیدا ہوتی ہے، جب انسان کو پتہ ہو کہ میں اپنے معبود، اپنے مولا، اپنے مالک کی بارگاہ میں ہوں، میں اس کی بارگاہ میں ہوں کہ جس کے اوصاف آپ دعائے سحر میں پڑھتے ہیں، دعائے سحر سراپا نور ہے، ماہِ رمضان میں

دعائے سحر کے لئے فرصت ہے، جمالِ خدا، جلالِ خدا، کمالِ خدا یعنی وہ نورانیت، وہ عظمت جو دعائے شریف سحر میں بیان کی گئی ہے، امام خمینیؒ کی اپنی سب سے پہلی کتاب بھی شرح دعائے سحر ہے، اس دعا سے انسان کو اندازہ ہوتا ہے کہ میں کس کی بارگاہ میں ہوں؟ خود ہی خود انسان کے اندر یہ احساس عبودیت پیدا ہوتا ہے یعنی یہ طریقہ عبودیت درباریوں سے سیکھیں۔

درباری آج کل تو نہیں ہیں، یہ نمونے آج کل دیکھنے کو نہیں ملتے ہیں لیکن سلاطین و پادشاہوں نے درباری رکھے ہوتے تھے، ثناخوان، شاعر، علماء اور ہر طبقہ۔ درباری اخلاق مخصوص اخلاق ہوتا ہے، یہ شاہوں کے سامنے جب حاضر ہوتے تھے تو حاضر ہونے سے پہلے جس لباس میں سوئے ہوئے تھے اسی لباس میں اٹھ کر دربار میں نہیں آتے تھے، ایک خلعت مخصوص ان کو دربار کے لئے ملی ہوتی تھی کہ جب بھی شہنشاہ کے سامنے حاضر ہونا ہو تو یہ خلعت پہن کر جائیں، پھر یہ دیکھتے تھے کہ شہنشاہ کو خوشبو کونسی پسند ہے؟ وہی خوشبو لگا کر شہنشاہ کے سامنے جاتے تھے تاکہ اس کی توجہ ہماری طرف ہو، پھر یہ دیکھتے تھے کہ شہنشاہ کو کون سے کلمات پسند ہیں، انہی کلمات کے ساتھ انہی القابات کے ساتھ شاہ کو یاد کرتے تھے، اظہارِ عقیدت کرتے تھے اور شاہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے تھے، غرض کہ ہر وہ کام کرتے تھے جو شاہ کو پسند ہے، وہ کام نہیں کرتے تھے جو خود انہیں پسند ہو چونکہ اگر اپنی پسند کے کام دربار میں کریں تو دربار سے خارج کر دیئے جاتے تھے، نکال دیئے جاتے تھے، یہ درباری لوگ ہیں، مفاداتِ دنیوی کے لئے مخلوق کے سامنے یہ حرکتیں انجام دیتے تھے کہ جو شایانِ شانِ مخلوق نہیں ہیں یعنی انسان کسی مخلوق کے لئے یہ کام نہ کرے، درحقیقت تمام وہ کام

جو خدا کی بارگاہ میں ان کو کرنے چاہئیں یہ جا کر شہنشاہ کی بارگاہ میں کرتے ہیں۔

انسان جب بارگاہِ خدا میں جائے تو اس طرح نہ جائے کہ جس لباس میں سوتا ہے اسی لباس میں اٹھ کر چلا جائے، بسا اوقات احکامِ فقہ پڑھاتے ہوئے حضرات توجہ نہیں دلاتے تھے کہ ان احکام کی حقیقت و فلسفہ و حکمت کیا ہے؟ یہ کس کے لئے ہیں؟ حد سے حد احکام کی حدود بتا دیتے ہیں مثلاً بسا اوقات بتا دیتے ہیں کہ مرد کے لئے تو کافی ہے کہ مثلاً اس کی شرم گاہ چھپی ہوئی ہو باقی بدن بے شک عریاں ہو تو نماز پڑھ سکتا ہے اور پڑھتے ہیں، کئی جگہ لوگ انڈرویئر میں نماز پڑھتے ہیں، کیوں؟ مولانا نے کہا ہے کہ مرد کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ حیا کہاں ہے؟ ادب کہاں ہیں؟ کیا فقط حکمِ فقہ نماز کے لئے کافی ہے؟ یہ فقہ فقہ اصغر ہے، یہ شریعت کے احکام فقہ اصغر ہیں، نماز کیلئے فقہ اوسط بھی چاہئے اور فقہ اکبر بھی چاہئے، فقہ اصغر یہ ہے کہ یہ لباس کافی ہے یا نہیں ہے، یہ غضبی نہ ہو، یہ حلال ہو، یہ فقہ اصغر ہے لیکن فقہ اوسط کہتی ہے کہ آپ کے ساتھ حیا بھی ہو اور فقہ اکبر کہتی ہے کہ ساتھ میں معرفت بھی ہو، احترام بھی ساتھ ہو اور آپ کے اندر خضوع و خشوع بھی ہو۔

نماز کے بارے میں چند کتابیں لے کر پڑھیں تو پھر جا کر نماز کا باب تکمیل ہوتا ہے، احکامِ نماز، آدابِ نماز اور اسرارِ نماز۔ امام خمینیؑ نے تینوں کتابیں تالیف کی ہیں، تحریر الوسیلہ میں احکامِ نماز ہیں، دوسری کتاب میں آداب الصلوٰۃ ہیں، تیسری کتاب میں اسرار الصلوٰۃ ہیں، پھر جا کر انسان نماز کے قابل ہوتا ہے، فقط تحریر الوسیلہ پڑھ کر حق نماز ادا نہیں ہوتا ہے، وہ اجارے کی نماز ہو جاتی ہے لیکن عارفانہ نماز اور ہوتی ہے، ایسی نماز کہ جس میں نمازی کو لذت بھی محسوس ہو، جس میں نمازی کو لطف

بھی محسوس ہو پس کس طرح سے بارگاہِ مولا میں جائیں؟ وہ خلعت پہن کر جاؤ جو مولا کو پسند ہے، اس انداز سے جاؤ جو انداز مولا کو پسند ہے، اس طریقے سے جاؤ جو طریقہ مولا کو پسند ہے، ہر وہ طریقہ استعمال کرو جو مولا کو پسند ہے، اگر انسان عظمتِ الہی کی طرف متوجہ ہو تو انسان کی یہ نماز معراج بن جاتی ہے، قرآن بھی بارگاہِ خدا ہے، چونکہ کلامِ خدا ہے، ہم اس دھوکے میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ عربی عبارت ہے، ادبیات میں لکھی ہوئی ایک ادبی عبارت ہے یا یہاں ہمارا عربی سے سروکار ہے، یہ ایک حجاب ہے۔

۹) اللہ کو پانا ہے

ہمیں قرآن کی عظمت کا احساس اس لئے نہیں ہے چونکہ متکلم کی عظمت کا ادراک نہیں ہے یعنی خود ذاتِ خدا کی عظمت کا ادراک نہیں ہے، جب خداوندِ تبارک و تعالیٰ کا تصور آتا ہے تو ہمارے ذہن میں کیا چیز آتی ہے؟ ہمارے ذہن میں کیا حاصل ہوتا ہے؟ بنامِ خدا کیا حقیقت آتی ہے؟ آنکھوں کے سامنے، ذہن کے سامنے اور دل میں کیا تصور و احساس پیدا ہوتا ہے؟ جب لفظِ خدا سنتے ہیں تو یعنی چہ؟ یا تو بالکل ایک مبہم اور مدہم سا خاکہ یعنی ذہن میں کچھ بھی نہیں آتا ہے، صرف نام آتا ہے اور کچھ بھی حقیقتِ ذہن میں نہیں ہے، ہم نے خدا کو ثابت کیا ہے، دلیلوں سے خدا کو ثابت کیا ہے، ہم نے خدا کو پڑھا ہے، ہم نے خدا کو سمجھا ہے، درحالیہ معصوم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نہ خدا سمجھنے کی چیز ہے، نہ پڑھنے کی چیز ہے، نہ کہنے کی چیز ہے بلکہ خدا پانے کی چیز ہے، خدا کو پائیں۔ جو خدا کو پاتا

ہے وہ عظمت کو درک کر سکتا ہے، جس نے پایا نہیں ہے اور فقط سنا ہوا اور پڑھا ہوا ہے تو اسے کیا معلوم کہ کس حقیقت سے میرا سروکار ہے؟ قرآن نے بھی ہمیں اسی طرف متوجہ کیا ہے کہ آپ خدا کو اثبات نہ کرو، ہم دلیلیں دے کر کیا کرتے ہیں؟ خدا کو ثابت کرتے ہیں حالانکہ خدا کو پانا ہے۔ اس مطلب کی مزید وضاحت انشاء اللہ فصلِ ادبِ ہشتم کے حصہ اول میں کی جائے گی۔

ابھی اجمالی طور پر یہ بات ذہن میں رکھیں کہ حقیقت اس وقت پائی جاتی ہے کہ جب انسان اس حقیقت کی طرف جاتا ہے، اس حقیقت کی قربت اور جوار میں جاتا ہے۔ ہم خدا کو پائیں، اپنے دائیں بائیں دیکھیں، سب سے پہلے اپنے اندر پائیں، خدا نے فرمایا ہے کہ اگر مجھے پانا ہے تو میں کہاں ہوں؟

أَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ..... (۱۹)

میں ٹوٹے دل والوں کے پاس ہوں۔ میں تمہارے دلوں کے اندر ہوں،

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (۲۰)

اور ہم اس سے رگ گردن سے زیادہ قریب ہیں۔

أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ..... (۲۱)

اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے.....

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ (۲۲)

اور ہم تمہاری نسبت مرنے والے سے قریب ہیں مگر تم دیکھ نہیں سکتے ہو۔

اللہ کو پانا ہے

خدا فرماتا ہے کہ میں تمہارے دلوں میں ہوں۔ خدا تمہارے اندر ہے، اپنے اندر ہی خدا کو پاسکتے ہو، اگر اندر نہیں پاسکتے ہو تو خدا کو آفاق میں پاؤ لیکن اللہ کو پانا ہے، اس وقت انسان کو عظمت کا ادراک ہوتا ہے، البتہ ہمیشہ اپنی حد تک پاؤ، نہ اس حد تک کہ جتنی عظمت ہے کیونکہ کسی غیر خدا کے لئے ممکن نہیں ہے کہ عظمتِ خدا کو اس طرح سے پائے کہ جیسا اس کا حق ہے بلکہ انسان اپنی ظرفیت، اپنی طاقت اور اپنی توانائی کی حد تک خدا کی عظمت کو پاسکتا ہے، عظمتِ کلامِ خدا بھی ایسے ہی ہے یعنی اپنی طاقت اور توانائی کی حد تک انسان عظمتِ کلامِ خدا کو درک کر سکتا ہے نہ کہ اتنی جتنی عظمتِ کلام ہے، یہ ممکن نہیں ہے، انسان کو خضوع اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ جب کلامِ خدا کے سامنے اس کی عظمت کا ادراک ہو۔

۱۰) قرآنِ حبلِ خدا ہے

صدر المتأملینؒ فرماتے ہیں کہ جو اہل تفکر و اہل تامل و تدبر ہیں وہ اس فصل میں نگاہ کریں، یہ بھی مفید ہے، درکِ عظمتِ خداوند تبارک و تعالیٰ کے لئے انسان کو جو چیز چاہئے وہ یہ ہے کہ

☆ فلینظر المتأمل فی فضل اللہ و رحمته، کیف لطف بخلقه فی ایصال

کلامہ الی افہامہم و اذواقہم؟.....

پہلا نکتہ انہیں یہ غور کرنا چاہئے کہ انسانوں کے اوپر خداوند تبارک و تعالیٰ نے کتنا عظیم لطف فرمایا ہے کہ اپنا کلام جو عالی ترین الطافِ الہیہ میں سے ہے اسے کس لطیف اور نفیس طریقے سے

انسانوں کے ذہن اور فہم کی حد تک پہنچایا ہے؟

☆ و کیف جذبہم اللہ بحبل القرآن العظیم فی طی اصوات و حروف

ہی من صفات البشر.....

ایک عظیم معجزہ و اتفاق رونما ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ کلامِ خدا جو مادی و جسمانی نہیں ہے، جو لفظ و مفہوم نہیں ہے اس کو خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن کی جبل کی صورت میں، اصوات اور حروف کی شکل میں کہ جو بشری چیزیں ہیں، بشری امور ہیں یعنی بشری حالاتِ انسانی کی صورت میں انسان کے لئے پیش کیا ہے، قرآن کے بارے میں روایات میں بھی ہے کہ یہ جبلِ خدا ہے، جیسے پہلے بیان کیا تھا کہ یہ ذو مراتب ہے، قرآن کے درجات ہیں، ایک درجہ بالا ہے کہ جسے اہل علم و اہل معرفت صغیر ربوبی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں یعنی بارگاہِ خدا، ذاتِ خدا میں قرآن کا ایک مرتبہ ہے اور ایک مرتبہ ابھی ہمارے سامنے عربی زبان میں موجود ہے اور اس کے درمیان قرآن کے مراتبِ فراواں ہیں، ہر ایک اپنی توفیق کی حد تک ان مراتب سے سروکار رکھتا ہے۔

قرآن کے بارے میں ایک تعبیر استعمال ہوئی ہے کہ قرآن جبل ہے، یہ جبل اللہ ہے، جبل یعنی رسی اور وہ بھی جبلِ نجاتِ انسان ہے کہ جس کے ذریعے انسان کو ہلاکت سے بچانا ہے، ایسی رسی کہ جس سے نجات دی جاتی ہو، رسی میں دوسرے ہوتے ہیں، ایک سر اچانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور ایک سر ہلاک ہونے والے کے پاس ہوتا ہے یعنی ایک سرے کو وہ تھامتا ہے کہ جو معرضِ ہلاکت میں ہے اور دوسرے سرے کو نجات دینے والا تھامتا ہے، وَالَا اگر وہ رسی ساری کی ساری نیچے

قرآن جبلِ خدا ہے

پھینک دی جائے تو ایسی رسی تو نجات نہیں دے سکتی ہے۔ کنویں میں اگر کوئی گرا ہوا انسان ہو اور کہے کہ رسی پھینکو ہے اور آپ رسی کا بندل بنا کر نیچے پھینک دیں، بعض سادہ لوح اسی طرح پھینکتے ہیں، اگر مدد مانگیں تو وہ اسی طرح پھینکتے ہیں، اس رسی کا وہ کیا کریں؟ رسی پھینکنے کے معانی یہ ہیں کہ اس کا ایک سرا اپنے پاس رکھو اور ایک سر درخت کے ساتھ باندھ دو یا خود پکڑو تو وہ رسی انسان کو نجات دیتی ہے۔

خدا نے بھی اپنی جبل انسان کو آویزاں کی ہے، پھینکی نہیں ہے کہ ساری رسی جمع کر کے، رول بنا کر انسان کی طرف پھینک دی ہو کہ یہ لو یہ میری رسی ہے، ایسی رسی کا ہم کیا کریں؟ ہمیں وہ رسی چاہئے کہ جس کا ایک سر خود خدا کے ہاتھ میں ہو اور ایک سر انسان کے پاس ہوتا کہ جب ہم اس رسی سے تمسک کریں تو وہ ہمیں اپنی طرف کھینچ لے، یہ جبل خدا ہے، پس قرآن کا ابھی ایک سرا ہمارے ہاتھ میں ہے، عربی سرا ہمارے ہاتھ میں ہے اور غیر عربی سرا خدا کے ہاتھ میں ہے، جب ہم اس سرے سے تمسک کریں گے تو یہ سرا ہمیں اُس سرے تک پہنچائے گا اور انسان کے لیے باعث حصول تقرب خدا بنے گا۔

(۱۱) مستور قرآن لطفِ خدا ہے

☆ ولولا انه استتر کنه جمال کلامه بکسوة الحروف والالفاظ، لما ثبت

لسماع کلامه عرش و لا فرش.....

اگر خدا نے پوشیدہ کر کے، مستور کر کے، حجابوں کے اندر، پردوں کے اندر چھپا کر اور پنہاں کر کے اپنا کلام نہ اتارا ہوتا تو نہ عرش کے اندر صلاحیتِ تحمل تھی اور نہ فرش کے اندر یعنی نہ زمین، نہ آسمان، نہ کوئی پست مخلوق اور نہ کوئی عالی مخلوق، نہ طور اور نہ موسیٰ علیہ السلام، اس کو کوئی تحمل نہ کر سکتا۔ اگر یہ کلام خدا مستور نہ ہوتا، پردوں کے اندر چھپا ہوا نہ ہوتا، عبارتوں کے اندر لپٹا ہوا نہ ہوتا تو قابلِ تحمل نہیں تھا،

☆ و لتلاشی.....

تلاشی مصدر ہے لاشی سے، یہ تلاش سے نہیں بلکہ لاشی سے ہے، نیست ہو جانے کے معنی میں ہے، تلاشی یعنی لاشی ہو جانا، نابود ہو جانا،

☆ و لتلاشی ما بینہما من سبحات نورہ و عظمۃ برہانہ.....

نورِ خدا و کلامِ خدا کے اندر اس کی روشنی اور درخشندگی بہت شدید ہے کہ جیسے سورج کی روشنی اور درخشندگی اتنی شدید ہے کہ اگر اسے چھپا کر، مستور کر کے نہ دیکھا جائے تو انسان نگاہ نہیں کر سکتا ہے، آنکھ نابود ہو جائے گی، لاشی ہو جائے گی، نیست ہو جائے گی، انسان کی بینائی نابود ہو جائے گی، اسی طرح سے اگر خداوند نے اپنا کلام ان پردوں کے اندر پنہاں نہ کیا ہوتا، مستور نہ کیا ہوتا، تو شدتِ نورانیت اور درخشندگی کے نتیجے میں ہر شے لاشی ہو جاتی۔ پھر آپ سورہ مبارکہ شوریٰ کی آیہ (۱۹) کے مفہوم کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ

☆ فاللہ لطیف بعبادہ.....

مستور قرآن لطفِ خدا ہے

پس خدا کتنا کریم ہے؟ کتنا لطیف ہے؟ لطفِ خدا شاملِ حالِ عباد ہے، سورج کے نور کو خدا نے کتنے پردوں کے پیچھے ابھی ابھی چھپایا ہوا ہے، زمین کے ارد گرد کتنی ایسی نامرئی چیزیں ہیں کہ جن سے چھٹ کر سورج کا نور زمین کی طرف آتا ہے اور وہ نور جو چھن کے اور چھٹ کے آتا ہے وہ بھی ہم سے برداشت نہیں ہو سکتا ہے، ورنہ اگر یہ سارے فلٹرز (Filters) ہٹا دیئے جائیں، ایک فلٹر یعنی ایک حجاب سے تو ہم سب آشنا ہیں، ماحولیات والوں نے سب کو آشنا کیا ہے اور وہ اوزون تہہ (O-Zone layer) کے نام سے ہے، اوزون ایک فلٹر ہے جو سورج کی شعاعوں کو چھانتا ہے اور اس میں چھننے کے بعد شعاع کا جو مفید حصہ ہے وہ زمین کی طرف آتا ہے، مضر حصے کو وہ وہاں پر روک لیتا ہے، خداوند تبارک و تعالیٰ نے زمین کو محفوظ رکھنے کے لئے زمین کے ارد گرد تہہ بنا دی ہے تاکہ سورج کا نور اس سے گزر کر آئے ورنہ ہر شے لاشی ہو جاتی یعنی یہی اوزون ہے کہ جس کی وجہ سے سبزہ اُگتا ہے، بارش ہوتی ہے، موسم معتدل ہوتا ہے، سب کچھ ہوتا ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو گرمی ہی گرمی ہوتی اور کرۂ ارض گلوبل وارمنگ (Global warming) کی وجہ سے اتنا گرم ہوتا کہ اس کے اوپر رہنا ممکن ہی نہیں ہوتا، ابھی انسان نے اس کو تھوڑا متاثر کیا ہے خود انسان نے خلقتِ خدا کے اندر مداخلت کی ہے تبھی اس کا نتیجہ بھی بھگت رہا ہے لہذا ماحولیات کے خراب آثار پیدا ہو رہے ہیں اور اس طرح کی فراواں چیزیں ہیں جو زمین کو محفوظ رکھنے کے لئے ہیں کہ جو حجاب ہیں، سورج کا نور ان حجابوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے، اس کے باوجود آنکھ سے دیکھا نہیں جاتا ہے، اسی طرح سے نورِ الہی ہے یعنی کلامِ خدا اگر پردوں کے اندر چھپا ہوا نہ ہوتا تو انسان کا وجود چندھیا جاتا، انسان

کا وجود لاشیٰ و نیست ہو جاتا، پس

☆ حیث انزل علیہم نور کلامہ فی لیالی الاکوان الطبیعیۃ و حجب

الصفات البشریۃ.....

خداوند نے لیالی یعنی راتوں میں یہ کام کیا ہے، لیالی جمع لیلہ ہے، کن راتوں میں؟ فراواں راتوں میں یہ کام ہوا ہے، عالمِ مادہ خود ایک رات ہے، عالمِ طبیعت خود ایک رات ہے چونکہ یہ حجاب ہے، پھر لفظ ایک اور رات ہے، خداوند نے لیلہ میں نازل نہیں کیا بلکہ لیالی میں قرآن کو نازل کیا ہے، کئی پردوں میں لپیٹا ہے، ایک لیلہ میں تو اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ اس نور کو مدھم کر سکے، اس نور کو متعادل و ملائم بنا سکے، اسے انسان کی فہم کے لئے عالمِ مادہ میں نازل کیا، الفاظ کی صورت میں نازل کیا، مفاہیم کی صورت میں نازل کیا، یہ سب لیالی ہیں یعنی ان لیالی سے انسان کے لئے اس کی نورانیت تھوڑی معتدل ہوئی۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنا یہ کلام انسانی صفات کے حجابوں کے اندر نازل کیا ہے،

☆ ولولا ان ثبت اللہ موسیٰ سلام اللہ علی نبینا و علیہ، لما اطاق سماع

کلامہ.....

اگر خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو خود نہ بچایا ہوتا، ثباتِ عطا نہ کیا ہوتا تو وہ ہستی موسیٰ علیہ السلام بھی لاشیٰ

ہو جاتی، یعنی جس طرح

فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا.....

مستور قرآن لطفِ خدا ہے

یعنی اگر خدا نے نہ بچایا ہوتا تو جس طرح سے وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوا موسیٰ علیہ السلام بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے، موسیٰ علیہ السلام پردوں کے بغیر تجلی الہی کو سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، یہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ممکن نہیں تھا،

☆ کما لم یطق الجبل مبادی تجلیہ.....

موسیٰ علیہ السلام نے تو پوری کتاب برداشت کر لی لیکن جبل نے آغاز میں ایک جھلک بھی برداشت نہیں کی،

☆ حیث سار دکا دکا.....

کہ وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا،

☆ ثم العجب ان هذا الکلام مع نزوله.....

ایک طرف سے یہ دیکھیں کہ ابھی جس کلام سے ہمیں سروکار ہے وہ بہت سارے پردوں کے اندر لپٹا ہوا ہے، بہت سارے حجابوں میں مستور ہے، کلام نازل یعنی کلام مستور، ستر ہے اور ستر کے اوپر ستر ہے اور اس کلام سے ہمیں سروکار ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ یہ کلام باوجود اس کے کہ اتنا نازل ہوا اور اتنا سے پردوں میں پنہاں کیا گیا تا کہ انسان سمجھ سکے،

☆ فی طی هذه الحجب الجسمانية، واحتجابه بسواد هذه الارقام

الظلمانية.....

ان جسمانی پردوں کے پیچھے اور ان ظلمانی یعنی تاریک اور سیاہ پردوں کے پیچھے، چونکہ حجب

کی دو قسمیں ہیں نورانی اور ظلمانی جیسے سورج کے سامنے دو حجاب ہیں، دیواریں اور خود نورانیتِ خورشید، ہم دیوار کے پیچھے سے بھی سورج کو نہیں دیکھ سکتے ہیں اور سورج کی نورانیت کی وجہ سے بھی سورج کو نہیں دیکھ سکتے ہیں، دونوں حجاب ہیں لیکن ایک حجاب نورانی ہے اور ایک ظلمانی ہے، اگر یہ جب جسمانی وسیا ہی نہ ہوتے تو ان تاریک پردوں کے باوجود،

☆ لم يمنع عن مشاهدة انوار الحكمة.....

اس نزول کے باوجود پھر بھی انوارِ حکمت پوشیدہ نہیں ہیں بلکہ ان پردوں کے پیچھے سے حکمت پھر بھی نمایاں ہے، حکمت پھر بھی متجلی ہے، حکمت پھر بھی انسان کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کر رہی ہے،

☆ ولمعات جمال الاحدية.....

اور خداوندِ تبارک و تعالیٰ کے جمال کی شعاعیں پھر بھی ان پردوں کے پیچھے سے قرآن کے اندر عیاں ہیں،

☆ بل تنورت الحروف والاصوات بنور المتكلم.....

بلکہ انسان اگر غور سے دیکھے تو یہ پردے بھی اس نور سے نورانی ہو گئے ہیں، یہ پردے، یہ تاریکیاں، یہ راتیں کہ جن کے اندر یہ نور لپیٹ کر نازل کیا گیا ہے، اس نور کی نورانیت سے یہ حجاب بھی نورانی ہو گئے ہیں، یہ حروف بھی نورانی ہیں، یہ صوت بھی نورانی ہے،

☆ و تشرفت الكتابة والارقام بشرفه.....

اور وہ مقام و منزلت و شرف کہ جو متکلم کا تھا، جو اس ذات کا تھا اس کی وجہ سے عبارت میں

بھی وہی نور آگیا ہے اور کتابت میں بھی وہی نور آگیا ہے۔

۱۲) قرآن کی حکمت اور عبارت کا تعلق

☆ فکان الصوت للحكمة جسدا ومسکنا.....

فکان کے معنی میں بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن فکان صار کے معنی میں پڑھیں گے یعنی

فصارت الصوت للحكمة جسدا ومسکنا.....

حکمت اصل نور خدا ہے اور عبارت و کتابت قرآن اس کے لئے پیکر، جسم اور مسکن بن گئی ہے، یہ مطلب بتانے کے لئے کہ قرآن کی حکمت اور عبارت کا آپس میں تعلق روح اور جسد کا ہے یہ ایک خوبصورت تمثیل و تشبیہ ہے۔ یہ حقیقت ہمیں تمام عبادات کے متعلق ذہن میں رکھنی چاہئے، جیسے روزہ ہے چونکہ ماہ رمضان میں روزہ مقدم ہو جاتا ہے اور نماز ثنائی ہو جاتی ہے، حج کے دنوں میں نماز کے بجائے حج مقدم ہو جاتا ہے، یعنی اپنے تئیں موسمی عبادتیں سمجھ کر، نا، نماز علی ای حال یعنی ہر صورت میں مقدم ہے، نماز ماہ رمضان میں بھی روزے پر مقدم ہے، جو مقام نماز کا ہے وہ روزے کا نہیں ہے باوجود اس تمام تر عظمت کے کہ جو روزے کو حاصل ہے لیکن ساری عبادتوں میں ہر عبادت کیلئے یہ حکم ہے کہ عبادت کا ایک جسد ہے، جسم ہے اور روح ہے، قرآن کا جسد ہے اور روح ہے یعنی انسان کا جسد ہے اور روح ہے، اس کائنات کا ایک جسد ہے اور ایک روح ہے، بعض روایات میں

ہے کہ یہ کل عالمِ جسد ہے اور امامِ حجتِ خدا، انسانِ کامل اس کی روح ہے، امامِ بمنزلہ روحِ عالم ہے، جس طرح انسان کے لئے روح ہے، اس جسم کے اندر روح ہے اور روح اساس و بنیاد ہے، جسم کی حیات روح کی وجہ سے ہے، اگر روح نہ ہو تو جسم مردہ ہے، بیکار ہے اسی طرح عبادتوں کے اندر اگر جسم ہو مثلاً روزے میں بھوکا رہنا، یعنی فاقہ جسمِ روزہ ہے اور روحِ روزہ حقیقتِ دیگر ہے۔

اسی طرح عباراتِ قرآن جسمِ قرآن ہے اور حکمتِ روحِ قرآن ہے، احکامِ عباداتِ جسمِ عبادات ہیں، طہارت، وضو، پاک لباس، قبلہ رو ہونا، تکبیرۃ الاحرام، فاتحہ، عربی پڑھنا جسمِ عبادت ہے اور اس عبادت کے اندر ایک روح موجود ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی حیات ہے، جو اجارے میں صرف جسم پڑھتے ہیں روح نہیں پڑھتی ہے۔ چونکہ جنت کا آسرا آگیا ہے کہ اسی جسم سے جنت مل جاتی ہے، ہمیں بھی جنت جانا ہے، خدا تک تو نہیں جانا ہے، اس وجہ سے روح کی عبادت کو ضرورت نہیں سمجھتے ہیں، نا، زندہ عبادت اور حیاتِ عبادت روح کی وجہ سے ہے۔ قرآن میں حکمتِ روح ہے اور باقی یہ ظواہر الفاظ، صوت، یہ سب اس کا جسد ہے،

☆ و نور الحکمة للصوت نفساً و روحاً.....

قرآن کی عبارتیں، الفاظِ جسم ہیں اور قرآن کے اندر ان کی روح حکمت ہے،

☆ فکما ان اجساد البشر تکرّم بکرامة الروح.....

جس طرح سے انسانی جسم کی کرامت، انسانی جسم کا احترام اس کی روح کی وجہ سے ہے،

ورنہ اگر روح نہ ہو تو اس کا کوئی احترام نہیں ہے، حتیٰ مرنے کے بعد بھی جو اس کا احترام کرتے ہیں وہ

بھی روح کی وجہ سے کرتے ہیں کہ کل تک اس میں روح تھی ورنہ روح ختم ہوتے ہی وہ غیر محترم ہو گیا، جماد بن گیا، جب تک ایک جسم جمادی ہے وہ جسم غیر محترم ہے، جب تک روح کے ساتھ ہے تو جسم کی قیمت ہے، جب اس کا تعلق روح سے ہٹ گیا، ختم ہو گیا تو یہ بے قیمت ہے، لیکن پھر بھی کیوں احترام ہے؟ پھر اس کے بارے میں اتنے احکام کیوں ہیں؟ یہ اس وجہ سے ہیں کہ کل تک اس کا تعلق روح سے تھا یعنی سابقہ کسی چیز کا احترام ہے۔

جیسے طالب علموں کی اصطلاح ہے کہ جو مدرسوں کے مختلف علوم میں پڑھتے ہیں کہ وصف بلحاظ متعلق موصوف یعنی یہ صفت موصوف کی اپنی نہیں ہے، یہ موصوف کے کسی پڑوسی کی صفت ہے، پڑوس میں ہونے کی وجہ سے ہم یہ صفت موصوف کی طرف نسبت دے رہے ہیں، عموماً ہم بہت ساری چیزوں کا احترام اسی وجہ سے کرتے ہیں، ان کا احترام نہیں ہے کہ جن کے پاس یہ چیزیں ہیں بلکہ کسی اور کی وجہ سے احترام کرتے ہیں مثلاً آپ ایک مہمان کا احترام کرتے ہیں، کیوں کرتے ہیں؟ چونکہ اس کا میزبان محترم ہے، چونکہ یہ ان کا مہمان ہے اس وجہ سے میں اس کا احترام کرتا ہوں یا آپ فلاں آدمی کا احترام کرتے ہیں، کیوں کرتے ہیں؟ کیونکہ وہ میرے دوست کا دوست ہے، جاننے والا ہے، اس کے علاقے سے ہے، اس وجہ سے اس کا احترام کرتا ہوں۔

ایک استاد بزرگوار اکثر یہ مثال دیا کرتے تھے کہ جیسے یہ نالائق آقا زادے ہیں یعنی علماء کی اولاد، ان کا احترام لوگ بہت کرتے ہیں، بیٹے عموماً نالائق ہوتے ہیں، وہ یہ کہا کرتے تھے کہ ان کی سب سے بڑی نالائقی یہ ہے کہ یہ باپ کی کتابیں اٹھا کر بیچ دیتے ہیں، یہ فٹپاتھوں

(Footpaths) پہ جو بڑی قیمتی کتابیں بکھری ہوتی ہیں انہیں یہی آقا زادے اٹھا کر بیچ دیتے ہیں، ان کا لوگ بہت احترام کرتے ہیں کہ یہ فلاں آقا کا بیٹا ہے، یہ احترام کس کا ہے؟ یہ آقا کا احترام ہے، آقا کی وجہ سے ہے، یہ احترام حقیقت میں اس آقا زادے کا نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق آقا سے ہے لہذا ان کی وجہ سے ہم اس کا احترام کرتے ہیں، اس کو ہم مجازی احترام کہتے ہیں، یہ حقیقی احترام نہیں ہے، البتہ اس زمانے میں آقا کا احترام آقا زادے کی وجہ سے کرتے ہیں چونکہ سارے اختیارات آقا زادے کے پاس ہوتے ہیں اس وجہ سے آقا کی اہمیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔

غرض اگر جسم محترم ہیں تو روح کی وجہ سے محترم ہیں، اسی لئے کہا گیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی جسمِ مومن کا احترام کرو یا حتیٰ جسمِ انسان کا احترام کرو، اس کا کیوں احترام کرو؟ چونکہ کل تک روحِ انسانی اس کے ساتھ تھی، روح جسم کے پڑوس میں ہے، اس پڑوسی کا احترام ہے کہ جو اس کو حاصل ہو گیا ہے نہ کہ اس کا اپنا احترام ہے، اسی طرح قرآن کی عربی عبارت کا احترام کرو، اس میں کرامت ہے واقعاً اس کو تقدس حاصل ہے، یہ عربی الفاظ کا، عربی کتابت کا، عربی حروف کا تقدس کہاں سے ہوا؟ اس حکمت کی وجہ سے کہ جو ان کی روح ہے اور ان الفاظ کے اندر پنہاں ہے۔

☆ فکذلک اصوات الکلام تکرّم و تشرف بشرف الحکمة التی

فیہا.....

اسی طرح اس حکمت کی وجہ سے اس کلام کی کرامت اور شرف بھی ہے،

☆ اولاً تری انه رفیع المنزلة نافذ الحکم فی القلوب والبواطن.....

کیا نہیں دیکھتے ہو کہ قرآن کس قدر دلوں کے اندر اثر کرتا ہے، دلوں کے اندر عربی عبارت تو اثر نہیں کرتی ہے بلکہ وہ حکمت ہے کہ جو دلوں کے اندر اثر کرتی ہے، الفاظ صرف الفاظ ہیں، الفاظ علم نہیں ہیں لیکن انڈیا و پاکستان میں الفاظ علم ہیں، انگریزی زبان نہیں ہے بلکہ علم ہے، عربی بھی ایسے ہی ہے چونکہ وہ انگلش پڑھ کر عالم ہو جاتے ہیں اور یہ عربی پڑھ کر عالم ہو جاتے ہیں، ادبیات ختم کی اور حجۃ الاسلام ہو گئے، اسلام ابھی شروع نہیں کیا ہے، صرف ابھی سیوطی ختم کی ہے اور حجۃ الاسلام ہو گیا یعنی جیسے دینی مدرسوں میں عربی علم ہے اسی طرح دنیوی مدرسوں میں انگریزی علم ہے، جو انگریزی جانتا ہے وہ بہت بڑا علامہ بن جاتا ہے لیکن انگریزوں کے ہاں انگریزی علم نہیں ہے بلکہ وہ اس کو زبان ہی سمجھتے ہیں۔

پوری دنیا میں انگریزی زبان ہے، عربی بھی زبان ہے لیکن پاکستان اور ہندوستان کے مدارس میں عربی اور انگریزی دونوں علم ہیں۔ حالانکہ یہ صرف زبانیں ہیں، الفاظ ہیں، الفاظ کی حد تک ہیں، ان الفاظ کا تقدس اور ان الفاظ کی کرامت ان کے اندر موجود حکمت کی وجہ سے ہے چونکہ ان الفاظ کے اندر حکمت ہے یا یہ الفاظ حکمت پر دلالت کرتے ہیں یا ان الفاظ کے پردوں کے پیچھے حکمت موجود ہے لہذا اس حکمت کے نور نے الفاظ کو مقدس بنا دیا ہے ورنہ الفاظ کا تقدس اپنا نہیں ہے۔

۱۳) قرآن، نورِ حکمت

☆ فکیف علی الابدان و الظواہر؟.....

یعنی جس طرح سے اس کا اثر دلوں کے اندر ہوتا ہے اسی طرح سے ابدان اور ظواہر پر بھی

ہوتا ہے۔

☆ حیث لا طاقة للباطل ان يقوم بین یدی شعاع الحکمة.....

حکمت کے نور کے سامنے ظلمت ٹک نہیں سکتی ہے، جس طرح سے سورج کی شعاع کے سامنے ظلمت ٹک نہیں سکتی ہے۔ بشرطیکہ حکمت ہو، نورِ حکمت ہو، باطلِ ظلمت ہے، جب نورِ حکمت تجلی کرتا ہے، شمسِ حکمت طلوع ہوتا ہے تو شبِ ظلمت ختم ہو جاتی ہے، جس طرح سے یہ شمس صبح طلوع ہوگا تو ساری تاریکی ختم ہو جائے گی، کس کی وجہ سے؟ شمس کی وجہ سے، اس کی شعاعِ نورانی کی وجہ سے یہ ساری تاریکی بھاگ جائے گی، ختم اور نابود ہو جائے گی۔ زمانے میں، انسانوں کے ذہنوں میں، اعتقادات میں اور انسانی معاشرے کے اندر باطل کیوں موجود ہے؟ اس لئے کہ شمسِ حکمت قرآن طلوع نہیں ہوا ہے، وہ ابھی بھی پردوں کے پیچھے، الفاظ کے بادلوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے، ابھی افق سے طلوع نہیں ہوا ہے، افق سے کہاں طلوع ہوگا؟ کسی عالم کے دل پر، کسی مومن کے دل پر طلوع ہوگا، اگر یہ دل آمادہ ہو اور اس کے اندر شمسِ حکمتِ قرآن طلوع ہو تو اس دل سے باطل اور ظلمت ختم ہو جائے گی یعنی ممکن نہیں ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہمارے ہاں سورج طلوع ہو گیا ہے لیکن ابھی رات ختم نہیں ہوئی ہے، لوگ اسے دیوانہ کہیں گے کہ بھلا یہ کہاں ہو سکتا ہے کہ سورج طلوع ہو گیا

ہو لیکن ابھی رات ختم نہیں ہوئی ہو؟ اور رات کی جرأت کہاں ہے کہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد باقی رہے؟

اگر کسی کے دل میں قرآن کا نور طلوع ہو جائے اور پھر اس کے دل کے اندر باطل آجائے، نجاست، پلیدی اور رجس آجائے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ کوئی کہے کہ میں قرآن پڑھ کر ابھی بھی مشکل میں ہوں، باطل پھر بھی ذہن میں آتا ہے، وسوسہ پھر بھی ذہن میں آتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ابھی طلوع نہیں ہوا ہے، ابھی خواب دیکھ رہے ہو، جس طرح روزے میں کھانے کا خواب آتا ہے۔ روزے کی حالت میں آدمی سوئے تو خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ کچھ نہ کچھ کھا رہا ہے مگر کھا کر پھر بھی بھوکا ہی ہے، اسی طرح بعض اوقات انسان خواب دیکھتا ہے کہ میرے اندر نورِ حکمت طلوع ہو گیا ہے، یہ خواب ہے اگر نورِ حکمت طلوع ہوتا تو انسان کے اندر باطل موجود نہ ہوتا،

☆ کما لا يستطيع الظلمة ان يقوم قدام شعاع الشمس، وکما لا طاقة لضعفاء الابصار ان ينفذوا بابصارهم ضوء عين الشمس.....
جس طرح سے کمزور آنکھوں والوں کی طاقت نہیں ہے کہ وہ آنکھ بھر کر سورج کو دیکھ سکیں، سورج کے اوپر نظر جما سکیں،

☆ ولكن ينالون به على قدر ما يجيء به ابصارهم.....

دیکھتے ہیں مگر سورج کی طرف مستقیم نگاہ نہیں کرتے ہیں، ڈائریکٹ (Direct) نگاہ نہیں

کرتے ہیں،

☆ ويتسبون به الى حوايجهم، ويهتدون الى معاشهم.....

سورج کی پھیلی ہوئی روشنی میں اپنی حوائج اور ضروریات پوری کر لیتے ہیں، اسی طرح سے ہم سورج کو دیکھے بغیر کھیتوں میں سورج کی روشنی کے اثر سے جو فصل پکتی ہے اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں، جو پھل پکتے ہیں اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں اور سورج کی روشنی سے ہمیں جو جو فائدے حاصل کر سکتے ہیں وہ کر لیتے ہیں لیکن سورج کی روشنی کی طرف نگاہ نہیں کرتے ہیں، اسی طرح جو ضعفاء و کمزور لوگ ہیں وہ قرآن کی روشنی میں اپنی معاش پوری کر لیتے ہیں، جس طرح سورج کی روشنی میں فقط معیشت کے چکر میں ہیں لیکن سورج کے نور کی طرف نگاہ نہیں کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ قرآن کی نورانیت کے سائے میں فقط اپنی معیشت کے حصول کے چکر میں ہیں لیکن قرآن کے نور کی طرف توجہ نہیں کرتے ہیں،

☆ فكذلك لا طاقة لضعفاء العقول والبصائر.....

اسی طرح جن کی بصیرت اور عقل ضعیف ہے ان کے اندر بھی طاقت نہیں ہے،

☆ ان ينفذوا ببصائرهم نور عين الحكمة القرآنية.....

وہ بھی حکمت قرآنیہ کو تحمل نہیں کر سکتے ہیں،

☆ ولكن ينالون منه على قدر ما يستدلون به على صحة الاعتقاد الذي به

حياة العباد يوم المعاد.....

فقط اس حد تک کہ قرآن کی ایک آیت لے کر اپنے عقیدے پر استدلال کر لیتے ہیں، کسی

مطلب سے اپنا مسلک دینی حل کر لیتے، اپنا مدعا ثابت کر لیتے ہیں،

☆ و یہتدون بہ الی مصالح دینہم و دنیاہم.....

اس حد تک قرآن سے تمسک کرتے ہیں،

☆ و احکام اولاہم و اخراہم.....

کبھی کوئی (Case) کیس بن جائے تو کسی آیت قرآنی کا سہارا لے لیتے ہیں، کبھی جھگڑا ہو تو کسی آیت کی پناہ میں چلے جاتے ہیں، کبھی کوئی مفاد پھنس جائے تو آیت قرآن کے ذریعے سے اپنا مفاد دنیوی یا دینی حاصل کر لیتے ہیں لیکن بارگاہ قرآن میں حاضر نہیں ہوتے ہیں، ضرورت کے وقت کوئی ایک آیت پکڑ کر اس سے اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں،

☆ فالقرآن کا ملک المحجوب.....

قرآن اس بادشاہ کی طرح ہے کہ جو پردوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھا ہوا ہے،

☆ الغائب وجہہ.....

جس کا چہرہ نظر نہیں آتا ہے،

☆ والظاهر امرہ و حکمہ.....

لیکن اسکے فرامین ساری مملکت میں چل رہے ہوتے ہیں، لوگ اس کے فرامین سے اپنی

ضرورتیں پوری کر رہے ہوتے ہیں لیکن اس بادشاہ و شہنشاہ کی ضرورت انسانوں کو نہیں ہوتی ہے،

☆ وقد یہتدی الیہ وبہ من یقف علی سرہ.....

لیکن جس کو سلطان کی حقیقت پتہ چل جائے وہ پھر اس کے فرمان کے ذریعے سے اس کی حقیقت تک پہنچتا ہے، خود اس تک رسائی پیدا کرتا ہے،

☆ فہو مفتاح خزائن الملک والملکوت.....

اس کے فرامین اور اس کی ہدایات چابیاں بن جاتی ہیں، خود صاحبِ حکم کی طرف جانے کے لئے اس کی آیات دروازے بن جاتی ہیں۔

۱۴) قرآن، مشروبِ حیات

☆ وشراب الحیوة الذی من شرب منه لم یمت ابداً.....

قرآن کے اندر وہ مشروب ہے کہ انسان کو ایک گھونٹ مل جائے تو کبھی بھی موت نہیں آئے گی، یہ آیات اس مشروب کے لئے، اس شراب کے لئے درحقیقت مفتاح بن جاتی ہیں، زیادہ پریشان نہ ہوں شراب اصطلاحِ قرآن ہے، آیتِ قرآن ہے کہ

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا..... (۲۳)

اور انہیں ان کا پروردگار پاکیزہ شراب سے سیراب کرے گا۔

پہلے بھی مثال دی تھی کہ ایک بے ادب کی وجہ سے سارے درس معطل ہو گئے تھے، اسی بے ادب ہی کی ایک گفتگو یہ بھی تھی کہ اس نے کہا کہ آپ لوگ یہ کیا جملے استعمال کرتے ہو؟ مثلاً شراب، مے اور میخانہ و فلاں و فلاں، یہ کیوں اپنی کتابوں میں لکھتے ہو اور اپنی باتوں میں کہتے ہو؟ استاد نے

جواب دیا کہ یہ قرآن میں ہے، شراب کا تذکرہ قرآن میں ہے، کہا کہ قرآن میں کہاں ہے؟ تو انہوں نے آیت پڑھ کر سنائی،

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا.....

تو اس نے کہا کہ آپ کی گستاخی کی حد یہ ہوگئی ہے کہ قرآن میں بھی آیتیں جال کر کے ڈالتے ہو؟ یعنی اس انسان نے عمر بھر میں قرآن ہی نہیں پڑھا تھا، اس کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ آیت قرآن ہے۔

☆ ودواء اسقام الجہالات.....

قرآن دوا ہے، شفاء ہے،

☆ وشفا امراض ذمائم الصفات التي من سقى منه شربة لم يسقم

اصلاً.....

اور اگر انسان اس دوا کا ایک گھونٹ پی لے تو عمر بھر بلکہ ابد تک کبھی بیمار نہیں ہوگا، بشرطیکہ اجارہ چھوڑ دے، اس نور و حکمت تک پہنچے، پردوں کے پیچھے سے قرآن کی حقیقت تک پہنچے، روایت میں بھی ہے کہ اگر انسان ایک آیت قرآن کو درک کر لے تو نجات یافتہ ہے، چونکہ وہ ایک آیت قرآن درحقیقت کل قرآن کے ساتھ مربوط ہے، قرآنی آیات کٹے ہوئے جزیرے نہیں ہیں بلکہ معرفت اور ہدایت کا ایک مربوط مجموعہ ہے، ایک آیت انسان کو پورے نظام سے وابستہ کر دیتی ہے، جس طرح ایک نبی سے رابطہ کل انبیاء علیہم السلام سے رابطہ ہے۔

نام احمد نامِ جملہ انبیاست

چون کہ صد آمدنود ہم پیش ماست..... (۲۴)

آپ ایک احمد ﷺ کو قبول کرلو، احمد ﷺ پر ایمان لے آؤ تو گویا سارے انبیاء علیہم السلام پر

ایمان لے آئے۔

پس فقط ایک آیت قرآن انسان کو کل قرآن سے مربوط کر دیتی ہے بشرطیکہ انسان اس کو

درک کرے، اس کی عظمت کو درک کرے، اس کے نور کو سمجھے کہ میں کس کی بارگاہ میں موجود

ہوں۔ لہذا یہ ادب قرآن فہمی میں کلیدی اہمیت رکھتا ہے اور اگر انسان اس ادب پر عمل کر لے تو انسان

کیلئے معرفت کا دوسرا درخود کھل جاتا ہے۔ ادب دوم انشاء اللہ اگلی فصل میں درج کیا جائے گا۔

قرآن، مشربِ حیات

www.ziaaraab.com
jabir.abbas@yahoo.com

حواله جات

- (۱).....(الانسان الكامل فی نهج البلاغة، الجزء ۲، صفحہ ۱) (بہج الصباغة فی شرح نهج البلاغة) (پیام امام امیر المؤمنین) (ترجمہ نهج البلاغة - انصاریان) (قرآن در نهج البلاغة) (قرآن در آئینہ نهج البلاغة) (مہدی منتظر در نهج البلاغة) (شرح نهج البلاغة- ابن ابی الحدید)
- (۲).....(سورہ مبارکہ قمر، آیہ ۲۰، ۲۲، ۱۷)
- (۳).....(سورہ مبارکہ بقرہ، آیہ ۵۵)
- (۴).....(مثنوی معنوی، بہ تصحیح: ریتولد ا. نیکلسون، دفتر سوم، صفحہ ۵۰۱)
- (۵).....(سورہ مبارکہ آل عمران، آیہ ۱۹۳)
- (۶).....(ارشاد القلوب، الجزء ۶، صفحہ ۲) (متشابه القرآن، الجزء ۱، صفحہ ۱۱۶) (مختصر بصائر الدرجات- الحسن بن سلیمان الحلی، الجزء ۱، صفحہ ۱۶۷) (مستدرک سفینۃ البحار- العلامة آیۃ اللہ الشیخ علی النمازی، الجزء ۳، صفحہ ۴۴۰)
- (۷).....(أهل البيت فی تفاسیر أهل السنة)
- (۸).....(سورہ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۴۳)
- (۹).....(سورہ مبارکہ نساء، آیہ ۱۵۳)
- (۱۰).....(سورہ مبارکہ حشر، آیہ ۲۱)
- (۱۱).....(سورہ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۴۳)

(۱۲).....(سورۃ مبارکہ قدر، آیہ ۱)

(۱۳).....(سورۃ مبارکہ دخان، آیہ ۳)

(۱۴).....(سورۃ مبارکہ قدر، آیہ ۳)

(۱۵).....(فی رحاب القرآن) (الامثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل - الشیخ

ناصر مکارم الشیزازی مدظلہ، الجزء ۸، صفحہ ۳۲۲) (النظام القرآنی)

(التفسیر و المفسرون) (فی رحاب القرآن) (التفسیر الصافی - الفیض الکاشانی،

الجزء ۱، صفحہ ۷۷) (بحار الأنوار، الجزء ۸۹، صفحہ ۱۰۷) (مستدرک سفینة

البحار، الجزء ۲، صفحہ ۸۳)

(۱۶).....(التحفة السنية)

(۱۷).....(الكافی - الكلینی، الجزء ۸، صفحہ ۳۲۷) (میزان الحکمة -

الريشهری، الجزء ۸، صفحہ ۱۸۶) (الوجیز فی أصول العقائد وأحكام

التقليد والبلوغ، الجزء ۱، صفحہ ۲۱)

(۱۸).....(ارشاد القلوب، الجزء ۴۶، صفحہ ۲) (متشابه القرآن، الجزء ۱، صفحہ ۱۱۶)

(مختصر بصائر الدرجات - الحسن بن سليمان الحلبي، الجزء ۱، صفحہ ۱۶۷)

(مستدرک سفينة البحار - آية الله الشيخ علي النمازي، الجزء ۳، صفحہ ۴۴۰)

(۱۹).....(اثنا عشر رسالة - المحقق الداماد، الجزء ۸، صفحہ ۱۱) (اسرار نماز)

(روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني - شهاب الدين محمود

بن عبد الله الحسيني الألوسي، المتوفى: ۱۲۷۰ هـ، الجزء ۱، صفحہ ۴۱۴)

(۲۰)..... (سورۃ مبارکہ ق، آیہ ۱۶)

(۲۱)..... (سورۃ مبارکہ انفال، آیہ ۲۴)

(۲۲)..... (سورۃ مبارکہ واقعہ، آیہ ۸۵)

(۲۳)..... (سورۃ مبارکہ انسان، آیہ ۲۱)

(۲۴)..... (مثنوی معنوی، بہ تصحیح: رینولد ا. نیکلسون، دفتر اول، صفحہ ۵۳)

www.ziaraat.com
jagir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

فصل ادب دوم

﴿طہارتِ قلب﴾

(حصہ اول)

- ۱) طہارتِ قلب کی ضرورت
- ۲) قلب سے مراد
- ۳) قلب کو قلب کیوں کہتے ہیں؟
- ۴) قرآن کے مطابق قلب کی مختلف حالتیں اور اقسام
- ۵) حقیقی دل اور اعزازی دل
- ۶) خود فراموشی، خدا فراموشی کا نتیجہ
- ۷) قرآن کو کرتب کیلئے استعمال نہ کریں
- ۸) قرآن کے مطابق دل کے امور کی اقسام
- ۹) قرآن ظرفِ نورانی پر اترتا ہے
- ۱۰) طہارتِ ظاہری و طہارتِ باطنی
- ۱۱) طہارت کے درجے

۱) طہارتِ قلب کی ضرورت

آدابِ فہمِ قرآن میں ادبِ دوم طہارتِ قلب ہے چونکہ ظرفِ نزولِ قرآن دل ہے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن کو قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل کیا ہے اور نزول سے مراد فہم قرآن ہے، نزولِ قرآن بر قلب بھی فہم سے ہی مناسبت رکھتا ہے۔ قرآن مسلسل حالتِ نزول میں ہے، قرآن کا ایک نزول مسلسل و مستمر ہے یعنی ہر وہ شخص کہ جس تک قرآن پہنچ رہا ہے یہ درحقیقت نزولِ قرآن ہے، قرآن کا لوح محفوظ سے قلبِ نورانی پیغمبر ﷺ پر آنا بھی نزول ہے اور یہ بھی اسی مطلب پر ایک دلیل ہے کہ نزول سے مراد قابلِ فہم بنانا ہے، خداوند تعالیٰ نے قرآن کو نازل قرار دیا ہے یعنی عام معمولی انسانوں کے لئے قابلِ فہم قرار دیا ہے، ان کی سطحِ ذہنی اور سطحِ فہم تک قرآن کو نازل کیا ہے، اس نور کو مختلف حجابوں میں مستور کر کے انسان کی دسترس میں قرار دیا ہے اور محلِ نزول کاغذ نہیں ہے، جلد نہیں ہے اور کوئی صفحہ نہیں ہے بلکہ خود قلبِ انسان ہے۔

قلب پر نازل ہونے کے معانی بھی یہی ہیں کہ نزول کا تعلق فہم سے ہے، یہ نزول بر فہم ہے اور قرآن کا قلبِ پیغمبر اکرم ﷺ سے قلوبِ مومنین تک آنا اور دسترسِ انسان میں آنا بھی نزول ہے یعنی یہ بھی فہمِ قرآن ہے لیکن جب تک یہ دل تیار نہ ہو، آمادہ نہ ہو اور قرآن سے اس کی مناسبت نہ بن جائے تو ہرگز قرآن دل میں نہیں اترتا ہے چونکہ قرآن نور ہے اور نور فقط ظرفِ نورانی میں اترتا ہے، پس محلِ نزولِ قرآن قلبِ انسان ہے لہذا پہلے انسان اپنے دل کی تطہیر کریں، تزکیہ کریں اور پھر اس کے بعد اس کو نزولِ قرآن کے لئے آمادہ کریں، شہرِ رمضان محلِ ظرفِ نزولِ قرآن ہے، ظرفِ زمانی

ہے اور خداوند تبارک و تعالیٰ نے ماہِ رمضان میں صیام واجب قرار دیا اور صوم کی حکمت تقویٰ رکھی ہے
یعنی تزکیہ دل رکھی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (۱)

اے صاحبانِ ایمان تمہارے اوپر روزے اسی طرح لکھ دیئے گئے ہیں جس طرح تمہارے
پہلے والوں پر لکھے گئے تھے شاید تم اسی طرح متقی بن جاؤ۔
یعنی روزے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ تمہارا دل متقی ہو جائے، پاک و صاف ہو جائے اور
جب یہ دل پاک ہوگا تو اس کے اندر قرآن نازل ہوگا پس روزہ درحقیقت انسان کے دل کو قرآن کی
فہم کے لئے آمادہ کرتا ہے اور تطہیرِ قلب کا کام کرتا ہے۔

۲) قلب سے مراد

قلب مرکزِ فہم انسان ہے۔ دل سے مراد یہ دل نہیں ہے کہ جو انسان کے سینے میں دھڑکتا
ہے، قلب مافی الصدر سے مراد بھی کہ جسے قرآن نے استعمال کیا ہے وہ دل نہیں ہے، اس کا کام فقط
خون پہنچانا ہے، یہ ایک جسمانی چیز ہے اور اس کا عمل بھی جسمانی ہے اگرچہ اس کا قلب حقیقی سے تعلق
ہے چونکہ انسان روح ہے اور روح و جسم کا آپس میں ناتا اور رابطہ ہے، جیسے آنکھ کھلتی ہے تو روح
دیکھنے کے قابل ہوتی ہے یا زبان چلتی ہے تو روح بولتی ہے، انسان کا جسم تو نہیں بولتا ہے بلکہ نفس



انسان تکلم کرتا ہے، روح انسان متکلم حقیقی ہے لیکن اگر زبان نہ چلے تو روح تکلم نہیں کرتی ہے یا تکلم روح ظاہر نہیں ہوتا ہے، اسی طرح آواز کان میں پڑے تو روح سنتی ہے، حقیقتاً سامنے روح انسان ہے، نفس انسان ہے، اسی طرح فہم بھی روح کا کام ہے، نفس کا کام ہے اور قلب اسی مرکزِ فہم کو کہتے ہیں۔

کبھی قرآن کا مطالعہ موضوعِ قلب کے عنوان سے کریں، سات دن میں قرآن کا ایک دورہ کریں، موضوع کے لحاظ سے دیکھیں کہ قلب کا تذکرہ قرآن نے کہاں کہاں کیا ہے؟ اور کس مناسبت سے ہے؟ پورا قرآن اول سے آخر تک پڑھیں البتہ سہولت بھی موجود ہے، معجم دیکھ کر جن آیات میں قلب کا تذکرہ ہے اس کو تلاش کر سکتے ہیں لیکن ضروری نہیں ہے کہ دل کا تذکرہ دل کے نام سے ہی ہو، قلب کا تذکرہ قلب کے عنوان سے ہی ہو، ممکن ہے مادہ قلب استعمال نہیں ہوا ہو بلکہ کسی اور صدر کے ذریعے سے مثلاً فہم کے ذریعے سے، تعقل کے ذریعے سے اور بہت سارے عناوین سے قرآن نے قلب کا ذکر کیا ہو، معجم سے بھی کام لے سکتے ہیں لیکن بہتر ہے کہ اول سے یعنی بسم اللہ سے لے کر والناس تک ایک دفعہ دیکھیں کہ دل اور دل کے مترادف، ہم معنی اور قریب المعنی الفاظ قرآن نے کس لئے استعمال کئے ہیں؟ پھر ہمیں بخوبی اندازہ ہوگا کہ دل کیا چیز ہے؟ دل سے متعلق قرآنی اصطلاحات و استعمالات کا محصول و ماحصل یہ ہے کہ دل مرکزِ فہم انسان ہے۔

صدر المتألهینؑ نے ایک شعر نقل کیا ہے کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیشہ جگہوں کے نام، مقامات کے نام ان چیزوں کی وجہ سے پڑتے ہیں کہ جو چیزیں ان کے اندر موجود ہیں، مثلاً جہاں پر

جانور باندھے جائیں اس کو کیا کہیں گے؟ باڑہ، طویلہ یعنی جہاں ریوڑ باندھا جائے اور جہاں گاڑیاں کھڑی کی جائیں اس کو گیرج (Garage) کہیں گے، جہاں پر غلہ انبار کیا جائے اس کو گودام (Godown) یا اسٹور (Store) کہیں گے اور وہیں سے غلے کی بوریاں اٹھا کر گھوڑے باندھیں تو اس کو کیا کہیں گے؟ اصطبل، جہاں صنعتی اشیاء رکھی جاتی ہیں اسے ویر ہاؤس (Warehouse) کہیں گے یعنی جگہ کا نام چیز کی وجہ سے ہے کہ جو اس کے اندر پڑی ہوئی ہے، ظرف کا نام مظروف کی وجہ سے ہے، مثلاً آپ نے ایک شیڈ (Shed) بنایا کہ جو خالی شیڈ ہے، اس کو کچھ بھی نہیں کہیں گے، نہ گودام کہیں گے اور نہ ہی اصطبل کہیں گے، پہلے انتظار کریں گے کہ اس میں کچھ رکھا جائے تاکہ پتہ چلے کہ یہ کیا ہے؟ اگر آپ نے اس میں گاڑیاں کھڑی کرنی شروع کر دیں تو اسی کو گیرج کہیں گے، اگر آپ نے اسی میں گھوڑے باندھ دیئے اسی کو اصطبل کہیں گے، اگر آپ نے اسی میں بوریاں رکھی ہیں تو اس کو گودام کہیں گے، اگر ان اشیاء کی وجہ سے نام پڑتا ہے تو پھر دل کس کو کہتے ہیں؟ دل اس کو کہتے ہیں کہ جس میں یادِ خدا ہو۔ امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ

الْقَلْبُ حَرَمُ اللَّهِ..... (۲)

دل اللہ کا حرم ہے.....

قلب اسی کو کہتے ہیں کہ جس میں یادِ خدا ہو، جس میں یادِ خدا نہ ہو تو اس کو دل نہیں کہتے ہیں صدر المتلہینؒ فرماتے ہیں کہ بعض نے اس کو دل غلط کہا ہے، پہلے ان کے اندر جا کر دیکھو کہ کیا ہے؟ مثلاً جہاں حب مال ہو، صبح و شام مال کی فکر میں ہو تو اس کو آپ کیا کہیں گے؟ اس کو دل تو نہیں کہہ سکتے

ہو بلکہ اس کو بینک کہیں گے، بعض ایسے ہیں کہ جن کو غلوں سے زیادہ رغبت ہے، غذاؤں سے زیادہ رغبت ہے تو یہ تو گودام ہے دل نہیں ہے، بعض ایسے ہیں کہ جن کو گاڑیوں کی محبت ہے تو یہ تو گیرج ہے دل نہیں ہے لہذا اکثر دل کہ جن کو ہم دل کہتے ہیں اگر ان کا دروازہ کھول کر دیکھیں تو یا گودام ہوں گے یا اصطبل ہوں گے اور اصطبل و گودام میں خدا نہیں ہے اور نہ پاکی و تطہیر ہے۔

۳) قلب کو قلب کیوں کہتے ہیں؟

دل کو دل کس وجہ سے کہتے ہیں؟ قلب کو قلب کس وجہ سے کہتے ہیں؟ قلب کی وجہ سے اسے قلب کہتے ہیں یعنی دائماً ایک حال سے دوسرے حال میں بدلتا رہتا ہے اور چونکہ یہ دل بھی کہ جو سینے میں ہے، جو پمپ کا کام کرتا ہے یہ بھی دائماً حالت بدلتا رہتا ہے، ایک حال سے دوسرے حال میں جاتا رہتا ہے اس وجہ سے اس کو بھی دل کہتے ہیں، قلب حقیقی انسان بھی اسی طرح سے ہے، دائماً ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

۴) قرآن کے مطابق قلب کی مختلف حالتیں اور اقسام

قرآن مجید نے بطور مفصل قلب انسان کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے مختلف حالات اور اقسام ذکر کی ہیں۔ مثبت حالات، منفی حالات اور مناسب و نامناسب حالات دونوں ذکر کئے ہیں، ذیل میں ان کی فہرست درج کی جا رہی ہے۔

۱) قلبِ غلیظ: (سورۃ آل عمران ۳، آیہ ۱۵۹)

۲) قلبِ سلیم: (سورۃ شعراء ۲۶، آیہ ۸۹) (سورۃ صافات ۳۷، آیہ ۸۴)

۳) قلبِ متکبر و جبار: (سورۃ غافر ۴۰، آیہ ۳۵)

۴) قلبِ منیب: (سورۃ ق ۵۰، آیہ ۳۳)

۵) قلبِ اٹیم: (سورۃ بقرہ ۲، آیہ ۲۸۳)

۶) قلبِ مطمئن: (سورۃ نحل ۱۶، آیہ ۱۰۶) (سورۃ بقرہ ۲، آیہ ۲۶۰) (سورۃ رعد ۱۳، آیہ ۲۸)

(سورۃ انفال ۸، آیہ ۱۰)

۷) قلبِ غافل: (سورۃ کھف ۱۸، آیہ ۲۸)

۸) قلبِ مریض: (سورۃ احزاب ۳۳، آیہ ۶۰ & ۱۲) (سورۃ بقرہ ۲، آیہ ۷۸ & ۷۹)

(سورۃ مائدہ ۵، آیہ ۵۲) (سورۃ انفال ۸، آیہ ۴۹) (سورۃ توبہ ۹، آیہ ۱۲۵)

(سورۃ نور ۲۴، آیہ ۵۰) (سورۃ محمد ۴۷، آیہ ۲۹ & ۲۰) (سورۃ مدثر ۷۴، آیہ ۳۱)

۹) قلبِ مختوم: (سورۃ جاثیہ ۴۵، آیہ ۲۳) (سورۃ انعام ۶، آیہ ۴۶)

۱۰) قلبِ واحد: (سورۃ احزاب ۳۳، آیہ ۴)

۱۱) قلبِ مرعوب: (سورۃ آل عمران ۳، آیہ ۱۵۱) (سورۃ انفال ۸، آیہ ۱۲)

قرآن کے مطابق قلب کی مختلف حالتیں اور اقسام

(سورۃ احزاب ۳۳، آیہ ۲۶) (سورۃ حشر ۵۹، آیہ ۲)

(۱۲) قلبِ مطبوع: (سورۃ اعراف ۷، آیہ ۱۰۱) (سورۃ یونس ۱۰، آیہ ۷۴)

(سورۃ روم ۳۰، آیہ ۵۹) (سورۃ اعراف ۷، آیہ ۱۰۰) (سورۃ توبہ ۹،

آیہ ۹۳ & ۸۷) (سورۃ نحل ۱۶، آیہ ۱۰۸) (سورۃ محمد ۴۷، آیہ ۱۶)

(سورۃ منافقون ۶۳، آیہ ۳)

(۱۳) قلبِ نافہم: (سورۃ اعراف ۷، آیہ ۱۷۹)

(۱۴) قلبِ مزیغ: (سورۃ توبہ ۹، آیہ ۱۱۷) (سورۃ آل عمران ۳، آیہ ۸)

(سورۃ صف ۶۱، آیہ ۵)

(۱۵) قلبِ متقی: (سورۃ حج ۲۲، آیہ ۳۲)

(۱۶) قلبِ عاقل: (سورۃ حج ۲۲، آیہ ۴۶)

(۱۷) قلبِ اعمیٰ: (سورۃ حج ۲۲، آیہ ۴۶)

(۱۸) قلبِ متقلب: (سورۃ نور ۲۴، آیہ ۳۷)

(۱۹) قلبِ مشمئز: (سورۃ زمر ۳۹، آیہ ۴۵)

(۲۰) قلوب در حناجر: (سورۃ احزاب ۳۳، آیہ ۱۰) (سورۃ غافر ۴۰، آیہ ۱۸)

(۲۱) قلبِ مقفل: (سورۃ محمد ۴۷، آیہ ۲۴)

(۲۲) قلب با سکینہ: (سورہ فتح ۲۸، آیہ ۱۸ & ۴)

(۲۳) قلب رؤوف، قلب رحیم، قلب راہب: (سورہ حدید ۵۷، آیہ ۲۷)

(۲۴) قلب واجف: (سورہ نازعات ۷۹، آیہ ۸)

(۲۵) قلب صایغ: (سورہ تحریم ۶۶، آیہ ۴) (سورہ انعام ۶، آیہ ۱۱۴)

(۲۶) قلب قاسیہ: (سورہ بقرہ ۲، آیہ ۷۴) (سورہ مائدہ ۵، آیہ ۱۳) (سورہ حج ۲۲،

آیہ ۵۳) (سورہ زمر ۳۹، آیہ ۲۲) (سورہ حدید ۵۷، آیہ ۱۶)

(۲۷) قلب مألوف: (سورہ آل عمران ۳، آیہ ۱۰۳) (سورہ انفال ۸، آیہ ۶۳)

(سورہ توبہ ۹، آیہ ۶۰)

(۲۹) قلب عامد: (سورہ احزاب ۳۳، آیہ ۵)

(۳۰) قلب مطہر: (سورہ احزاب ۳۳، آیہ ۵۳)

(۳۱) قلب معلوم: (سورہ احزاب ۳۳، آیہ ۵۱)

(۳۲) قلب مزین: (سورہ فتح ۲۸، آیہ ۱۲) (سورہ حجرات ۴۹، آیہ ۷)

(۳۳) قلب مغلوف: (سورہ بقرہ ۲، آیہ ۸۸) (سورہ نساء ۴، آیہ ۱۵۵)

(۳۴) قلب بے ایمان: (سورہ حجرات ۴۹، آیہ ۱۴)

(۳۵) قلب مکنون (محبوب): (سورہ فصلت ۴۱، آیہ ۵)

(سورہ انعام ۶، آیہ ۲۵)

(سورہ اسراء ۱۷، آیہ ۳۶)

(سورہ کھف ۱۸، آیہ ۵۷)

(۳۶) قلب با غل: (سورہ حشر ۵۹، آیہ ۱۰)

(۳۷) قلب مشرب: (سورہ بقرہ ۲، آیہ ۹۳)

(۳۸) قلوب متشابہ: (سورہ بقرہ ۲، آیہ ۱۱۸)

(۳۹) قلب با حسرت: (سورہ آل عمران ۳، آیہ ۱۵۶)

(۴۰) قلب منافق: (سورہ آل عمران ۳، آیہ ۱۶۷) (سورہ مائدہ ۵، آیہ ۴۱)

(سورہ توبہ ۹، آیہ ۷۷) (سورہ ہود ۱۱، آیہ ۴۸)

(۴۱) قلب مطہر و نجس: (سورہ مائدہ ۵، آیہ ۴۱)

(۴۲) قلب واجل: (سورہ انفال ۸، آیہ ۲) (سورہ حج ۲۲، آیہ ۳۵)

(سورہ مومنون ۲۳، آیہ ۶۰)

(۴۳) قلب آبی (مائع): (سورہ توبہ ۹، آیہ ۸)

(۴۴) قلب با غیظ: (سورہ توبہ ۹، آیہ ۱۵)

۴۵) قلبِ مرتاب: (سورۃ توبہ ۹، آیہ ۱۱۰ & ۴۵) (سورۃ نور ۲۴، آیہ ۵۰)

۴۶) قلبِ منصرف: (سورۃ توبہ ۹، آیہ ۱۲۷)

۴۷) قلبِ مشدد: (سورۃ یونس ۱۰، آیہ ۸۸)

۴۸) قلبِ منکر: (سورۃ نحل ۱۶، آیہ ۲۲)

۴۹) قلبِ مربوط: (سورۃ کھف ۱۸، آیہ ۱۴)

۵۰) قلبِ لاہی: (سورۃ انبیاء ۲۱، آیہ ۳)

۵۱) قلبِ محبت: (سورۃ حج ۲۲، آیہ ۵۴)

۵۲) قلبِ غامر: (سورۃ مؤمنون ۲۳، آیہ ۶۳)

۵۳) قلبِ مفزع: (سورۃ سبا ۳۴، آیہ ۲۳)

۵۴) قلبِ لین: (سورۃ زمر ۳۹، آیہ ۲۳)

۵۵) قلبِ متعصب: (سورۃ فتح ۴۸، آیہ ۲۶)

۵۶) قلبِ ممتحن: (سورۃ حجرات ۴۹، آیہ ۳)

۵۷) قلبِ خاشع: (سورۃ حدید ۵۷، آیہ ۱۶)

قرآن کے مطابق قلب کی مختلف حالتیں اور اقسام

۵۸) قلبِ مؤمن: (سورۃ مجادلہ ۵۸، آیہ ۲۲)

۵۹) قلوبِ متفرقہ: (سورۃ حشر ۵۹، آیہ ۱۴)

۶۰) قلبِ مرین: (سورۃ مطفقین ۸۳، آیہ ۱۴)

الغرض یہ قلب کبھی اپنی بہترین حالت پر ہوتا ہے، بہترین قلب یعنی ایسا قلب جو پاک و صاف ہو، با طہارت ہو اور نامناسب قلب یعنی جس کی حالت مناسب نہ ہو، جو بیمار دل ہو۔ انشاء اللہ اس فصل کے حصہ دوم میں دل کی کچھ بیماریوں کی طرف مختصراً اشارہ کیا جائے گا۔

یہاں یہ نکتہ تحریر کرنا ضروری ہے کہ آدابِ قرآن کی اس بحث کو پڑھ لینے سے انسان مودب بہ آداب نہیں ہو جاتا ہے۔ یہاں صرف آداب کی نشاندہی ہو رہی ہے یعنی شناخت و آگاہی پیدا کر رہے ہیں لیکن یہ آداب ایجاد کرنے کی اور ان کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے، ان میں سے ہر ادب تک پہنچنے کے لئے انسان کو محنت و زحمت اور عملی کوشش کی ضرورت ہے اور اس کوشش کے بغیر انسان کسی ایک ادب سے بھی متصف نہیں ہو سکتا ہے مثلاً فہمِ عظمتِ قرآن میں صرف اشارہ دینا اور توجہ دلانا مقصود تھا کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے عظمتِ کلامِ الہی کی طرف توجہ ضروری ہے نہ یہ کہ اب جبکہ ہم نے یہاں پر پڑھ لیا ہے کہ آدابِ فہمِ قرآن میں سے ایک توجہ درِ عظمتِ قرآن ہے تو پس ایک ادب ہمارے اندر پیدا ہو گیا ہے، نہیں بلکہ ایک ادب کی طرف ہماری توجہ ہوئی ہے، ابھی اس ادب تک پہنچنا اور اس سے متادب ہونا باقی ہے، اس ادب سے اپنی فہم کو متصف کرنا ہنوز باقی ہے۔ اسی طرح ادبِ دوم طہارتِ قلب ہے یعنی دلِ انسان پاک ہو، انسان اپنے دل کو پاک کرے۔ ناپاک

دل کبھی بھی قرآن نہیں سمجھ سکتا ہے، ابھی اشارہ ہوگا کہ دل کی تطہیر سے کیا مراد ہے، پس ان آداب کو پڑھ لینے کے بعد اور توجہ ہو جانے کے بعد پھر عملاً کوشش کریں کہ یہ آداب ہمارے اندر پیدا ہو جائیں، ان آداب سے ہمارا نفس، ہمارا دل اور ہمارا وجود متصف و مزین ہو جائے، یہ صفات عملی طور پر ہمارے عمل کے اندر اور ہماری فہم کے اندر رونما ہو جائیں۔

۵) حقیقی دل اور اعزازی دل

چونکہ قرآن دل پہ نازل ہوا ہے پس دل کا تعلق فہم سے ہے اور دل سے مراد بھی روح کا دل، نفس کا دل ہے کہ جو حقیقی دل انسان ہے۔ سینے کے اندر موجود دل کو مجازاً، اعزازی طور پر دل کہتے ہیں جیسے ہم اعزازی طور پر کسی کو بہت سارے عناوین دے دیتے ہیں درحالیکہ حقیقتاً وہ اس مصداق کے اور اس عنوان کے قابل نہیں ہوتا ہے، اعزازی طور پر یعنی عزت بخشی کے لئے، عزت افزائی کے لئے کوئی نہ کوئی لقب دے دیتے ہیں، مثلاً علمی ڈگریاں ہیں کہ اعزازی طور پر حکمرانوں کو یا کسی ایسی شخصیت کو کہ جس نے کوئی کارنامہ کیا ہے اسے دے دیتے، جیسے چھوٹے چھوٹے بچوں کو قرآن سنانے پر ڈاکٹریٹ (Doctorate) کی ڈگری دے دیتے ہیں، یہ اعزازی ڈگریاں ہیں نہ کہ وہ واقعاً ڈاکٹر ہو گیا ہے یا پی ایچ ڈی کر لی ہے، یہ عزت افزائی کے لئے ہے چونکہ اس نے قرآن سیکھا ہے، پڑھا ہے اور لوگوں کو محفوظ کرتا ہے۔

یہ اعزاز دینا دین میں بھی ہے، خداوند تبارک و تعالیٰ نے بھی بعض کو اعزازی ڈگریاں دی

ہیں جیسے اعزازی شہداء ہیں، شہیدِ حقیقی وہ ہے جو معرکہ حق و باطل میں قتل ہو جائے یعنی میدان میں، مقتل میں خود جائے اور اپنی موت کو اور شہادت کو خود چنے و انتخاب کرے یعنی جو زندگی پر موت کو ترجیح دے اور موت کو اپنے لئے انتخاب کرے تو یہ شہیدِ حقیقی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا..... (۳)

اور خبردار راہِ خدا میں قتل ہونے والوں کو مردہ خیال نہ کرنا.....

وہ جو چل کے جاتا ہے، موت اور حیات میں موت کو اپنے لئے منتخب کرتا ہے وہ حقیقی شہید ہے لیکن کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جو اچھے اعمال انجام دیتے ہیں، جن کے اندر اچھی اچھی صفات موجود ہیں اور جن کے اندر بہت ساری خوبیاں ہیں تو ان کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور ان کو بھی یہ عزت دی گئی ہے کہ انہیں بھی شہداء کا درجہ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی انسان یہ کام کرتے ہوئے مر جائے تو وہ بھی شہید ہے حتیٰ

مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ..... (۴)

جو اپنے مال سے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے.....

مَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ..... (۵)

جو اپنے اہل خانہ کو بچاتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے.....

مَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ..... (۶)

جو اپنے خون (جان) کو بچاتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے.....

مَنْ قُتِلَ دُونَ مَظْلَمَتِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ..... (۷)

جو اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے.....

مَنْ قُتِلَ دُونَ عِيَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ..... (۸)

جو اپنے عیال کو بچاتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے.....

مَنْ قُتِلَ دُونَ نَفْسِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ..... (۹)

جو اپنے نفس کو بچاتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے.....

اسی طرح وارد ہوا ہے کہ مَنْ قُتِلَ دُونَ عَرَضِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، یعنی اگر کوئی اپنی عزت کو بچاتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔ حتیٰ اگر انسان اپنے حق کا دفاع کرتا ہے اور مرنا بھی نہیں چاہتا ہے لیکن کسی نے مار دیا تو وہ بھی شہید ہے، یہ اعزاز ہے جو خداوند تبارک و تعالیٰ نے دیا ہے۔ اسی طرح ایک دل حقیقی ہے یعنی جو انسان کی روح کا دل ہے، نفس کا دل ہے، دل غیر جسمانی ہے لیکن عزت و اعزاز کے لئے جو دل بدن میں خون پہنچاتا ہے یہ بھی بدن اور جسم کے اندر ایک اہمیت رکھتا ہے اور حیاتِ بدن اس کی رہینِ منت ہے اس وجہ سے اس کو بھی دل کہتے ہیں۔

خود فراموشی، خدا فراموشی کا نتیجہ

۶) خود فراموشی، خدا فراموشی کا نتیجہ

اگر ہم مختصر یا آسان لفظوں میں دل کی معرفت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو یہ وہ چیزیں ہیں کہ جو ہمارے اندر ہیں لیکن ہم ان کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتے ہیں، انسان خود اپنی شناخت نہیں رکھتا ہے۔

انسان، انسان کے لئے منکشف نہیں ہے، اس لئے یہ چیزیں معلوم نہیں ہوتیں کہ روح کیا ہے؟
 بائیکہ خود روح ہے، یہی جو سوال اٹھا رہی ہے کہ روح کیا ہے؟ یہ خود روح ہے، یہ سوال کہ نفس کیا
 ہے؟ یہ خود نفس ہے۔ نفس، نفس کی طرف متوجہ نہیں ہے، قرآن نے بھی فرمایا ہے کہ

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (۱۰)

اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے خود ان کے نفس کو
 بھی بھلا دیا اور وہ سب واقعی فاسق و بدکار ہیں۔

یعنی خدا کو نہ بھولنا اور نہ خود کو بھی بھول جاؤ گے، یہ خود فراموشی ہے کہ انسان سوال کرے کہ
 نفس کیا ہے؟ روح کیا ہے؟ یعنی یہ پوچھے کہ میں کیا ہوں، دوسرے لفظوں میں بازار میں جا کر کسی کو
 روک کر پوچھیں کہ آغا میں کون ہوں؟ تو وہ انسان تعجب کرے گا کہ یہ کیا سوال ہے؟ میرے بارے
 میں تو پوچھ سکتے ہو کہ آپ کون ہو؟ لیکن خود اپنے بارے میں پوچھتے ہو کہ میں کون ہوں؟ جب ہم یہ
 سوال اٹھاتے ہیں کہ روح کیا ہے؟ جب ہم یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ نفس کیا ہے؟ تو دوسرے لفظوں
 میں ہم یہ پوچھ رہے ہوتے ہیں کہ میں کیا ہوں؟ دوسروں کو کیا معلوم کہ میں کیا ہوں؟ خود مجھ کو معلوم
 ہونا چاہئے کہ میں کیا ہوں، مجھے یہ حق ہے کہ میں یہ پوچھوں کہ زمین کیا ہے؟ آسمان کیا ہے؟ پانی کیا
 ہے؟ آگ کیا ہے؟ یہ چیزیں تو پوچھ سکتا ہوں چونکہ میرے علاوہ ہیں، مجھ سے باہر ہیں لیکن میں خود
 اپنے آپ سے اتنا دور ہوں، اتنا حقیقت ناشناس ہوں، اتنا غافل ہوں کہ حتیٰ اپنی پہچان بھی نہیں رکھتا
 ہوں، یہ سوال کہ میں کیا ہوں؟ دوسرے لفظوں میں یہی پوچھنا ہے، اور یہ مشکل سب کے ساتھ نسیان

خود فراموشی، خدا فراموشی کا بیج

کی وجہ سے ہے، اس نکتے کے بارے میں نہیں کی گئی ہے، متنبہ، ہوشیار اور خبردار کیا گیا ہے کہ

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ

اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے خود ان کے نفس کو

بھی بھلا دیا.....

یہ خدا فراموشی کا نتیجہ ہے، خدا سے دوری کا نتیجہ ہے کہ انسان خود سے بھی دور ہو جاتا ہے، لہذا یہ سوال کرتا ہے کہ دل کیا ہے؟ کوئی باہر کی چیز تو نہیں ہے، اپنے علاوہ کسی کے بارے میں تو سوال نہیں کر رہے ہیں، خود اپنی ہی ایک حقیقت پوچھ رہے ہیں کہ دل کیا ہے؟ ذہن کیا ہے؟ عقل کیا ہے؟ خیال کیا ہے؟ حس کیا ہے؟ یہ ساری چیزیں یعنی میں خود ہوں اور اپنے بارے میں ہی سوال کر رہا ہوں کہ میں کون ہوں؟ میں اپنے لئے ناشناختہ ہوں، یہ خدا فراموشی اور خدا سے دوری کا نتیجہ ہے کہ خود اپنی حقیقت بھی معلوم نہیں ہے۔ معرفتِ دل، معرفتِ قلب بہت ضروری ہے چونکہ سارا دار و مدار اس پر ہے اور اسی سے لا تعلقی اور دوری ہے۔

قرآن کو کرتب کیلئے استعمال نہ کریں

۷) قرآن کو کرتب کیلئے استعمال نہ کریں

اسلام کی تعلیمات کے مطابق مطالعہ قرآن تدبر کے ساتھ کرنا چاہئے، روایات میں بھی

ہے کہ کم از کم سات دن میں قرآن کا ایک دورہ ہونا چاہئے، اس سے متعلق چند روایات بھی ہیں، ایک

روایت خود ذاتِ گرامی پیغمبر اکرم ﷺ سے ہے، رسول اکرم ﷺ سے ایک شخص نے آکر پوچھا

کہ میں کتنے دنوں میں قرآن کا پورا دورہ کروں؟ جسے ابھی ہم ختم قرآن کہتے ہیں، حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک مہینے میں، کہا کہ میں اس سے بھی زیادہ کم مدت میں ختم کر سکتا ہوں، حضرت ﷺ نے فرمایا تین ہفتوں میں پھر اس نے مثلاً کہا کہ اس سے بھی زیادہ جلدی پڑھ سکتا ہوں، پھر آخر میں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک ہفتے میں، سات دن سے کم نہیں، سات دن سے کم قرآن جو پڑھا جائے گا وہ مطلوب نہیں ہے۔ جیسے سات منٹ میں سپارہ پڑھنا، فرمایا کہ نہیں، چونکہ قرآن سمجھنے کے لئے ہے، قرآن کرتب دکھانے کے لئے تو نہیں ہے، ابھی جو حشر قرآن کا ہو رہا ہے وہ شاید کسی اور زمانے میں نہیں تھا، کسی زمانے میں شیعوں کا رجحان قرآن پڑھنے کی طرف کم تھا لیکن اب جب کہ پڑھنا شروع کیا ہے تو الٹا پڑھنا شروع کیا ہے، قرآن کے آداب میں سے ہے کہ قرآن کو درست پڑھے، فہم کے ساتھ پڑھے، تدبر کے ساتھ پڑھے۔ قرآن کرتب دکھانے کے لئے تو نہیں ہے، ابھی آہستہ آہستہ جو حالت بنتی جا رہی ہے وہ معاذ اللہ ایک طرح سے استحضار قرآن ہے، یہ قرآن کا تمسخر ہے کہ اپنا بچہ متعارف کروانا ہے تو اس کو قرآن سکھا کر، قرآنی کرتب سکھا کر معرکے میں لے آئیں اور لوگوں کو جمع کر کے کچھ ایسی حرکتیں کریں۔ لوگ قرآن سے خوش نہیں ہوتے ہیں بلکہ بچے سے خوش ہوتے ہیں کہ یہ عجیب بچہ ہے، یہ عموماً ہوتا ہے کہ جب چھوٹا بچہ ہو تو لوگ زیادہ محظوظ ہوتے ہیں، ایک دن ٹی وی میں ایک بچے کے بارے میں بتا رہے تھے کہ اس کو پوری دنیا کی فٹبال ٹیموں کے نام معلوم تھے، کھلاڑیوں کے نام بھی معلوم تھے، دو تین سال کا چھوٹا سا بچہ تھا، بچوں سے ایسی چیزیں دیکھ کر انسان واقعاً محظوظ ہوتا ہے، لوگ قرآن سے نہیں بلکہ بچوں سے محظوظ ہوتے ہیں۔ قرآن تدبر و فہم

قرآن کو کرتب کیلئے استعمال نہ کریں

کیلئے ہے اور منشورِ حیات ہے،

محرم کے تبلیغی سفر میں ایک جگہ جانا ہوا تو وہاں انہوں نے چاہا کہ اولاد کی تربیت کے بارے میں کچھ گفتگو ہو، بچوں کا ہر جگہ یہ ایک مسئلہ ہے، بہت ساری باتیں ہوئیں لیکن ان میں سے ایک بات یہ ہوئی کہ بچوں کی تربیت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ بچوں کے اندر موجود صلاحیتیں کہ جو خدا نے دی ہیں ان کو ابھارنا۔ سرکس (Circus) کا جانور بنانا تربیت نہیں ہوتی ہے۔ اس وقت جو غلط کام بنام تربیت ہو رہا ہے وہ یہی ہے، جانور کو سرکس کے لئے کرتب سکھائے جاتے ہیں اور پھر لا کر لوگوں کو متاثر کیا جاتا ہے مثلاً ہاتھی کیا کیا کام کرتا ہے، متاثر کرتا ہے اور تالیاں بجاتی ہیں اس کو تربیت نہیں کہتے ہیں، یہ آفتِ تربیت ہے اور انحرافِ راہِ تربیت ہے، سرکس کا حیوان نہ بنائیں، مثلاً انہوں نے گھوڑے کو کیا کیا کرتب سکھائے ہوتے ہیں حتیٰ درندے یا شیر کو انہوں نے کیا سکھایا ہوتا ہے؟ گول دائرے میں آگ جل رہی ہوتی ہے اور وہاں سے شیر چھلانگ لگاتا ہے، اس شیر کو شرم بھی نہیں آتی ہے، اس کو یہ بھی احساس نہیں ہے کہ میں شیر ہوں، مجھے خدا نے ان کاموں کے لئے پیدا نہیں کیا ہے، بلی بھی یہ کام نہیں کرتی ہے کہ جو شیر سرکس کے مظاہرے میں جا کر کرتا ہے لیکن وہ اس لئے کرتا ہے کیونکہ اس کے اوپر مربیوں نے یہ کام کیا ہے، مربی بچوں کو سرکس کا حیوان نہ بنائیں کہ چند کرتب سکھائیں اور پھر اس کے بعد معرکہ لگائیں اور لوگ آکر اسی طرح تالیاں بجائیں کہ جس طرح سرکس کے اس منظر میں خوش ہوتے ہیں، محظوظ ہوتے ہیں اور محظوظ ہو کر واپس چلے جاتے ہیں، بچہ بھی اپنے آپ کو پھر اسی طرح سمجھتا ہے۔

قرآن کو کرتب کیلئے استعمال نہ کریں

یہ تربیت نہیں ہے کہ جس طرح گنیز بک میں درج ہے کہ مونچھوں کے مقابلے میں ایک آدمی نے سونے کا تمغہ جیتا، اس کا نام اس کتاب میں لکھ دیا گیا ہے کہ یہ سب سے بڑا مونچھ باز آدمی ہے، اس نے مونچھ کی پرورش کی ہے، اسی طرح داڑھی کے مقابلے ہوتے ہیں، اب ان کے اپنے معیار ہوتے ہیں کہ کس طرح کی داڑھی پہلے نمبر پر آئے گی، بعض داڑھی کا تمغہ جیت لیتے ہیں، اس طرح کے مختلف مقابلے ہوتے ہیں مثلاً کھانے کا بھی مقابلہ ہوتا ہے کہ ایک انسان اپنے وزن کے برابر کھانا کھالے۔ خدا نے انسان کے اندر بے پناہ صلاحیتیں رکھی ہیں، تربیت کا مطلب ان صلاحیتوں کو ابھارنا ہے، پہلے پہچانو کہ تمہارے بچے کے اندر خدا نے کیا کیا رکھا ہے؟ پھر اس کی ان صلاحیتوں کو پروان چڑھاؤ، اس کو انسان بناؤ نہ کہ لوگوں کو محفوظ کرنے کا ایک ذریعہ۔

۸) قرآن کے مطابق دل کے امور کی اقسام

خدا نے انسان کے وجود کے اندر جو قوت سمجھنے کے لئے دی ہے اس کو دل کہتے ہیں، دوم یہ مرکز احساسات انسان ہے کہ جہاں پر انسانی احساسات متمکن ہیں، چونکہ فہم کے ساتھ ساتھ انسان کے کچھ احساسات بھی ہیں یعنی رجحانات و عواطف، جیسے محبت ہے، نفرت ہے، تمایل ہے، یہ احساسات ہیں فہم نہیں ہیں، یہاں انسان کے اندر شہوت ابھرتی ہے، جیسے ہمیں کوئی چیز اچھی لگتی ہے یا کسی چیز کی طرف جی کر رہا ہوتا ہے تو کہتے ہیں مثلاً اس وقت جی کرتا ہے کہ سو جاؤں، یہ جی کرنا یعنی وہیں دل میں ہے یعنی ایک احساس انسان کے منبع دل سے اٹھا ہے اور کسی شے کی طرف اٹھا ہے،

چونکہ دل کے اندر رغبتیں موجود ہیں اور رسوم یہ مرکزِ تحریکات ہے، انسان کے اندر تحریکات پیدا ہوتی ہیں یعنی انسان کو حرکات، افعال اور اعمال پر اکسانے والی قوت بھی دل ہے، ہمارے اندر جب کوئی بھی ایسا جوش پیدا ہوتا ہے، ولولہ پیدا ہوتا ہے، کچھ کرنے کو جی کرتا ہے تو یہ بھی دل ہی ہے اور بسا اوقات کہتے ہیں کہ کچھ کرنے کو جی نہیں کرتا ہے، مثلاً جی نہیں کرتا ہے کہ اٹھوں، جی نہیں کرتا ہے کہ پڑھوں، جی نہیں کرتا ہے کہ سنوں یعنی تحریک کے قابل نہیں ہے، دل مر گیا ہے، تحریک کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ زندہ دل ہو، چست ہو، جب دل سست ہو جاتا ہے تو سست دل نہ خود کچھ کرتا ہے اور نہ کچھ کرنے کے لئے کسی کو اکساتا ہے۔ یہ تین چیزیں قرآن نے دل سے منسوب کی ہیں، فہم دل کا کام ہے، احساسات دل کا کام ہے اور اس کے بعد تحریکات یا اکسانا بھی دل کا کام ہے اور قرآن چونکہ فہم سے تعلق رکھتا ہے لہذا محل نزول قرآن دل ہے، جسم کے کسی اور حصے پر یعنی اس عالم میں بھی قرآن کسی اور چیز پر نازل نہیں ہوا ہے، قرآن صفحات پر، جلدوں پر یا زبانوں پر نازل نہیں ہوا ہے بلکہ قرآن دل پر نازل ہوا ہے، دل کا کام سمجھنا ہے، دل پر نزول ہی اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن فہم کے لئے آیا ہے، تدبر اور تعقل کے لئے آیا ہے، البتہ جب تک یہ محل نزول قرآن آمادہ نہ ہو، تیار نہ ہو تو اس کے اندر قرآن نہیں اترتا ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے،

خلوتِ دل نیست جای صحبتِ اضداد

دیو چو بیرون رود فرشتہ در آید..... (۱۱)

دیو کنایہ ہے، شعری زبان میں اور ادیبوں کی زبان میں ناپاک چیز، غلط چیز، منحوس چیز اور

قرآن کے مطابق دل کے امور کی اقسام

مضر چیز کو دیو کہتے ہیں، اسے تلفظ فارسی میں دیو کہتے ہیں چونکہ اصل لفظ فارسی کا ہے لیکن اردو میں اس کو دیو کہتے ہیں، اصل دیو ہے کہ جو درست ہے یعنی ہمارے وجود سے یہ دیو نکلے تو فرشتہ داخل ہوگا، دیو یعنی بھوت، جب تک انسان کے اندر بھوت بیٹھا ہوا ہو تو وہاں فرشتہ داخل نہیں ہوتا، پہلے انسان کا دل پاک و صاف ہو، انسان کے تکامل کے لئے فہم کے لئے بھی عمل کے لئے بھی، تربیت کے لئے بھی اور تعلیم و تادیب کے لئے تطہیرِ قلب اساسی ترین ادب ہے۔

۹) قرآنِ ظریفِ نورانی پر اترتا ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

اَلْعِلْمُ نُورٌ يَقْدِفُهُ اللّٰهُ فِيْ قَلْبٍ مِّنْ يَّشَاءُ..... (۱۲)

علم نور ہے اللہ جس کے دل میں چاہتا ہے اسے ڈال دیتا ہے.....

قرآن نے بھی علم کو نور کہا ہے، ظاہر ہے کہ نور جس محل کے اندر جائے گا وہ محل بھی نورانی ہونا

چاہئے لہذا عبارتیں ازبر کر کے یا اصطلاحیں رٹ کے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں عالم ہو گیا ہوں، اس کو عالم

نہیں کہتے ہیں بلکہ علم نور ہے اور نور نورانی ظرف کے اندر آتا ہے، اگر دل نورانی نہ ہو، وجود نورانی نہ

ہو تو یہ نور اس کے اندر جاتا ہی نہیں ہے اور اگر بالفرض چلا جائے تو یہ نور خود بھی ظلمت میں بدل جاتا

ہے، طہارت اور نجاست کا قانون یہ ہے کہ جب بھی طہارت و نجاست کو آپس میں ملائیں تو جو پاک

چیز ہے وہ بھی نجس ہو جاتی ہے، ایک ناپاک اور پاک کو ملائیں تو مجموعہ ناپاک کی ہے، ایک اچھے دوست

اور ایک غلط دوست کی دوستی کا نتیجہ غلط ہے چونکہ ان دونوں میں سے ایک غلط ہے، اہل منطق کہتے ہیں کہ نتیجہ ہمیشہ ادنیٰ مقدمے کے تابع ہوتا ہے، جو گھٹیا مقدمہ ہو نتیجہ ہمیشہ اس کا ہوتا ہے اعلیٰ کا نتیجہ نہیں ہوتا ہے۔

اگر ایک متدین اور ایک غیر متدین آدمی مل کر ایک کام کریں تو اس کا مجموعہ عدمِ متدین ہے، اس کا نتیجہ کبھی بھی دین داری نہیں نکلے گا، ایک فاسق اور ایک مومن آپس میں مل جائیں تو اس کا مجموعہ یا نتیجہ فسق ہے، عملی اور علمی طور پر بھی یہی ہے یعنی علمی نتیجے بھی گھٹیا عضو و جزو کے تحت ہوتے ہیں اور عملی نتیجے بھی گھٹیا عضو و جزو کے تحت ہوتے ہیں۔

اگر پوری جماعت پاک ہو لیکن اس میں چند افراد ناپاک ہوں تو یہ پوری جماعت ناپاک ہو جاتی ہے۔ اگر علم نور ہے تو نور کا محل بھی نورانی ہونا چاہئے، ہدایتِ قرآن بھی نور ہے اور یہ نور اس دل میں جائے گا کہ جو دل پاک ہو، نورانی ہو، البتہ ہر چیز کی پاکی اور طہارت الگ الگ ہے، اگر دل پاک نہ ہو تو علم کبھی بھی اس دل میں نہیں اترتا ہے۔ الفاظ آ جاتے ہیں، اصطلاحیں آ جاتی ہیں لیکن نورانیت نہیں آتی ہے۔

قرآن بھی نور ہے لیکن اس وقت کمپیوٹر کی مدد سے ایک کام یہ ہو رہا ہے کہ قرآن میں کتنے الف ہیں مثلاً بعض لوگوں کو معلوم ہے کہ قرآن میں کتنے الف ہیں، کتنے ب ہیں، کتنے نقطے ہیں، کتنے زیر و زبر ہیں، یہ علم نہیں ہے بلکہ ذہنی مہارتیں ہیں، یہ گنیز بک کے لئے ٹھیک ہیں لیکن ہدایت کے لئے مفید نہیں ہیں، ہدایت کے لئے آپ کسی روایت میں نہیں پڑھیں گے کہ قرآن میں

قرآن ظریف نورانی پراترنا ہے

اتنے الف استعمال ہوئے ہیں، اتنے ن استعمال ہوئے ہیں اور اتنے استعمال ہوئے ہیں، اگر یہ علم ہوتا اور ضروری ہوتا تو یقیناً ائمہ ہدیٰ علیہم السلام بیان فرما دیتے یا اشارہ کر دیتے کہ خبردار یہ خیال رکھنا کہ آپ کو قرآن میں استعمال ہونے والے الف کی تعداد معلوم ہونی چاہئے، یہ علم نہیں ہے، یہ ہدایت نہیں ہے بلکہ انحراف ہے، یہ قرآن کے نام پر قرآن سے دوری ہے، انہی کاموں سے قرآن مجبور رہ جاتا ہے، قرآن دل پر نازل ہوا ہے اور دل کو آمادہ کرنے کی ضرورت ہے لہذا خداوند تبارک و تعالیٰ نے بھی یہ قانون بیان فرمایا ہے کہ

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ (۱۳)

پس خدا جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار گزار بنا دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کر دیتا ہے۔

ہم ہدایت دینے سے پہلے ظرفِ ہدایت کو درست کرتے ہیں، پہلے شرح صدر دیتے ہیں پھر اس کے اندر ہدایت دیتے ہیں، اسی لئے پیغمبر اکرم ﷺ پر قرآن نازل کرنے سے پہلے سینہ پیغمبر اکرم ﷺ آمادہ کیا گیا، سینے سے مراد جسمانی سینہ نہیں ہے، صدر سے مراد وجود کا صدر ہے، روح کا صدر ہے، نفس کا صدر ہے، اس کو خداوند نے تیار کیا،

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (۱۴)

کہ کیا ہم نے آپ کا ظرف آمادہ نہیں کیا؟ اور اسی سے ساری مشکلیں حل ہوئیں،

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝ (۱۵)

ہم نے وزرک ختم کر دیا ہے لہذا قولِ ثقیل آیا اور آسانی سے تحمل ہو گیا، جس کو زمین اور آسمان برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ نے برداشت کر لیا، کیوں؟ اس لئے کہ قلب پاک تھا، دل مطہر تھا، یہ وزرک کیسے ختم ہو گیا؟ پیغمبر اکرم ﷺ کو فرمایا گیا کہ آپ اس فرصتِ شب سے استفادہ کریں،

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ (۱۶)

رات کے عالم سے فائدہ اٹھائیں، کیوں فائدہ اٹھائیں؟ چونکہ عنقریب

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ (۱۷)

ایک بہت گراں چیز، ثقیل چیز کہ جس کو پہاڑ برداشت نہیں کر سکتا ہے، طور برداشت نہیں کر سکتا ہے، وہ آپ کے قلب پر نازل کرنے والے ہیں لہذا اپنے قلب کو آمادہ کریں۔ پاک دل پر قرآن اترتا بھی ہے اور پھر سمجھ بھی آتا ہے۔ عام مومن کے لئے، عام انسان کے لئے قانون یہ ہے کہ پہلے دل کو آمادہ اور پاک کرے۔

قرآن ظرفِ نورانی پر اترتا ہے

۱۰) طہارتِ ظاہری و طہارتِ باطنی

چونکہ قرآن کو اپنے دل میں اتارنے اور حاملِ قرآن بننے کیلئے طہارتِ قلب ضروری ہے لہذا طہارت بہت اہم موضوع ہے، طہارتِ ظاہری پر تو کم و بیش توجہ ہوتی ہے، کم از کم متدینین کی اس طرف توجہ ہے لیکن یہ سمبولک طہارت (Symbolic cleanliness) ہے یعنی یہ علامتی طہارت ہے، یہ ایک حقیقی طہارت کے لئے علامت ہے، بہت سارے کام ہم سے علامتی کروائے جاتے ہیں، علامتی کام ان کو کہتے ہیں کہ جنہیں انسان سے انجام دلویا جاتا ہے تا کہ بعد میں انسان کوئی حقیقی کام کر سکے، علامتی کام سمجھنے کے لئے ہوتے ہیں مثلاً جنگی مشقیں دیکھیں کہ جو ایک فوج خود کرتی ہے، فوج دو حصوں میں بٹ جاتی ہے، ایک حصہ دشمن بن جاتا ہے اور ایک حصہ ملک کا حامی بن جاتا ہے، فوج کا ایک حصہ حملہ کرتا ہے اور دوسرا حصہ دفاع کرتا ہے اور جنگی مشقوں میں حقیقی اسلحہ استعمال نہیں کرتے ہیں، اس میں جو گولیاں چلتی ہیں یا توپ اور ٹینک کے گولے استعمال ہوتے ہیں وہ بھی اصلی نہیں ہوتے بلکہ صرف آواز اور دھواں ہوتا ہے، ان کے اندر کوئی بارود موجود نہیں ہوتا جو جا کر نقصان کرے، اس لئے کہ علامتی جنگ ہے، کیا فائدہ ہے علامتی جنگ کروانے کا کہ جب گولی صحیح نہیں ہے اور اس کا مقصود مارنا بھی نہیں ہے؟ یہ علامتی جنگ ایک حقیقی جنگ کا مقدمہ ہے، چونکہ ایک حقیقی جنگ ہے اور حقیقی جنگ کے لئے تیاری علامتی جنگ سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ کل کسی حقیقی دشمن سے واسطہ پڑے گا، آج علامتی دشمن ہے تو کل سامنے حقیقی دشمن ہوگا۔

حاجیوں کو مکہ بلایا جاتا ہے اور علامتی سیمنٹ کے ستونوں کو سنگ باران کروایا جاتا ہے، ہم

یہ سمجھتے ہیں کہ یہی ہمارا اول و آخر فریضہ تھا، علامتی گولی کو کہ جس کے اندر مری نہ ہو، بارود نہ ہو بلکہ فقط آواز ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ خول، کھوکھلی، کھوکھا اور فارسی میں اس کو پوچ یعنی خالی کہتے ہیں، اگر آپ ایک سیمنٹ کے پتھر کو جا کر کنکریاں مارتے ہیں تو یہ خالی گولی ہے، کھوکھلا فار ہے، یہ آپ سے کیوں کروایا گیا تھا؟ یہ کنکریاں کیوں پھنکوائی گئیں تھیں؟ بڑا شیطان، چھوٹا شیطان اور درمیانہ شیطان، شیطانوں کو لائن میں کھڑے کر کے تین ستون کہ جواب تین دیواریں بن گئی ہیں ان کو کیوں سنگسار کروایا گیا تھا؟ تاکہ ان کو مار کر ہم جنت میں چلے جائیں؟ عجب بات ہے، ایسی کھوکھلی گولیوں سے آپ جنت چلے جائیں گے؟ پوچ فار کر کے بہشت چلے جائیں گے؟ پھر تو وہ جنت بھی کھوکھلی ہوگی، جیسا فار کیا ہے ویسی ہی جنت بھی ہوگی۔

یہ کھوکھلی گولی اس لئے چلوائی گئی ہے، یہ کنکری اس لئے پھنکوائی گئی ہے، یہ علامتی حملہ اس لئے کروایا گیا ہے تاکہ کل جو آپ کا ایک حقیقی دشمن ہے، بڑا شیطان ہے، درمیانہ شیطان ہے اور چھوٹا شیطان ہے اس حقیقی شیطان پر اصلی گولی چلائی ہے، وہاں تو کھوکھلی گولی کام نہیں کرے گی، جنت حقیقی ہے، جنت کی نعمتیں حقیقی ہیں اور یہ حقیقی نعمتیں کھوکھلی گولیوں سے حاصل نہیں ہوتی ہیں بلکہ یہ حقیقی گولیوں سے حاصل ہوتی ہیں، پوچ کام سے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے، پوچ فارسی میں اس چیز کے لئے کہتے ہیں کہ جو اندر سے خالی ہو لیکن اس کا ظاہر بہت اچھا ہو۔

بعض کام ہم سے علامتی کروائے جاتے ہیں، ان میں سے ایک علامتی کام طہارت ہے، ہم علامتی عبادتیں انجام دے کر یہی سمجھتے ہیں کہ پاک ہو گئے ہیں حالانکہ ابھی تو آپ نے علامتی

طہارت کی ہے، مثلاً بعض جگہ کچھ لوگ بچوں سے یہ کام کراتے ہیں، معلوم نہیں کہ کس غرض سے کراتے ہیں؟ شاید اچھی نیت سے کراتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو طہارت سکھاتے ہیں، چونکہ ہماری فقہ اور توضیح المسائل اس طرح سے لکھی گئی ہے کہ سب سے پہلا باب طہارت ہے اور طہارت کا آغاز بھی نجاست سے ہوتا ہے، پہلے طہارت کا تذکرہ نہیں کرتے ہیں، پہلے نجاسات کا تذکرہ کرتے ہیں اور بعد میں طہارات ہیں لیکن ہم نے نجاسات کا نام بھی طہارات رکھا ہوا ہے، مثلاً بچوں کو نجاسات سکھا رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم طہارت پڑھ رہے ہو، حالانکہ نجاست پڑھا رہے ہیں۔ مثلاً وضو، تیمم اور غسل ایک طہارت ہے، بچوں کے لئے تو غسل نہیں ہے، بچوں کو وضو سمجھ میں آتا ہے، تیمم سمجھ میں آتا ہے لیکن غسل انہیں سمجھ میں نہیں آتا ہے چونکہ غسل اس وقت سمجھ میں آتا ہے کہ جب موجبات غسل سمجھ میں آتے ہیں، آپ دوڑھائی سال کے بچے کو بیٹھ کر غسل واجب سمجھا رہے ہیں، اس کو کیا پتہ کہ آپ کیا سکھا رہے ہیں لہذا وہ آپ پر شک کرنے لگتا ہے چونکہ وہ اس میں مبتلا ہی نہیں ہے، اس کو معلوم ہی نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ موجبات غسل یعنی چہ؟ آپ اس بچے سے غسل کروائیں لیکن حقیقی غسل نہیں کرانا ہے، آپ اس سے علامتی غسل کروائیں، اسے بتائیں کہ پہلے نیت کرو، پھر سر دھوؤ، پھر دایاں حصہ دھوؤ اور پھر بایاں حصہ دھوؤ، وہ پریشان رہتا ہے کہ یہ علامتی غسل کیا ہے؟ اس کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ اصلی کام نہیں ہے، اصلی کام کوئی اور ہے کہ جو اس کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔

ظاہر عبادت کے لئے بدنی طہارات علامتی ہیں۔ علامتی سے کیا مراد ہے؟ یعنی یہ طہارات

علامت ہیں کہ ہمیں کچھ حقیقی طہارات بھی انجام دینی ہیں، میں کیوں بار بار اصرار کر رہا ہوں کہ یہ علامتی طہارات ہیں، اس لئے کہ وضو اور غسل میں تو پانی استعمال کرتے ہیں لیکن تیمم میں مٹی استعمال ہوتی ہے، اسی لئے عوام الناس عموماً نماز چھوڑ دیتے ہیں، تیمم نہیں کرتے ہیں، ان کی غیرت دینی برداشت نہیں کرتی ہے کہ یہ کیسی طہارت ہے کہ منہ پہ مٹی مل کر نماز پڑھو، ابھی ساری نجاست تو موجود ہے، وہ تیمم نہیں کرتے ہیں اور نماز چھوڑ دیتے ہیں، پانی ملے گا، نہائیں گے اور پھر اس کے بعد نماز ادا کریں گے چونکہ اس نکتے کی طرف متوجہ نہیں ہیں کہ خداوند نے پانی کو بھی طہور بنایا ہے اور مٹی کو بھی طہور بنایا ہے، جس طرح پانی استعمال کرنا ایک حقیقی طہارت کے لئے علامت ہے اسی طرح مٹی استعمال کرنا بھی ایک حقیقی طہارت کے لئے اشارہ ہے اور حقیقی طہارت جو انسان کے وجود سے مربوط ہے اس کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔

طہارت کے درجے

(۱۱) طہارت کے درجے

بعض بزرگان نے طہارت کے مراتب ذکر کئے ہیں، بعض نے مختصر، مجمل اور بعض نے ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کئے ہیں چونکہ یہ بہت اہم موضوع ہے لہذا اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ جب آداب سے متصف ہونے کا عمل شروع کریں تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کرنا کیا ہے۔ بعض نے طہارت کے چار درجے بیان کئے ہیں، بعض بزرگان نے کہا کہ ایک طہارت ظاہری ہے لیکن ہم کس چیز کی وجہ سے طہارت کریں؟ خبث سے اور حدث سے، یہ سب طہارات ظاہریہ ہیں، حدث اس

نجاست کو کہتے ہیں کہ جو انسان کے وجود سے قائم ہے، بدن سے قائم ہے اور جو غسل اور وضو سے دور ہوتی ہے اور نجث یعنی بیرونی نجاست، جب باہر سے کوئی آلودہ چیز انسان کو لگ جائے تو اس کو نجث کہتے ہیں، حدث ایک حالتِ ناپاکی ہے، اس میں فزیکلی (Physically) کچھ نہیں ہوتا ہے، مثلاً انسان جب سوتا ہے تو فزیکلی تو کچھ بھی نہیں ہوا ہے، کوئی آلودگی پیدا نہیں ہوئی ہے لیکن وہ سو گیا ہے یعنی سونے سے نفس کے اندر حالتِ غیر طہارتی حاصل ہو گئی ہے، نجث یہ ہے کہ اس حالت کے ساتھ ساتھ فزیکلی بھی کوئی چیز موجود ہوتی ہے کہ جو انسان کے جسم کے ساتھ لگ جاتی ہے کہ جس کو ختم کرنا پڑتا ہے، ان کے لئے طہارتِ ظاہری ہے۔

اس کے بعد طہارتِ اعضاء و جوارح ہے، خدا نے ہمیں مختلف اعضاء و جوارح دیئے ہیں، مثلاً آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور پاؤں ہے انہیں نجاسات سے پاک کرنا ہے، اعضاء و جوارح کو کس سے پاک رکھیں؟ گناہ سے، معصیت سے، جرم سے، آنکھ سے جرم نہ کریں، زبان سے جرم نہ کریں، کان سے جرم نہ کریں، ہاتھ سے جرم نہ کریں بلکہ ان کو پاک رکھیں اور تیسرا مرتبہ طہارت، طہارتِ دل ہے، طہارتِ دل کے لئے کس سے دل کو پاک کریں؟ اخلاقِ سیئہ سے، بدعتوں سے، غلط عادتوں سے، صفاتِ رذیلہ و صفاتِ قبیحہ سے، پست اور گھٹیا صفات سے اپنے دل کو پاک کریں، یہ دل کی نجاسات ہیں اور چوتھا مرتبہ طہارتِ سر ہے، طہارتِ سر کس چیز سے کریں؟ طہارتِ سر یہ ہے کہ انسان غیر خدا سے پاک ہو جائے یعنی فقط خدا سے ربط ہو۔ پہلے حدث سے پاک ہوا، پھر نجث سے پاک ہوا، پھر گناہ سے پاک ہوا، پھر اس کے بعد اخلاقِ قبیحہ سے پاک ہوا اور اب غیر خدا سے پاک

ہو گیا، بعض نے اسی ترتیب سے طہارات کو ذکر کیا ہے۔

بعض بزرگان نے انہی چار مرتبوں کو، درجات کو ذرا مزید تفصیل کے ساتھ چودہ مرتبوں میں ذکر کیا ہے، البتہ ان چودہ سے بھی بڑھ کر زیادہ ہو سکتے ہیں، مراتبِ طہارت میں سے پہلا طہارتِ لباسِ انسان ہے، جو انسان سے الگ ایک چیز ہے لیکن یہ لباس بھی جزو ماحولِ انسان ہے، ماحولیات کا حصہ ہے، طہارتِ ماحولِ طہارتِ لباس ہے، دوم طہارتِ بدن ہے کہ جو وہی حدث اور نجس سے ہے، سوم طہارتِ اعضاء ہے اور چہارم طہارتِ حواس ہے، اعضاء اور چیز ہیں اور حواس اور چیز ہیں مثلاً آنکھ عضو ہے بصارت حس ہے، کان عضو ہے سماعت حس ہے، ناک عضو ہے شامہ حس ہے، ہاتھ عضو ہے لامسہ حس ہے ہمارے انہی اعضاء کے اندر خداوند تبارک و تعالیٰ نے کچھ قوتیں رکھی ہوئی ہیں، کچھ صلاحیتیں رکھی ہوئی ہیں ان کا نام حواس ہے، عضو فقط یہ کام کرتے ہیں کہ اس حس کو اٹھائے ہوئے ہیں، عضو اس حس کا ظرف بنا ہوا ہے، خود ناک کچھ نہیں سونگھتی ہے ورنہ مردے کو کچھ بھی سگھائیں وہ نہیں سونگھتا ہے، کافر سگھائیں یا جو کچھ بھی سگھائیں کچھ نہیں سونگھتا، مردے کے اندر حس ختم ہو گئی ہے، انسان کی پانچ حس ظاہر یہ بیان کی گئی ہیں،

طہارت کے درجے

وہ پانچ حسیں سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ ہیں لہذا اتنی ہی طہارت کی اقسام بھی بن جائیں گی، اعضاء میں پھر مختلف اعضاء کی تطہیر ہے کہ یہ اقسام طہارت مختلف لفظوں کے ساتھ روایات میں بھی ذکر ہوئی ہیں، مثلاً پیغمبر اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ

إِنَّ أَفْوَاهَكُمْ طُرُقُ الْقُرْآنِ فَطَيَّبُوهَا بِالسَّوَاكِ..... (۱۸)

بے شک تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں، ان کو مسواک کے ذریعے معطر کرو.....

امیر المومنین علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ

إِنَّ أَفْوَاهَكُمْ طُرُقُ الْقُرْآنِ فَطَهِّرُوهَا بِالسَّوَاكِ..... (۱۹)

بے شک تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں، ان کو مسواک کے ذریعے پاک (مطہر)

کرو.....

قرآن کا طرق یعنی وہ راستہ کہ جہاں سے قرآن کا گزر ہوتا ہے، اس راستے کو پاک و صاف رکھو، کسی نے پوچھا کہ طریق قرآن کیا ہیں؟ فرمایا کہ تمہارے منہ ہیں، ان کو پاک رکھو، کسی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کس چیز سے پاک کریں؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسواک سے پاک رکھو، البتہ یہ طہارتِ ظاہر کا حصہ ہے، بعض روایات میں ہے کہ اپنی زبان کو پاک رکھو، زبان عضو ہے، زبان کو کس چیز سے پاک رکھو؟ ہر وہ چیز جو آلودگی زبان کا باعث بنتی ہے اس سے پاک رکھو یعنی اس کو جھوٹ سے، تہمت سے، بہتان سے، غیبت سے، چغلی سے اور لغوبات سے پاک رکھو، بے ہودہ بات سے اس کو پاک رکھو، گناہ سے اس کو پاک رکھو، بہتان سے اس کو پاک رکھو، یہ سب زبان کی آلودگیاں ہیں۔

کیا انسان اتنی آلودہ زبان سے قرآن پڑھے؟ قرآن نور ہے اور انسان جس عضو سے تلفظ

کر رہا ہے وہ پاک نہیں ہے اور وہ نور کو آلودہ عضو کے ذریعے سے دہرا رہا ہے لہذا انسان پہلے

عضو پاک کرے، یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مولا علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ منہ پاک کرو۔ مسواک کرو کہ

اس حد تک بھی آلودگی نہ ہو، ظاہر ہے کہ انسان کے منہ میں نجاست تو نہیں ہوتی ہے، مسواک طہارت از نجاست نہیں ہے، منہ ناپاک تو نہیں ہوتا ہے کہ مسواک کرنے سے پاک ہو جاتا ہے، طہارت فقہی شرعی کے لحاظ سے منہ پاک ہوتا ہے لیکن پھر بھی نجاست ہے، پھر بھی اس کو پاک کرو، کیوں؟ کیونکہ یہ بدبو جو منہ سے آتی ہے یہ بھی ناپاکی ہے۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ انسان نامناسب کھانے کھاتا ہے تو معدے کی خرابی کی وجہ سے منہ سے بو آنا شروع ہو جاتی ہے، انسان رمضان میں زیادہ مبتلا ہوتا ہے چونکہ معدے کی بو منہ میں آ جاتی ہے، اگر معدہ چلتا رہے اور اس میں کچھ نہ کچھ پانی و مائعات وغیرہ پڑتے رہیں تو وہ بو اندر ہی رہتی ہے لیکن جب معدہ خالی ہوتا ہے، دن بھر کچھ بھی نہیں ڈالتے ہیں تو آہستہ آہستہ وہ بدبو باہر آ جاتی ہے، اس لئے مسواک کرو کہ یہ ناپاکی ہے یعنی اس حد تک فرما رہے ہیں کہ دہن اور منہ جو طریق قرآن ہے، راہ قرآن ہے اس کو پاک کرو، ناپاک منہ سے قرآن نہ پڑھو۔

نماز کے متعلقات اور آداب نماز میں سے ایک یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے مسواک کریں، مسواک کیوں کریں؟ چونکہ اسی منہ سے ہم نے خدا کے ساتھ ہم کلام ہونا ہے، یہ علامتی چیزیں ہیں تاکہ ہمیں متوجہ کریں کہ اس کے پیچھے ایک حقیقی طہارت بھی ہے، انسان کا دہن دیگر بھی ہے وہ بھی پاک ہونا چاہئے اور وہ دل ہے لہذا آپ اس کو بھی پاک کریں، آنکھ کو پاک کریں کہ جس آنکھ سے قرآن پر نگاہ کرنی ہے، بعض بزرگان نے لکھا بھی ہے کہ آنکھ سے انسان کتنے جرم و گناہ کرتا ہے، اسی طرح زبان کی طہارت کا خیال رکھیں کیونکہ انسان اسی زبان سے بے پناہ گناہ انجام دیتا ہے۔

اسی طرح صوم میں حواس کا بھی روزہ ہے، جس طرح طہارت کے درجات ہیں اسی طرح

روزے کے بھی درجات ہیں۔ روزہ میں حواس کا بھی روزہ ہو، اعضاء کا بھی روزہ ہو اور پورے وجود انسان کا روزہ ہو، فقط منہ بند کر لینا فاقہ ہے، انسان کے پورے مجموعے کا روزہ ہونا چاہئے، خیال پاک ہو، لیکن وضو کر کے بھی انسان کا خیال پاک نہیں ہوتا ہے، خیال سے مراد قوت تخیل ہے۔

یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا ہمارا خیال پاک ہے یا نہیں ہے اس کیلئے ایک پیمانہ خواب ہے، اب کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود ہی انسان توجہ کرے کہ رات کو کیا خواب دیکھتا ہے؟ یہیں سے پتہ چل جائے گا کہ خیال پاک ہے یا ناپاک ہے چونکہ یہ رات کی ساری کاروائی خیال کی ہوتی ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری روح کہیں سیر سپاٹے کے لئے نکل گئی ہے یا باہر سے کچھ چیزیں ہم سے ملنے آئی ہیں، نہیں، کچھ بھی نہیں ہے، نہ باہر سے کوئی آیا ہے اور نہ آپ باہر گئے ہیں، یہیں لحاف کے نیچے سب کاروائی ہو رہی ہے اور وہ بھی سب قوت خیال میں ہے، یہ سارے مناظر خیالی ہیں یعنی خیال کے نام سے ایک نقاش ہے، مصور ہے کہ جو تصویریں بنا بنا کے، فلمیں بنا بنا کے آپ کو دکھا رہا، چونکہ آپ کے حواس تو بند ہیں، حواس کی چھٹی ہے اور باقی سارے حصوں کی بھی تعطیل ہے، اس کو موقع مل گیا ہے کہ اب آپ کو اپنی ساری کاروائی بتائے اور وہ اپنے آپ کچھ نہیں بناتا ہے بلکہ وہ وہی بناتا ہے جو ہم نے ذخیرہ کیا ہوتا ہے، وہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ آپ نے کیا کیا ذخیرہ کیا ہوا ہے؟ اسی کی تصویر بنا کر دکھاتا ہے مثلاً ہماری آرزوئیں، ہماری توقعات، ہماری امیدیں، ہماری خواہشات انہی کی تصویریں بنا بنا کر ہمیں دکھاتا رہتا ہے کہ آپ یہ چاہتے ہو، یہ آرزوئیں آپ کی ہیں، یہ خواہشات آپ کی ہیں، یہ ناپاک خیالات آپ کے ہیں۔

پھر اسی خیال سے صبح اٹھ کر پوچھتے ہیں کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟ لیکن اولِ شب کے خواب خیال کے نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ معدے کے ہوتے ہیں، جب انسان دبا کے کھاتا ہے، پیٹ بھر کر کھاتا ہے تو معدے کے اندر جا کر غذا تبخیر ہوتی ہے، معدے کے اندر حرارت ہے، غذا کو ہضم کرنے کے لئے حرارت کی ضرورت ہے، معدہ بھٹی کی طرح ہے، اس غذا کے اندر موجود طوبیت بخارات میں تبدیل ہوتی ہے، تبخیر ہوتی ہے، جس طرح پانی کے اوپر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو اس سے تبخیر کا عمل ہوتا ہے، جیسے چولہے پر دیگچہ چڑھا ہوتا ہے تو اس سے بخارات اٹھ رہے ہوتے ہیں اسی طرح سے معدے سے بھی بخارات اٹھ رہے ہوتے ہیں اور یہ بخارات سیدھے مغز میں چڑھ جاتے ہیں لہذا انسان عجیب و غریب قسم کے خواب دیکھتا ہے۔ اولِ شب میں سوتے ہی جو فلم شروع ہوتی ہے وہ ساری معدے کی کاروائی ہے اگر انسان اولِ شب میں خواب دیکھ کر اٹھے اور اٹھ کر پوچھے کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟ تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ کم کھایا کرو، کھانے میں اور سونے میں تھوڑا وقفہ کرو، لیکن دوسری من گھڑت تصویریں تخیل بناتا ہے اس کی تعبیر کیا ہے؟

اس کی تعبیر یہ ہے کہ خیال کو پاک کرو، اپنے خیال کی تطہیر کرو۔ یعنی طہارتِ ذہن، طہارتِ عقل، طہارتِ قلب، طہارتِ نفس، طہارتِ روح، طہارتِ حقیقتِ انسان، طہارتِ سر جو پہلے مرتبے میں بھی ذکر ہوا ہے و طہارتِ مخصوصِ انسانی، یہ فہرست بعض اہل معرفت نے ذکر کی ہے، از جملہ جنابِ ابنِ فناری نے ذکر کی ہے یہ بزرگانِ اہل معرفت میں سے ہیں یعنی عرفاء میں سے ہیں، چار درجاتِ طہارت کہ جو آپ کی خدمت میں پہلے ذکر کئے ہیں وہ جنابِ غزالی سے ہیں،

انہوں نے طہارت کے چار مرتبے ذکر کئے ہیں اور ابن فناری نے انہی چار مرتبوں کی تفصیل کی ہے اور عرض کیا تھا کہ چودہ مرتبے ہیں، ان چودہ کی بھی مزید تفصیل ہے، جس طرح سے کہا تھا کہ طہارتِ حواس کی مزید پانچ حصوں کے لحاظ سے تقسیم کر کے پھر ہر حصے کے لئے طہارت کے درجات ذکر کر سکتے ہیں، حاصلِ مطلب یہ ہے کہ فہم قرآن کے لئے ادب دوم تطہیرِ قلب ہے، لیکن پہلے معلوم ہونا چاہئے کہ طہارت کہتے کس کو ہیں؟ اور دل کو کیسے پاک کریں؟ اصلاً دل کس چیز سے آلودہ ہے کہ اس کو پاک کریں؟ کجی سے دل کیا مراد ہے؟ تب ہمیں اس کی طہارت سمجھ میں آئے گی۔

انشاء اللہ اس فصل کے حصہ دوم میں درج کیا جائے گا کہ دل کی ظرفیت کس وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اور دل کو کون کون سی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں کہ جن سے قلب کو پاک کرنا ہے۔

حوالہ جات

- (۱)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۸۳)
- (۲)..... (الانسان الكامل فی نہج البلاغۃ، الجزء ۱، صفحہ ۲) (فضائل و سیرہ چہار دہ معصوم (ع) در آثار استاد علامہ حسن زادہ آملی مدظلہ، الجزء ۱۳، صفحہ ۱)
- (۳)..... (سورۃ آل عمران، آیہ ۱۶۹)
- (۴)..... (من لا یحضرہ الفقیہ - للشیخ الجلیل الاقدم الصدوق أبی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ القمی، الجزء ۴، صفحہ ۹۵) (میزان الحکمة - الریشہری، الجزء ۵، صفحہ ۱۲۱) (الامثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل - الشیخ ناصر مکارم الشیرازی مدظلہ، الجزء ۱۶، صفحہ ۳۳۰) (تفسیر نور الثقلین) (أحكام القرآن - القاضي محمد بن عبد اللہ أبو بکر بن العربی المعافری الاشبیلی المالکی، الجزء ۱، صفحہ ۳۰۶)
- (۵)..... (أحكام القرآن - أحمد بن علی أبو بکر الرازی الجصاص الحنفی، الجزء ۲، صفحہ ۵۰۳)
- (۶)..... (أحكام القرآن - أحمد بن علی أبو بکر الرازی الجصاص الحنفی، الجزء ۲، صفحہ ۵۰۳)
- (۷)..... (الكافی - الكلینی، الجزء ۴، صفحہ ۷۹) (تہذیب الاحکام فی شرح المقنعة للشیخ المفید رضوان اللہ علیہ - الشیخ الطوسی، الجزء ۶، صفحہ ۱۶۷)
- (وسائل الشیعة - الفقیہ المحدث الشیخ محمد بن الحسن الحر

العاملی، الجزء ۱۵، صفحہ ۱۲۱)

(۸)..... (تہذیب الاحکام فی شرح المقنعة للشيخ المفيد رضوان الله عليه-

الشيخ الطوسي، الجزء ۶، صفحہ ۱۵۷) (وسائل الشيعة- الفقيه المحدث الشيخ

محمد بن الحسن الحر العاملی، الجزء ۱۵، صفحہ ۱۲۰)

(۹)..... (احکام القرآن، الجزء ۴، صفحہ ۳۵)

(۱۰)..... (سورة مبارکہ حشر، آية ۱۹)

(۱۱)..... (ديوان حافظ شیرازی، از روی نسخة تصحيح شدة علامه محمد

قزوینی، غزل ۲۳۲، صفحہ ۱۸۲)

(۱۲)..... (امثال القرآن) (انسان و قرآن، الجزء ۲، صفحہ ۱۲) (بحار

الأنوار، الجزء ۱، صفحہ ۲۲۵) (مصباح الشريعة المنسوب للصادق عليه السلام،

الجزء ۱، صفحہ ۵)

(۱۳)..... (سورة مبارکہ انعام، آية ۱۲۵)

(۱۴)..... (سورة مبارکہ شرح، آية ۱)

(۱۵)..... (سورة مبارکہ شرح، آية ۲)

(۱۶)..... (سورة مبارکہ اسراء، آية ۷۹)

(۱۷)..... (سورة مبارکہ مزمل، آية ۵)

(۱۸)..... (النظرية الاجتماعية في القرآن الكريم، الجزء ۷، صفحہ ۱۲۵) (قرآن

در آيينه احکام) (مَصَاعِدُ النَّظَرِ لِلْاَشْرَافِ عَلَى مَقَاصِدِ السُّورِ، الجزء ۱، صفحہ ۲۲۷)

(أعلام الدين في صفات المؤمنين) (بحار الأنوار - العلم العلامة الحجة

فخر الامة المولى الشيخ محمد باقر المجلسي، الجزء ٤٤، صفحہ ٣٢٢)

(میزان الحکمة - الريشهری، الجزء ٨، صفحہ ٢٠٥)

(١٩)..... (من لا يحضره الفقيه - للشيخ الجليل الاقدم الصدوق أبي جعفر محمد

بن علي بن الحسين بن بابويه القمي، الجزء ١، صفحہ ٥٣) (الحدائق الناضرة -

المحقق البحراني، الجزء ٨، صفحہ ١٠٨) (تذكرة الفقهاء،

الجزء ١، صفحہ ٢٠٢) (وسائل الشيعة - الفقيه المحدث الشيخ محمد

بن الحسن الحر العاملي، الجزء ٢، صفحہ ٢٣) (اثنا عشر رسالة - المحقق

الداماد، الجزء ٢، صفحہ ٩٤) (ذخيرة المعاد - المحقق السبزواري،

الجزء ١، صفحہ ١٤٢) (كتاب الطهارة - الشيخ الأنصاري،

الجزء ٢، صفحہ ١٣) (مشارق الشموس - المحقق الخوانساري،

الجزء ١، صفحہ ٢٢١) (منتهى المطلب - العلامة الحلي، الجزء ١، صفحہ ٣٦٢)

فصلِ ادبِ دوم

﴿طہارتِ قلب﴾

(حصہ دوم)

- ۱) دل مانندِ ظرف ہے
- ۲) دل کی ظرفیت کا کم اور زیادہ ہونا
- ۳) دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت
- ۴) مبلغین پہلے اپنے مُخاطَب تیار کریں
- ۵) انبیاء علیہم السلام کا طریقہٴ تبلیغ
- ۶) قرآن ہر دل میں داخل نہیں ہوتا
- ۷) خدا کو جمیل اور بلند مرتبہ لوگ پسند ہیں
- ۸) پاک دل موردِ نگاہِ خدا
- ۹) تطہیرِ قلب اعضاء و جوارح سے ظاہر ہوتی ہے
- ۱۰) اللہ کو پاکیزہ لوگ پسند ہیں
- ۱۱) قرآن کے مطابق دل کی بیماریاں

۱) غِلْظَتُ

۲) غرور و تکبر

۳) گناہ

- ◀ (4) غفلت
- ◀ (5) ضعف
- ◀ (6) مختوم دل
- ◀ (7) مطبوع دل
- ◀ (8) غیر متفقہ دل
- ◀ (9) زیغ شدہ دل
- ◀ (10) اندھے دل
- ◀ (11) بیزار دل
- ◀ (12) مقفل دل
- ◀ (13) قسی دل
- ◀ (14) مغلوف دل
- ◀ (15) پردوں سے ڈھکے ہوئے قلوب
- ◀ (16) غل رکھنے والے دل
- ◀ (17) مُشَرَّب دل
- ◀ (18) نفاق رکھنے والے دل
- ◀ (19) غیظ والے دل
- ◀ (20) شک والے دل
- ◀ (21) لہوی دل
- ◀ (22) زنگ آلود قلوب

۱) دل مانندِ ظرف ہے

نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام نے دل کو ظرف قرار دیا ہے، نہج البلاغہ کے حصہ سوم میں کلماتِ قصار کے اندر حکمت نمبر ۱۴۷ میں وصایا ہیں جو امیر المومنین علیہ السلام نے کمیلؓ ابن زیاد نجفی کو کہ جو شاگردِ معروف اور مشہور صحابی امیر المومنین علیہ السلام ہیں بیان فرمائیں اور کمیلؓ نے اس کا شانِ نزول بھی اس طرح سے ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ایک شب میرا ہاتھ سے پکڑا اور نخلستان میں لے گئے اور وہاں خلوت میں جا کر حضرت علیہ السلام نے مجھے نصیحتیں بیان فرمانا شروع کیں اور آغاز ان جملوں سے کیا کہ

يَا كَمِيلُ بْنُ زِيَادٍ، إِنَّ هَذِهِ الْقُلُوبَ أَوْعِيَّةٌ، فَخَيْرُهَا أَوْعَاهَا..... (۱)

اے کمیلؓ ابن زیاد! بے شک یہ دل ظروف ہیں پس ان میں بہترین ظرف وہ ہے جو زیادہ وسعت رکھتا ہو.....

اوعیہ، وعاء کی جمع ہے وعاء ظرف کو کہتے ہیں، بہترین ظرف وہ ہے کہ جس کی ظرفیت سب سے زیادہ ہو، پھر اس کے بعد حضرت علیہ السلام نے کمیلؓ کو مختلف تعلیمات دیں اور وصایا ذکر کیں اور ان سے فرمایا کہ

النَّاسُ ثَلَاثَةٌ: فَعَالِمٌ رَبَّانِيٌّ، وَمُتَعَلِّمٌ عَلَى سَبِيلِ نَجَاةٍ، وَهَمَجٌ رَعَاةٍ..... (۲)

لوگ تین قسم کے ہیں: ایک عالم ربانی اور دوسرے نجات کے راستے پر چلنے والا طالب علم

اور تیسرے رذیل لوگ.....

۲) دل کی ظرفیت کا کم اور زیادہ ہونا

پس دل انسان درحقیقت ظرف ہے اور بہترین دل وہ ہے کہ جس کی ظرفیت سب سے زیادہ ہو، دل کی ظرفیت کبھی کم بھی ہو جاتی ہے اور بڑھ بھی جاتی ہے، خداوند تبارک و تعالیٰ نے ہر انسان کو دل عطا کیا ہے اور ظرفیتِ دل کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن خود اپنے اعمال کے ذریعے سے بعض انسان اس ظرفیت کو بڑھا لیتے ہیں اور بعض اس ظرفیت میں کمی کر دیتے ہیں، اگر دل کی تطہیر ساتھ ساتھ ہوتی رہے چونکہ دل کے مختلف امراض ہیں مثلاً دل کے اوپر میل چڑھ جاتا ہے، کدورت آ جاتی ہے، بہت سارے پردے آ جاتے ہیں اور دل کے اوپر بہت ساری چیزوں کی تہہ بیٹھ جاتی ہے، اگر اس تہہ کو صاف نہ کیا جائے اور یہ جہتی رہے تو دل کی ظرفیت میں کمی آ جاتی ہے۔

اس مطلب کو ہم بہت سادہ سی مثال سے سمجھ سکتے ہیں، روزمرہ کے برتن جو گھر میں استعمال ہوتے ہیں اگر انہیں دھویا نہ جائے مثلاً وہ دیگچہ یا پتیلا کہ جس کے اندر کھانا پکتا ہے اسے ہر کھانے کے بعد دھویا جاتا ہے، اگر نہ دھوئیں تو اس کے اوپر ایک تہہ جم جاتی ہے، اگر اسی میں اور پکائیں اور دوسری نوبت میں بھی نہ دھوئیں تو اس کے اوپر ایک اور تہہ جم جاتی ہے، اسی طرح کرتے کرتے اس کے اندر تہہ بہ تہہ میل جم جاتا ہے اور جوں جوں اس کے اندر یہ تہہ بڑھتی جاتی ہے اس کی ظرفیت بھی کم ہوتی جاتی ہے، اگر پہلے اس کے اندر آپ دو کلو جنس پکا سکتے تھے تو اب ڈیڑھ کلو پکا سکتے ہیں، اگر پہلے ڈیڑھ کلو پکتا تھا تو اب ایک کلو پکے گا، اگر آپ اسے نہ دھوئیں اور اس کی تطہیر نہ کریں تو خواخواہ اس کی ظرفیت میں کمی آ جاتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کی ظرفیت بالکل بھر جاتی ہے۔

دل کی ظرفیت کا کم اور زیادہ ہونا

ایک اور سادہ تر مثال یہ ہے کہ آپ نے بعض علاقوں میں شاید دیکھا بھی ہو یا کم از کم سنا ضرور ہوگا کہ دریاؤں کے رخ پہ، دھارے پہ بسا اوقات ڈیم (Dam) بنائے جاتے ہیں، کسی علاقے کی ضرورت کے تحت کھیتی باڑی کے لئے پانی جمع کیا جاتا ہے لیکن چونکہ یہ بند دریا کے سامنے باندھا گیا ہے لہذا جب دریا کا پانی آتا ہے تو اپنے ساتھ بہت کچھ بہا کے لے آتا ہے، ریت بہا کر لاتا ہے، مٹی بہا کر لاتا ہے، ٹوٹے ہوئے پتھر بہا کر لاتا ہے، مرے ہوئے جانور بہا کر لاتا ہے، کوڑا اور کچرہ بھی بارش کے پانی کے ساتھ بہہ کر اسی ڈیم کے اندر آ جاتا ہے اور تدریجاً اس کو بھرتا جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ڈیم کہ جس کے اندر ایک بہت بڑی ظرفیت تھی وہ ایک دن بھر جاتا ہے، ریت سے بھر جاتا ہے، غلاظت سے بھر جاتا ہے، مٹی سے بھر جاتا ہے اور کچرے سے بھر جاتا ہے نتیجتاً پانی کی مقدار اس میں کم ہو جاتی ہے حالانکہ پہلے ایک مقدارِ عظیم اسی کے اندر ذخیرہ ہو جاتی تھی لیکن چونکہ اس کی ظرفیت بھر گئی ہے لہذا پانی کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

یہ تجرباتی باتیں ہیں، ہم اپنی روزمرہ کی ضرورت کی چیزوں میں اس کو تجربہ کر سکتے ہیں کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو روز آلودہ ہوتی ہیں، مثلاً جب ہم کھلی ہوا میں آتے ہیں تو اس میں آلودگی زیادہ ہے، دھوئیں کی آلودگی ہے، مٹی کی آلودگی ہے اور انواع و اقسام کی آلودگیاں فضا کے اندر موجود ہیں، گرمی سے انسان کو پسینہ آتا ہے تو بدن آلودہ ہو جاتا ہے، یہ بدن روز آلودہ ہوتا ہے اور ہر روز اس کو دھونے کی ضرورت ہے، ہر وہ چیز جو روز آلودہ ہوتی ہے، روز گندی ہوتی ہے، اس کو روزانہ دھونے کی ضرورت ہے، اگر آلودگی روزانہ ہو اور طہارت سالانہ ہو تو اس صورت میں انسان خود نتیجہ دیکھ لے

دل کی ظرفیت کام اور زیادہ ہونا

گا، لہذا آلودگیاں ظرفیت کو بھر دیتی ہیں نتیجتاً اس کے اندر وہ متعلقہ چیز کہ جس کا یہ ظرف تھا اب اس کے اندر نہیں سما سکتی یا کم از کم اس کی ظرفیت کم ہو جاتی ہے۔

یہی حال دل کا بھی ہے، دل اگرچہ جسم نہیں ہے، انسان کا دل فہم کا مرکز ہے، انسان کی عقل ہے یعنی چونکہ یہ سارے امور دل کے متعلقات میں سے ہیں، سمجھنا، احساس کرنا اور تحرک پیدا کرنا اور دل روزمرہ آلودگیوں، نجاستوں اور غلاظتوں کے معرض میں ہے کہ جیسے ہمارا جسم معرض آلودگی میں ہے لہذا دل بھی روز آلودہ ہوتا ہے، نگاہیں کرنے سے آلودہ ہوتا ہے، سننے سے آلودہ ہوتا ہے اور بولنے سے آلودہ ہوتا ہے، سوچنے سے آلودہ ہوتا ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو بھی لایعنی بات کریں یعنی جو منہ میں آئے کہتے جائیں، بے ربط بات کہتے جائیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، زیادہ سے زیادہ سننے والا بور ہوتا ہے، نہیں، بلکہ سننے والے سے زیادہ انسان کے خود اپنے اندر مشکل کھڑی ہو جاتی ہے، لغو باتیں کرنے سے، لغویات سننے سے، لغویات دیکھنے سے اور لغویات سوچنے سے انسان کے دل پر اثر پڑتا ہے، یہ دل کی آلودگی کے دریچے ہیں، مسلسل دل آلودہ ہو رہا ہے، نظروں سے، سماعت سے، زبان سے اور مختلف حواس کے ذریعے سے آلودہ ہو رہا ہے۔

یہ دل روز آلودہ ہوتا ہے لہذا اس کو روز پاک کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس کو روزِ تطہیر کی ضرورت ہے تاکہ آمادہ رہے، بعض لوگ آلودگیوں سے دل کو بچا لیتے ہیں اور دل کی یہ خوبی ہے کہ اگر اس کے اندر میل کچیل آئے تو اس کی ظرفیت بھر جاتی ہے لیکن اگر اس کے اندر نورانیت آئے، نور

دل کی ظرفیت کا کم اور زیادہ ہونا

آئے، حکمت آئے اور معرفت آئے تو اسکی ظرفیت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔

انسان کے دل کو عام بول چال کی زبان میں کہتے ہیں کہ یہ فلکسبل (Flexible) ہے یعنی اس کی گنجائش بڑھتی ہے، آپ یوں سمجھ لیں کہ ایک ربڑ کی طرح ہے کہ اگر اس کے اندر آلودگی ڈالتے جائیں تو ظرفیت بھر جاتی ہے لیکن اگر اس کے اندر کوئی وزنی چیز ڈالیں تو اس کی ظرفیت بڑھ جاتی ہے، اگر پہلے ایک کلو کے قابل تھا تو اس ایک کلو کے ڈالنے سے دو کلو ظرفیت بڑھ گئی ہے، دو کلو ڈالا تو چار کلو ظرفیت بڑھ جاتی ہے، علم سے ظرفیت بھرتی نہیں ہے بلکہ بڑھتی ہے لیکن آلودگی سے ظرفیت بھر جاتی ہے۔

۳) دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت

بعض لوگ تطہیرِ دل میں مشغول رہتے ہیں اور اپنے دل کو آلودہ نہیں ہونے دیتے ہیں لہذا ان کے دل کی ظرفیت بڑھ جاتی ہے لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کے دل تدریجاً بند ہو جاتے ہیں، قرآن نے بھی پیغمبر اکرم ﷺ سے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جنہوں نے اپنے دل کی ظرفیت کو بھر دیا ہے اور اب ان کے اندر مزید گنجائش نہیں ہے،

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (۳)

ان کے لئے سب برابر ہے، آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں

ہیں۔ خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر گویا مہر لگا دی ہے کہ نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں اور آنکھوں پر بھی پردے پڑ گئے ہیں، ان کے واسطے آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔

یعنی ان کے دل بھر چکے ہیں، ان کے دل کی ظرفیت ختم ہو چکی ہے، ان کو بتانا یا نہ بتانا برابر ہے، ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، ان کو موعظہ کرنا یا نہ کرنا برابر ہے، یعنی جیسے کوئی بھری ہوئی چیز ہو مثلاً پتھر ہے کہ جو پُر ہے اور اندر جگہ نہیں ہے، خلا نہیں ہے، جوف نہیں ہے، اس طرح سے کبھی دل بھی بھر جاتا ہے اور پتھر کی طرح ہو جاتا ہے،

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ..... (۴)
پھر تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے پتھر.....

جس طرح پتھر کے اندر سرے سے ایک قطرے کی گنجائش نہیں ہوتی ہے تو اسی طرح دل کے اندر بھی گنجائش نہیں ہوتی ہے بلکہ ختم ہو جاتی ہے اور قسادت آ جاتی ہے۔ پس اگر دل محلِ نزولِ قرآن ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ دل جس طرح محلِ نور ہے اسی طرح معرضِ معرضِ نجاست اور معرضِ خطر میں بھی موجود ہے، اس دل کو زنگ لگ جاتا ہے، روایات میں خود لفظ زنگ استعمال ہوا ہے کہ جس طرح سے لوہے کو زنگ لگتا ہے اس طرح سے دل کو بھی زنگ لگ جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ زنگ خوردہ دل اپنے اندر نور نہیں سما سکتا، نور اس کے اندر نہیں جاسکتا ہے۔

تطہیرِ قلب سے متعلق معصومینؑ سے فراواں روایات منقول ہیں، غرر الحکم جو امیر المومنین حضرت علیؑ کے کلمات کا مجموعہ ہے اس میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ

دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت

طَهِّرُوا قُلُوبَكُمْ

اپنے دلوں کو پاک کرو، اپنے دلوں کی تطہیر کرو، کس چیز سے تطہیر کرو؟

مِنْ دَرَنِ السَّيِّئَاتِ

گناہوں کی ناپاکی سے، درن میل کو کہتے ہیں، گناہوں کے میل سے اپنے دلوں کو پاک

کرو، کیا نتیجہ ہوگا؟

تُضَاعَفُ لَكُمْ الْحَسَنَاتُ

تمہیں کئی گنا حسنات حاصل ہوں گے،

اس طرح امیر مومنین علیؑ نے فرمایا ہے کہ

طَهِّرُوا قُلُوبَكُمْ مِنَ الْحَسَدِ فَإِنَّهُ مُكْمِدٌ مُضْنِيٌّ (۵)

یعنی اپنے قلوب کو حسد سے پاک کرو بیشک یہ دل کی تنگی، افسردگی اور لاعلاج بیماری کا سبب

ہے.....

ایک اور حدیث مبارک میں ہے کہ

طَهِّرُوا قُلُوبَكُمْ مِنَ الْحَقْدِ، فَإِنَّهُ دَاءٌ مُؤَبِّيٌّ (۶)

یعنی اپنے قلوب کو کینہ سے پاک کرو بیشک یہ وبا کی بیماری کی طرح ہے۔

گناہوں کی آلودگیاں ظرفِ دل کو تنگ کر دیتی ہیں لہذا جب انسان بارگاہِ خدا میں اپنا چھوٹا

ظرف لے کر جاتا ہے تو وہ جلدی بھر جاتا ہے، جیسے سورہ مبارکہ رعد میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے

دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت

فرمایا کہ اگر محروم ہو تو اس محرومی کا گلہ خدا سے نہ کرو، خدا نے تو تمہیں کم نہیں دیا ہے بلکہ تم نے خود کم لیا ہے، اگر معلم یکساں طور پر سب شاگردوں کے لئے ایک درس بیان کرتا ہے اور یہ کسی کو سمجھ میں آتا ہے اور کسی کو سمجھ میں نہیں آتا ہے، کوئی سنتا ہے اور کوئی نہیں سنتا ہے تو بعد میں اٹھ کر گلہ نہ کرے کہ مجھے کم سمجھایا اس کو زیادہ سمجھایا ہے، سمجھایا تو یکساں ہے لیکن کسی نے کم سمجھا ہے اور کسی نے زیادہ سمجھا ہے، زیادہ کون سمجھا ہے؟ جس کا ذہن آمادہ تھا، جس کی فہم آمادہ تھی، کم کون سمجھا؟ جس کے اندر غفلت تھی، جو آمادہ نہیں تھا، خداوند کا فرمانا ہے کہ

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا (۷)

اس نے آسمان سے پانی برسایا تو وادیوں میں بقدرِ ظرف بہنے لگا.....

خداوند نے آسمان سے یکساں پانی اتارا ہے لیکن ندیاں، نالے، وادیاں اپنی اپنی مقدار میں بہنے کے لئے ہیں یعنی ان کے اندر جتنی گنجائش تھی اتنا ہی پانی ان کے اندر بہا ہے، اس سے زیادہ نہیں بہہ سکتا ہے، یہ بات خداوند کے قانون کے خلاف ہے کہ ظرفیت سے زیادہ کسی جگہ کچھ ڈال دے چونکہ خود ظرف نابود ہو جائے گا۔ یہ وادیاں، یہ ندیاں رحمتِ خدا کو لینے کے لئے چھوٹی بڑی کیوں ہیں؟ یہ چھوٹی بڑی خدا نے نہیں بنائی ہیں، یہ چھوٹی بڑی ہم نے کر لی ہیں، خدا نے ایک جیسے دل دیئے تھے، لیکن بعض لوگوں نے ان دلوں کی ظرفیت کو بڑھا لیا،

جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے.....

جو دوائے دل بیچتے تھے ان کا کاروبار چمک گیا لیکن جو دوائے شہوات بیچتے تھے ان کا دل

دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت

بند ہو گیا،

خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ.....

بعض ایسے تھے کہ جن کی توجہ اپنے دل پر تھی اور انہوں نے اپنے دل کی ظرفیت خوب بڑھالی لہذا اب جب رحمتِ خدا اترتی ہے تو ان کے دلوں میں ایک سمندر کی طرح پانی بہہ نکلتا ہے لیکن بعض ایسے ہیں کہ جن کے دل میں ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکتا ہے کیونکہ انسان کا دل جب اتنا سخت ہو جاتا ہے تو قرآن نے یہ کہا ہے کہ

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنْ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنْ مِنْهَا لَمَا يَشَقُّ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنْ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے پتھر یا اس سے بھی کچھ زیادہ سخت کہ پتھروں میں سے تو بعض سے نہریں بھی جاری ہو جاتی ہیں اور بعض شگافہ ہو جاتے ہیں تو ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض خوفِ خدا سے گر پڑتے ہیں لیکن اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

کچھ پتھر ایسے بھی ہیں کہ جن سے پانی پھوٹتا ہے لیکن کچھ دل ایسے ہیں کہ ان سے ایک قطرہ بھی نہیں ٹپک سکتا، ان کے اندر ایک قطرہ تک نہیں اتر سکتا ہے، کچھ دل ایسے ہیں کہ جن سے پانی نکلتا ہے، چشمے پھوٹتے ہیں لیکن علم و حکمت کے بارے میں ایک رطوبت تک ان کے دلوں میں اثر نہیں کرتی ہے، پس یہ وہ انسان ہیں کہ جنہوں نے خود اپنے دل کو میل سے پاک نہیں کیا ہے چونکہ دل و

دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت

نفس روز معرض آلودگی میں ہے، روز کا کام روز کرنا چاہئے، ایسا تو نہیں ہے کہ پسینہ ہمیں روز آئے اور نہائیں ہم مہینے کے بعد، چھ مہینے کے بعد یا سال کے بعد۔

بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کا گنیز بک کے اندر ریکارڈ ہے کہ چھ سال کے بعد ایک دفعہ نہایا ہے اور وہ بھی کسی نے زبردستی نہلا دیا ہے، بعض کو تو صرف مردہ شو نہلائے گا یعنی اس لئے نہیں نہاتے ہیں کہ وہ پیسے جو اس کو دیں گے وہ مفت میں نہ کھائے بالآخر اس کو بھی زحمت کرنی پڑے، ایسا نہ کریں بلکہ روز نہائیں اور روز جسم پاک کریں، جس طرح جسم کے بارے صفائی کا خیال کرتے ہیں اسی طرح دل کی صفائی کا بھی خیال کریں، دل زیادہ معرض خطر ہے، جسم کو آپ نے کپڑوں میں لپیٹا ہوا ہے لہذا پھر بھی آلودگیوں سے بچ جاتا ہے لیکن دل عریاں ہے، دل کے دروازے سب پر کھلے ہوئے ہیں، اس کے درتے ہر چیز پر کھلے ہوئے ہیں، آلودگی ہر طرف سے دل کے اندر آرہی ہے خصوصاً اس زمانے میں ٹی وی دیکھو تو آلودگی دل میں آرہی ہے، ٹیلیفون سنو تو آلودگی دل میں آرہی ہے، آنکھ کھول کر بازار میں جاؤ تو آلودگی دل میں آرہی ہے، کسی کی بات سنو تو آلودگی دل میں آرہی ہے۔

آپ یہ دیکھیں کہ چوبیس گھنٹوں میں کتنے لوگ ایسے ہیں کہ جو ہم سے حکمت کی باتیں کرتے ہیں اور کتنے ہیں جو ہم سے لغویات تبادلہ کرتے ہیں یعنی جس کو ہم تبادلہ افکار کہتے ہیں حقیقتاً ان کا نام تبادلہ لغویات ہے، ایک لغوبات میں کرتا ہوں، ایک لغوبات وہ کرتا ہے اور اس طرح لغویات کا تبادلہ ہو رہا ہوتا ہے، میں اس کا دل آلودہ کر رہا ہوں اور وہ میرا دل آلودہ کر رہا ہے البتہ جب میں بات کرتا ہوں تو میری بات سے اس کا دل بھی آلودہ ہوتا ہے اور میرا اپنا دل بھی آلودہ ہوتا

دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت

ہے، یہ نہیں ہے کہ فقط اس کا دل آلودہ ہوتا ہے بلکہ ہر دو کا دل آلودہ ہوتا ہے، پس اس دل کو روزِ تطہیر کی ضرورت ہے، درنِ سینات یعنی ان گناہوں کے میل سے دل کو پاک کرو۔

۴) مبلغین پہلے اپنے مخاطب تیار کریں

قرآن کا بھی دستور ہے کہ لوگ پہلے اپنے دل کی تطہیر کریں اور انبیاء علیہم السلام کو بھی خداوند تبارک و تعالیٰ نے جہاں خطاب پر مامور کیا ہے تو وہاں مخاطب تیار کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ یہ کام مبلغین کو سیرتِ انبیاء علیہم السلام سے سیکھنا چاہئے، ہم فقط اس بات پر مامور نہیں ہیں کہ جو بات اپنے ذہن میں ہے وہ دوسروں تک منتقل کرنا ہے، مبلغ کا فقط یہ فریضہ نہیں ہے بلکہ وہ یہ دیکھے کہ جس ذہن میں منتقل کرنا ہے وہ ذہن اس بات کے لئے تیار بھی ہے یا نہیں ہے؟ اور ممکن ہے کہ تیار نہ ہو، جیسے کہ نہیں ہوتا ہے چونکہ لوگوں کے دل روزمرہ کی زندگی میں مشغول رہتے ہیں، دنیا کے اندر مشغول رہتے ہیں، روزمرہ کے معاملات میں مشغول رہتے ہیں، اپنی پریشانیوں میں، اپنے غم و حزن میں اور کا و بارِ دنیا میں مشغول رہتے ہیں لہذا یہ دل کہ جس کے اوپر آلودگیاں بھی ہوں، جو گناہ بھی کرتا ہو، جس میں غفلت بھی ہو، جو پریشان بھی ہو اور جو مشکلات میں بھی گرفتار ہو تو آپ کا کام فقط یہ نہیں ہے کہ آپ نے اس کو فقط قرآن کی آیت سنا کر آجانی ہے اور اس طرح اپنا فریضہ انجام دے دینا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ..... (۸)

اور ہماری ذمہ داری صرف واضح طور پر پیغام پہنچا دینا ہے۔

مبلغین پہلے اپنے مخاطب تیار کریں

بلکہ آپ کا فریضہ یہ ہے کہ پہلے اس دل کو تیار کریں، اگر انسان دوسوم وقت، دو تہائی وقت دل تیار کرنے میں لگائے اور پھر ایک تہائی وقت میں اصلی بات بتائے تو اس نے وقت ضائع نہیں کیا ہے بلکہ اپنی بات درست طریقے سے منتقل کی ہے۔

۵) انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تبلیغ

قرآن نے فریضہ انبیاء اور تبلیغ انبیاء کا طریقہ ذکر کیا ہے،

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ..... (۹)

اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو انہی میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے اور ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے.....

جب تک انبیاء تزکیہ نہ کریں، لوگوں کے دلوں کی تطہیر نہ کریں تو دل موعظہ کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ دل تو پہلے سے ہی آمادہ نہیں ہیں کیونکہ دلوں میں پہلے سے ہی بہت کچھ بیٹھا ہوا ہے، دلوں میں مال بیٹھا ہوا ہے، دلوں میں ثروت بیٹھی ہوئی ہے، دلوں میں غیر خدا بیٹھا ہوا ہے، دلوں میں مشکلات بیٹھی ہوئی ہیں، دل رنج و اندوہ سے بھرے ہوئے ہیں، ان دلوں کے اندر تو جگہ نہیں ہے کہ جو کچھ آپ بتانا چاہتے ہیں وہ ان کے دل میں سما سکے۔ پس پہلے ان دلوں کا تزکیہ کریں، جب تطہیر ہو جائے تو

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ..... (۱۰)

انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تبلیغ

اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے.....

اب یہ دل کتاب و حکمت کے لئے تیار ہو گیا ہے ورنہ انسان فقط لوگوں کو جا کر کتاب و حکمت بتانا شروع کر دے اور کہے کہ دل تیار کرنا ہمارا کام نہیں ہے تو یہ کام عبث ہوگا۔ فریضہ انبیاء بھی ہے کہ پہلے تطہیرِ قلوب کریں، پیغمبر اکرم ﷺ کو فرمان ہے کہ

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ..... (۱۱)

پیغمبر آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے لیجئے کہ اس کے ذریعے یہ پاک و پاکیزہ ہو جائیں.....

یعنی آپ ان کے اموال سے صدقہ لے کر ان لوگوں کی تطہیر کریں، ان کے اموال میں سے ایک حصہ لیں تاکہ ان لوگوں کی تطہیر ہو، اگر تُطَهِّرُهَا یا تُطَهِّرُهُ ہوتا تو معنی یہ ہوتا کہ مال کی تطہیر کرو، خذ من اموالہم صدقۃً تطہرہا یعنی ان کے اموال سے صدقہ لے کر ان کے مال کو پاک کریں لیکن قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ ان کے مال سے صدقہ لوتا کہ آپ ان کو پاک کرو، اس لئے کہ ان کے دلوں کے اندر محبتِ مال ہے، یہ مال ان سے لیں تاکہ ان کا دل پاک ہو، یہ مال راہِ خدا میں انفاق کریں تاکہ ان کا دل پاک ہو، پس پہلے ان کا تزکیہ کریں تاکہ دل آمادہ ہوں۔

انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تبلیغ

۶) قرآن ہر دل میں داخل نہیں ہوتا

نورِ قرآن اترنے کے لئے دل کو تیاری کی ضرورت ہے، ہمارے گھر اگر کوئی محترم مہمان آرہا ہو تو ہم اس کے لئے گھر کو تیار کرتے ہیں کیونکہ بے نظم ہوتا ہے، فرض کریں کہ آپ ہاسٹل (Hostel) میں رہتے ہیں کہ جہاں عموماً بے نظمی ہوتی ہے، جہاں انسان رہتا ہے، پڑھتا ہے، کھاتا ہے، اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے تو وہاں بے نظمی موجود رہتی ہے اور طلاب کے ہاں تو خصوصاً بے نظمی ہی ہے کہ ہمارا نظم ہی بے نظمی میں ہے، ہمارا ڈسپلن (Discipline) یہ ہے کہ ڈسپلن نہ ہو، کوئی چیز جگہ پہ موجود نہ ہو، کتاب دیگچی میں پڑی ہوئی ہو، جراب فرج (Fridge) میں پڑے ہوئے ہوں اور ڈھونڈتے وقت ہر چیز ہر جگہ ڈھونڈی جائے، نظم ہونا چاہئے اور ہر چیز اپنی خاص جگہ پر موجود ہونی چاہئے۔ اگر کمرہ بے نظم ہے، صفائی نہیں ہے اور آپ نے ایک محترم مہمان کو اپنے گھر میں بلا لیا ہے تو پہلے گھر کی صفائی کرتے ہیں، اس کو منظم کرتے ہیں تاکہ یہ محترم مہمان آپ کے گھر میں آجائے۔

بعض مہمان ایسے ہیں کہ اگر ان کے لئے ظرف آمادہ نہ ہو تو وہ مہمان اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں جیسے ملائکہ ہیں، روایات میں ہے کہ جس گھر میں کتے پالے ہوئے ہوں وہاں ملائکہ داخل نہیں ہوتے ہیں، ایسے مومنین بھی ہیں، کتے باز مومنین جنہوں نے کتے پالے ہوئے ہیں اور جس گھر میں کتا ہو وہاں ملائکہ داخل نہیں ہوتے ہیں، جس گھر میں گالی دی جاتی ہو وہاں ملائکہ داخل نہیں ہوتے ہیں، جس گھر میں تہمتیں ہوں وہاں ملائکہ داخل نہیں ہوتے ہیں۔ کتے سے مراد ضروری نہیں ہے کہ چار ٹانگوں والے کتے ہوں چونکہ قرآن نے دو طرح کے گدھوں کا ذکر کیا ہے اور دو طرح

کے کتوں کا ذکر کیا ہے، دو ٹانگوں والے اور چار ٹانگوں والے،

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا

..... (۱۲)

ان لوگوں کی مثال جن پر توریت کا بار رکھا گیا اور وہ اسے اٹھانہ سکے اس گدھے کی مثال

ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو.....

یہ دو ٹانگوں والے ہیں، ایک چار ٹانگ کا گدھا ہے جو سامان اٹھاتا ہے، ایک دو ٹانگوں والا

گدھا ہے کہ جو کتاب آسمانی پڑھنا نہیں جانتا ہے، قرآن پڑھنا نہیں جانتا ہے یا پڑھنا تو جانتا ہے

لیکن حق قرآن ادا نہیں کرتا ہے، اس کو اپنی زندگی کا منشور نہیں بناتا ہے، قرآن کی زبان میں یہ انسان نہیں ہے۔

بعض انسانوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ

الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلُ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَتْرُكُهُ يَلْهَثُ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بآيَاتِنَا

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۱۳)

اور اگر ہم چاہتے تو اسے انہیں آیتوں کے سبب بلند کر دیتے لیکن وہ خود زمین کی طرف

جھک گیا اور اس نے خواہشات کی پیروی اختیار کر لی تو اب اس کی مثال کتے جیسی ہے کہ اس پر حملہ

کرو تو بھی زبان نکالے رہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے.....

بعض انسان ایسے ہیں کہ ان کو چھیڑ تو بھی گالی دیتے ہیں اور نہ چھیڑ تو بھی گالی دیتے ہیں۔ آپ ان سے کوئی سروکار رکھیں یا نہ رکھیں وہ ہر وقت آپ کے پیچھے بول رہے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ وہ ہیں کہ ان کے اوپر پتھر اٹھاؤ تو بھی بھونکتے ہیں اور نہ اٹھاؤ تو بھی بھونکتے ہیں،

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ.....

انکی مثال کتے جیسی ہے، جس گھر میں ایسے لوگ ہوں وہاں ملائکہ داخل نہیں ہوتے ہیں، ملائکہ وہ مہمان ہیں کہ جن کے لئے گھر کو تیار کرنا پڑتا ہے، آمادہ کرنا پڑتا ہے، پس قرآن نور ہے اور نور ہر دل میں داخل نہیں ہوتا ہے۔

(۷) خدا کو جمیل اور بلند مرتبہ لوگ پسند ہیں

ذاتِ خدا جمیل ہے،

إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ..... (۱۴)

بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے.....

دعائے سحر میں ہم پڑھتے ہیں کہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ جَمَالِکَ بِاَجْمَلِہٖ وَ کُلُّ جَمَالِکَ جَمِیْلٌ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ
اَسْئَلُکَ بِجَمَالِکَ کُلّہ.....

اے اللہ میں سوال کرتا ہوں تجھ سے تیرے جمال میں سے جو بہت زیبا ہے اور تیرا سارا

خدا کو جمیل اور بلند مرتبہ لوگ پسند ہیں

جمال زیبا ہے، اے معبود میں تجھ سے تیرے تمام جمال کے ذریعے سوال کرتا ہوں.....

یعنی ذاتِ خداوند تبارک و تعالیٰ جمالِ محض ہے۔ اسی طرح خدا کی ذات بلند اور عالی ہے،

دعائے سحر ہی میں مذکور ہے کہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ عُلُوِّكَ بِاَعْلَاهُ وَ كُلِّ عُلُوِّكَ عَالِی اللّٰهُمَّ اِنِّیْ

اَسْئَلُكَ بِعُلُوِّكَ كُلِّہ.....

اے اللہ میں تجھ سے تیری بلند تر بلندی کے ذریعے سوال کرتا ہوں اور تیری ہر بلندی بلند تر

ہے، اے معبود میں تجھ سے تیری تمام تر بلندی کے ذریعے سوال کرتا ہوں.....

حدیثِ مبارک میں آیا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ مَعَالِیْ الْاُمُوْر..... (۱۵)

خدا کو بلند لوگ اچھے لگتے ہیں، بلند ہمت لوگ اچھے لگتے ہیں، بلند مرتبہ لوگ اچھے لگتے

ہیں، بلند درجہ لوگ اچھے لگتے ہیں، بلند مقام لوگ اچھے لگتے ہیں، پست اور گھٹیا چیز خدا کو اچھی نہیں لگتی

ہے۔

وَيَكْرَهُ سَفَاسِفَهَا.....

یعنی خدا کو اسفل اور پست چیزیں اچھی نہیں لگتی ہیں،

اسی طرح حدیث میں ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ مَعَالِیْ الْاَخْلَاق..... (۱۶)

خدا کو جمیل اور بلند مرتبہ لوگ پسند ہیں

بیشک اللہ کو بلند اخلاق پسند ہیں.....

چونکہ وہ خود بلند ہے لہذا اس کو بلندیاں اچھی لگتی ہیں یعنی ایسے بلند ہمت انسان، بلند اخلاق انسان، بلند مرتبہ و بلند مقام انسان خدا کو اچھے لگتے ہیں کہ جن کے درجات بہت بلند ہیں، مجاہدین خدا کو اچھے لگتے ہیں، خاموش اور ساکت بیٹھی ہوئی مخلوق خدا کو پسند نہیں ہے چونکہ مجاہد بلند مرتبہ اور بلند ہمت انسان ہیں۔

اسی طرح خدا کی ذات خود پاک ہے، نور ہے لہذا نگاہِ خدا بھی محلِ نورانی پہ جاتی ہے، ہمیں بھی کہا گیا ہے کہ آپ ہر جگہ نہ دیکھو، ہر چہرہ نہ دیکھو، ہر منظر نہ دیکھو، ہر روزن میں نہ جھانکو بلکہ دیکھنے کے لئے انتخاب کرو اور ایسی چیزیں دیکھو کہ جس سے تمہارے دلوں کی اندر نورانیت پیدا ہو، کدورت اور میل کچیل پیدا نہ ہو۔

لہذا اپنے دل کو پاک رکھو چونکہ اس میں قرآن اترنا ہے، قرآن فقط عربی نہیں ہے، قرآن کلامِ خدا ہے، نورِ خدا ہے لیکن کیوں نہیں اترتا ہے؟ حفظ بھی کر لیتے ہیں لیکن نورِ خدا نہیں اترتا ہے، قرأت بھی کرتے ہیں لیکن نورِ خدا نہیں اترتا ہے، پڑھ بھی لیتے ہیں لیکن نورِ خدا نہیں اترتا ہے، کیوں نہیں اترتا ہے؟ چونکہ دل آمادہ نہیں ہیں، تلفظ سے تو دل آمادہ نہیں ہوتا ہے، اگر دل پاک ہو جائے تو یہ آمادہ ہو سکتا ہے۔

خدا کو جمیل اور بلند مرتبہ لوگ پسند ہیں

۸) پاک دل موردِ نگاہِ خدا

مولائے متقین حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ

قُلُوبُ الْعِبَادِ الطَّاهِرَةِ مَوَاضِعُ نَظَرِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ..... (۱۷)

بندوں کے پاکیزہ دل خدا کی نظر (رحمت) کے مقامات ہیں.....

یعنی مومنین کے پاک دل، عبادِ خدا کے پاک دل محلِ نگاہِ خدا ہیں،

فَمَنْ طَهَّرَ قَلْبَهُ نَظَرَ إِلَيْهِ.....

پس جس نے اپنے دل کو پاک کیا خدا اس کی طرف دیکھے گا.....

قیامت میں ایک سخت سزا ہے کہ جسے جہنم حرمان کہتے ہیں اور ایک عالی ترین جنت ہے کہ

لَا جَنَّةَ فَوْقَهَا..... (۱۸)

اس کے بعد کوئی جنت نہیں ہے،

وہ جنتِ لقاء ہے کہ جو مخصوص بندگانِ خدا و عبادِ اللہ کے لئے ہے، یہ عبادِ انعم کے لئے نہیں

ہے، نعمتوں کے بندوں کے لئے نعمتوں کی جنتیں ہیں، جنہوں نے نعمتوں کے لئے خدا کی عبادت کی

ہے ان کے لئے وہ جنت ہے کہ جو نعمتوں سے بھری ہوئی ہے لیکن جو فقط خدا کے لئے ہیں تو ایسا نہیں

ہے کہ خدا ان کو درختوں کے سپرد کر دیگا کہ آپ بہت اچھے آدمی ہو لہذا درختوں کے چھاؤں میں بیٹھ

جاؤ، نہیں، درختوں کی چھاؤں تو ہمارے لئے مفید نہیں ہے۔

ہمیں سایہ خدا چاہئے، سایہ لطف خدا چاہئے، سایہ فیض خدا چاہئے، ہمیں اس سائے کی ضرورت ہے، ان کے لئے جنتِ مخصوص ہے اور اس کو جنتِ لقاء کہتے ہیں، یہ جنتِ لقاء میں جائیں گے اور اسی طرح سخت ترین جہنم کونسی ہے؟ سخت ترین جہنم، جہنمِ حرمان ہے، جس کیلئے امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں کہ اصلاً برداشت نہیں ہو سکتی ہے، دعائے کمیلؑ میں فرمایا کہ

يَا اِلٰهِي صَبْرْتُ عَلٰی حَرِّ نَارِكَ فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَنِ النَّظَرِ اِلٰی

کرامتک.....

اے خدا جہنم کی آگ کے شعلے پہ صبر ہو سکتا ہے لیکن تیری نگاہ نہ ہو، تو مجھے نہ دیکھے، یہ کیسے برداشت ہو سکتا ہے؟ یہ برداشت نہیں ہو سکتا اور خداوند نے قرآن میں فرمایا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

الَّيْمُ ۝ (۱۹)

اور نہ خدا ان سے بات کرے گا اور نہ روزِ قیامت ان کی طرف نظر کرے گا اور نہ انہیں

گناہوں کی آلودگی سے پاک بنائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

خدا کا ان سے بات نہ کرنا اور ان پر نظر نہ کرنا کنایہ ہے یعنی ان پر خدا کی توجہ نہیں ہوگی، یہ

جہنمِ حرمان میں ہوں گے، جہنمِ حرمان سب سے بڑی جہنم ہے، پس انسان پر نگاہِ خدا بالآخرین لطف

ہے، جس کے اوپر نگاہِ خدا پڑے تو وہ منتخب خدا ہے، وہی برگزیدہ خدا ہے کہ جس نے اپنے دل کو تیار

پاک دل مور و نگاہِ خدا

کیا ہوا ہے۔ ابھی لوگ امامِ زمانہ علیہ السلام کے پیچھے گھومتے ہیں کہ امامِ زمانہ علیہ السلام کہیں مل جائیں اور امامِ زمانہ علیہ السلام انہی لوگوں کے شر سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں کہ جو امام علیہ السلام کے پیچھے گھومتے ہیں لیکن اگر کوئی دل آمادہ ہو تو امام علیہ السلام خود اس کی طرف آتے ہیں، چونکہ جب دل آمادہ ہو، پاک ہو تو خدا نگاہ کرتا ہے لہذا اولیائے خدا بھی وہیں نگاہ کرتے ہیں کہ جہاں خدا کی نگاہ ہے، اللہ کی نگاہ قلوبِ مطہرہ کے اوپر ہے،

لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ (۲۰)

پاکیزہ لوگوں کے علاوہ قرآن کو کوئی مس نہیں کر سکتا ہے یعنی سمجھ نہیں سکتا ہے اور قرآن کو دل نے مس کرنا ہے پس جب تک دل پاکیزہ نہیں ہو تو قرآن کو نہیں سمجھ سکتا ہے۔

۹) تطہیرِ قلبِ اعضاء و جوارح سے ظاہر ہوتی ہے

فہمِ قرآن تطہیرِ قلب پر موقوف ہے، دل کو پاک رکھیں لیکن اس طرح سے نہیں کہ جس طرح عام آلودہ لوگ عملِ صالح ترک کر کے کہتے ہیں کہ بس دل پاک ہونا چاہئے، نہیں، ان کے دل ناپاک ہیں اسی لئے تو عملِ صالح سرزد نہیں ہوتا ہے، بالآخر انسان کے اعضاء و جوارح سے تطہیرِ دل و طہارتِ قلب نمایاں ہو جاتی ہے۔ جیسے کہا تھا کہ دل تین چیزوں کا مرکز ہے، فہم کا مرکز ہے، احساسات کا مرکز ہے اور تحریکات کا مرکز ہے۔ اعضاء و جوارح میں جو حرکت پیدا ہوتی ہے یہ دل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، زمامِ اعضاء دل کے پاس ہے، دل ان کا امام ہے، دل ضمام دار ہے، اعضاء و

تطہیرِ قلب اعضاء و جوارح سے ظاہر ہوتی ہے

جوارح کا فرماں روا و حکمران دل ہے، حکومت دل کی ہے، پس اعضاء و جوارح سے جو سرزد ہوتا ہے وہ دل نے کروایا ہے، آنکھ نے جہاں دیکھا ہے تو دل نے کہا ہے کہ اسے دیکھو اور کان نے جو سنا ہے تو دل نے کہا ہے کہ اس کو سنو، دل مائل ہوتا ہے پھر اعضاء و جوارح حرکت میں آتے ہیں، دل اگر پاک ہو تو ان سے نور ٹپکتا ہے، فارسی میں ایک ضرب المثل ہے کہ

از کوزہ انچه تراود کہ در اوست .

کوزے سے وہی چیز ٹپکتی ہے کہ جو اس کے اندر موجود ہو، اگر کوزے کے اندر پاک چیز ہے تو پاک چیز باہر ٹپکے گی، اگر ناپاک چیز ہے تو ناپاک چیز باہر ٹپکے گی، اسی طرح اعضاء و جوارح دل کے اندر موجود چیزوں کے ٹپکنے کا ایک ذریعہ ہیں یعنی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر کیا ہے؟ فانوس کے اندر جیسا نور ہوتا ہے ویسا ہی شیشے سے باہر آتا ہے، اگر اندر نور سفید ہو تو نور سفید باہر آتا ہے، نور زرد ہو تو نور زرد باہر آتا ہے، انسان کے دل میں اگر سیاہی ہو تو اعضاء و جوارح سے سیاہی ٹپکتی ہے یعنی گناہ، اگر دل کے اندر تطہیر ہو، پاکی ہو، طہارت ہو تو اعضاء و جوارح سے طہارت ٹپکتی ہے، کن لوگوں کی زبان سے نور ٹپکتا ہے؟ جن کے دل میں نور ہے یعنی انسان بولتا ہے تو جملوں سے نور ٹپکتا ہے، کن لوگوں کی نگاہوں سے نور نکلتا ہے؟ جن کے دل میں نور ہے، آپ نے دیکھا ہوگا، بعض ایسی بارگاہیں ہیں، بارگاہوں سے مراد مزارات نہیں ہیں، بارگاہ سے مراد محضر ہے یعنی بعض شخصیات، بعض بزرگان کہ جیسے مسلم و غیر مسلم نے، شیعہ و غیر شیعہ نے، سب نے متفقاً کہا ہے کہ امام خمینیؑ سے مل کر ہم نے ان کی نورانیت حس کی ہے یعنی امامؑ کی نگاہوں کی نورانیت اس نے لمس کی

تطہیر قلب اعضاء و جوارح سے ظاہر ہوتی ہے

ہے، محسوس کی ہے کہ اس شخص کے اندر نورانیت موجود ہے۔

ائمہ اطہار علیہم السلام میں ایسا ہی تھا، اصحاب آتے تھے اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے پاس آ کر بیٹھتے تھے تو اس نورانیت کو محسوس کرتے تھے مثلاً امام صادق علیہ السلام کے پاس ایک شخص آ کر بیٹھا اور کہا کہ تعجب ہے جب ہم آپ کے سامنے ہوتے ہیں تو ہماری حالت کچھ اور ہوتی ہے اور جب آپ کی بارگاہ سے اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں تو ہماری حالت کچھ اور ہوتی ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یوں ہی ہونا چاہئے، اگر یوں نہ ہوتا تو تعجب ہوتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہاں آپ ایک خلیفہ خدا کی بارگاہ میں ہیں جو بنور وجہ اللہ دیکھتا ہے، جو نور خدا سے دیکھتا ہے اور اس کی نورانی نگاہیں تمہارے اوپر پڑتی ہیں، جب یہاں سے باہر جاتے ہو تو تم پر آلودہ لوگوں کی نگاہیں پڑتی ہیں، پھر کس طرح سے تمہاری روحوں کے اندر وہ نشاط پیدا ہو جو امام علیہ السلام کے دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ پس اعضاء و جوارح سے وہی چیز سامنے آتی ہے کہ جودل کے اندر موجود ہو۔

اللہ کو پاکیزہ لوگ پسند ہیں

۱۰) اللہ کو پاکیزہ لوگ پسند ہیں

خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی یہی بیان فرمایا کہ

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۝ (۲۱)

محقق خدا توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

خدا کو پاک لوگ پسند ہیں، توبہ بھی طہارت و تطہیر ہے، خدا کو پاکیزہ لوگ پسند ہیں، چونکہ وہ

خود پاک ہے۔ عام طور پر اردو زبان یا پنجابی زبان لوگ خداوند تبارک و تعالیٰ کو جن اسماء سے یاد کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ پاک کہتے ہیں۔ ایسا عربی میں کم ہوتا ہے، فارسی میں نہیں ہوتا ہے لیکن دیکھا ہے کہ اردو زبان لوگ یا اردو سے متعلقہ زبانوں مثلاً پنجابی زبان والے اکثر جب خدا کو یاد کرتے ہیں تو اللہ پاک کہتے ہیں اور بہت خوبصورت طریقے سے کہتے ہیں، خدا واقعاً پاک ہے اور پاک کو پاک چیزیں پسند ہیں لہذا ان دلوں کی تطہیر کریں، قرآن مجید نے دلوں کے لئے کچھ آلودگیاں ذکر کی ہیں یعنی ایسا نہیں ہے کہ فقط یہ کہا ہے کہ پاک کرو لیکن یہ نہ بتایا ہو کہ کن چیزوں سے دل کو پاک کرنا ہے، اول یہ کہ انسان اگر خود دل میں جا کر دیکھے تو اسے معلوم ہے کہ دل کے اندر کیا موجود ہے؟ انسان خود اپنے دل سے آگاہ ہے،

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ (۲۲)

بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے حالات سے خوب باخبر ہے۔

لہذا پہلے ان غلاظتوں سے دل پاک ہو ورنہ ہم پر موعظہ، وعظہ، کلامِ خدا اور نصیحتیں اثر نہیں کریں گی، علامہ اقبالؒ نے بال جبریل کے آغاز میں بھرتری ہری کا ایک شعر نقل کیا ہے کہ

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

ہیرا سخت ترین دھات ہے اور پھول کی پتی نازک ترین موجود ہے کہ جس کو گرم ہوا لگے تو مرجھا جاتی ہے، پڑمردہ ہو جاتی ہے لیکن یہی پھول کی پتی ہیرے کا جگر کاٹ سکتی ہے یعنی سخت ترین

اللہ کو پاکیزہ لوگ پسند ہیں

دھات کو یہ پھول کی پتی کاٹ سکتی ہے لیکن نادان انسان، جاہل انسان، احمق انسان کہ جس کا دل ناپاک ہو اس کے اوپر کلامِ نرم و نازک بے اثر ہے، کلامِ خدا بے اثر ہے، کلامِ رسول اللہ ﷺ بے اثر ہے، یہ حقیقت ہے، خداوند نے فرمایا ہے کہ

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

ان کے لئے سب برابر ہے، آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

رسول ﷺ کی تبلیغ جو معجزہ کا اثر رکھتی ہے لیکن خدا نے کہا کہ اے رسول ﷺ اپنے آپ کو ان کے ساتھ نہ تھکائیں۔

بعض کے بارے میں فرمایا کہ

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ (۲۳)

ان کے لئے سب برابر ہے چاہے آپ استغفار کریں یا نہ کریں خدا انہیں بخشنے والا نہیں ہے کہ یقیناً اللہ بدکار قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔

خدا انہیں کیوں معاف نہیں کرے گا؟ اس لئے کہ ان کی ظرفیت بھر چکی ہے، ناپاکی ان کے وجود کا حصہ بن چکی ہے، اب نہ کلامِ رسول ﷺ اثر کرے گا اور نہ کلامِ خدا اثر کرتا ہے چونکہ دل ناپاک ہیں اور آمادہ نہیں ہیں۔

۱۱) قرآن کے مطابق دل کی بیماریاں

قرآن نے دل کی ان بیماریوں کا ذکر کیا ہے کہ جن چیزوں سے دل کو پاک کرنا ہے تاکہ ہمارا ذہن قرآن کو مس کر سکے اور قرآن ہمارے ذہنوں میں نازل ہو سکے، ہمارے دلوں کے اندر جو چیزیں رکاوٹ بن کے بیٹھی ہوئی ہیں ان بیماریوں کے ہر عنوان کے پیچھے ایک سے زیادہ آیات موجود ہیں یعنی ایک سے بیشتر آیات کے اندر ان بیماریوں کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے چند بیماریوں کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱) غَلَطٌ

امراضِ دل میں ایک بیماری غَلَطٌ ہے، اس میں دل غلیظ ہو جاتا ہے، عرفِ عام میں یعنی عام بول چال میں غلیظ گندی چیز کو کہتے ہیں لیکن ادبی زبان میں یا لغت کے لحاظ سے اسے غلطت کہتے ہیں یعنی جو شفاف نہ ہو، جیسے شیشہ صاف ہوتا ہے، کسی چیز کے اندر شفافیت نہ ہو تو کہتے ہیں کہ وہ غلیظ چیز ہے یعنی جس سے نگاہ عبور نہ کرے، جس سے نور نہ گزرے اس کو غلیظ کہتے ہیں مثلاً دیوار ہے کہ اس سے نور باہر نہیں جاتا ہے اور نہ اندر آتا ہے لہذا یہ غلیظ ہے لیکن شیشہ کہ جیسے عینک ہے، عینک کا شیشہ غلیظ نہیں ہے بلکہ لطیف ہے کیونکہ اس سے نور گزرتا ہے۔ جس سے نور گزرتا ہو اسے لطیف کہیں گے اور جس سے نور رک جاتا ہے اس کو غلیظ کہتے ہیں، قرآن نور ہے اور یہ غلیظ دلوں میں نہیں اترتا ہے، کیوں نہیں اترتا ہے؟ چونکہ دل غلیظ ہیں، ان کے اندر غلطت ہے، شفافیت نہیں ہے۔ قرآن نے غلطت کا ذکر اس انداز میں کیا ہے کہ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ (۲۴)

پیغمبر! یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے نرم ہو ورنہ اگر تم بد مزاج اور غلیظ القلب ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے لہذا اب انہیں معاف کر دو۔ ان کے لئے استغفار کرو اور ان سے امر جنگ میں مشورہ کرو اور جب ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو کہ وہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

۲۴) غرور و تکبر

ایک بیماری دیگر کہ جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے وہ غرور اور تکبر ہے، بعض ایسے دل ہیں کہ جن کے اندر غرور ہے۔ قرآن میں متکبر قلب کیلئے خدا کا فرمان ہے کہ

الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ

الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ (۲۵)

جو لوگ آیات الہی میں بحث کرتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس خدا کی طرف سے کوئی

دلیل آئے وہ اللہ اور صاحبان ایمان کے نزدیک سخت نفرت کے حقدار ہیں اور اللہ اس طرح ہر مغرور

اور سرکش انسان کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

تکبر سے مراد اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنا ہے یعنی احساسِ کبرائی، اپنے اندر کبریائی کا احساس کرنا بھی دل کی بیماری ہے اور شیطان اسی بیماری سے گرا ہے، اس نے کہا کہ

خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝ (۲۶)

تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے خاک سے بنایا ہے۔

لہذا

أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ..... (۲۷)

میں اس سے بہتر ہوں،

یہ تکبر تھا یعنی بزرگ بینی، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، جنوں میں سے ایک شیطان ہوا ہے لیکن انسانوں میں سے دیکھیں کہ کتنے ہیں؟ کہ جو اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر اور بالاتر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ، اور خدا نخواستہ کہیں ہم خود نہ ہوں کہ یہ کہیں کہ دوسروں سے بہتر ہیں یعنی سب گناہ کر کے بھی دوسروں سے بہتر ہیں، متکبر دل میں قرآن اثر نہیں کرتا ہے اور نہ ہی اترتا ہے، ممکن ہے کہ عبادتوں کی وجہ سے تکبر آجائے، اچھے انسانوں میں بھی تکبر ہوتا ہے اور اتفاقاً زیادہ خطرے اچھے انسانوں کو درپیش ہیں، بعض گناہ گار ہیں کہ ان کے پاس گناہ کے باوجود تکبر ہے اور بعض تواضع کے ساتھ گناہ کرتے ہیں، بعض بیماریاں مذہبی لوگوں کی ہیں یعنی جو صرف مذہبی لوگوں کو لگتی ہیں باقی لوگوں کو نہیں لگتی ہیں، جیسے بعض بیماریاں ہیں کہ جو مخصوص زنانہ بیماریاں ہیں جو فقط عورتوں کو ہوتی ہیں مردوں کو نہیں ہوتی ہیں اسی طرح بعض بیماریاں مذہبیوں کی بیماریاں ہیں، بسا

غروبِ تکبر

اوقات آدمی عبادت کرتا ہے اور اسی عبادت پہ تکبر کرتا ہے۔

مولانا روم نے مثنوی میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک عبادت گزار انسان کہ جس کی نماز شب کبھی ترک نہیں ہوئی تھی، ایک رات تھکا ہوا تھا تو نماز کے لئے نہیں اٹھا، شیطان نے آکر اس کو اٹھایا کہ اٹھو صبح ہونے والی ہے اور نماز شب پڑھو، اس نے شیطان کو دیکھا تو پہچان لیا اور تعجب بھی کیا کہ شیطان مجھے نماز شب کے لئے اٹھا رہا ہے؟ سوال اٹھا، اس نے کہا کہ تو شیطان ہے اور مجھے نماز کے لئے اٹھا رہا ہے! شیطان نے کہا کہ تم انسان بھی عجیب ہو، تمہارے ساتھ نیکی کرو تو بھی برا کہتے ہو اور برائی کرو تو بھی برا کہتے ہو، نماز کے لئے اٹھایا ہے کوئی برا کام تو نہیں کیا ہے، لیکن یہ خوب ہے کہ شیطان نیکی کرے تو اس میں بھی شک کرو، امریکا اگر کوئی بھلائی بھی کرے تو اس میں شک کرو، یورپ اگر کوئی نیکی کرے تو بھی اس میں شک کرو، یہ شیطان ہے، یہ آپ نے نیکی کیوں کی؟ اس شخص نے کہا کہ نماز کو رہنے دو، پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں اٹھایا؟ تم تو شیطان ہو، بہر کیف پہلے تو شیطان نے ٹرانا چاہا لیکن اس کے اصرار پر آخر کار اس نے بتا دیا، کہا کہ میں نے تجھے اس لئے اٹھایا ہے کہ تیری نماز شب کبھی ترک نہیں ہوئی تھی اور اس وجہ سے تو غرور میں مبتلا تھا، تو دوسروں سے اپنے آپ کو بہتر سمجھتا تھا، تو اس سلسلے میں میرا بھائی تھا، میں بھی اس سلسلے اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہوں، صرف اس وجہ سے اٹھایا کہ تو نماز شب روز پڑھتا ہے، تو کہتا تھا کہ

أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ.....

اور آج تیری یہ نماز چھوٹ رہی تھی کہ جس کی وجہ سے آج تیرا تکبر ٹوٹ رہا تھا اور میں نہیں

چاہتا تھا کہ تو تکبر سے باہر آئے اس لئے تجھے اٹھایا تا کہ تو متکبر ہی رہے۔

بعض اوقات انسان ایک اچھا کام کر کے غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہی چیز قرآن سمجھنے میں مانع بن جاتی ہے، بعض ایسے ہیں کہ ان کے اندر یہی تکبر ہے کہ ہم کیوں پڑھیں؟ ہم کیوں مطالعہ کریں؟ ہم کیوں وہاں جائیں؟ ہم کیوں سنیں؟ ہم کیوں بیٹھیں؟ ہم کیوں مباحثہ کریں؟ یہ مغرور ہیں، آخر میں یہی محروم رہ جاتے ہیں۔

۳ (گناہ)

دل کی ایک بیماری گناہ ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي أُوتِيَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثَمُ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ (۲۸)

اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہیں مل رہا ہے تو کوئی رہن رکھ دو اور ایک کو دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار ہے اس کو چاہئے کہ امانت کو واپس کر دے اور خدا سے ڈرتا رہے، اور خبردار گواہی کو چھپانا نہیں کہ جو ایسا کرے گا اس کا دل گنہگار ہوگا اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

گناہ کی اپنی متعدد انواع و اقسام ہیں گناہ سے مراد فقط چند معروف گناہ یا جو گناہانِ کبیرہ

گناہ

میں لکھے ہوئے ہیں وہ ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت سے گناہ ہیں، جس طرح اطاعت کا میدان بہت وسیع ہے اسی طرح انسان گناہ بھی کئی گنا کرتا ہے، گناہوں کی کوئی تعداد معین نہیں ہے، بعض سب کچھ کر کے پھر گناہانِ کبیرہ میں دیکھتے ہیں کہ اس میں سے تو کوئی عنوان اس پرفٹ (Fit) نہیں ہوتا ہے؟ پھر خوش ہو جاتے ہیں کہ ان میں سے کسی میں درج نہیں ہے اور ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے، چونکہ اس نے ایسا حیلہ استعمال کیا ہے کہ یہ عنوان اس کے اوپر فٹ آ ہی نہیں سکتا، نہیں، گناہ لا محدود ہیں اور یہ دل کے درپے کو بند کر دیتے ہیں۔ گناہ دل کو سیاہ کر دیتے ہیں، یہ سرطان کی طرح ہیں، جس طرح سرطان انسان کے خلیوں کو سیاہ کر دیتا ہے، جلا دیتا ہے، اسی طرح گناہ دل کا سرطان ہے، فہم کا سرطان ہے، گناہ گار کبھی بھی علم حاصل نہیں کر سکتا ہے البتہ ٹیلیفون نمبر یاد کر سکتا ہے، ٹیلیفون ڈائریکٹری بن سکتا ہے، ممکن ہے کہ نوے ہزار ٹیلیفون نمبرز اس کو یاد ہوں، بہت سارے الفاظ اس کو یاد ہوں، پوری پوری عبارتیں اس نے رٹی ہوئی ہوں لیکن اس کو تو علم نہیں کہتے ہیں اور نہ ہی اس کے اندر کبھی علم آئے گا۔

4 غفلت

غفلت ایک بہت بڑا حجاب ہے، قرآن میں ہے کہ

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیدُوْنَ وَجْهَهُ

وَلَا تَعْدُ عِیْنَکَ عَنْهُمْ تُرِیدُ زِیْنَةَ الْحَیَاةِ الدُّنْیَا وَلَا تُطِیعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِکْرِنَا

وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝ (۲۹)

اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ صبر پر آمادہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی مرضی کے طلب گار ہیں اور خبردار تمہاری نگاہیں ان کی طرف سے پھر نہ جائیں کہ زندگانی دنیا کی زینت کے طلب گار بن جاؤ اور ہرگز اس کی اطاعت نہ کرنا جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہشات کا پیرو کار ہے اور اس کا کام سراسر زیادتی کرنا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰةَ الدُّنْيَا عَلٰى الْآخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمِعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ ۝ (۳۰)

اس لئے کہ ان لوگوں نے زندگانی دنیا کو آخرت پر مقدم کیا ہے اور اللہ ظالم قوموں کو ہرگز ہدایت نہیں دیتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور آنکھ، کان پر کفر کی چھاپ لگا دی گئی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً حقائق سے غافل ہیں۔

غفلت دل کی مخصوص بیماری ہے، عموماً ہم اس دل کو کہ جو پمپ (Pump) ہے روز جا کر چیک کراتے ہیں، کہتے ہیں کہ دل کی پرابلم (Problem) ہے، بعض لوگوں کے ساتھ دل کا پرابلم ہے، یہ اشرفی بیماریوں میں سے ہے، جس کو ہو وہ سمجھے کہ بڑے اعلیٰ طبقے کا ہے چونکہ غریب کو کھانسی ہوتی ہے، زکام ہوتا ہے اور ہاضمہ خراب ہوتا ہے۔



امیروں کی بیماریاں کیا ہیں؟ ان کو برین ہیمریج (Brain Hemorrhage) ہوتا ہے، ان کو ہارٹ اٹیک (Heart Attack) ہوتا ہے، ان کے دل کا والو (Valve) بند ہو جاتا ہے، البتہ آج غریب بھی زور لگوا کر یہ کام کروا لیتے ہیں اور ایسی بیماریاں ان کو بھی ہو جاتی ہیں لیکن یہ اثرانی بیماریاں سمجھی جاتی ہیں، بڑے فخر سے بتاتے ہیں کہ ہارٹ پرابلم (Heart problem) ہے، ہمارے دل کا مسئلہ ہے اور دل سے ان کی مراد پمپ ہے۔ واقعاً آپ کو دل کا مسئلہ ہے لیکن پمپ والے دل کا نہیں ہے بلکہ روح کا دل خراب ہے، آپ نے اس کا معائنہ نہیں کرایا ہے، اس کے اندر دیکھو کہ کیا کچھ ہے؟ اس کے سارے والو بند ہیں، اس کی ساری رگیں بند ہیں، یہ دل سیاہ ہے، سرطان زدہ ہے، اگر اس کا معائنہ کرواؤ تو پتہ چلے گا کہ دل میں کیا ہے؟ ہم یہ پمپ تو چیک کرواتے ہیں اور اس میں بہت مشکلات نکلتی ہیں لیکن جو روح کا دل ہے، نفس کا دل ہے، اس کا ڈر کے مارے کسی سے معائنہ نہیں کراتے ہیں ورنہ ہزاروں بیماریاں اس کے اندر لگی ہوئی ہیں، اسی میں سے ایک غفلت ہے، یہ بہت بڑی بیماری ہے اور اکثر لوگ اسی غفلت سے غافل ہیں، اس کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے جیسے موت کی طرف ہماری اصلاً توجہ نہیں ہے، حساب و کتاب و قیامت و خدا پر اصلاً توجہ نہیں ہے، یہی غفلت ہے، غفلت اسی کو کہتے ہیں کہ جانتے ہیں لیکن متوجہ نہیں ہیں، لوگ نہ اس کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ ہی اہمیت دیتے ہیں۔

5 (ضعف)

مرضِ بیماری کا عنوان ہے۔

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا

يَكْذِبُونَ ﴿٣١﴾

ان کے دلوں میں بیماری ہے اور خدا نے نفاق کی بنا پر اسے اور بھی بڑھا دیا ہے، اب اس

جھوٹ کے نتیجے میں انہیں دردناک عذاب ملے گا۔

مرضِ ضعف کو کہتے ہیں، دلِ بیمار یعنی ضعیف دل، کمزور دل بھی فہم میں مانع ہے، اس کے

ذریعے بھی انسان قرآن سمجھنے سے اور نور کے آنے سے محروم ہو جاتا ہے۔

6 (مختوم دل)

مختوم دل بھی اسی مہمور دل کو کہتے ہیں یعنی جس کی ظرفیت پر ہو گئی ہے اور اس کے اوپر مہر

لگ گئی ہے۔

خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ.....

خدا نے ان کے قلوب پر مہر لگا دی ہے.....

مختوم دل اس دل کو کہتے ہیں جو بند کر کے سیل (Seal) بھی کر دیا جائے، کچھ چیزیں

ایسی ہوتی ہیں کہ جو بھر جاتی ہیں مثلاً فائل بھر جاتی ہے تو پھر اس کو سیل کر دیتے ہیں کہ اب اس میں

ضعف

مزید گنجائش نہیں ہے۔

اسی طرح مال گاڑی میں سامان بھرتے ہیں اور جب بوگی (Bogie) بھر جاتی ہے اور اس میں مزید گنجائش نہیں رہتی ہے تو پھر اس کو سیل کر دیتے ہیں اور اسی میں کوئی مزید سامان ڈالنا چاہے تو کیا کہتے ہیں؟ یہ بھری ہوئی ہے اس میں اب کچھ نہیں ڈالا جاسکتا ہے، انہی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنْذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ.....

ان کے لئے سب برابر ہے، آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ خدا نے ان کے دلوں پر گویا مہر لگا دی ہے.....
یعنی اے نبی ﷺ ان کے دل سیل (Seal) کر دیئے گئے ہیں، اب ان میں موعظہ اور تذکرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ ختم ہو چکے ہیں۔

7 (مطبوع دل)

مطبوع بھی مہمور کو کہتے ہیں یعنی مہر شدہ، مختوم اور مطبوع دونوں ایک ہی معنی میں ہیں، طبع

مہر لگانے کو ہی کہتے ہیں۔ اس کیلئے متعدد آیات موجود ہیں مثلاً

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ
الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (۳۲)

الزام ان لوگوں پر ہے جو غنی اور مالدار ہو کر بھی اجازت طلب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ
پسماندہ لوگوں میں شامل ہو جائیں اور خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اب کچھ جاننے والے
نہیں ہیں۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝ (۳۳)
یہ اس لئے ہے کہ یہ پہلے ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تو اب
کچھ نہیں سمجھ رہے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا
الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝ (۳۴)
اور ان میں سے کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو آپ کی باتیں بظاہر غور سے سنتے ہیں، اس کے
بعد جب آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان سے کہتے ہیں کہ انہوں نے
ابھی کیا کہا تھا؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات
کا اتباع کر لیا ہے۔

كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (۳۵)

بیشک اسی طرح خدا ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو علم رکھنے والے نہیں ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ۝ (۳۶)

اس کے بعد ہم نے مختلف رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے اور وہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے لیکن وہ لوگ پہلے کے انکار کرنے کی بنا پر ان کی تصدیق نہ کر سکے اور ہم اسی طرح ظالموں کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَسَمِعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ (۳۷)

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور آنکھوں پر کفر کی چھاپ لگا دی گئی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً حقائق سے غافل ہیں۔

تِلْكَ الْقُرَى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝ (۳۸)

یہ وہ بستیاں ہیں جن کی خبریں ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں کہ ہمارے پیغمبران کے پاس معجزات لے کر آئے مگر پہلے سے تکذیب کرنے کی بنا پر ایمان نہ لاسکے، ہم اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیا کرتے ہیں۔

◀ (8) غیر متفقہ دل

غیر متفقہ دل یعنی جس دل میں تفقہ نہ ہو، جس میں فہم نہ ہو، یہ خود ایک بیماری ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ

بہا..... (۳۹)

اور یقیناً ہم نے انسان و جنات کی ایک کثیر تعداد کو گویا جہنم کے لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے

پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں.....

دلِ نافہم سارے کام کرتا ہے لیکن اس سے تفقہ کا کام نہیں ہو سکتا ہے۔

◀ (9) زیغ شدہ دل

قرآن نے دل کی ایک بیماری زیغ ذکر کی ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ

مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ

تَأْوِيلِهِ..... (۴۰)

اس نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں سے کچھ آیتیں محکم اور واضح ہیں جو اصل

کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں، اب جن کے دلوں میں زیغ ہے وہ انہی متشابہات کے پیچھے لگ جاتے

ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور من مانی تاویلیں کریں.....

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا..... (۴۱)

یعنی پروردگار اب ہمارے دلوں میں زلیغ پیدا نہ ہونے پائے.....

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ
الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ
رَّحِيمٌ (۴۲)

بیشک خدا نے پیغمبرؐ اور ان مہاجرین و انصار پر رحم کیا ہے جنہوں نے تنگی کے وقت میں پیغمبرؐ
کا ساتھ دیا ہے جب کہ ایک جماعت کے دلوں میں زلیغ پیدا ہو رہی تھی پھر خدا نے ان کی توبہ کو قبول
کر لیا کہ وہ ان پر بڑا ترس کھانے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔
زلیغ یعنی کھوٹ، ملاوٹ۔ یہ دل اصل حالت پہ باقی نہیں ہیں، ان میں زلیغ آگئی ہے،
کھوٹ آگئی ہے، ایسی چیزیں جن کے اندر کھوٹ آجاتی ہے تو پھر اس کے بعد یہ ناکارہ ہیں، اسی
طرح ایک فیصد بھی کھوٹ آجائے تو یہ دل بھی ناکارہ ہو جاتے ہیں، دل خالص ہونا چاہئے۔

◀ 10) اندھے دل

بعض لوگوں کیلئے قرآن نے فرمایا ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ دل اندھے ہیں
کہ جو سینوں کے اندر ہیں۔

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (۴۳)

درحقیقت آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر

پائے جاتے ہیں۔

یہ دل کے اندھے ہیں یعنی جن میں بصیرت نہیں ہوتی ہے، جن میں شعور نہیں ہوتا ہے، جو

حسن و گب کو نہیں پہچان سکتے ہیں، جن کو احساس نہیں ہوتا ہے۔ واقعا دنیا دل کی اندھی ہے، ان کو عراق

میں ظلم نظر نہیں آتا ہے، فلسطین میں ظلم نظر نہیں آتا ہے، کشمیر میں ظلم نظر نہیں آتا ہے، اگر بچے جتنا شعور

بھی ہو تو انسان کو یہ ساری چیزیں محسوس ہوتی ہیں اور دل پہ اثر ہوتا ہے لیکن یہ دل کے اندھے ہیں۔

◀ 11) بیزار دل

ایک بیماری بیزاری ہے یعنی اکٹاہٹ و نفرت، انسان کو اچھی چیزوں سے بیزاری ہو جاتی

ہے اور اتفاقاً یہ قرآن نے ذکر کی ہے کہ بعض ایسے ناکارہ دل ہیں کہ

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ

الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ (۴۴)

اور جب ان کے سامنے خدائے یکتا کا ذکر آتا ہے تو جن کا ایمان آخرت پر نہیں ہے ان

کے دل بیزار ہو جاتے ہیں اور جب اس کے علاوہ کسی اور کا ذکر آتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔

یعنی بعض توحید سے بیزار ہیں، شرک اس طرح ان کے دلوں میں رچ بس گیا ہے کہ یہ

توحید سے بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کے دل مشمزز ہیں یعنی بیزار ہیں، تذکرہ توحید سے ان کو بہت

بیزار دل

بوریت ہوتی ہے، تذکرہ خدا سے ان کو بوریت ہوتی ہے۔ کتنا بیمار دل ہے کہ جس کو خدا کے نام سے

بوریت ہوتی ہو درحالیہ

الْقَلْبُ حَرَمُ اللَّهِ..... (۴۵)

دل اللہ کا حرم ہے.....

اور آج اس دل کی حالت یہ ہے کہ اگر تنہا خدا کا نام لیں اور ساتھ میں غیر اللہ کا نام نہ لیں تو

یہ برداشت نہیں کرتا ہے، اس کے ماتھے پہ بل پڑ جاتے ہیں اور منہ لٹک جاتا ہے۔

12 ﴿مقفّل دل﴾

دل کی ایک حالت یہ ذکر کی گئی ہے کہ دل پہ تالا پڑا ہوا ہے۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (۴۶)

تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی غور نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں میں قفل پڑے ہوئے

ہیں۔

جیسے دروازے کو تالا لگا دیں تو کمرابند ہو جاتا ہے اور اب نہ کوئی اس میں آ سکتا ہے اور نہ جا

سکتا ہے، مقفل دل یعنی اب کوئی بات اس کے اندر نہیں جاسکتی۔

◀ (13) قسی دل

بعض قاسیہ القلوب یعنی سخت دل والے ہیں، پتھر کی طرح سخت دل کہ جن پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی ہے، جو دل متاثر نہیں ہوتا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ..... (۴۷)

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے پتھر یا اس سے بھی کچھ زیادہ سخت.....

فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (۴۸)

افسوس ان لوگوں کے حال پر جن کے دل ذکر خدا کے لئے سخت ہو گئے ہیں تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعْنَاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً..... (۴۹)

پھر ان کی عہد شکنی کی بنا پر ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا.....

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ

مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (۵۰)

کیا وہ شخص جس کے دل کو خدا نے اسلام کے لئے کشادہ کر دیا ہے تو وہ اپنے پروردگار کی

طرف سے نورانیت کا حامل ہے گمراہوں جیسا ہو سکتا ہے؟ افسوس ان لوگوں کے حال پر جن کے دل

ذکر خدا کے لئے سخت ہو گئے ہیں تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

قاسیہ اس دل کو کہتے ہیں کہ جو متاثر نہیں ہوتا ہے، نہ کہ متاثر کر نہیں سکتا ہے۔

14 ﴿مغلوف دل﴾

مغلوف دل یعنی غلاف میں لپٹے ہوئے دل۔ بعض دل ایسے ہیں کہ جن پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝ (۵۱)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف پڑے ہوئے ہیں، ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا بیشک ان کے کفر کی بنا پر ان پر خدا کی مار ہے اور یہ بہت کم ایمان لائیں گے۔

15 ﴿پردوں سے ڈھکے ہوئے قلوب﴾

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا..... (۵۲)

اور ان میں سے بعض لوگ کان لگا کر آپ کی بات سنتے ہیں لیکن ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں، یہ سمجھ نہیں سکتے ہیں اور ان کے کانوں میں بھی بہرا پن ہے، یہ اگر تمام نشانیوں کو دیکھ لیں تو بھی ایمان نہ لائیں گے.....

وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ

فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَوْ أَعْلَمُوا عَلَى أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ۝ (۵۳)

اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں کہ کچھ سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں کو بہرہ

بنادیتے ہیں اور جب تم قرآن میں اپنے پروردگار کا تنہا ذکر کرتے ہو تو یہ الٹے پاؤں متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں۔

اکنہ پردوں کو کہتے ہیں یعنی حجابوں میں، پردوں میں لپٹے ہوئے، چھپے ہوئے دل، جن کے آگے رکاوٹیں اور موانع ہیں۔

◀ 16 غل رکھنے والے دل

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٥٤﴾

اور ہم نے ان کے سینوں سے ہر طرح کی کدورت نکال لی ہے اور وہ بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے.....

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا

بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٥﴾

اور جو لوگ ان کے بعد آئے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ خدایا ہمیں معاف کر دے اور ہمارے

ان بھائیوں کو بھی جنہوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی ہے اور ہمارے دلوں میں صاحبانِ ایمان

کے لئے کسی طرح کا کینہ نہ قرار دینا کہ تو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

غل یعنی کینہ، ایسے دل جو کینے، کدورت و نفرت سے بھرے ہوئے ہیں۔

17 ﴿مُشَرَّبْ دِل﴾

وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ..... (۵۶)

اور ان کے دلوں میں گوسالہ کی محبت گھول کر پلا دی گئی ہے.....

مُشَرَّبْ دِل یعنی وہ دل کہ جن کے اندر گناہ اور شرک رچ بس گیا ہے۔ اشرا ب یعنی ان کے رگ و پے کے اندر اس کو ڈال دیا گیا ہے، باطل کی محبت ان کے اندر رچ بس گئی ہے۔

18 ﴿نِفَاقِ رِکْہَنے والے دِل﴾

منافقت دل کی ایک مخصوص بیماری ہے، ہارٹ پرابلم ہے۔

فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا

كَانُوا يَكْذِبُونَ (۵۷)

تو ان کے بخل نے ان کے دلوں میں نفاق راسخ کر دیا ہے اس دن تک کے لئے جب یہ خدا سے ملاقات کریں گے اس لئے کہ انہوں نے خدا سے کئے ہوئے وعدے کی مخالفت کی ہے اور جھوٹ بولے ہیں۔

وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا قَالُوا

لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعَنَا كُمْ هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا

لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ (۵۸)

اور منافقین کو بھی دیکھنا چاہتا تھا، ان منافقین سے کہا گیا کہ آؤ راہِ خدا میں جہاد کرو یا اپنے نفس سے دفاع کرو تو انہوں نے کہا کہ ہم کو معلوم ہوتا کہ واقعی جنگ ہوگی تو تمہارے ساتھ ضرور آتے، یہ ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تر ہیں اور زبان سے وہ کہتے ہیں جو دل میں نہیں ہوتا اور اللہ ان کے پوشیدہ امور سے باخبر ہے۔

19 ﴿غیظ والے دل﴾

وَيُذْهِبُ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (۵۹)

اور ان کے دلوں کا غصہ دور کر دے گا اور اللہ جس کی توبہ کو چاہتا ہے قبول کر لیتا ہے کہ وہ صاحبِ علم بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی ہے۔

غیظ یعنی ایسے دل جو ہمیشہ غیظ و غضب کی حالت میں ہیں۔

غیظ والے دل

20 ﴿شک والے دل﴾

ریب و شک بہت بڑی بیماری ہے، فہم کے لئے یہ سبھی مانع ہیں لیکن یہ بیماری دل فہم میں تھوڑا سا اور زیادہ مانع ہے یعنی ریب اور شک قرآن فہمی میں ایک بہت بڑی دل کی بیماری ہے اور اس سے دل کی تطہیر کرنی ہے، مطہر دل یعنی جس دل میں ریب و شک نہیں ہوتا ہے۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

حکیم ۵ (۶۰)

اور ہمیشہ ان کی بنائی ہوئی عمارت کی بنیاد ان کے دلوں میں شک کا باعث بنی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور انہیں موت آجائے کہ اللہ خوب جاننے والا اور صاحبِ حکمت ہے۔

21 ﴿لہوی دل﴾

لہوی یعنی سرگرم دل، بعض دل ایسے ہوتے ہیں جو ہمیشہ کسی نہ کسی میں لگے ہوئے ہیں، الجھے ہوئے ہیں، مشغول ہیں، یہ دل لہوی ہیں۔

لَا هِيَةَ قُلُوبُهُمْ (۶۱)

ان کے دل بالکل مشغول ہو گئے ہیں.....

22 ﴿زنگ آلود قلوب﴾

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (۶۲)

ہرگز نہیں! بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں۔

ران یعنی میل، زنگ۔ یہ بھی دل کی بیماری ہے، دل پر میل اور زنگ چڑھ جاتا ہے۔

ان کے علاوہ بھی کئی بیماریاں ہیں جو اس فصل کے حصہ اول میں فہرست وار درج کی گئی

ہیں، اس کے علاوہ روایات کے اندر بھی دل کی مزید بیماریاں بیان ہوئی ہیں۔ دل کے گناہ فقط انہی

پر منحصر نہیں ہیں بلکہ اس سے بیشتر بھی عناوین ہیں کہ جو دل کے لئے قرآن نے ذکر کئے ہیں کہ ان بیماریوں اور آلودگیوں میں دل مبتلا ہیں۔ اگر دل ان سب میں یا ان میں سے کسی ایک میں بھی مبتلا ہو اور اس دل کے سامنے آپ قرآن پڑھیں تو

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

ان کیلئے سب برابر ہے، آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ پس قرآن کیلئے پہلا فریضہ یہ ہے کہ دل کو آمادہ کریں یعنی ان بیماریوں سے دل کو پاک کریں، تطہیرِ قلب کریں۔ پہلے اپنا یہ ہارٹ پر اہم درست کریں اور ہر ایک کیلئے طریقہ ہے، عرض کیا تھا کہ انہیں پڑھ لینے سے علاج نہیں ہو رہا ہے بلکہ توجہ ہو رہی ہے لیکن بعد میں عملاً پاک کرنا ہے، ایک ایک کر کے ان سارے مسائل کو دل سے باہر نکالنا ہے اور جب دل پاک ہوگا تو پھر دیکھیں گے کہ خود ہی خود قرآن اترنا شروع ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ خداوند سب کو توفیق دے کہ ہم قلبی بیماریوں سے نجات پائیں۔

حوالہ جات

- (۱)..... (شرح نہج البلاغۃ المقتطف من بحار) (جلوہ تاریخ در شرح نہج البلاغۃ) (مناقب أمير المؤمنين (ع) - محمد بن سليمان الكوفي، الجزء ۲، صفحہ ۷۷) (سیمای کار گزاران علی ابن ابی طالب (ع)، الجزء ۱، صفحہ ۱۳)
- (۲)..... (الانسان الكامل فی نہج البلاغۃ) (شرح نہج البلاغۃ المقتطف من بحار) (جلوہ تاریخ در شرح نہج البلاغۃ) (مناقب أمير المؤمنين (ع) - محمد بن سليمان الكوفي، الجزء ۲، صفحہ ۷۷) (سیمای کار گزاران علی ابن ابی طالب (ع)، الجزء ۱، صفحہ ۱۳)
- (۳)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۷، ۶)
- (۴)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۷)
- (۵)..... (عیون الحکم والمواعظ - علی بن محمد الیشی الواسطی، الجزء ۱، صفحہ ۲۲۳) (غرر الحکم و درر الکلم، الجزء ۱، صفحہ ۲۰۷)
- (میزان الحکمة - الریشہری، الجزء ۶، صفحہ ۱۶)
- (من وصایا العترۃ (علیہم السلام)، الجزء ۴، صفحہ ۳)
- (۶)..... (غرر الحکم و درر الکلم، الجزء ۱، صفحہ ۲۰۶) (میزان الحکمة - الریشہری، الجزء ۲، صفحہ ۳۰۸)
- (۷)..... (سورۃ مبارکہ رعد، آیہ ۱۷)

(۸).....(سورۃ مبارکہ لیس، آیہ ۱۷)

(۹).....(سورۃ مبارکہ جمعہ، آیہ ۲)

(۱۰).....(سورۃ مبارکہ جمعہ، آیہ ۲)

(۱۱).....(سورۃ مبارکہ توبہ، آیہ ۱۰۳)

(۱۲).....(سورۃ مبارکہ جمعہ، آیہ ۵)

(۱۳).....(سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۶۷)

(۱۴).....(الکافی - الکلینی، الجزء ۶، صفحہ ۶۲۷) (التفسیر الصافی - الفيض

الکاشانی، الجزء ۲، صفحہ ۲۲۲) (الامثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل - الشیخ

ناصر مکارم الشیرازی مدظلہ، الجزء ۵، صفحہ ۲۴) (تفسیر المیزان - العلامة

الطباطبائی، الجزء ۸، صفحہ ۴۷) (تفسیر مجمع البیان - امین الاسلام أبی علی

الفضل بن الحسن الطبرسی، الجزء ۴، صفحہ ۲۱۸) (تفسیر نمونہ - جمعی از

فضلا) (منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغۃ - الخوئی) (مستدرک الوسائل

ومستنبط المسائل - الحاج میرزا حسین النوری الطبرسی، الجزء ۱۲،

صفحہ ۳۳) (وسائل الشیعۃ - الفقیہ المحدث الشیخ محمد

بن الحسن الحر العاملی الجزء ۵، صفحہ ۳۵) (میزان الحکمة - الریشہری،

الجزء ۸، صفحہ ۳۷۳) (شرح نہج البلاغۃ - ابن ابی الحدید، الجزء ۱، صفحہ

۳۲۰۷) (شرح نہج البلاغۃ - عبد الحمید بن ہبۃ اللہ بن محمد بن الحسن

بن أبی الحدید، أبو حامد، عز الدین، المتوفی : ۶۵۶ھ، الجزء ۱۱، صفحہ ۱۹۴)

(۱۵).....(وسائل الشیعة- الفقیہ المحدث الشیخ محمد بن الحسن الحر العاملي، الجزء ۱، صفحہ ۷۳) (الفصول المهمة فی اصول الأئمة - الحر العاملي) (بحار الأنوار- العلم العلامة الحجة فخر الامة المولى الشیخ محمد باقر المجلسي، الجزء ۴، صفحہ ۳۲۳) (عوالی الآلی- ابن ابی جمہور احسائي، الجزء ۱، صفحہ ۲۸)

(۱۶).....(مسند فاطمة بنت الحسين عليهما السلام) (میزان الحکمة- الريشهری، الجزء ۳، صفحہ ۱۰۶)

(۱۷).....(غرر الحکم ودرر الکلم) (ہدایۃ العلم فی تنظیم غرر الحکم للامام علی بن ابی طالب) (فضائل و سیرہ چہارده معصوم (ع) در آثار استاد علامہ حسن زادہ آملی مدظلہ)

(۱۸).....(الفوائد الرضویہ، الجزء ۲، صفحہ ۱۱۴)

(۱۹).....(سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۷۷)

(۲۰).....(سورۃ مبارکہ واقعہ، آیہ ۷۹)

(۲۱).....(سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۲۲)

(۲۲).....(سورۃ مبارکہ قیامتہ، آیہ ۱۴)

(۲۳).....(سورۃ مبارکہ منافقون، آیہ ۶)

(۲۴).....(سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۱۵۹)

(۲۵).....(سورۃ مبارکہ غافر، آیہ ۳۵)

(۲۶)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۲) (سورۃ مبارکہ ص، آیہ ۷۶)

(۲۷)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۲) (سورۃ مبارکہ ص، آیہ ۷۶)

(۲۸)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۸۳)

(۲۹)..... (سورۃ مبارکہ کہف، آیہ ۲۸)

(۳۰)..... (سورۃ مبارکہ نحل، آیہ ۱۰۸، ۱۰۷)

(۳۱)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۰)

(۳۲)..... (سورۃ مبارکہ توبہ، آیہ ۹۳)

(۳۳)..... (سورۃ مبارکہ منافقون، آیہ ۳)

(۳۴)..... (سورۃ مبارکہ محمد، آیہ ۱۶)

(۳۵)..... (سورۃ مبارکہ روم، آیہ ۵۹)

(۳۶)..... (سورۃ مبارکہ یونس، آیہ ۷۴)

(۳۷)..... (سورۃ مبارکہ نحل، آیہ ۱۰۸)

(۳۸)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۰۱)

(۳۹)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۷۹)

(۴۰)..... (سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۷۷)

(۴۱)..... (سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۸)

(۴۲)..... (سورۃ مبارکہ توبہ، آیہ ۱۱۷)

(۴۳)..... (سورۃ مبارکہ حج، آیہ ۲۶)

(۴۴)..... (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۴۵)

(۴۵)..... (الانسان الکامل فی نہج البلاغۃ، الجزء ۱، صفحہ ۲) (فضائل و سیرہ

چہارہ معصوم (ع) در آثار استاد علامہ حسن زادہ آملی مدظلہ،

الجزء ۱۳، صفحہ ۱)

(۴۶)..... (سورۃ مبارکہ محمد، آیہ ۲۴)

(۴۷)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۷۴)

(۴۸)..... (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۲۲)

(۴۹)..... (سورۃ مبارکہ مائدہ، آیہ ۱۳)

(۵۰)..... (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۲۲)

(۵۱)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۸۸)

(۵۲)..... (سورۃ مبارکہ انعام، آیہ ۲۵)

(۵۳)..... (سورۃ مبارکہ اسراء، آیہ ۴۶)

(۵۴)..... (سورۃ مبارکہ حجر، آیہ ۴۷)

(۵۵)..... (سورۃ مبارکہ حشر، آیہ ۱۰)

(۵۶)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۹۳)

(۵۷)..... (سورۃ مبارکہ توبہ، آیہ ۷۷)

(۵۸)..... (سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۱۶۷)

(۵۹)..... (سورۃ مبارکہ توبہ، آیہ ۱۵)

(۶۰).....(سورۃ مبارکہ توبہ، آیہ ۱۱۰)

(۶۱).....(سورۃ مبارکہ انبیاء، آیہ ۳)

(۶۲).....(سورۃ مبارکہ مطففین، آیہ ۱۴)

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

فصلِ ادبِ دوم

﴿طہارتِ قلب﴾

(حصہ سوم)

- ۱) قرآن پر ناپاک دل کا اثر
- ۲) قرأتِ قرآن سے پہلے استعاذہ
- ۳) فہم پر تسلط کیلئے شیطان کے دروازے
- ۴) شیاطین بلحاظِ امور مختلف ہیں
- ۵) دین کا مخاطب عقل ہے
- ۶) اکثریت کی عقل مغلوب ہے
- ۷) خیالِ شیطان زدہ کا کام!
- ۸) وہم کا کام!
- ۹) حقیقت کو سمجھنے کے منابع
- ۱۰) قرآن میں انسان کی تقابلی اقسام اور روابط
- ۱۱) غلط خیالات اور ان کا علاج!

۱) قرآن پر ناپاک دل کا اثر

تطہیرِ قلب کے بغیر قرآنی معارف انسان کے دل میں نہ صرف یہ کہ سما نہیں سکتے بلکہ ایسا دل قرآن نہیں کیلئے مضر اثرات کا حامل ہے، قرآن نور ہے اور نور کی خاصیت یہ ہے کہ نور فقط محلِ نورانی میں سما سکتا ہے لہذا بغیر تطہیرِ قلب کے ممکن ہے کہ انسان کی زبان سے قرآن میں الفاظِ عرب ادا ہو جائیں لیکن دل میں ہرگز نورِ قرآن نہیں اترتا اور بالفرض محال کہ اگر قلبِ آلودہ میں قرآن اترے بھی تو وہ قرآن کو بھی آلودہ کر دیتا ہے، دل کی آلودگی قرآن کے اوپر بھی اثر انداز ہوتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن میں بھی تحریف کرتا ہے، جیسا کہ قرآن نے ذکر کیا ہے کہ پہلی قوموں نے آسمانی کتب کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے،

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ..... (۱)

یہودیوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو کلماتِ الہیہ کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں.....

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ

مَوَاضِعِهِ..... (۲)

پھر ان کی عہد شکنی کی بنا پر ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت بنادیا، وہ ہمارے

کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں.....

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ..... (۳)

یہ کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں.....

پہلے سمجھتے تھے،

أَفْطَمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ

يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (۴)

مسلمانو! کیا تمہیں امید ہے کہ یہ یہودی تمہاری طرح ایمان لے آئیں گے جبکہ ان کے اسلاف کا ایک گروہ کلامِ خدا کو سن کر تحریف کر دیتا تھا حالانکہ سب سمجھتے بھی تھے اور جانتے بھی تھے۔

وہ سمجھنے کے بعد اس کے اندر تحریف کرتے تھے، معانی کو اپنے محل سے ہٹا کر مفہوم بیان کرتے تھے، اگر خدا نخواستہ قلب ناپاک ہو تو ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ انسان قرآن کو اپنے محل اور موعظہ سے ہٹا کر معنی کرے گا اس لئے ضروری ہے کہ یہ دل پاک ہو۔

(۲) قرأتِ قرآن سے پہلے استعاذہ

قرآن نے قرأتِ قرآن اور فہمِ قرآن کے لئے ایک ادب بہت ہی صریح اور واضح الفاظ

میں ذکر کیا ہے کہ

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (۵)

لہذا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطانِ رجیم کے مقابلے کے لئے اللہ سے پناہ طلب

کریں۔

یہ آدابِ قرآن میں سے ہے کہ پہلے انسان استعاذہ کرے یعنی شرِ شیطان سے اللہ کی پناہ

لے چونکہ اسی موقع پر یعنی فہمِ قرآن، قرأتِ قرآن اور تلاوتِ قرآن کے دوران شیطان کے حملے کا خطرہ ہے، یہی وقت وارداتِ شیطان ہے، جب انسان قرآن سے دور ہو، کسی سرگرمی میں ہو، لہو و لعب میں ہو یا کسی بھی حالت میں ہو تو اس وقت اتنا شدید خطرہ نہیں ہے کہ جتنا شیطان کے حملے کا خطرہ انسان کو قرآن کی تلاوت، قرأت اور تفسیر و فہم کے معاملے میں درپیش ہے، اسی لئے خود قرآن نے سورہ مبارکہ نحل میں اس خطر کا اعلان کر کے فرمایا ہے کہ اس خطر سے بچنے کیلئے آپ کو خدا کی بارگاہ میں پناہ لینی ہے یعنی یہ خود ایک ادبِ مستقل ہے کہ انسان فہمِ قرآن کے مرحلے میں پناہِ خدا میں جائے لیکن شیطان اس مرحلے میں دخالت کرتا ہے اور شیطان کی دخالت بھی قوتِ فہم کے اندر ہے، اگر انسان عمل کے مرحلے میں ہو تو شیطان ان قویٰ کے اندر آ کر تصرف کرتا ہے کہ جن کے ذریعے سے عمل سرزد ہوتا ہے اور اگر انسان فہم کے مرحلے میں ہو یا کسی چیز کو سمجھنے کے درپے ہو تو انسان کی سمجھ میں آ کر تصرف کرتا ہے اور اثر انداز ہوتا ہے۔

فہم پر تسلط کیلئے شیطان کے دروازے

۳) فہم پر تسلط کیلئے شیطان کے دروازے

عمل کے وقت شیطان کے لئے دو دروازے ہیں کہ جن سے آ کر وہ انسان کی عقل پر اثر انداز ہوتا ہے اور فہم کے وقت بھی دو دروازے شیطان کے لئے کھلے رہتے ہیں کہ جن کی وجہ سے شیطان انسان کی فہم اور سمجھ میں دخالت کرتا ہے۔ عمل کے وقت جب انسان ارادہ کرتا ہے خصوصاً جب انسان عملِ صالح کا ارادہ کرتا ہے، ہمت کرتا ہے تو اسی مرحلے میں شیطان کا خطرہ ہے اور

شیطان کی دخالت اور ورود کے دو سبب یاد دروازے ہیں، ایک انسان کے اندر وہ قوت کہ جس کا نام جاذبہ ہے یا قوتِ شہوت و اشتہا اور دوسری انسان کی قوتِ غضبیہ یا قوتِ دافعہ ہے، شیطان ان دو دروازوں پر پہلے قبضہ جمالیتا ہے۔

جس طرح کسی ملک میں اگر گڑبگڑ ہو، بغاوت ہو اور خصوصاً فوجی بغاوت ہو کہ جو آئے دن ہوتی رہتی ہے اور اب پاکستانیوں کے لئے فوجی بغاوت کوئی نئی چیز نہیں ہے، جرنیلوں کو اقتدار کا اس قدر نشہ ہے کہ ان سے چند سال مسلسل بغیر قدرت کے اور بغیر اقتدار کے رہا نہیں جاتا ہے لہذا ہر چند گاہ وہ یہ اقدام کرتے ہیں، سب سے پہلے جا کر یہ کودتاچی قوتیں چند مراکز پر قبضہ کرتی ہیں اور اگر ان پر قبضہ ہو گیا تو پھر آپ سمجھیں کہ پورے ملک پر قبضہ ہے لیکن اگر ان پر قبضہ نہیں ہوا تو پھر یہ توقع نہ رکھیں کہ یہ کودتا یا بغاوت کامیاب ہوگی، مثلاً جب فوجی یا کودتاچی قوتیں اقتدار پر قبضہ کرتی ہیں تو پہلے قبرستان پر قبضہ نہیں کرتی ہیں بلکہ قبرستان پر آخر تک قبضہ نہیں کرتی ہیں، چونکہ مردے قبضے میں آ بھی گئے تو کوئی فائدہ نہیں ہے، قبرستان آزاد رہتے ہیں اور ان کی طرف رجوع نہیں کرتے ہیں، اب اس قبرستان میں ممکن ہے کہ افقی مردے ہوں یا عمودی مردے ہوں لیکن فرق نہیں پڑتا ہے، افقی مردے جو لیٹے ہوئے ہوتے ہیں اور عمودی مردے جو کھڑے ہوتے ہیں اور چل پھر رہے ہوتے ہیں لیکن ہوتے مردہ ہیں لہذا ان کے اوپر کوئی قبضہ نہیں کرتا ہے، جہاں ان کو مزاحمت کا خطرہ ہو پہلے وہاں قبضہ ہوتا ہے، مثلاً سب سے پہلے وہ عسکری اقتدار کے مراکز پر قبضہ کرتے ہیں اور اس کے بعد جہاں سے تبلیغ نشر ہوتی ہیں جیسے ریڈیو اور ٹی وی پر قبضہ کرتے ہیں، پارلیمنٹ پر قبضہ کرتے ہیں یا جیسا اس

ملک کے اندر نظام ہو، اگر صدارتی نظام ہو تو ایوانِ صدر پر قبضہ کرتے ہیں اور اگر پارلیمانی نظام ہو تو اس میں وزیر اعظم ہاؤس پر قبضہ کرتے ہیں، یہ چند جگہیں ہیں کہ جن پر پہلے مرحلے میں ہی قبضہ ضروری ہوتا ہے، اگر ان پر قبضہ نہ کر سکیں تو پھر اقتدار حاصل نہیں ہوتا ہے۔

شیطان بھی اسی طرح کرتا ہے، گو دُعاچیوں نے یہ کام شیطان ہی سے سیکھا ہے کہ پہلا حملہ کن مراکز پہ کیا جائے، اگر وہ مراکز اس کے قبضے میں آجائیں تو پھر اس کے بعد پوری سلطنت انسان، پورا وجودِ انسان، روحِ انسان، بدنِ انسان، فکرِ انسان، عملِ انسان، ہر چیز شیطان کے اختیار میں آجاتی ہے اور وہ مہم ترین چیزیں دو ہیں، البتہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ شیطان اصل اقتدارِ دلِ انسان پر حاصل کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ انسان کا مرکزِ اقتدارِ دل ہے لیکن دل تک پہنچنے کے لئے دروازے ہیں کہ جن سے شیطان داخل ہوتا ہے۔ اگر عملی مرحلے میں شیطان کو دتا کرنا چاہے تو ان دو قوتوں کی مدد سے یا ان دو دروازوں کی مدد سے داخل ہوتا ہے، شہوت اور غضب سے یا جاذبہ اور دفعہ سے۔ اگر شیطان انسان کی عقل پر، فہم پر یعنی دل کے عملی شعبے پر قبضہ کرنا چاہے تو عمل کے مرحلے میں انسان پر واردات کرتا ہے تاکہ دل صحیح اعمال کا دستور نہ دے بلکہ کج اور غلط دستور دے، جو شیطان چاہتا ہے ویسا حکم دے۔

جب شیطان دل کے علمی شعبے پر قبضہ کرنا چاہے یعنی دل کا وہ شعبہ کہ جس کے ذریعے سے دل کچھ سمجھتا ہے، دل کچھ سمجھاتا ہے، دل کچھ حاصل کرتا ہے، دل کے اوپر کچھ الہامات ہوتے ہیں، دل کے اوپر کچھ نورانیت آتی ہے تو اس مرحلے میں شیطان اس شعبے میں قبضہ کرنا چاہتا ہے کہ دل

فہم پر تسلط کیلئے شیطان کے دروازے

درست نہ سمجھے، مرحلہ فہم میں وہ چاہتا ہے کہ انسان اس طرح سے سمجھے کہ جس طرح سے شیطان کہہ رہا ہے یعنی اس چیز کو درست نہ سمجھے، اس مرحلے میں انسان کی دو قوتیں انسانی فہم کے، انسانی دل کے دائیں بائیں موجود ہیں، ان میں سے ایک انسانی وہم ہے اور ایک خیال ہے، ان دو قوتوں، ان دو دروازوں سے شیطان داخل ہوتا ہے۔

عام اردو بول چال میں وہم باطل اور غیر مستند چیز کو بھی کہتے ہیں یعنی اگر انسان غیر حقیقی چیزوں کو حقیقی سمجھنا شروع کر دے تو کہتے ہیں کہ یہ تو ہمت ہیں، یہ آپ کا وہم ہے۔ خیالی چیزوں میں، من گھڑت چیزوں میں بھی وہم استعمال ہوتا ہے اور انسان کے اندر وہم ایک قوت بھی ہے کہ جو درک کرنے کی قوت ہے اور یہ قوت واہمہ کہلاتی ہے۔ اسی طرح سے انسان کے اندر ایک قوت خیال ہے اور دونوں الگ الگ سمجھنے کی ہی قوتیں ہیں، دونوں کا تعلق ادراکات سے ہے۔

دو قوتوں نے عقل علمی کو گھیرا ہوتا ہے اور دو نے عقل عملی کو گھیرا ہوتا ہے، قوت شہوت اور غضب نے عقل عملی کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور وہم و خیال نے عقل علمی کا محاصرہ کیا ہوا ہے، جب بھی انسان عقل کی مدد سے کچھ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ دونوں اس کے اندر دخالت کرتے ہیں اور جب بھی انسان کوئی عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہاں غضب اور شہوت اس کے اندر دخالت کرتے ہیں۔

اگر یہ قوتیں عقل کے فرمان کے تحت ہوں یعنی وہم و خیال پر عقل کی حکومت ہو اور یہ عقل کا عملہ ہوں تو بہت بہتر ہے کیونکہ یہی مطلوبہ حالت ہے کہ ان دونوں کو عقل کے عملے کے طور پر کام کرنا

ہے یعنی فرمانِ عقل کا ہو اور اس کو نافذ خیال کریں، فرمانِ عقل کا ہو اور اس پر عمل وہم کریں۔ انسان کی قوتِ خیال و قوتِ واہمہ اگر تحتِ تسخیرِ عقل اور تحتِ فرمانِ عقل ہوں تو یہ دونوں باعثِ الہام، باعثِ علم اور باعثِ نورانیت ہیں لیکن بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ یہ دونوں قوتیں تحتِ تسخیرِ عقل اور تحتِ فرمانِ عقل ہوں، غالباً ایسا نہیں ہوتا ہے بلکہ برعکس ہوتا ہے کہ یہ دونوں قوتیں شیطان کے غلبے کے تحت ہوتی ہیں اور پھر شیطان اس عملے کے ذریعے سے حاکم پر قبضہ کر لیتا ہے جیسے عرض کیا کہ عیناً یہ ایک کودتاچی کی طرح ہے، عیناً ایک فوجی بغاوت کی طرح ہے کہ ایک جرنیل اپنے ملک کے صدر یا وزیرِ اعظم کے ماتحت ہوتا ہے لیکن بغاوت کر کے اسی کو اپنے لئے تسخیر کر لیتا ہے، اسی کو اپنا اسیر بنا لیتا ہے، اسی طرح سے خیال اور وہم دونوں اس جرنیل کی طرح ہیں کہ جن کو عقل کا عملہ ہونا چاہئے تھا، عقل حاکمِ اصلی مملکتِ انسان ہے، ان دونوں کو تحتِ فرمانِ عقل ہونا چاہئے تھا کہ یہ بطورِ عملہ کام کرتے، فرمانِ عقل کا ہوتا اور یہ اس کو نافذ کرتے جاتے لیکن جب شیطان ان کے اندر آ جاتا ہے اور ان کو تسخیر کر لیتا ہے تو پھر انہی کی مدد سے عقل کو اسیر بنا لیتا ہے اور مناجات میں یہی مراد ہے، ائمہ اطہار علیہم السلام سے منقول مناجات میں ہے کہ

عَقْلِي مَغْلُوبٌ وَ هَوَائِي غَالِبٌ..... (۶)

یا الہی! عقل مغلوب ہے اور خواہش اس کے اوپر غالب آ گئی ہے، عملی طور پر خواہش غالب آ گئی ہے یعنی قوتِ شہوانیہ یا قوتِ غضبیہ عقل پر غالب آ گئی ہیں یا علمی طور پر خواہش غالب آ گئی ہے یعنی قوتِ واہمہ اور قوتِ خیالیہ عقل پر غالب آ گئی ہیں، جیسے روایت میں منقول ہے کہ

فہم پر تسلط کیلئے شیطان کے دروازے

كَمْ مِنْ عَقْلٍ اَسِيرٍ تَحْتَ هَوٰی اَمِيرٍ..... (۷)

یعنی کتنی خواہشات فرماں روا اور حاکم ہیں اور عقل اسیر ہے، عقل اپنے عمل کے ہاتھوں اسیر ہے چونکہ قوتِ شہویہ اور قوتِ غضبیہ عقل کا عملہ ہے اور ان کو عقل کے فرمان پر کام کرنا ہے لیکن شیطان ان ہی دروازوں سے داخل ہوتا ہے، اس کے لئے شہوت و غضب دو عملی دروازے ہیں اور وہم و خیال دو علمی دروازے ہیں۔

۴) شیاطین بلحاظِ امور مختلف ہیں

مطالعے کی دعا میں بھی یہی ہے کہ انسان مطالعہ کرے تو پہلے شیطانِ رجیم سے خداوند تبارک و تعالیٰ کی پناہ مانگے، البتہ وہ شیطان جو انسان سے دوسرے کام کرواتا ہے وہ مطالعے میں مزاحم نہیں ہوتا ہے، مطالعے کا شیطان الگ ہے، عمل کا شیطان الگ ہے، کھانے کا شیطان الگ ہے، بازار کا شیطان الگ ہے، شیطان کا پورا لشکر ہے، قرآن نے بھی جمع کی صورت میں لفظِ شیاطین استعمال کیا ہے، شیاطین جن و انس مختلف ہیں، شیاطین نے ہر شعبہ تقسیم کیا ہوا ہے، جو شیاطین عملی مرحلے کے ہیں وہ الگ ہیں، جو شیاطین مختلف اعمال کے اوپر مامور ہیں وہ الگ ہیں، شیاطین کا ایک گروہ ہمیشہ مامور ہے کہ مطالعہ کے وقت جب بھی انسان کچھ پڑھنا چاہتا ہے تو وہی آکر مزاحم انسان ہوتے ہیں اور اگر انسان ان سے آزاد ہو تو صحیح مطالعہ کر سکتا ہے، منڈی کے اندر جو شیاطین انسان کو گھیر لیتے ہیں ان سے انسان مطالعے کے وقت آزاد ہو بھی جائے تو بھی مطالعہ صحیح نہیں ہوتا ہے اس

کی وجہ یہ ہے کہ جوشیاطین مطالعے کے وقت مزاحم انسان ہیں ان سے بھی آزاد ہونا چاہئے، انسان کے وہم اور خیال پر شیاطین جن کا قبضہ ہے اور انسان ان شیاطین سے مطالعے کے وقت آزاد ہو، خصوصاً جب قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور پڑھتا ہے،

پس تطہیرِ قلب میں سے ایک اہم ترین شعبہ یہ ہے کہ انسان قوتِ فہم کو شیطان سے آزاد

کرا لے،

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝

لہذا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطانِ رجیم کے مقابلے کے لئے اللہ سے پناہ طلب

کریں۔

البتہ فاستعذ بھی فقط زبان سے کہنا کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، یہ کافی نہیں

ہے بلکہ یہ تو فقط اعلان ہے کہ میں نے شیطان کے شر سے خدا کی پناہ لی ہے۔ استعاذہ عملی چیز ہے۔

انسان کا وہ استعاذہ کہ جب انسان باقاعدہ پناہ خدا میں چلا جاتا ہے اور شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے

استعاذہ عملی ہے، جب انسان اعوذ باللہ عملی انجام دیتا ہے تو پھر حالتِ شیطان اور دسترسِ شیطان

سے محفوظ ہو جاتا ہے، وہم اور خیال انسان کی عقل میں یعنی فہم میں دخالت کرتے ہیں۔ اگر مجموعی طور

پر دیکھیں تو خیال اور وہم کے ذریعے، شیطان کے ذریعے یا شیطان کی دخالت کے ذریعے عقل اسیر

نظر آتی ہے۔ سوچنا عقل کا کام ہے لہذا جب بھی انسان کسی موضوع پر سوچتا ہے تو یہ عملہ غالب ہے،

یعنی وہم اور خیال کی حکومت ہے۔

شیاطین بلحاظ امور مختلف ہیں

۵) دین کا مخاطب عقل ہے

عقل اگر خواہشات، خیالات و توہمات کی اسیر نہ ہو اور اسے آزادی سے کسی چیز کو سمجھنے کا موقع ملے تو یہ حقیقت کو سمجھتی ہے، عقل کی خصوصیت ہے کہ یہ ہمیشہ حقیقت تک پہنچتی ہے۔ اسی لئے عقل کے بارے میں قرآن میں بھی فراواں موارد ہیں کہ جہاں پر تعقل اور عقل کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور روایات میں بھی بالخصوص اصول کافی میں مرحوم کلینیؒ نے پہلی کتاب ہی عقل و جہل تدوین کی ہے اور اس کے اندر پیغمبر اکرم ﷺ سے اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے فراواں روایات نقل کی ہیں کہ جن میں عقل کی اہمیت کا ذکر کیا گیا ہے کہ عقل کیا چیز ہے؟ یعنی ان روایات کے اندر دار و مدار عقل ہے، چونکہ سب حقیقت اسی کو سمجھتی ہے، دین کے مخاطب احساسات و جذبات نہیں ہیں بلکہ دین کا مخاطب عقل ہے اور نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بھی انسان کے اندر عقلی دینوں کو ابھارنا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ

وَأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ إِنَّمَا جَاءُوا لِ يُشِيرُوا دَفَائِنَ الْعُقُولِ فِي النَّاسِ..... (۸)

بے شک انبیاء اس لئے آئے تاکہ وہ لوگوں میں عقلوں کے خزانوں کو ابھاریں.....

ایک اور حدیث مبارکہ میں بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ

لِيُشِيرُوا فِيهِمْ دَفَائِنَ عُقُولِهِمْ..... (۹)

(انبیاء اسلئے تشریف لائے) تاکہ وہ ان کی عقلوں کے پوشیدہ خزانوں کو ان میں

ابھاریں.....

یعنی خدا نے انبیاء علیہم السلام اس لئے مبعوث کئے ہیں تاکہ انسان کی عقل کو ابھاریں، عقل کو اجاگر کریں، عقل کی پرورش و تربیت کریں چونکہ پیغامِ خدا و انبیاء علیہم السلام بھی عقل کو سمجھ میں آتا ہے، عقل مخاطبِ اصلی انبیاء علیہم السلام و کتبِ آسمانی ہے، عقل دل کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے، اب یہ ایک الگ موضوع ہے کہ عقل و دل میں کوئی فرق ہے یا نہیں ہے، یہاں پر آپ اسی بات پر ایمان رکھیں کہ عقل دل ہی کے ایک شعبے کا نام ہے کہ جس کے ذریعے دل کسی چیز کو سمجھتا ہے، تفہم کرتا ہے، فہم کرتا ہے، عقل یعنی شعبہ فہم دل، جیسے عرض کیا تھا کہ اس دل کے چند کام ہیں، اس کے اندر احساسات، تحرکات اور فہم ہے، فہم کا کام جس شعبے سے انجام پاتا ہے اسی کو عقل کہتے ہیں۔ یہ عقل اگر آزاد ہو، اس کے اوپر کوئی امیر نہ ہو، کوئی فرماں روائے داخلی و بیرونی نہ ہو، اس کے اندر شیطان نہ ہو تو اس کا کام فقط حقیقت کو درک کرنا ہے اور یہ حقیقت تک پہنچ جاتی ہے، اس لئے خدا نے فرمایا کہ یہ رسولِ باطنی ہے۔ خدا نے دو رسول مبعوث کئے ہیں، ایک رسولِ ظاہری اور دوم رسولِ باطنی اور فرمایا کہ رسولِ باطنی عقل ہے لیکن عقل آزاد ہونے کے عقلِ اسیر، عقلِ پرورش یافتہ ہونے کے عقل کی جگہ وہم آ بیٹھے۔

اکثریت کی عقل مغلوب ہے

۶) اکثریت کی عقل مغلوب ہے

اکثر لوگ مرحلہ تعقل تک نہیں پہنچے ہیں، اکثریت کے اندر عقل بیدار اور آزاد نہیں ہے بلکہ عقل کے بجائے تخیل اور توہم ہے، اکثریت تخیل کی زندگی بسر کر رہی ہے، اکثر انسانوں کے اندر یہی مشکل ہے جیسے قرآن نے بھی فرمایا ہے کہ

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (۱۰)

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (۱۱)

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (۱۲)

بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (۱۳)

یہ اکثریت کی مشکل ہے، اکثریت مشکل کا شکار ہے اور یہ بھی خداوند نے فرمایا ہے کہ

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ (۱۴)

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ (۱۵)

یعنی خدا خیال پردازوں سے محبت نہیں کرتا ہے، خیال باف لوگ خدا کو پسند نہیں ہیں یعنی جن کی عقل ان کے خیال کی اسیر ہو اور تخیل کی حکومت ہو۔ عقل کا کام حقیقت کو دریافت کرنا ہے، پیغامِ اصلی کو دریافت کرنا، درک کرنا اور سمجھنا ہے چاہے وہ حقیقت علمی ہو یا حقیقت عینی ہو یعنی موجودات و حقائقِ عالم میں سے ہو۔

۷) خیالِ شیطان زدہ کا کام!

خیال اگر عقل کے تحت ہو، فرمانِ عقل کو قبول کرتا ہو، فرمانِ بار و فرمانِ بردارِ عقل ہو تو پھر جو

کچھ عقل کہے قوتِ خیال وہی انجام دیتی ہے لیکن اگر یہ خیال جاسوس بن جائے اور عقل کا یہ دروازہ

ورودِ شیطان بن جائے، یہاں تک کہ خیال کے ذریعے سے شیطان کا قبضہ عقلِ انسان پر ہو جائے تو

خیالِ شیطان زدہ کا کام!

اس صورت میں خیال ہر وہ کام کرتا ہے کہ جو شیطان انسان کو کہتا ہے۔ خیالِ شیطان زدہ کیا ہے؟ یعنی یہ مختال انسان کیا کرتا ہے؟ جب بھی انسان کسی حقیقت کی فہم کے درپے ہوتا ہے تو خیال بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے اس حقیقت کی جھوٹی تصویر بنا کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے کہ یہ ہے وہ چیز، جیسے بعض اوقات لوگ مذاق میں، مستی میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹھٹھہ مذاق کرتے ہیں، بالآخر خوشحال لوگ بھی دنیا میں ہیں، سارے تو بغیر اقامے کے نہیں ہیں، کچھ لوگ خوشحال بھی ہیں، ہنستے بھی ہیں، مسکراتے بھی ہیں، کبھی ایک دوسرے کے ساتھ ٹھٹھہ مذاق بھی کرتے ہیں اور یہ نمکِ زندگی ہے تھوڑا بہت ہونا چاہئے۔

فرض کر لیں کہ ایک شخص شادی کرنا چاہتا ہے، اس کو بتائیں کوئی اور لڑکی اور کروائیں کسی اور سے، یعنی کوئی بڑھیا ہو کہ جس کے ساتھ شادی کروا رہے ہیں لیکن اس کو کسی جوان کی تصویر دکھائیں تو وہ دھوکے میں آجاتا ہے خصوصاً ہمارے یہاں رواج بھی یہی ہے کہ نکاح کے بعد بھی لڑکا لڑکی کو دیکھ نہیں سکتا ہے، نکاح ہو جائے تو پھر بھی محرم ایک دوسرے کے لئے محرم نہیں ہوتے ہیں چونکہ ابھی جنتری نے اجازت نہیں دی ہے، جنتری کے نزدیک ابھی بھی یہ نامحرم ہیں، فرض کر لیں کہ اس کا کسی بڑھیا کے ساتھ رشتہ طے ہو گیا لیکن اس کو پھانسنے کے لئے جو تصویر دکھائی تھی وہ کسی جوان کی تھی، خیال یہی کام کرتا ہے یعنی اصل چیز کہ انسان جس کی فہم کے درپے ہوتا ہے وہ عقل کو ادھر جانے نہیں دیتا ہے بلکہ ایک جھوٹی تصویر بنا کر اس کے سامنے حقیقت کی شکل میں بنا کر رکھ دیتا ہے کہ یہ ہے تیری حقیقت، تو جس کو سمجھنے کے درپے ہے وہ یہ ہے اور انسان یعنی عقل اسیر اسی کو

خیالِ شیطان زدہ کا کام!

اے وہ ذات کہ جس کے غضب پر اس کی رحمت مقدم ہے.....

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِالرَّحْمَةِ الَّتِیْ سَبَقَتْ غَضَبَکَ..... (۷)

اے اللہ میں تجھ سے تیری رحمت کے واسطے سوال کرتا ہوں جو تیرے غضب پر سبقت رکھتی

ہے.....

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی رَحْمَتِهِ الَّتِیْ سَبَقَتْ غَضَبُهُ..... (۸)

اللہ کی تعریف ہے اس رحمت پر جو اس کے غضب پر مقدم ہے.....

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَبَقَتْ رَحْمَتُهُ غَضَبُهُ..... (۹)

وہ ذات پاک ہے کہ جس کی رحمت اس کے غضب پر مقدم ہے.....

سَبَقَتْ رَحْمَتُکَ غَضَبُکَ..... (۱۰)

اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے.....

وَ اَنْتَ الَّذِیْ تَسْعٰی رَحْمَتُهُ اَمَامَ غَضَبِهِ..... (۱۱)

تو وہ ہے جس کی رحمت اس کے غضب سے آگے چلتی ہے.....

یعنی خدا جب انسان کے اوپر غضبناک بھی ہوتا ہے تو رحمت کے لفافے میں لپیٹ کر

غضب نازل کرتا ہے، جن انسانوں پر خدا نے غضب کرنا ہے تو پہلے غضب کو رحمت میں لپیٹتا ہے

ورنہ غضب محض سے تو یہ نابود ہو جائے، نیست ہو جائے۔ غضب محض سے یہ دنیا، یہ مخلوق خدا تباہ و

برباد ہو جائے۔ خالق کبھی بھی رحمت کے بغیر غضب نہیں کرتا ہے۔

خدا کا غضب بھی بغیر رحمت کے نہیں

اگر ہر عضو کو زبان مل جائے کہ جس طرح قیامت میں ہر چیز کو زبان مل جائے گی، انسان کے اعضاء کو زبان مل جائے گی یعنی آنکھیں بات کریں گی، کان بات کریں گے، جلد بات کرے گی، اعضاء و جوارح، ہاتھ، پاؤں بات کریں گے اور انسان تعجب کرے گا کہ تم نے میرے ساتھ خیانت کی ہے، تم تو میرے اعضاء ہو، تو وہ یہ کہیں گے کہ چونکہ تو نے اس وقت ہمارے ذریعے خیانت کی تھی کیونکہ ہمیں خدا نے تیرے ساتھ عضو کے طور پر منسلک کیا تھا، رابطہ جوڑا تھا، تو یہ اس لئے تو نہیں تھا کہ تو ہمارے ذریعے سے گناہ کرے، ہاتھ کہے گا کہ خدا نے جو مجھے تیرا عضو بنایا تو عضو بنانے کا مقصد یہ تو نہیں تھا کہ تو اس کے ذریعے سے گناہ کرے اور خدا توڑ دے لہذا ہاتھ کو زبان مل جائے گی اور انسان جس چیز کا اقرار نہیں کر رہا تھا وہ ہاتھ کہہ دے گا، جلد کہہ دے گی اور آنکھ کہہ دے گی۔

اسی طرح خیال کو بھی زبان مل جائے گی اور ضرور ملے گی، اگر خیال کو زبان مل جائے اور ہر خیال اپنی بنائی ہوئی تصویر پیش کرے کہ خدا کو کیسا سمجھے تھے؟ آپ کے ذہن میں خدا کی کیا تصویر ہے؟ یہ زبان نہیں بتائے گی تو خیال بتا دے گا، ابھی انسان شرم سے نہیں بتاتا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور دوسرے اس پر ہنسیں لیکن ہر ایک کے ذہن میں بنی ہوئی ایک تصویر موجود ہے، وہ بھی خیال کی بنی ہوئی تصویر ہے اور خیال بھی خیالِ اسیر، خیالِ شیطان زدہ، اس نے تصویر بنا کر ہمارے سامنے رکھی ہوئی ہے یا مثلاً خیال نے زمان کا ایک خاکہ ذہن میں بنایا ہوا ہے، زمانہ ایک حقیقت ہے لیکن خیال نے زمان کی ایک تصویر بنائی ہوئی ہے مثلاً ہفتہ زمانے کی ایک خاص حد ہے، ایک مقرر درجہ اور ایک پیریڈ (Period) ہے، ہر ایک نے ہفتے کی ایک تصویر ذہن میں بنائی ہوئی ہے، بعض نے ہفتے کو

خیالِ شیطان زدہ کا کام!

سیڑھیوں کی شکل میں ذہن میں بنایا ہوا ہے، بعض کے ذہن میں ہفتہ گول دائرے کی شکل میں ہے، بعض کے نزدیک ہفتہ ممکن ہے کچھ اور ہو کہ جس طرح کے رجحانات ہیں، غرض ہر ایک نے زمانے کی ایک خیالی تصویر بنا کر رکھی ہوئی ہے۔

خیال اور بھی بہت کچھ کرتا ہے اس سے واضح تر ایک مثال دیں تا کہ واقعاً ہمیں پتہ ہو جائے کہ ہم خیالِ شیطان زدہ کے اسیر ہیں اور اسی اسیر عقل کے ذریعے قرآن سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، آیا اس خیالِ شیطان زدہ کے ساتھ قرآن سمجھ میں آتا ہے؟ خیال ہمارے لئے قرآن کو کیا بنا کر پیش کرتا ہے؟ مثلاً جب بارش برستی ہے تو یہ منظر ہم سب دیکھتے ہیں، قرآن مجید نے بھی بہت سارے حقائق بارش کے برسنے سے اور پانی کے نزول سے بیان کئے ہیں، یہ سب کو معلوم ہے کہ بارش قطرے کی شکل میں ہوتی ہے، بارش کا قطرہ اوپر سے نیچے آتا ہے لیکن ہمیں یہ بارش کس طرح سے نظر آتی ہے؟ ایک خط کی صورت میں، ایک لائن (Line) کی صورت میں نظر آتی ہے درحالیکہ وہ لائن نہیں ہوتی ہے بلکہ قطرہ ہوتا ہے، پوری دھار نہیں ہوتی ہے، جس طرح مثلاً آپ حمام میں جاتے ہیں تو اس میں شاور سے دھار اترتی ہے، بارش اس طرح کی دھار نہیں ہوتی ہے بلکہ قطرہ ہوتا ہے، یہ قطرہ نہایت سرعت و تیزی کے ساتھ اوپر سے نیچے آتا ہے لیکن ہمیں یہ کیا نظر آتا ہے؟ دھار اور خط کی صورت میں نظر آتا ہے، ایک سادہ سی حقیقت ہم کچھ اور دیکھ رہے ہیں، آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، حقیقت کچھ ہے اور ہمیں کچھ اور نظر آرہی ہے، اب تلاش کرو کہ یہ کیوں ہے؟ آیا بارش کے قطرے کے اندر کوئی مشکل ہے کہ جس کی وجہ سے ہمیں قطرہ خط اور دھار کی صورت میں نظر آرہا ہے،

خیالِ شیطان زدہ کا کام!

مشکل کہاں ہے؟ آنکھ میں کوئی قصور ہے؟ نہیں، آنکھ بھی بالکل صحیح ہے، 6/6 ہے، کوئی چیز غلط نہیں دیکھتی ہے، پھر کیوں ہمیں قطرہ دھار نظر آ رہا ہے؟ اصل مشکل تلاش کرو کہ خرابی کہاں ہے؟ خرابی ساری خیال کی طرف سے ہے چونکہ جب آپ نے آنکھ سے دیکھا تو آپ کو یہاں بارش کا قطرہ نظر آیا، آپ اسے مسلسل دیکھ رہے ہیں اور قطرے بھی مسلسل نیچے آرہے ہیں لیکن آپ کا خیال یہ کام کر رہا ہے کہ اس نے یہاں پر قطرے کی ایک تصویر سوچی اور اس کو دوسرے نیچے آنے والے قطروں سے متصل کر دیا۔

آنکھ کیمرہ ہے کہ جو ہر قطرے کے فوٹو بنا بنا کر خیال کے سپرد کر رہی ہے اور خیال ان تصویروں کو آپس میں جوڑ رہا ہے، آنکھ نے قطروں کی جتنی تصویریں لے کر خیال کو دی ہیں تو خیال نے ان چھوٹی چھوٹی تصویروں کو جوڑ کر ایک خط بنا دیا لہذا آنکھ نے قطرہ دیکھا ہے اور خیال نے خط دیکھا ہے، پس اب ہمیں جو نظر آتا ہے وہ خط نظر آتا ہے، کیوں؟ کیونکہ ہم خیال کے ذریعے سے دیکھ رہے ہیں نہ کہ عقل کے ذریعے سے اور نہ ہی آنکھ کے ذریعے سے یعنی ہماری آنکھ خیال کے اختیار میں ہے، جو کچھ آنکھ نے دیکھا وہ خیال کو سونپ دیا اور خیال نے مجموعی تصویریں بنا کر ہمیں خط کے طور پر دکھا دیا درحالیکہ حقیقت خط نہیں ہے، یہ عام سی روزمرہ کی مثال ہے، کوئی انسان نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں جب بارش دیکھتا ہوں تو قطرہ ہی دیکھتا ہوں مجھے خط نظر نہیں آتا ہے یعنی میرا خیال دخالت نہیں کرتا ہے، کرتا ہے، خیال زندہ ہے اور دوسری مثال جو پہلے بھی دی تھی کہ رات کو جو خواب دیکھتے ہیں یہ سب خیال کی کارستانیوں ہیں، جتنے بھی خواب دیکھتے ہیں اول شب سے لے کر آخر شب تک

خیال شیطان زدہ کا کام!

یہ خیال کی بازگشت ہے، خیال ایک نقاش کے طور پر بیٹھا ہوا ہے اور آپ کو تصویریں بنا کر دکھا رہا ہے، پوری پوری فلم بنا کر دکھا رہا ہے، یہ سب خیال ہیں، آپ کی آرزوئیں، تمنائیں، افکار، رجحانات اور تمایلات ہیں، آپ کے اندر جو خلا ہے، جو عقدے ہیں ان کی تصویریں اور فلمیں بنا کر دکھا رہا ہے، مثلاً انسان کی محرومیوں کی تصویر تک بنا دیتا ہے۔

یہ خیال بہت قادر و قہار قسم کا مصور ہے کہ عام مصور خیال کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے، یہ ان چیزوں کی تصویر بھی بنا لیتا ہے کہ جو دوسرے تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں مثلاً محرومیت کی تصویر بنا کر پیش کرتا ہے، ایک محروم انسان باقاعدہ خواب دیکھتا ہے اور اپنی محرومیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، خیال اس کی محرومیت کی تصویریں بناتا ہے، احساسِ حقارت میں مبتلا انسان الگ قسم کے خواب دیکھتا ہے، احساسِ برتری میں مبتلا انسان ایک اور قسم کے خواب دیکھتا ہے، نفسیاتی بیمار کو الگ خواب نظر آتے ہیں، ایک شہوت ران انسان کو کچھ اور قسم کے خواب نظر آتے ہیں، حبِ مال اور حبِ ریاست والے کو کچھ اور خواب نظر آتے ہیں، ہر انسان مختلف خواب دیکھتا ہے یعنی تخیل ہمارے اندر موجود جتنی بھی چیزیں ہیں ان کو پڑھ کر اور پھر ان کی تصویریں بنا کر ہمیں دکھا رہا ہے، یعنی نیند کے عالم میں خیال کی حاکمیت ہے اور اگر خیال عقل کے تحت ہو، عملہ عقل ہو، فرمانبردار عقل ہو تو پھر اس صورت میں خواب کے اندر بھی خیال وہی بنا کر دکھائے گا کہ جو عقل نے دریافت کیا ہے، عقل نے جو حقائق دریافت کئے ہیں اور اسی کو روئے صادقہ کہتے ہیں یعنی وہ خیال کہ جو عقل کے فرمان کے تحت ہے اور عقل جو کچھ اس کو کہے اس کی تصویر بنا کر انسان کو دکھاتا ہے لیکن جو خیال شہوات کے تحت ہے،

خیال شیطان زدہ کا کام!

شیطان کے تحت ہے، غضب کے تحت ہے وہ تو حقیقی تصویر بنا کر نہیں دکھاتا ہے۔

۸) وہم کا کام!

پس فہم قرآن کے وقت انسان کو بہت بڑا خطرہ یہ درپیش ہے کہ فہم میں یہ دو چیزیں دخالت کریں گی، وہم اور خیال، وہم بھی سمجھنے کے مرحلے میں بہت دخالت کرتا ہے، شے ہوتی کچھ ہے اور انسان کو دکھاتا کچھ اور ہے، اس کا نمونہ یہ ہے کہ جب ایک انسان حالت احتضار میں ہوتا ہے تو عزیز رشتہ دار یا کوئی شخص جو اس کے پائیں بیٹھا ہوتا ہے عموماً قرآن پڑھ رہا ہوتا ہے، اس کے لئے سورہ یاسین پڑھ رہا ہوتا ہے لیکن جوں ہی وہ مرتا ہے، روح و بدن ایک دوسرے کو خدا حافظ کہتے ہیں، وداع کر جاتے ہیں، میت ہو جائے تو پھر اس جسم بے جان سے ڈرنا شروع کر دیتا ہے، جب جسم باجان تھا تو اس سے نہیں ڈرتا تھا بلکہ اس سے محبت، پیار اور ہمدردی کر رہا تھا لیکن جوں ہی روح نے بدن کو ترک کیا تو اب یہ جسم خالی سے ڈرتا ہے، اس کو کون ڈراتا ہے؟ عقل تو نہیں ڈراتی ہے، عقل تو کہتی ہے کہ خطرہ تھا تو پہلے تھا اب بالکل خطرہ نہیں ہے چونکہ مرچکا ہے، ختم ہو چکا ہے، جسم بے جان ہے لیکن وہم کہتا ہے کہ نہیں بہت زیادہ خطرناک ہو گیا ہے، یہ بہت خطرناک چیزوں سے بھی زیادہ خطرناک تر ہے، یہ درندوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے، یہ انسان کو کون بتا رہا ہے؟ وہم بتا رہا ہے۔ جو انسان میت کے ساتھ ایک بند کمرے میں رہ سکتا ہے اور معمول کے مطابق رہتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ یہ وہم زدہ نہیں ہے، وہم کا اس کے اوپر اثر کم ہے لیکن وہاں پر جو نہیں ٹکتا ہے تو یقین جان لیں

کہ اس کے اوپر وہم کا غلبہ ہے یعنی حقائق کو جب سمجھنے آتا ہے تو عقل پیچھے ہو جاتی ہے اور وہم آگے ہو جاتا ہے، یہ قوتِ واہمہ کی حقیقت ہے۔

اگر یہ دونوں قوتیں مغلوب ہوں تو انسان کے مرحلہ فہم میں مانع ہیں۔ جب یہ شیطان کے قبضے میں ہوں تو یہ شیطاں ہیں اور آپ نے خدا سے پناہ مانگنی ہے یعنی وہم اور خیال سے آزاد ہو کر، دل کو آزاد کر کے اور خدا کے ساتھ متصل ہو کے استعاذہ کرنا ہے۔ اس لئے پہلا ادب فہم عظمتِ قرآن تھا، جب فہم عظمتِ قرآن ہو جائے، انسان کا دل جب قرآن سے، صاحبِ قرآن و متکلمِ قرآن سے متصل ہو جائے یعنی خدا سے مربوط ہو جائے تو پھر اس کے بعد وہم اور خیال سے آزاد ہو کر فہمِ قرآن کے مرحلے میں آسانی سے قرآن کو سمجھ سکتا ہے اور پیغامِ قرآن دریافت کر سکتا ہے، نہ یہ کہ پیغامِ قرآن خیال بنا کر پیش کریں، اکثر یوں ہوتا ہے کہ انسان ایک آیتِ قرآن پڑھتا ہے اور خیال اس آیت کو ایک تجسم، نمونہ اور ایک ماڈل (Model) عطا کرتا ہے اور اس کو بتاتا ہے کہ یہ آیت یہ کہہ رہی ہے یعنی جو تو نے سوچا ہوا تھا، جو تیرا رجحان، تمایل اور خواہش ہے یہ آیت وہی بات بیان کر رہی ہے اور انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ آیت میری ہم فکر ہے، یہ بالکل وہی چیز بتا رہی ہے کہ جو میں مدت سے میں سوچ رہا تھا، یہ کون بتاتا ہے؟ یہ مرحلہ فہمِ قرآن کے اندر خیال اور وہم کی دخالت ہے۔ دل کو پاک کریں اس لئے کہ یہ قانونِ خداوند تبارک و تعالیٰ اور عام قانونِ عقلی بھی

ہے۔

۹) حقیقت کو سمجھنے کے منابع

ہمارے پاس کسی حقیقت کو سمجھنے کے دو ہی منابع ہیں ایک عقل ہے اور دوسری وحی ہے، بعض جگہ مشترکات بھی ہیں یعنی دونوں ایک چیز کو درک کرتے ہیں، اس محدود میدان میں وحی اور عقل دونوں ہمیں حقائق سمجھاتے ہیں لیکن وحی کا میدان بہت ہی وسیع تر از عقل ہے اور عقل تابع وحی ہے، عقل فرمان بردار وحی ہے، چونکہ وحی کی ضرورت کے بارے میں خود عقل کہتی ہے کہ وحی ہونی چاہئے، خدا کی طرف سے کوئی ہدایت کا نظام ہونا چاہئے، عقل خود نہیں کہتی ہے کہ حقائق کو سمجھنے کے لئے میں کافی ہوں۔ جس طرح ہماری آنکھ دور تک دیکھتی ہے اور ایک حد تک جا کر پھر ہمیں کچھ نظر نہیں آتا ہے، وہاں سے آگے ہم دیکھنے پر قادر نہیں ہیں لیکن آنکھ یہ نہیں کہتی ہے کہ وہاں سے آگے کچھ بھی نہیں ہے بلکہ آنکھ یہ کہتی ہے کہ وہاں سے آگے بہت کچھ ہے لیکن مجھے یہیں تک نظر آتا ہے، افق تک نظر آتا ہے، اسی طرح عقل بھی ایک حد تک دیکھتی ہے، عقل کا بھی افق ہے اور وہاں تک عقل نگاہ کرتی ہے، اس کے بعد عاجز آ جاتی ہے اور کہتی ہے مجھے اب یہاں سے آگے نظر نہیں آتا ہے، یہاں سے آگے کسی اور منبع کا سہارا لو اور وہ وحی کا منبع ہے، علم الہی کا منبع ہے، یہ قانون قلمروئے عقل کا بھی ہے اور وحی کا بھی ہے۔

حقیقت کو سمجھنے کے منابع

۱۰) قرآن میں انسان کی تقابلی اقسام اور روابط

قرآن نے سورہ مبارکہ نور میں آیہ (26) میں روابط انسانی کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ

انسان مختلف ہیں، قرآن نے انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، طیب انسان اور خبیث انسان۔ البتہ بہت ساری آیات میں انسانوں کی کئی اقسام بیان کی ہیں مثلاً عالم، جاہل، مجاہد، غیر مجاہد، بزدل، شجاع، یہ تقسیمات قرآن ہیں کہ جن کو ہم احتیاطاً کبھی بھی بیان نہیں کرتے ہیں تاکہ اس میں کہیں ہماری حقیقت واضح نہ ہو جائے، مجاہد اور غیر مجاہد کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سب ایک ہیں، سب اللہ کے بندے ہیں، اسی طرح اہل سنت ایک نظریہ صحابہ کے بارے میں پیش کرتے ہیں کہ صحابہ سب آسمان کے ستارے ہیں، حتیٰ چھوٹا بڑا ستارہ بھی نہ کہو، وہ کہتے ہیں کہ سب ستارے ہیں جس کے پیچھے چلو وہی نورانی ہے۔ یہ قرآنی اصل ہے کہ ایسے نہیں ہو سکتا ہے۔ انسانوں کے اندر اچھے لوگ، برے لوگ اور ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، اسی طرح سے یہ علماء کم و بیش سب کے اندر ہیں۔ ہم یہ نہ کہیں کہ سب علماء آسمان کے ستارے ہیں کہ جو بھی ایک دفعہ عالم ہو جاتا ہے وہ ایک دم ستارہ ہو جاتا ہے، نہیں بلکہ علماء میں بھی اچھے برے ہیں، قرآن نے ذکر کیا ہے، خدا کا خوف رکھنے والے بھی ہیں اور خدا کا خوف نہ رکھنے والے بھی ہیں، روایات میں ذکر کیا گیا ہے کہ علماء دو قسم کے ہیں، علماء باعمل اور علماء بے عمل، غیر عامل علماء بھی ہیں، یہ تقسیمات ہیں کہ جو قرآن نے ذکر کی ہیں کہ مجاہد ہیں، غیر مجاہد ہیں، فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے ہیں اور کچھ سبیل خدا سے ہٹنے والے ہیں، اس طرح کی تقسیمات فراواں ہیں، قرآن کو انہی موضوعات کے تحت پڑھا کریں مثلاً قرآن نے انسان کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا ہے؟ قرآن نے انسان کے کتنے طبقے بنائے ہیں؟ قرآن نے کن کن گروہوں میں انسانوں کو تقسیم کیا ہے؟ مثلاً مومن اور غیر مومن ہیں پھر کہا کہ

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ۝ (۱۶)

کیا وہ شخص جو صاحبِ ایمان ہے اس کے مثل ہو جائے گا جو فاسق ہے ہرگز نہیں دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ۝ (۱۷)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی آباد کاری کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے کہ جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لایا اور جس نے راہِ خدا میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنْ رِزْقًا
حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا هَلْ يَسْتَوُونَ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ
أَيْنَمَا يُوَجِّههُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ ۝ (۱۸)

اللہ ایک غلام کی مثال بیان کرتا ہے جو دوسرے کا مملوک ہے اور خود کسی چیز پر قادر نہیں اور دوسرا (وہ شخص) جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دے رکھا ہے پس وہ اس رزق میں سے

قرآن میں انسان کی تقابلی اقسام اور روابط

پوشیدہ و علانیہ طور پر خرچ کرتا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ثنائے کامل اللہ کیلئے ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور اللہ دو مردوں کی مثال دیتا ہے، ان میں سے ایک گونگا ہے جو کسی چیز پر بھی قادر نہیں ہے بلکہ وہ اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے، وہ اسے جہاں بھی بھیجے کوئی بھلائی نہیں لاتا، کیا یہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود صراطِ مستقیم پر قائم ہے؟

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ (۱۹)

دونوں فریقوں (کافروں اور مومنوں) کی مثال ایسی ہے جیسے (ایک طرف) اندھا اور بہرا ہو اور (دوسری طرف) دیکھنے والا اور سننے والا ہو، کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا تم نصیحت نہیں لیتے؟

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (۲۰)

اللہ ایک شخص (غلام) کی مثال بیان کرتا ہے جس (کی ملکیت) میں کئی بدخو (مالکان) شریک ہیں اور ایک (دوسرا) مرد (غلام) ہے جس کا صرف ایک ہی آقا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ الحمد للہ، بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولَى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى

الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ
أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (۲۱)

بغیر کسی معذوری کے گھر میں بیٹھنے والے مومنین اور راہِ خدا میں جان و مال سے جہاد کرنے والے یکساں نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ زیادہ رکھا ہے اور اللہ نے ہر ایک سے نیکی کا وعدہ کیا ہے اور مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں اجر عظیم عطا کیا ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ۝ (۲۲)

کہہ دیجئے: کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ
الْمَصِيرُ ۝ (۲۳)

کیا جو شخص اللہ کی خوشنودی کا تابع ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب میں گرفتار ہو اور جس کا ٹھکانہ جہنم ہو؟ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلَهُ فِي

الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (۲۴)

کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اسے روشنی بخشی جس کی بدولت وہ

لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پھنسا ہوا ہو اور اس سے نکل نہ

قرآن میں انسان کی تقابلی اقسام اور روابط

سکتا ہو؟ یوں کافروں کیلئے ان کے کرتوت خوشنما بنادیئے گئے ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَمَنْ
كُلَّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حَلِيَّةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاحِرَ
لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (۲۵)

اور دو سمندر برابر نہیں ہوتے: ایک شیریں، پیاس بجھانے والا پینے میں خوشگوار اور دوسرا
کھارا کڑوا اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیورات نکال کر پہنتے ہو اور تم اس میں کشتیوں
کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ
..... (۲۶)

کہہ دیجئے: کیا بینا اور نابینا برابر ہو سکتے ہیں؟ اور کیا ظلمت و نور برابر ہو سکتے ہیں؟

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ
أُولُو الْأَلْبَابِ (۲۷)

کیا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ
برحق ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نابینا ہے؟ نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظُّلُّ وَلَا
الْحُرُورُ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (۲۸)

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے۔ اور نہ اندھیرا اور اجالا۔ اور نہ چھاؤں اور دھوپ۔ اور نہ ہی زندے اور مردے یکساں ہو سکتے ہیں.....

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ (۲۹)

(مشرک بہتر ہے) یا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے اُمید لگائے رکھتا ہے۔ کہہ دیجئے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہو سکتے ہیں؟ بے شک نصیحت تو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔

أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَا قِيَهُ كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ۝ (۳۰)

کیا وہ شخص جسے ہم نے بہترین وعدہ دیا ہے اور وہ اس وعدے کو پانے والا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے صرف دنیاوی زندگی کا سامان فراہم کر دیا ہے؟ پھر وہ قیامت کے دن پیش کیا جائے گا۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ۝ (۳۱)

اور نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے نیز نہ ہی ایماندار اور عملِ صالح بجالانے والے اور بدکار۔

قرآن میں انسان کی تقابلی اقسام اور روابط

تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

وَمَا لَكُمْ إِلَّا أَنْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا..... (۳۲)

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے جب کہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ کے لئے ہے؟ تم میں سے جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا وہ (دوسروں کے) برابر نہیں ہو سکتے، ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور مقاتلہ کیا.....

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ كَمَنْ زَيْنَ لَهُ سُوءَ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۖ
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ
طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ
الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ
(۳۳)۝

کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کیلئے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو اور جنہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہو؟۔ جس جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اسکی مثال یوں ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو (کبھی) بدبودار

نہ ہوگا اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جن کا ذائقہ نہیں بدلے گا اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کیلئے لذت بخش ہوں گی اور خالص شہد کی نہریں (بھی) ہیں اور اس میں ان کیلئے ہر قسم کے میوے ہیں، کیا یہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جنہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا؟

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ
○ (۳۴)

اہل جہنم اور اہل جنت برابر نہیں ہو سکتے، اہل جنت ہی کامیاب ہیں۔

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا
أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (۳۵)

(اے رسول ﷺ) کہہ دیجئے: پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتے خواہ ناپاک کی فراوانی تمہیں بھلی لگے، پس اے صاحبانِ عقل اللہ کی نافرمانی سے بچو شاید تمہیں نجات مل جائے۔

اس طرح سے فراواں تقسیمات ہیں، ان میں سے یہ ایک تقسیمِ خبیث و طیب کے بارے میں ہے، انسان یا خبیث ہے یا طیب ہے، طیب یعنی پاک، خوب، پاکیزہ اور خبیث یعنی گندے، خُبث اسی سے ہے کہ جو حدث و خُبث فقہ میں پڑھتے ہیں، خُبث یعنی گندگی، غلاظت، خبیث لوگ یعنی گندے، ناپسندیدہ اور ناگوار لوگ کہ جن سے گھن آتی ہے، گندے لوگوں سے مراد وہ نہیں ہیں کہ جن کے اوپر مٹی پڑی ہوئی ہو، چہ بسا کہ چہروں پہ، بالوں پہ مٹی پڑی ہوتی ہے اور بہت ہی پاکیزہ لوگ

قرآن میں انسان کی تقابلی اقسام اور روابط

ہوتے ہیں اور وہ جو پورے پیرس کا پرفیوم اپنے اوپر اسپرے (Spray) کر لیتے ہیں ہو سکتا ہے کہ انتہائی کثیف و خبیث لوگ ہوں۔ قرآن کے طیب و خبیث نہ کہ جو حمام سے نکل کر آئے وہ طیب ہے اور جو محنت مزدوری کر رہا ہے اور جس کے ہاتھ ٹیالے ہیں وہ گندہ انسان ہو۔ قرآن نے ان کو خبیث نہیں کہا ہے یعنی طیب اور خبیث کے اندر جسم دخیل نہیں ہیں بلکہ دل ہیں، قرآن نے روح کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے، باطن کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے، دل کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے، قرآن نے دل دیکھا کہ بعض خبیث ہیں اور بعض طیب ہیں، پھر یہ گروہ تقسیم کر کے ان کے درمیان روابط بیان کئے ہیں کہ روابط کسے ہونے چاہئیں اور کیسے ہیں؟ عملاً بھی ایسا ہی ہے، فرمایا کہ

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ

لِلطَّيِّبَاتِ أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ (۳۶)

خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لئے ہیں اور خبیث افراد خبیث باتوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ باتیں پاکیزہ لوگوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ افراد پاکیزہ باتوں کے لئے ہیں یہ پاکیزہ لوگ خبیث لوگوں کے اتہامات سے پاک و پاکیزہ ہیں اور ان کے لئے مغفرت اور باعزت رزق ہے۔

یہ انسانی روابط ہیں، اب ممکن ہے زن و شوہر ہو یا اگر ازدواجی رشتے کی مناسبت سے یہ قاعدہ بیان ہوا ہے تو اس کے معانی یہ نہیں ہیں کہ فقط شادی کے لئے یہ قاعدہ ہے، یہ ضابطہ ازدواج ہے، نا، یہ رضائیت روابط انسانی ہے اور نہ فقط انسانی بلکہ یہ ضابطہ روابط وجودی ہے، پورے عالم ہستی میں ایسے روابط ہیں، کل تکوین میں ایسے روابط ہیں کہ طیب کا رابطہ طیب سے ہوگا اور خبیث کا رابطہ

خبیث سے ہوگا، مکھی اتنے گندگی کے ڈھیر کی طرف مائل ہے، مشتاق اور عاشق ہے، کیوں؟

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ.....

اور شہد کی مکھی پھول کی عاشق ہے، کیوں؟

وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ.....

طبیعتِ فطرتِ انسان خباثت سے متنفر ہے، فطرت جب فطرت اللہ ہو یعنی جس طرح سے خدا نے اس فطرت کو خلق کیا ہے اگر اسی طرح سے یہ فطرت ہو تو اس کے اندر خباثت کی طرف کوئی رجحان نہیں ہے لیکن آہستہ آہستہ جب انسان خود اس فطرت کو گناہوں سے آلودہ کرتا ہے، جیسے پچھلے باب میں ایک فہرست ذکر کی تھی کہ جن آلودگیوں سے دل آلودہ ہو جاتا ہے، دل کی پالوشن (Pollution) کہ جن کی وجہ سے بہت ساروں کو ہارٹ پروبلم (Heart problem) ہے لیکن انہیں معلوم نہیں ہے۔ کینہ ہے، حسد ہے، نفرت ہے، یہ ساری چیزیں دل کو آلودہ کر دیتی ہیں، یہ دل کو، فطرت کو آلودہ کر دیتی ہیں اور جب فطرت آلودہ ہو جائے تو آلودہ فطرت آلودگیوں کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے یعنی دل اگر خدا نخواستہ خبیث ہو جائے تو پھر اس کے اندر رجحاناتِ خبیث پیدا ہوتے ہیں یعنی دل ناپاک ناپاکیوں کی طرف زیادہ جاتا ہے اور پاک دل پاکیزہ چیزوں کی طرف رجحان رکھتا ہے، قرآن کلامِ خدا ہے لہذا طیبات میں سے ہے، قرآن کی صفت بھی یہی ذکر کی گئی ہے، اسے قرآن پاک بھی کہتے ہیں،

وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ.....

قرآن میں انسان کی تقابلی اقسام اور روابط

یعنی دل پاک ہوگا تو پاک چیز دل کے اندر آئے گی چونکہ پاک کا رابطہ پاک سے ہے اور ناپاک کا ناپاک کے ساتھ رابطہ ہے، بعض لوگوں کے اندر گناہ کا رجحان شدید ہے، ان کے لئے گناہ سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے جیسا کہ بعض کے اندر اطاعت کی طرف رجحان شدید ہے، ذکر خدا کی طرف اور قرآن کی طرف رجحان شدید ہے، ان کو قرآن سے دور رکھنا، عبادت سے دور رکھنا بہت مشکل ہے، جس طرح قرآن نے فرمایا کہ بعض ایسے ہیں کہ جن پر عبادتیں بہت گراں گزرتی ہیں،

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ (۳۷)

نماز بہت مشکل کام ہے مگر ان لوگوں کے لئے نہیں جو خشوع و خضوع والے ہیں۔

جن کے دل نرم نہیں ہیں، جن کے دل پاک نہیں ہیں، جن کے دل میں خشوع نہیں ہے ان کے لئے عبادتیں بہت ناگوار ہیں، روزہ بہت ناگوار ہے، نماز بہت ناگوار ہے لیکن بعض کے لئے عبادت میں سرور ہے، رجحان شدید ہے، اہل سنت کی کتابوں میں بھی یہ جملہ موجود ہے کہ جب اذان کا وقت قریب ہوتا تو پیغمبر اکرمؐ حضرت بلالؓ کو یہ امر فرماتے تھے کہ

أَرْحَنَا يَا بَلَالُ..... (۳۸)

اے بلالؓ ہمیں سکون پہنچا دیجئے.....

یعنی میں اس وقت تنگی اور دشواری میں ہوں، اس دشواری کو آسان کر، میرے لئے اذان دے تاکہ فریضہ نماز اقامہ کروں، اے بلالؓ مجھے راحت دے، عبادت کے اندر، بارگاہ خدا میں حضور کے اندر جو زمانی فاصلہ تھا وہ کم ہوتا جا رہا ہے کہ جلدی اذان دے، یہ رجحان شدید ہے، اسی

طرح قرآن پاک ہے اور پاک چیز کے ساتھ اس کا رابطہ ہے، اس لئے یہ پاک چیز اول تو ناپاک
دل میں آتی نہیں ہے چونکہ قرآن نے یہ ضابطہ عمومی ذکر کیا ہے،

وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ.....

قرآن کبھی بھی خبیث دل میں کہ جو میلادہو اور جس کے اندر آلودگی ہوں، وہ آلودگیاں کہ
جو قرآن میں بھی بیان ہوئی ہیں اور بہت ساری آلودگیاں اور بھی ہیں، ان آلودگیوں کی ایک فہرست
طولانی بنتی ہے کہ جو دل کو آلودہ کرتی ہیں، اگر دل ان سے پاک نہ ہو تو ہرگز قرآن دل میں نہیں اترتا
ہے، دل کو نورانی نہیں کرتا ہے البتہ آیتیں حفظ ہو جاتی ہیں اور قرآن کی مبتدا و خبریں معلوم ہو جاتی
ہیں، چہ بسا انسان قرآن کے اوپر بہت ساری تحقیقات بھی کر لیتا ہے لیکن قرآن سے دل نورانی نہیں
ہوتا ہے، قرآن منشور حیات اور منشور زندگی نہیں بنتا ہے، نورانیت قرآن پاکیزہ دلوں پر اثر انداز ہوتی
ہے۔

قرآن میں انسان کی تقابلی اقسام اور روابط

پیغمبر اکرم ﷺ جب قرآن پڑھتے تھے تو بعض بیزار ہوتے تھے اور کانوں میں انگلیاں
ٹھونس لیتے تھے اور بعض ایسے ہوتے تھے کہ جیسے سورہ جن میں ان جنوں کا واقعہ ہے کہ انہوں نے
قرآن سنا اور جا کر اپنی قوم کو بتایا کہ عجب قرآن ہے، عرض کیا تھا کہ ابھی جو قرآنی کرتب زیادہ عام
ہو گئے ہیں، قرآنی کرتب سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے اوپر جو کرتب انجام دیئے جاتے ہیں، یہ کرتب
اگر دکھائیں تو لوگ کس کی تعریف کرتے ہیں؟ عجب بچہ ہے لیکن جب رسول اللہ ﷺ قرآن
پڑھتے تھے تو لوگ یہ نہیں کہتے تھے کہ عجب رسول ﷺ ہے بلکہ کہتے تھے کہ عجب قرآن ہے۔

اگر واقعاً قرآن پیش کریں گے تو لوگ کیا کہیں گے؟ عجب قرآن ہے لیکن اگر لوگ کہیں کہ عجب خطیب ہے، عجب ذاکر ہے، عجب مولوی ہے، عجب بچہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پیش نہیں ہو رہا ہے بلکہ کرتب پیش ہو رہا ہے یعنی قرآن کے لبادے میں انسان اپنے آپ کو متعارف کروا رہا ہے۔ قرآن اس طرح سے پیش کرو کہ پاک فطرت عاشق قرآن ہو جائے اور کہے کہ یہ عجب قرآن ہے، وہ دلدادہ قرآن ہو جائے اور پھر قرآن سے نہ ہٹ سکے۔

بعض مشرکین نے کچھ جاسوسوں کو بھیجا کہ جاؤ رسول اللہ ﷺ کو چپکے سے سنو یعنی کیڑے نکالنے کے لئے، جیسے مجلس میں بسا اوقات ہوتا ہے کہ کچھ لوگ آتے ہیں تاکہ سن کے پھر وہاں سے کچھ چیزیں نکال کر بعد میں کمزور نکتے عام کریں گے، پروپیگنڈہ (Propaganda) کریں گے کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تقریر میں کہیں کمزور اور مبہم نکتہ نکل جاتا ہے، اس طرح سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتے تھے کہ دیکھیں رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی بات نکل جائے کہ جس کو ہم معاشرے میں جا کر عام کریں کہ آج انہوں نے یہ کہا ہے، یہ مشرکین ان جاسوسوں کو بھیجتے تھے کہ جا کر سن کر آؤ لیکن وہ جاسوس اُن جتنے آلودہ نہیں تھے کہ جو انہیں بھیجتے تھے، بھیجتے کون تھے؟ ابولہب و ابو جہل و ابوسفیان اور جن لوگوں کو بھیجتے تھے وہ ان جتنے آلودہ نہیں تھے اور ان پر اثر ہوتا تھا، پھر یہ انتظار ہی کرتے رہ جاتے تھے، کہتے تھے کہ واپس کب آئیں گے لیکن وہ واپس نہیں آتے تھے کیونکہ اس قدر جاذبہ قرآن میں جذب ہو جاتے تھے کہ ان کے لئے اٹھنا مشکل ہوتا تھا۔ وہ بھیجنے والے کہتے تھے کہ یہ جادو ہے لیکن یہ کہتے تھے کہ نہیں جادو نہیں ہے، جادو اس طرح سے اثر نہیں کرتا ہے،

شعر اس طرح سے اثر نہیں کرتا ہے۔ لہذا پہلے دل پاک ہو، اس لئے تطہیرِ قلب صرف قرآن ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ عبادتوں کے لئے بھی ہے، عام زندگی کے لئے بھی ہے اور ملائکہ کے الہامات کے لئے بھی ہے۔

(۱۱) غلط خیالات اور ان کا علاج!

اگر دل پاک نہ ہو تو پھر وساوسِ شیطان کے لئے آمادہ ہوتا ہے، بعض اوقات لوگ ایک المیہ اکثر ذکر کرتے ہیں اور یہ مشکل سب کے ساتھ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے ذہن میں خود ہی خود کچھ ایسے تخیلات، تصورات، وسوسے اور خیالات دوڑتے رہتے ہیں کہ جو ہم خود نہیں سوچتے ہیں، ہم نہیں چاہتے ہیں، پسند بھی نہیں کرتے ہیں لیکن پھر بھی یہ خیالات آتے رہتے ہیں، بعض حساس نہیں ہیں لیکن یہ المیہ سب کے ساتھ ہے۔ لوگ پوچھتے بھی ہیں کہ ہمیں غلط قسم کے خیالات آتے ہیں، بے ہودہ خیالات آتے ہیں، یہ اختیاری بھی نہیں ہیں اور ہم بھی نہیں چاہتے ہیں لیکن ان کا ہم کیا کریں؟ یہ خیالات کیوں آتے ہیں؟ پاک خیالات کیوں نہیں آتے ہیں؟ درست ہے یہ خود ہی آتے ہیں لیکن خود کہاں آتے ہیں؟ جیسے مکھیاں خود آتی ہیں لیکن آتی کہاں پر ہیں؟ مکھیاں تو ہم کھینچ کر نہیں لاتے ہیں، مکھیوں کو دعوت نامہ تو نہیں دیتے ہیں کہ ساری ہمارے گھر آ جاؤ بلکہ مکھی بلائے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے گھر کو گندہ کر دو پھر مکھیاں آپ کے گھر میں خود ہی آ جائیں گی اور پھر آغا سے فقہی مسئلہ پوچھو کہ آغا یہ مکھیاں خود آتی ہیں، آیا اس کے ذمہ دار ہم ہیں یا نہیں ہیں؟ کیا وہ یہ کہیں گے کہ نہیں یہ خود آتی

ہیں آپ ذمہ دار نہیں ہو، اگر آتی ہیں تو آنے دو، نہیں بلکہ کہیں گے کہ گھر گندہ رکھا ہوا ہے لہذا اس وجہ سے یہ مکھیاں آتی ہیں، گھر کو پاک رکھو تا کہ مکھیاں نہ آئیں، ملائکہ آئیں شیاطین نہ آئیں۔ گھر میں کچرا پھیلا کر ساری کھڑکیاں دروازے آپ نے کھولے ہوئے ہیں اور ہر ایک کے لئے کھولے ہوئے ہیں، مکھیوں کے لئے بھی، مچھروں کے لئے بھی اور پھر پوچھتے ہیں کہ ہمارے کمرے میں مکھیاں بہت آتی ہیں کیا کریں؟

دروازے کے آگے کوئی فلٹر (Filter) لگائیں، کوئی نیٹ (Net) یا جالی لگا دیں تاکہ ہوا آئے لیکن مکھی نہ آئے، لوگوں نے گھروں میں لگائی بھی ہوتی ہیں، یہی کام آپ بھی کریں، ذہن کے آگے جالی لگائیں کہ اچھے خیالات آئیں برے نہ آئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعوت نامہ تیار کیا ہوا ہے، دسترخوان شیطان کے لئے تیار ہے، جیسا خیال لے کر میرے دل میں آئے اس کو آنے دیتے ہیں یعنی شیطانی وسوسوں کے لئے ذہن کو آزاد چھوڑ دینا، ہم ان خیالات کو دور کر سکتے ہیں کہ کیوں غلط خیالات آتے ہیں؟ صحیح خیالات کیوں نہیں آتے ہیں؟ جیسی مناسبت ہو ویسے ہی تخیلات ہوتے ہیں، جیسا ظرف ہو، جیسا دل ہو ویسے ہی خیالات و تصورات ہوتے ہیں۔

شیاطین کن دلوں میں وسوسہ کرتے ہیں؟ ہمارے ذہن میں ملائکہ کی آمد و رفت کیوں نہیں ہے؟ اس لئے کہ ہمارے دل آلودہ ہیں اور آلودہ دل میں ملائکہ کا نہیں بلکہ شیاطین کا بسیرا ہوتا ہے، شیاطین کی آمد و رفت رہتی ہے۔ یہ ناپاک خیالات اور خبیث القائات انہی شیاطین کی وجہ سے آتے ہیں کہ جو آلودہ مملکتِ دل میں ڈیرا ڈالے ہوئے ہیں، بعض دلوں میں ملائکہ اترتے ہیں اور بعض میں

شیاطین اترتے ہیں،

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ..... (۳۹)

اور شیاطین تو اپنے دوستوں کی طرف خفیہ اشارے کرتے ہی رہتے ہیں۔

شیطان اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں، الہام کرتے ہیں، ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے سوالات ڈالتے ہیں، شکوک و شبہات ڈالتے ہیں، ان کے دلوں میں بری نیتیں ڈالتے ہیں، ان کے دلوں میں غلط ارادے ڈالتے ہیں، ان کے دلوں میں خطرات و وساوس ڈالتے ہیں لہذا یہ احاطہ شدہ ذہن و دل، شیطان کے اختیار میں آیا ہوا دل قرآن کو نہیں سمجھ سکتا ہے، اس لئے اپنے دل کو ان غلاظتوں اور کثافتوں سے پاک کرنے کی ضرورت ہے تاکہ قرآن ہمارے دلوں میں داخل ہو سکے اور فہم قرآن کی راہ ہموار ہو جائے۔ انشاء اللہ اگلی فصل میں ادب سوم تحریر کیا جائے گا۔

غلط خیالات اور ان کا علاج!

حوالہ جات

- (۱).....(سورۃ مبارکہ نساء، آیہ ۴۶)
- (۲).....(سورۃ مبارکہ مائدہ، آیہ ۱۳)
- (۳).....(سورۃ مبارکہ مائدہ، آیہ ۴۱)
- (۴).....(سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۷۵)
- (۵).....(سورۃ مبارکہ نحل، آیہ ۹۸)
- (۶).....(صحیفۃ الامام علیؑ)
- (۷).....(غرر الحکم ودرر الکلم) (گفتگو در محضر امیر المومنین علیؑ)
- (منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغۃ - الخوئیؒ) (امام علیؑ فرہنگ عمومی و ہمبستگی اجتماعی، الجزء ۸، صفحہ ۵) (قبسات من نہج البلاغۃ)
- (فی ظلال نہج البلاغۃ)
- (۸).....(مبانی نقد متن الحدیث)
- (۹).....(شرح نہج البلاغۃ - جعفری)
- (۱۰).....(سورۃ مبارکہ انعام، آیہ ۳۷) (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۳۱) (سورۃ مبارکہ انفال، آیہ ۳۴)
- (سورۃ مبارکہ یونس، آیہ ۵۵) (سورۃ مبارکہ نحل، آیہ ۷۵) (سورۃ مبارکہ نحل، آیہ ۱۰۱)
- (سورۃ مبارکہ نمل، آیہ ۶۱) (سورۃ مبارکہ قصص، آیہ ۱۳) (سورۃ مبارکہ قصص، آیہ ۵۷)
- (سورۃ مبارکہ لقمان، آیہ ۲۵) (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۲۹) (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۴۹)
- (سورۃ مبارکہ دخان، آیہ ۳۹) (سورۃ مبارکہ طور، آیہ ۴۷)

- (۱۱)..... (سورۃ مبارکہ انبیاء، آیہ ۲۴)
- (۱۲)..... (سورۃ مبارکہ عنکبوت، آیہ ۶۳) (سورۃ مبارکہ حجرات، آیہ ۴)
- (۱۳)..... (سورۃ مبارکہ فتح، آیہ ۱۵)
- (۱۴)..... (سورۃ مبارکہ لقمان، آیہ ۱۸)
- (۱۵)..... (سورۃ مبارکہ حدید، آیہ ۲۳)
- (۱۶)..... (سورۃ مبارکہ سجدہ، آیہ ۱۸)
- (۱۷)..... (سورۃ مبارکہ توبہ، آیہ ۱۹)
- (۱۸)..... (سورۃ مبارکہ نحل، آیہ ۷۶، ۷۵)
- (۱۹)..... (سورۃ مبارکہ ہود، آیہ ۲۴)
- (۲۰)..... (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۲۹)
- (۲۱)..... (سورۃ مبارکہ نساء، آیہ ۹۵)
- (۲۲)..... (سورۃ مبارکہ انعام، آیہ ۵۰)
- (۲۳)..... (سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۱۶۲)
- (۲۴)..... (سورۃ مبارکہ انعام، آیہ ۱۲۲)
- (۲۵)..... (سورۃ مبارکہ فاطر، آیہ ۱۲)
- (۲۶)..... (سورۃ مبارکہ رعد، آیہ ۱۶)
- (۲۷)..... (سورۃ مبارکہ رعد، آیہ ۱۹)
- (۲۸)..... (سورۃ مبارکہ فاطر، آیہ ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹)

(۲۹)..... (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۹)

(۳۰)..... (سورۃ مبارکہ قصص، آیہ ۶۱)

(۳۱)..... (سورۃ مبارکہ غافر، آیہ ۵۸)

(۳۲)..... (سورۃ مبارکہ حدید، آیہ ۱۰)

(۳۳)..... (سورۃ مبارکہ محمد ﷺ، آیہ ۱۵، ۱۴)

(۳۴)..... (سورۃ مبارکہ حشر، آیہ ۲۰)

(۳۵)..... (سورۃ مبارکہ مائدہ، آیہ ۱۰۰)

(۳۶)..... (سورۃ مبارکہ نور، آیہ ۲۶)

(۳۷)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۴۵)

(۳۸)..... (تسنیم تفسیر قرآن کریم - آیۃ اللہ جوادی آملی مدظلہ)

(التفسیر الصافی - الفیض الکاشانی، الجزء ۱، صفحہ ۱۳۴) (روح المعانی فی

تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، المعروف تفسیر الألوسی - شہاب الدین

محمود بن عبد اللہ الحسینی الألوسی) (پرتوی از اسرار نماز)

(بحار الأنوار - علامہ مجلسی، الجزء ۸۰، صفحہ ۱۶) (سنن النبی ﷺ - السيد

الطباطبائی، الجزء ۱، صفحہ ۲۳۵)

(۳۹)..... (سورۃ مبارکہ انعام، آیہ ۱۲۱)

فصلِ ادبِ سوم

﴿حضورِ قلب﴾

(حصہ اول)

- ۱) حضورِ قلب کا معنی
- ۲) حضورِ قلب کے میادین
- ۳) حضور کیلئے قرآنی تعبیرات
- ۴) حضورِ قلب کی دشواری، ایک المیہ
- ۵) دلِ وحشی کی تربیت
- ۶) حضورِ قلب زبردستی پیدا نہیں ہو سکتا
- ۷) انس کیلئے مسانخت کی ضرورت
- ۸) سنخیت کے بغیر انس نا ممکن ہے
- ۹) قرآن و عبادت کے ساتھ مسانخت
- ۱۰) گریہ، انس کی علامت
- ۱۱) انس، حضورِ قلب کی طرف پہلا قدم

بحثِ آدابِ فہمِ قرآن میں ادبِ سوم حضورِ قلب ہے، صدر المتألهینؒ فرماتے ہیں کہ

☆ الثالث: حضور القلب.....

فہمِ قرآن کے لئے ادبِ سوم حضورِ دل ہے، ورنہ جسم تو حاضر رہتا ہے لیکن قرآن سمجھ میں نہیں آتا ہے، جب انسان خدمتِ قرآن میں سمجھنے کے لئے حاضر ہو تو جس طرح اس کا جسمانی طور پر حضور ہے ایسے ہی دل بھی حاضر ہو۔

(۱) حضورِ قلب کا معنی

حضور سے مراد لغت میں، اصطلاح میں اور خصوصاً اس بحث کے اندر بمعنی موجودیت ہے یعنی موجود ہونا، اس لئے اہل نظر اور اہل فلسفہ حضور، حصول اور وجود کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان تینوں کا ایک ہی معنی ہے، یہ کلمات مترادف ہیں، آپ کسی شے کے بارے میں کہیں کہ یہ موجود ہے، حاضر ہے یا حاصل ہے تو ان سب کو افعالِ وجودی یا مفاہیمِ وجودی تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضورِ قلب یعنی قرآن کے سامنے دل کا موجود ہونا۔ فہم کے لئے حضورِ جسمانی کافی نہیں ہے۔ جس چیز کا فہم سے تعلق ہے وہاں پر حضورِ ذہن، حضورِ فہم یا حضورِ قلب کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جہاں پر کوئی عمل کا میدان ہوتا ہے وہاں پر انسان کو حضورِ جسمانی بھی چاہئے۔

بعض اوقات کسی شے کی موجودیت کو کسی دوسری شے کے لحاظ سے دیکھا اور پرکھا جاتا ہے اور بعض اوقات خود اس شے کو دیکھا جاتا ہے کہ موجود ہے یا نہیں ہے۔ فلسفی بحثوں میں عموماً یہی دیکھا جاتا ہے کہ آیا یہ شے مثلاً روح موجود ہے یا نہیں ہے؟ فرشتہ موجود ہے یا نہیں ہے؟ خدا موجود ہے یا

نہیں ہے؟ اس کو فلسفی زبان میں موجودیتِ نفسی کہا جاتا ہے، یعنی ایک شے کی بذاتِ خود بجائے خود موجودیت کی بحث کی جاتی ہے کہ آیا اس کی موجودیت ہے یا نہیں ہے؟ اس موجودیت کے مقابلے میں معدومیت ہے کہ شے موجود ہے یا معدوم ہے، بعض چیزیں موجود ہیں اور بعض معدوم ہیں مثلاً فرشتہ موجود ہے، چڑیل معدوم ہے، جن موجود ہے، دیو یا دیو معدوم ہے، روح موجود ہے لیکن سمرغ معدوم ہے، یہ چیزیں موجود نہیں ہیں۔

لیکن بعض اوقات ہم موجودیت کو بجائے خود بذاتِ خود اس شے کیلئے نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ موجود ہے یا معدوم ہے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ شے کسی دوسری شے کے لئے موجود ہے یا نہیں ہے، یہ شے کسی اور کے سامنے موجود ہے یا نہیں ہے چونکہ موجودیت کا ایک روپ یا ایک شکل یہ ہے کہ بعض امور بعض دوسرے امور کے سامنے موجود ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ اپنے تئیں موجود ہوں لیکن کسی دوسرے کے سامنے موجود نہ ہوں جیسے بہت ساری چیزیں اس وقت عالم میں موجود ہیں لیکن ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں اور بہت ساری چیزیں دنیا میں ہیں اور ہم ان کے سامنے موجود نہیں ہیں۔

مثلاً ہم اپنے گھر میں موجود ہیں لیکن کعبہ میں موجود نہیں ہیں، اس وقت ہم کربلا میں موجود نہیں ہیں اور مشہد میں بارگاہِ ملکوتی حضرت امام رضا علیہ السلام میں نہیں ہیں بلکہ وہاں سے غیر حاضر ہیں لیکن اس وقت اگر کوئی بارگاہِ حضرت معصومہ علیہا السلام میں موجود ہو تو کہتے ہیں کہ یہاں حضور ہے، یہاں یہ شخص حاضر ہے یعنی حرمِ معصومہ علیہا السلام میں موجود ہے، اس کی موجودیت حرم کیلئے ہے لہذا ہم موجود بھی



ہیں اور غیر حاضر بھی ہیں، حاضر وہاں ہیں کہ جہاں موجود ہیں اور غیر حاضر وہاں ہیں کہ جہاں موجود نہیں ہیں۔ اپنے تئیں اگر کوئی گھر میں، خیابان میں اور دکان پہ ہو، سویا ہوا ہو یا جاگ رہا ہو تو بھی موجود ہے لیکن یہ موجودیت بعض اوقات کسی دوسری شے کے لحاظ سے دیکھی جاتی ہے کہ جب ایک شے کسی دوسری شے کے لئے، کسی دوسرے مقام کے لئے موجود ہو تو اس کو حضور کہتے ہیں۔ جیسے اگر کوئی چیز ہمارے سامنے موجود ہو تو اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ حاضر ہے، یہ ہمارے لئے حاضر ہے لیکن ہمارے سامنے حاضر نہ ہو تو اسے تعبیر کریں گے کہ یہ غائب ہے، پس حضور کے مقابلے میں کبھی عدم استعمال ہوتا ہے اور کبھی غائب استعمال ہوتا ہے۔

اگر کسی شے کی موجودیت نفسی کو ملحوظ رکھیں تو اس کی مقابلے میں عدم ہے کہ یہ شے یا موجود ہے یا موجود نہیں ہے اور اگر اس کی موجودیت نسبی کو ملحوظ رکھیں یعنی کسی چیز کی موجودیت کسی دوسری شے کے مقابلے میں ہو تو غیبت استعمال ہوتا ہے یعنی یہ شے ہمارے سامنے موجود نہیں ہے پس غائب ہے، جیسے اس وقت امام عصر حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف غیبت میں ہیں، غائب ہیں، غائب ہونے سے مراد کیا ہے؟ غائب ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ سرے سے عالم ہستی میں نہیں ہیں یعنی موجود نہیں ہیں جیسے اہل سنت کا نظریہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مہدی موعود عالم ہستی، معرض ہستی اور مُنْصَہ ہستی میں موجود نہیں ہیں، ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں، بعد میں پیدا ہوں گے چونکہ یہ وعدہ خدا ہے کہ میں ایک منجی بشریت پیدا کروں گا، نجات دہندہ، مصلح پیدا کروں گا، مجدد پیدا کروں گا، ان کے اعتقاد کے مطابق وہ موعود ہیں یعنی اللہ کا وعدہ ہے کہ ایسا انسان بعد میں وجود میں آئے گا

لیکن امامیہ کے اعتقاد کے مطابق وہ مہدی علیہ السلام موجود ہیں۔ بعض اوقات شیعہ بھی اپنی کتابوں میں تقلیداً لکھتے ہیں کہ مہدی موعود، حکومتِ مہدی موعود، وہ موعود نہیں ہیں بلکہ موجود ہیں، جب موجود ہیں تو پھر کیوں کہتے ہیں کہ غائب ہیں؟ غائب اس وجہ سے ہیں کہ ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں، غیبت کے معانی یہ ہیں کہ حاضر نہیں ہیں یعنی ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں، موجودیت تو ہے لیکن ہماری نظروں کے سامنے موجود نہیں ہیں اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ امام غائب ہیں۔

پس موجودیت کا معنی حضور ہے لیکن کسی شے کی وہ موجودیت کہ جو کسی کے سامنے ہو تو اس کو محضر کہتے ہیں یعنی جائے حضور، کسی کے سامنے موجود ہونا یا کسی کی بارگاہ میں موجود ہونا محضر کہلاتا ہے، عموماً یہ لفظ فارسی اور عربی میں زیادہ استعمال ہوتا ہے، لفظ محضر اردو میں کم استعمال ہوتا ہے، محضر یعنی جائے حضور کہ جہاں پر کسی کے سامنے موجود ہوا جائے، جیسے بادشاہوں کے دربار میں موجودیت کی جگہ تھی، اگر کسی کو شاہ کے سامنے موجود ہونا تھا تو وہ دربار میں سامنے آ کر کھڑا ہوتا تھا، وہ بادشاہ کے کمرے میں، اس کے بیڈروم میں نہیں جاتا تھا، اسے محضر نہیں کہتے تھے، محضر یعنی دربار میں وہ جگہ کہ جو انہوں نے مشخص کی ہوئی تھی کہ اگر کسی کو ملاقات کے لئے آنا ہے تو یہاں پر آئے، یہ اس کا محضر ہے، یہ جائے حضور ہے۔ اس طرح یہ سارا عالم، ساری کائنات، سارا جہان محضرِ خدا ہے، محضرِ خدا یعنی اگر کسی کو خدا کے سامنے موجود ہونا ہے تو اس عالمِ ہستی میں موجود ہونا ہے، یہ سب بارگاہِ خدا ہے، اللہ کے سامنے حاضر ہونا یعنی اس عالمِ ہستی میں موجود ہونا۔ پس فہمِ قرآن کیلئے حضورِ قلب بنیادی ترین آداب میں سے ہے کہ جس کے بغیر قرآن کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

حضورِ قلب کا معنی

۲) حضورِ قلب کے میادین

تین میدان اس بحث کے لئے نہایت اہم ہیں، فہمِ قرآن مطالعہ اور عبادت۔ یہ مطلب فقط فہمِ قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جمیع عبادات کے لئے بھی ضروری ہے کہ انسان بارگاہِ خداوند تبارک و تعالیٰ میں حاضر ہو اور حضورِ قلبی رکھتا ہو۔ فہمِ قرآن و عبادت کے علاوہ تیسرا میدان طلبِ علوم سے مربوط ہے حتیٰ طلبِ علم دینی ہو یا طلبِ علومِ رائج۔ جب درس پڑھتے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں اور کتاب کھولتے ہیں تو اس کے لئے بھی حضورِ ذہن اور حضورِ قلب ضروری ہے۔ حضورِ ذہن و حضورِ دل کے بغیر مقصد حاصل کرنا ممکن نہیں ہے، ان تینوں میادین کے لئے فقط جسمانی حضور کافی نہیں ہے۔

حضورِ قلب کے میادین

لہذا انسان عمر بھر قرآن سے سروکار رکھتا ہے اور قرآن پڑھتا رہتا ہے لیکن چونکہ یہی ادبِ مراعات نہیں ہوتا یعنی حضورِ دل نہیں ہوتا تو نتیجتاً عمر بھر کی زحماتیں اکارت چلی جاتی ہیں یا مَدَّتِ مَدِید تک انسان کسی درس میں شریک رہتا ہے، کسی بحث میں شریک رہتا ہے اور کسی علمی مرکز میں سرگرم رہتا ہے لیکن اسکے باوجود انسان کو کم تر حاصل ہوتا ہے یا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، وجہ یہ ہوتی ہے کہ حضورِ ذہن و حضورِ قلب نہیں تھا اور اسی طرح عبادات کے اندر انسان عمر بھر خدا کی بارگاہ میں جسمانی طور پر حاضر ہوتا ہے لیکن ان عبادتوں کا اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے، عبادتوں کا ثمرہ انسان کے وجود میں ظاہر نہیں ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ ان عبادتوں کے اندر حضور نہیں تھا، انسان غائب اور غیر حاضر تھا۔ یہ تینوں میدان ایسے ہیں کہ اگر انسان ان میں غیر حاضر ہو، خصوصاً انسان کا دل، ذہن اور عقل و فہم تو

کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

بعض جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں جسمانی حضور کی وجہ سے اثر و ثمرہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن جہاں پر قلبی و ذہنی حضور چاہئے مثلاً عبادتوں میں، قرآن کے سامنے، کتاب و درس اور مدرسہ میں تو جب تک انسان وہاں قلباً و ذہناً حاضر نہ ہو تو جسمانی حضور سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ انسان حوزے میں جسمانی طور پر بیس سال رہے یا تیس سال رہے، نصف صدی رہے یا چھ بسا ایک صدی رہے، جسمانی حضور انسان کو کچھ ثمرہ عطا نہیں کرتا ہے۔

پس ان تین میدانوں کے لئے یہ بحث اہمیت رکھتی ہے اور عموماً انہی تین میادین سے تعلق رکھنے والے افراد اس پر پریشان بھی رہتے ہیں یا شکوہ ہوتا ہے کہ مطالعے کے وقت، عبادت کے اندر اور قرآن پڑھتے ہوئے حضورِ ذہن نہیں ہوتا ہے، بعض لوگ اس میں مکمل طور پر مبتلا ہیں اور بعض کے کم و بیش درجات ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ ذہنی طور پر تھوڑی سی دیر کے لئے حاضر ہوتے ہوں مثلاً پانچ منٹ کے لئے اور پھر اس کے بعد غیر حاضر ہوجاتے ہوں، کچھ لوگ ممکن ہے کہ دس منٹ کے لئے حاضر ہوں اور دس منٹ کے بعد غیر حاضر، بعض ایسے ہیں جو تکبیرۃ الاحرام میں حاضر ہوتے ہیں اور پھر نماز کے آخر تک غیر حاضر رہتے ہیں، انہیں معلوم نہیں ہوتا ہے کہ نماز میں ہیں یا کہیں اور ہیں۔ یہی تین چیزیں ہیں کہ اگر انسان ان میں غیر حاضر رہے اور محروم رہے تو یہ محرومیت انسان کو ہر قسم کی نعمتوں سے محروم کر سکتی ہے، ہر کمال سے محروم کر سکتی ہے چونکہ اگر انسان کو کچھ حاصل ہونا ہے تو انہی تین میدانوں سے حاصل ہونا ہے یا بحثِ علمی سے یا قرآن کے سامنے یا خدا کی بارگاہ میں

عبادت سے اور اگر ان تین بارگاہوں میں انسان غیر حاضر رہتا ہے تو باقی ہر جگہ حاضر بھی رہے تو بھی انسان کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

جب انسان قرآن پڑھتا ہے، بارگاہِ قرآن میں، قرآن کے محضر میں اور قرآن کی خدمت میں جاتا ہے یعنی موجودیتِ انسان برائے قرآن تو اس کو حضورِ برائے قرآن کہتے ہیں۔ ویسے تو قرآن ہمارے گھروں میں موجود ہے لیکن نہ ہم اس کے سامنے موجود ہیں اور نہ وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ وہ غلاف میں لپٹا ہوا غائب اور ہم اپنی زندگیوں میں لپٹے ہوئے اور اپنی خواہشات و شہوات میں لپٹے ہوئے غائب، ہم اس سے غائب اور وہ ہم سے غائب، اسی کو کہتے ہیں مہجور یعنی متروک اور اپنے حال پہ چھوڑا ہوا۔

جب انسان اور قرآن ایک دوسرے کے لئے موجود ہوں تو اس کو حضور کہیں گے، حتیٰ اگر انسان قرآن کھول کر بیٹھ جائے اور اس پہ نگاہ کرتا رہے تو بھی یہ قرآن کے لئے حضور نہیں ہے۔ ہمارا حضور چونکہ قرآن کے لئے نہیں ہے لہذا قرآن کی بارگاہ میں ہماری موجودیت نہیں ہے، جس شے کے لئے ہماری موجودیت ہوگی تو ہمارا حضور بھی اسی کے لئے ہے۔ بعض اوقات ہم جسمانی طور پر موجود ہوتے ہیں، ہمارے کئی وجود اور کئی ہستیاں ہیں، ایک جسمانی ہستی ہے یعنی جسمانی وجود ہے، جسمانی طور پر موجود ہوتے ہوئے ممکن ہے کہ ذہنی طور پر موجود نہ ہوں اور یہ ہوتا ہے کہ انسان ذہنی طور پر غائب ہوتا ہے، ذہن موجود نہیں ہوتا ہے چونکہ جسم تو جگہ کا، مکان کا پابند ہے لہذا جسم ہٹ نہیں سکتا ہے اور یہاں سے کسی اور سمت نہیں جاسکتا ہے۔

جسمِ حدود کا، مشخصات کا اور ان ساری چیزوں کا پابند ہے کہ جو دائیں بائیں اس کو گھیرے ہوئے ہیں لیکن ذہن پابند نہیں ہے، وہ نہ جسم کا پابند ہے اور نہ کسی اور مکان و زمان کا پابند ہے لہذا کبھی ہمارا ذہن غیر حاضر ہو جاتا ہے اور کبھی موجود ہوتا ہے۔ بقول سعدی

ہرگز وجود حاضر غایب شنیدہ ای؟

من در میان جمع و دلم جای دیگرست (۱)

یعنی کبھی دیکھا ہے کہ غائب و حاضر دونوں جمع ہوں؟ کبھی ایسا منظر دیکھا ہے کہ انسان حاضر بھی ہو اور غائب بھی ہو؟

کہا کہ ہاں ایسے ہو سکتا ہے کہ میں کسی اور جگہ پر ہوں اور میرا دل کسی اور جگہ ہے، اسی کو کہتے ہیں جمع بین حاضر و غائب یعنی یہ موجود بھی ہے اور موجود نہیں بھی ہے، حاضر بھی ہے اور غائب بھی ہے، جسمانی طور پر ادھر ہے اور دلی، قلبی و ذہنی طور پر کسی اور جگہ پر ہے۔

بعض اوقات انسان کتاب کھولتا ہے تو اس کتاب کیلئے جسمانی حضور ہوتا ہے یعنی الفاظِ کتاب، صفحہ کتاب، کاغذ کتاب اور جسم انسان ایک دوسرے کے لئے حاضر ہیں لیکن مضمون کتاب، علم کتاب، مفاد کتاب اور روح انسان ایک دوسرے سے غائب ہیں، کتاب کے معانی کے لئے، مدلولات کے لئے، مفہیم کے لئے روح انسان حاضر نہیں ہے بلکہ غائب ہے۔ بعض اوقات انسان مطالعہ کے دوران پورا صفحہ پڑھ جاتا ہے لیکن ایک بات بھی سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ اس میں کیا لکھا ہوا تھا چونکہ اس کو غائب ہو کر پڑھا ہے، جسمانی طور پر حاضر ہو کر اور ذہنی طور پر غیر حاضر ہو کر

پڑھا ہے اور غیر حاضر انسان کو تو علم حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ حاضر انسان کو علم ملتا ہے۔

(۳) حضور کیلئے قرآنی تعبیرات

عبادات میں بھی حاضر انسان کو ہی کچھ نصیب ہوتا ہے چونکہ خدا کی ذات تو حاضر ہے، حاضر خدا کے سامنے حاضر انسان چاہئے یعنی بذاتِ خود ذاتِ خدا ہمارے لئے موجود ہے کہ جس طرح سے تعبیرات ہیں مثلاً ربی، ربنا، ان تعبیرات کو قرآن میں پڑھیں کہ کتنی خوبصورت، جاذب اور حسین و زیبا ہیں، انسان جب ان کو پڑھتا ہے تو وجد میں آتا ہے مثلاً

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ

الْوَهَّابُ ۝ (۲)

پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت دے دی ہے تو اب ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ ہونے پائے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما کہ تو بہترین عطا کرنے والا ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (۳)

پروردگار ہمیں دنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہم کو عذابِ جہنم سے محفوظ

فرما۔

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّثْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

الْكَافِرِينَ ۝ (۴)

خدایا ہمیں بے پناہ صبر عطا فرما اور ہمارے قدموں کو ثبات دے اور ہمیں کافروں کے مقابلے میں نصرت عطا فرما۔

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۝ (۵)

خدایا ہم پر صبر کی بارش فرما اور ہمیں دنیا سے مسلمان اٹھانا۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝ (۶)

پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مومنین کو اس دن بخش دینا جس دن حساب قائم

ہوگا۔

رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ (۷)

پروردگار ہم نے اس منادی کو سنا جو ایمان کی آواز لگا رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے

آؤ تو ہم ایمان لے آئے، پروردگار اب ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہماری برائیوں کی پردہ پوشی

فرما اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ محشور فرما۔

یہ بہت زیبا تعبیریں ہیں، ربنا کی تعبیریں کب استعمال ہوتی ہیں اور کون کہتا ہے؟ یعنی

جہاں پر رب انسان کے لئے، مربوب کے لئے حاضر ہے اور مربوب رب کے لئے حاضر ہے یعنی

حاضر انسان خدا کی بارگاہ میں یہ تعبیریں ادا کرنے کے حقدار ہیں لیکن جہاں غائب ہوں تو کیا کہتے

ہیں،

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ (۸)

یہ ربنا نہیں کہتے ہیں چونکہ یہ رب کے لئے حاضر نہیں ہیں اور رب ان کے لئے حاضر نہیں ہے لہذا یہ کہتے ہیں کہ

يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ (۹)

اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کرو.....

اور جب حضور اور بھی زیادہ بڑھ ہو جائے تو ربی کہتے ہیں،

قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّي الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ (۱۰)

ابراہیم نے کہا کہ میرا خدا جلاتا بھی ہے اور مارتا بھی ہے.....

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (۱۱)

اللہ میرا اور تمہارا دونوں کا رب ہے لہذا اس کی عبادت کرو کہ یہی صراطِ مستقیم ہے۔

وَالِی ثَمُوْدَ اٰخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ یَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهُ هُوَ

اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تَوْبُوْا اِلَیْهِ اِنَّ رَبِّيْ قَرِیْبٌ

مُجِیْبٌ ۝ (۱۲)

اور ہم نے قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا اور انہوں نے کہا کہ اے قوم اللہ

کی عبادت کرو اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اس میں آباد

کیا ہے، اب اس سے استغفار کرو اور اسکی طرف متوجہ ہو جاؤ کہ میرا پروردگار قریب تر اور دعاؤں کا

قبول کرنے والا ہے۔

قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ (۱۳)

انہوں نے کہا کہ میں عنقریب تمہارے حق میں استغفار کروں گا کہ میرا پروردگار بہت بخشنے

والا اور مہربان ہے۔

ربی یعنی یہ شخص خدا کے لئے حاضر ہے اور خدا اس شخص کے لئے حاضر ہے، ان تعبیروں

کے اندر وہ لطافت اور حُسن موجود ہے کہ اگر توجہ و حضور ہو تو انسان کو ان تعبیروں اور کلموں پہ وجد آتا

ہے۔ بعد میں ایک اور ادب ذکر کریں گے کہ اگر مودب و مہذب انسان قرآن کی بارگاہ میں حاضر ہو

تو وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

حضورِ قلب کی دشواری، ایک المیہ

۴) حضورِ قلب کی دشواری، ایک المیہ

اگر غیر مہذب انسان قرآن کی بارگاہ میں حاضر ہو تو بے ادبی زیادہ کرتا ہے کہ جیسے مسجد یا

حرم میں بچے دوڑ رہے ہوتے ہیں، بچوں کو تو آدب نہیں آتے ہیں، یہ مسجد میں اچھل کود کر رہے

ہوتے ہیں، جو مقدس چیزیں مومنین نے رکھی ہوتی ہیں ان کو پھلانگ رہے ہوتے ہیں اور ان

مقدسات کا ان کو کوئی احساس نہیں ہوتا ہے، یہ ساری چیزیں بے ادبی اور گستاخیاں ہیں، اسی طرح

انسان غیر مودب جب قرآن کے سامنے حاضر ہوتا ہے تو چونکہ یہ بے ادب و گستاخ ہے لہذا قرآن

کے لئے حضور موجود نہیں ہے، جب قرآن کے سامنے حضورِ قلب ہو تو اس وقت قرآن بھی ظہور کرتا

ہے، اس وقت قرآن بھی حاضر ہو جاتا ہے ورنہ جب انسان غیر حاضر ہو تو پھر قرآن بھی موجود نہیں ہوتا ہے اور دلِ انسان کے لئے یہ صرف صفحہ و کاغذ ہے۔

یہ تینوں میدانِ نظر میں رکھیں، اگرچہ ہمیں ہر ایک کو الگ الگ بیان کرنے کی ضرورت تھی لیکن یہاں ایک جامع چیز بیان ہوگی اس کو آپ تینوں کے اوپر خود تطبیق کر لیں چونکہ ہمارا محور اس وقت قرآن ہے ورنہ آپ اس کو عبادات، مطالعات اور اپنے درس و بحث کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں خصوصاً اہل علم اور طلابِ علوم کے لئے یہ بحث بہت ضروری ہے، مطالعہ باحضور یعنی آدابِ مطالعہ میں سے ایک یہ ہے کہ انسان ذہنی و قلبی حضور کے ساتھ مطالعہ کرے یعنی موجود رہے اور علم کی بارگاہ میں غیر حاضر نہ رہے، یہ نہ ہو کہ جسمانی طور پر ہم اس کتاب کے سامنے ہوں لیکن ہمارا ذہن غیر حاضر رہے۔

بعض اوقات لوگ پوچھنے آتے ہیں کہ آغا یہ بتائیں کہ عبادت میں ہمارا دل حاضر نہیں ہوتا ہے۔ جس سے پوچھ رہے ہیں اس کی بھی یہی مشکل ہے، یہ سب کی مشکل ہے، ہمارے استادِ بزرگوار حضرت آیت اللہ طاہر شمسؒ، خدا ان پر رحمت کرے اپنے استادِ گرامی سے کہ جو شہیدِ مفتحؒ کے اور مرحوم طاہر شمسؒ کے استاد تھے، ان سے نقل فرماتے تھے اور پوری علامتوں کے ساتھ ذکر فرماتے تھے، یہ دونوں ان بزرگوار کے پاس درسِ خصوصی پڑھتے تھے، حرمِ حضرت معصومہؑ کے ایک صحن میں ایک قبر ابھری ہوئی ہے کہ جو جنابِ قطبِ راوندیؒ کی قبر ہے، اس قبر کے پاس وہ عصر کے وقت آکر بیٹھ جاتے تھے اور نمازِ مغرب تک درس و بحث یہیں پہ پڑھاتے تھے اور لوگوں کے سوالات کا جواب بھی

دیتے تھے، ایک دن ایک زائر آیا اور اس نے حاضر ہو کر سلام کیا پھر پوچھا کہ میری مشکل یہ ہے کہ میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو حاضر نہیں رہتا ہوں، نہ ذہنی طور پر، نہ قلبی طور پر، مجھے نماز کے اندر حضور حاصل نہیں ہوتا ہے، بتائیں کہ میں کیا کروں تاکہ نماز کے اندر حاضر رہوں اور حضورِ قلب کے ساتھ نماز پڑھوں؟ یہ سوال سننا تھا کہ بزرگوار مرحوم خوانساریؒ نے دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا، وہ شخص سمجھا کہ میں نے شاید کوئی ناگوار بات کی ہے اور ایک عالمِ دین کا دل دکھایا ہے، وہ معذرت کرنے لگا کہ مجھے معلوم نہیں تھا شاید مجھ سے کوئی بے ادبی ہو گئی ہے، انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، یہ مشکل جو تو نے پوچھی ہے اس سے تو نے میرے درد اور میرے زخم کو تازہ کر دیا ہے، یہ میری بھی مشکل ہے، میں خود اس جستجو میں ہوں کہ کوئی ایسا نسخہ، کوئی ایسا طریقہ مل جائے تاکہ میں بھی دو رکعت حضورِ دل و حضورِ ذہن کے ساتھ پڑھ سکوں۔

دل و حشی کی تربیت

۵) دل و حشی کی تربیت

اگر عمر بھر کوئی انسان ایک دفعہ دو رکعت نماز حضورِ قلب کے ساتھ پڑھے تو یہ دو رکعت نماز انسان کے لئے کافی ہے، ہم غیر حاضر عبادتیں تو فراواں کرتے ہیں لیکن کاش ہم دو رکعت حضور کی پڑھ لیں، ایک کتاب حضورِ دل سے پڑھ لیں کہ جہاں پر دل حاضر ہو، بھاگے نہیں، فرار نہ کرے، ادھر ادھر نہ جائے یعنی بارگاہِ خدا میں حاضر رہے۔ نماز محضرِ خدا ہے، بارگاہِ خدا ہے اور یہ قلبِ بارگاہِ خدا میں حاضر رہے، جب انسان نماز شروع کرتا ہے تو تکبیرۃ الاحرام کہہ کر رفع یدین کرتا ہے یعنی

اپنے حضور کا اعلان کرتا ہے کہ اے خدا میں آگیا ہوں، میں حاضر ہوں لیکن پھر ناگہاں غائب ہو جاتا ہے، اسی شریر بچے کی طرح کہ جس کو پکڑ کر کھڑا کرتے ہیں اور ذرا سی نظریں ادھر ہوں تو وہ فوراً بھاگ جاتا ہے، نفس انسان اسی طرح سے ہے، روایت میں ہے کہ

قُلُوبُ الرِّجَالِ وَحُشِيَّةٌ..... (۱۴)

لوگوں کے دل وحشی ہوتے ہیں.....

وحشی ایک جگہ ٹکتا نہیں ہے، مثلاً ایک پرندہ وحشی ہے اور ایک پرندہ اہلی ہے یعنی پالتو کہ جو انسان کے ساتھ مانوس ہے، اگر انسان پالتو پرندے کو آزاد بھی چھوڑ دے تو اس کے ارد گرد ہی رہتا ہے، اگر اس کو اڑائے تو بھی وہ واپس آ جاتا ہے لیکن وحشی کو آپ جب تک کسی پنجرے میں بند نہ کریں تو وہ ٹکتا نہیں ہے بلکہ بھاگ جاتا ہے اور پنجرے میں بھی کوشش کرتا رہتا ہے کہ کہیں سے اس کو فرار کا سراغ مل جائے تاکہ فرار کر جائے۔

ان وحشیوں کو انسان کس طرح سے پابند کریں؟ کس طرح سے نماز، مطالعے اور قرآن کے اندر حاضر رکھیں۔ اس کیلئے قرآن نے ایک بہت ہی خوبصورت مطلب ذکر کیا ہے کہ اگر انسان اس کی طرف توجہ کریں تو یہ مشکل کام یعنی حضورِ دل بہت آسان کام ہو جاتا ہے یعنی یہ وحشی اگر رام ہو جائے، اگر مانوس ہو جائے تو حضورِ قلب پیدا کیا جاسکتا ہے۔ عموماً وحشی پرندوں کو پکڑ کر انہیں مانوس کیا جاتا ہے، کچھ عرصہ ان کے پر کاٹ دیئے جاتے ہیں اور پر کاٹنے کے بعد پھر ان کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آیا جاتا ہے اور جب وہ دیکھ لیتے ہیں کہ یہ مہربان اور ہمدرد آدمی ہے تو پھر اس

کے ساتھ مانوس ہو جاتے ہیں، الفت کی وجہ سے اس کے ساتھ انس پیدا ہوتا ہے، جہاں انس ہو وہاں پردل حاضر ہوتا ہے اور جہاں یہ انس و الفت نہ ہو تو وہاں ممکن نہیں ہے کہ کسی چیز کو حاضر کر سکیں۔

۶) حضورِ قلب زبردستی پیدا نہیں ہو سکتا

دل کو زور و زبردستی سے حاضر نہیں رکھا جاسکتا ہے، ممکن ہے کہ کسی انسان کی جسمانی موجودیت کو تھمیل، زور و فشار اور دباؤ کے ذریعے سے کسی جگہ باندھ کے، جکڑ کے حاضر رکھا جائے جیسے عدالتوں میں لوگوں کو تھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ کر حاضر کیا جاتا ہے، عدالتوں میں جسمانی طور پر فریضگی (Physically) حضور ممکن ہے یا مسجدوں کے اندر انسان جسمانی طور پر پہنچ جاتا ہے، حضور دل نہیں بھی مانتا ہے لیکن جسمانی طور پر انسان مسجد میں پہنچ جاتا ہے، کعبہ میں پہنچ جاتا ہے یا درس کے اندر جسمانی طور پر حاضر و موجود ہوتا ہے، انسان کا جسم دباؤ پذیر ہے، دباؤ اور زور کے تحت اس کو کسی بھی جگہ حاضر کرنا چاہیں تو حاضر ہو جاتا ہے لیکن ذہن اور دل کیلئے ممکن نہیں ہے کہ اسے دباؤ، فشار اور زور و زوری کے ساتھ کسی جگہ پر حاضر کیا جائے، ان پر کسی کا زور نہیں چلتا ہے۔

حضورِ قلب زبردستی پیدا نہیں ہو سکتا

آپ کسی کو جتنی بھی سزائیں دیں کہ وہ ذہنی طور پر حاضر ہو جائے تو بھی ذہنی حضور نہیں ہوگا، جسمانی طور پر وہ حاضر ہو جائے گا چونکہ خود اس کے اپنے بس میں نہیں ہے کہ یہ ذہنی طور پر حاضر ہو، ذہن و قلب بھی انسان کے اپنے ارادے کے تابع نہیں ہے۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ امتحان کی راتوں میں وہ لوگ جو سال بھر نہیں پڑھتے اور شب امتحان پڑھتے ہیں تو پھر پوری کوشش کرتے ہیں کہ ذہن

حاضر ہو اور ہم حاضر دماغی کے ساتھ پڑھیں لیکن وہ جتنی کوشش کرتے ہیں کہ دماغ حاضر رہے تو بھی ذہن حاضر نہیں ہوتا ہے چونکہ اس کو غیر حاضری کی عادت ہو چکی ہے اور اصلاً کتاب کے سامنے حاضر ہونا نہیں چاہتا ہے، یہ اس پر دباؤ ڈالتا ہے لیکن پھر بھی ذہن حاضر نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ زور کا کام نہیں ہے، اگر ذہن و دل کو حاضر رکھنا ہے تو اس کے لئے اسباب حضور مہیا کریں۔ ایسی چیز کہ جس پر زور نہیں چلتا، جو ہمارے اختیار میں نہیں ہے اور ہماری قدرت سے باہر ہے لیکن ہم نے اس کو حاضر بھی رکھنا ہے تو اس پر دباؤ نہ ڈالیں بلکہ اس کے لئے اسباب حضور فراہم کریں، جہاں پر اس کے اسباب حضور ہوں گے وہ شے وہیں پر موجود ہوگی، انسان کا دل، ذہن اور فکر ان چیزوں میں سے ہیں کہ ان کیلئے اسباب حضور مہیا کریں تو یہ وہیں حاضر ہو جائیں گی۔

انس کیلئے مسانخت کی ضرورت

۷) انس کیلئے مسانخت کی ضرورت

اسباب حضور میں دو چیزیں اہم ہیں، ایک یہ کہ دل وہاں حاضر ہوتا ہے کہ جہاں انس ہو، جس نقطے سے یہ دل مانوس ہو، جس جگہ سے، جس شخصیت سے، جس محل سے، جس مکان سے، جس شے سے بھی مانوس ہو تو یہ وہاں حاضر ہے لیکن جہاں سے بیزار ہو وہاں حاضر نہیں ہو سکتا ہے، ہم اس کیلئے ہزار جتن کریں لیکن دل حاضر نہیں ہوگا، پس انس کا سبب فرہم کریں اور قرآن، عبادت و مطالعہ کے ساتھ انس پیدا کریں، انس کس طرح سے حاصل ہو؟ انس بھی دباؤ والی چیز نہیں ہے کہ اس کو سزا دیں کہ آپ کسی کے ساتھ انس پیدا کرو، نا، انس غیر اختیاری چیز ہے، جب اس کے اسباب مہیا

ہوں گے تو ان اسباب کے تحت انس پیدا ہو جائے گا اور انس پیدا کرنے کے لئے مسابخت و مناسبت کی ضرورت ہے یعنی دل کو ان چیزوں سے انس حاصل ہوتا ہے کہ جو دل سے مناسبت رکھتی ہوں، اگر دل آلودہ ہے تو وہ آلودہ چیزوں کہ جن سے دل کی مناسبت ہے ان سے مانوس ہو جاتا ہے، اگر دل پاک ہے تو اس کو پاک چیزوں کے ساتھ انس ہوگا،

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ (۱۵)

یعنی پاک دل پاک چیزوں سے مانوس ہیں اور خبیث دل خبیث چیزوں کے ساتھ مانوس ہیں اور جتنے بھی انسان مانوس ہیں اور جن جن چیزوں سے مانوس ہیں تو وہ مناسبت کی وجہ سے مانوس ہیں، کسی کو کھیلنے سے انس ہے، کسی کو کھانے سے انس ہے، کسی کو ہنسنے سے انس ہے، کسی کو پڑھنے سے انس ہے، یہ انس خود ہی خود حاصل نہیں ہوئے ہیں بلکہ ان کے اسباب اور پس منظر ہیں، ان اسباب نے ان دلوں کو مانوس کیا ہے، پس مناسبت پہلے پیدا ہو، بعض اوقات کسی شے کے ساتھ ہماری مناسبت ہوتی ہے اور بعض اوقات مناسبت ایجاد کرنی پڑتی ہے، اگر کسی پاک چیز کے ساتھ انس پیدا کرنا چاہتے ہیں اور دل آلودہ ہے تو پہلے طہارتِ قلب کی ضرورت ہے، دل کو پاک کریں تا کہ پاک چیزوں سے مانوس ہو جائیں، دل جب پاک ہوگا تو پاک چیزوں سے خود ہی انس پیدا ہو جائے گا لیکن دل ناپاک ہو تو ظاہر ہے کہ یہ ناپاکیوں سے مانوس ہوگا۔

مسابخت یعنی کوئی ایسی چیز جو مناسبت رکھتی ہو، کوئی ایسی چیز جو اس کے اور ہمارے اندر

انس کیلئے مسابخت کی ضرورت

مشترک ہو، وہ چیز میرے اندر بھی ہو اور وہ اس کے اندر بھی ہو، جب تک یہ رگ نہ ملتی ہو تو انس پیدا نہیں ہوتا ہے، جسمانی طور پر بھی ہم وہاں موجود ہوتے ہیں اور ان لوگوں کے سامنے موجود ہوتے ہیں کہ جن کے ساتھ ہمارا انس ہے مثلاً اگر مسلمان ہے تو وہ مسجد میں موجود ہوتا ہے، اگر ایک ہندو ہو تو وہ مندر میں موجود ہوتا ہے، اگر مسیحی ہو تو کلیسا کے اندر موجود ہوتا ہے چونکہ انہی عبادت گاہوں کے ساتھ ان کا انس ہے، جہاں انس نہ ہو وہاں انسان نہیں جاتا ہے حتیٰ اگر کوئی ممانعت نہ بھی ہو، دروازے کھلے ہوئے ہوں لیکن انسان چونکہ یہاں مانوس نہیں ہے اس وجہ سے غیر مانوس مقام پر انسان کا بیٹھنا بھی نہیں ہے۔ ایسی مجالس جہاں پر انسان کا کوئی انیس نہ ہو، انسان کے ساتھ کوئی دوسرا انسان مانوس نہ ہو تو اجنبیت وحشت محسوس کرتا ہے ایسی مجلس و محفل میں انسان بیٹھنا بھی ترک کر دیتا ہے یا ایسے مکان اور مقام کو ترک کر دیتا ہے کہ جہاں انسان کے ساتھ کوئی انس رکھنے والا آدمی موجود نہ ہو۔ پس یہ انس ہے کہ جو انسان کو قریب کرتا ہے اور الفت کا باعث بنتا ہے اس کیلئے مساخت اشد ضروری ہے، انسان کو ہر چیز کے ساتھ انس اور الفت و قربت نہیں ہوتی ہے کہ جب تک کسی چیز کے ساتھ مساخت نہ ہو، مساخت یعنی کوئی ایسی مشترک صفت جو انسان میں اور اس شے کے اندر موجود ہو کہ جو دونوں کو ملائے، اس مساخت اور سختیت کی وجہ سے ان میں انس پیدا ہوتا ہے یعنی ان دونوں کے درمیان باعث انس وہی مشترک چیز بنتی ہے۔

اگر دو دوست ایک دوسرے مانوس ہیں تو لامحالہ ان کے اندر کوئی ایسی مشترک صفت ضرور موجود ہے کہ جس نے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ مانوس کیا ہوا ہے، اگر کسی شہر، محلے یا علاقے کے

ساتھ ہمارا انس ہے تو یقیناً ہمارا اس مقام کے ساتھ کوئی اشتراک ہے کہ جس نے ہمیں اس جگہ کے ساتھ مانوس کیا ہوا ہے، اسی طرح جب تک انسان کا قرآن و عبادت کے ساتھ انس پیدا نہ ہو تب تک حضور ممکن نہیں ہے اور انس کے لئے مساخت شرط ہے یعنی انسان اور قرآن کے درمیان کوئی نہ کوئی صفت مشترک ہو، جو نکتہ قرآن میں ہو وہی چیز انسان کے اندر ہو، جو سبب اور جو شے عبادت کے اندر ہو وہی انسان کے اندر بھی ہو، اس وقت انسان اس چیز سے مانوس ہو جاتا ہے۔ عموماً اگر ہم انسانوں کے روابط کو دیکھیں تو آپس میں طبعی طور پر انس کی وجہ سے قربتیں ہیں، انسانوں کے گروہ بنے ہوئے ہیں، ٹولیاں بنی ہوئی ہیں، آپس میں جو تعلقات ہیں یہ سب انس کی وجہ سے ہیں، اہل بطالت، اہل بطالت کے ساتھ مانوس ہیں، اہل عبادت، اہل عبادت کے ساتھ مانوس ہیں، اہل فکر، اہل فکر کے ساتھ مانوس ہیں اور اہل لہو، اہل لہو کے ساتھ مانوس ہیں، جس طرح کا انسان ہے اسی طرح کی اس کی محفل انس بھی ہے۔

انس کیلئے مساخت کی ضرورت

وحشی چیزیں کہ جن کو ہمارے ساتھ الفت نہیں ہے تو یہ الفت کیسے پیدا کریں؟ انس کیسے پیدا کریں؟ یعنی ہم اس وحشی کو کیسے مانوس کریں؟ اس کیلئے مساخت شرط ہے۔ بعض اوقات مانوس کرنے اور الفت کے لئے سزا دی جاتی ہے مثلاً پہلی کلاس کے بچے کہ جو گھر کے ماحول اور ماں کی آغوش سے آشنا ہوتے ہیں خصوصاً جو لاڈ لے ہوتے ہیں، جنہیں فارسی زبان کی اصطلاح میں لوس کہا جاتا ہے، لوس بچے یعنی لاڈ لے بچے، بے ادب، گستاخ اور غیر تربیت یافتہ بچے، ایسا بچہ جب اسکول میں جاتا ہے اور اسکول سے مانوس نہیں ہوتا ہے تو یہ ٹکتا نہیں ہے، اگر اسے اسکول میں چھوڑیں تو یہ

ماں کے پیچھے بھاگتا ہے، استاد ماں سے کہتا ہے کہ آپ چھوڑ کر چلی جائیں میں اس کو قابو کر لیتا ہوں اور جوں ہی ماں باہر نکلتی ہے تو یہ بچے کے سامنے ڈنڈا لے کر آ جاتا ہے کہ چپ کر کے یہاں ٹک کر بیٹھ جاؤ ورنہ سزا دوں گا، وہ بے چارہ خوف سے بیٹھ جاتا ہے اور استاد یہ سمجھتا ہے کہ یہ مدرسے کے ساتھ مانوس ہو گیا ہے، ڈنڈے کے ساتھ کبھی کوئی مانوس نہیں ہوتا ہے، ڈنڈے سے، مار پیٹ سے الفت پیدا نہیں ہوتی ہے بلکہ وحشی، وحشی تر ہو جاتا ہے۔ اگر آپ ایک جنگلی پرندے کو لے کر آئیں اور اسے روز ماریں تو وہ مزید وحشی تر ہو جائے گا حتیٰ پالتو کو روز ماریں تو وہ بھی وحشی ہو جائے گا چہ جا نیکہ آپ جنگلی کو سزا دیں، انس کے لئے مساخت شرط ہے جیسے کہتے ہیں کہ

الجنس یمیل الجنس .

یا

کبوتر با کبوتر باز باز

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

آپ نے کبھی کبوتر کو باز کے ساتھ اڑتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا اور باز کو کبوتروں کے

ساتھ اڑتے ہوئے بھی نہیں دیکھا ہے بلکہ باز کبوتر کا شکار کرتا ہے اور ان کے اندر دوستی نہیں ہوتی

ہے، دوستی کیوں نہیں ہوتی ہے؟ چونکہ مساخت نہیں ہے، مناسبت نہیں ہے۔

مولانا روم کی داستانیں ان مطالب کو آسان کر کے پیش کرنے کیلئے بہت ہی خوبصورت

داستانیں ہیں، بعض فرضی ہیں یعنی اصلاً رونما نہیں ہوئی ہیں بلکہ فرض کی گئی ہیں، داستان ہوتی ہی

پیمانہ ہے، اس پیمانے کے ساتھ مطلب کو بہت آسانی کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے، یہ ایک ہنر فہم ہے، مولانا روم نے اس مطلب کی وضاحت کیلئے ایک واقعہ نقل کیا ہے، انہوں نے کہا کہ کوا اور بگلا دونوں آپس میں دوست ہو گئے اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے، فرض بھی دیکھئے کوا اور بگلا کہ ہر لحاظ سے ان کی آپس میں کوئی رگ نہیں ملتی ہے، رنگ کے لحاظ سے دیکھیں تو کوا سیاہ رنگ کا ہے، بگلا سفید رنگ کا ہے اور عادتوں کے لحاظ سے دیکھیں تو کوا خشکی کا جانور ہے، بگلا پانی کا جانور ہے خوراک کے لحاظ سے دیکھیں تو بگلا مچھلیاں کھاتا ہے اور کوا چیزیں چرا کر کھاتا ہے، کوا اور کام کرتا ہے، بگلا اور کام کرتا ہے اور اس طرح دونوں میں بہت فرق ہے، قد کاٹھ کا بھی فرق ہے، عادتوں کا بھی فرق ہے، سخی و نوع بھی الگ الگ ہے، ظاہر و شکل و خد و خال بھی الگ الگ ہیں لیکن بگلا اور کوا دونوں آپس میں دوست تھے اور بڑی صحیح دوستی تھی، سارے پرندوں میں اور سارے جانوروں میں بگلے اور کوا کی دوستی مشہور و معروف ہو گئی تھی۔

جیسے ہوتا ہے کہ کبھی کوئی مولانا کسی ایسے چیٹر (Cheater) کے ساتھ دوست ہو جاتا ہے اور جب پوچھو کہ دوستی کیوں ہے؟ تو کہتے ہیں کہ میں اس کو ہدایت کرنے کے لئے اس کے قریب ہوا ہوں، نہیں بلکہ دونوں کی کوئی رگ آپس میں ملتی ضرور ہے، بالآخر دونوں کی کوئی عادت ملتی ہے اس وجہ سے یہ دونوں دوست بنے ہیں ورنہ کیا مناسبت ہے؟ یہ کوا اور بگلے میں آپس میں کیا مناسبت ہے؟ بہر کیف ایک حکیم دانا کو بتایا گیا کہ اس طرح ایک عجیب اتفاق ہمارے یہاں رونما ہوا ہے کہ بگلا کوا کا دوست ہے تو اس نے کہا کہ یہ دوستی دیکھنے کی ہے، مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے کہ

اس کیلئے مسائنخت کی ضرورت

دیکھیں کوئی رگ ان کی ملتی ہے؟ بہر کیف چند دن اس حکیم نے آکر دونوں کو زیر نظر رکھا، زیر نظر رکھنے سے معلوم ہوا کہ ایک چیز دونوں کے درمیان ملتی ہے، مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں لنگڑے ہیں، دونوں کی ایک ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے، اس لنگڑے پن میں دونوں میں اشتراک ہے اس وجہ سے دونوں دوست ہیں۔

کوئی رگ ملتی ہے جیسی سیاہ و سفید اور خوب و بد آپس میں ملتے ہیں، انس پیدا ہوتا ہے تو اور ایک دوسرے کے ساتھی بن جاتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ الفت اور میل ملاپ ہو جاتا ہے، کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ ان کے اندر مسانحت و مناسبت ہے، اب ممکن ہے کہ وہ ظاہری ہو یا کوئی پنہائی مناسبت ہو۔

۸) سنخیت کے بغیر انس ناممکن ہے

جب تک مسانحت و سنخیت نہ ہو تو انس و الفت پیدا نہیں ہوتے ہیں، سنخیت سے مراد ایسی چیز ہے کہ جو دونوں کے درمیان مشترک ہو، جو دونوں میں پائی جاتی ہو۔ بظاہر دونوں میں فرق ہوگا، ایک عالم ہے اور ایک جاہل ہے، ایک نمازی ہے اور ایک بے نمازی ہے اور دونوں کی دوستی ہے تو ضرور ان کی کوئی نہ کوئی رگ آپس میں ملتی ہے، ان دونوں کے اندر کوئی اشتراک ہے، بظاہر یہ تمثیل کوے اور بگلے کی ہے لیکن یہ کو بھی انسان ہے اور بگلا بھی انسان ہے، یہ دونوں تمثیل ہیں یعنی خوب و بد انسان، بعض انسان جو بظاہر بہت اچھے ہیں لیکن ان کے تعلقات غلط لوگوں سے ہیں اور بعض

سنخیت کے بغیر انس ناممکن ہے

بڑے غلط لوگ ہیں لیکن اچھے لوگوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں، ظاہر ان کا غلط ہے لیکن اچھے لوگوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں تو ضرور کوئی نہ کوئی رگ ملتی ہے، ان کی کوئی نہ کوئی صفت مشترک ہے، یہ چیزیں انس پیدا کرتی ہیں۔

جب تک مسابقت نہ ہو تو انس و الفت پیدا نہیں ہوتے اور جب تک انس و الفت پیدا نہ ہوں تو اس وقت تک حضور نہیں ہوتا ہے، ہم کن لوگوں کے لئے حاضر ہوتے ہیں؟ کن کے سامنے حاضر ہوتے ہیں؟ جن سے مانوس ہیں، جن کے ساتھ مانوس نہیں ہیں، الفت نہیں ہے تو وہاں زیادہ تر حاضر و موجود بھی نہیں رہتے ہیں۔ قرآن کے ساتھ، عبادت کے ساتھ اور کتاب کے ساتھ جب تک انس نہ ہو تو انسان حاضر نہیں ہوتا ہے۔ جب تک انس نہ ہو تو انسان حضورِ ذہن کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا ہے، قرآن نہیں پڑھ سکتا ہے، عبادت نہیں کر سکتا ہے اور مطالعہ نہیں کر سکتا ہے۔ اگر میں چاہتا ہوں کہ ان کے لئے حاضر رہوں تو مجھے اپنے اندر کوئی ایسی چیز پیدا کرنی پڑے گی کہ جو ان کے اندر ہے، اسی طرح اچھے آدمی کو اپنے اندر کوئی بری صفت پیدا کرنی پڑے گی تاکہ غلط لوگوں سے مانوس ہو جائے، چوروں اور ٹھگوں سے مانوس ہو جائے یا پھر غلط آدمی کو کوئی ایسی صفت اپنے اندر پیدا کرنی پڑے گی تاکہ اچھے لوگوں سے مانوس ہو جائے۔

نماز کے لئے انس چاہئے، قرآن کے ساتھ انس چاہئے لیکن ابھی جو انس با قرآن کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں تو ان میں انس با قرآن کم ہوتا ہے اور انس با قاری زیادہ ہوتا ہے، وہاں قاری کے ساتھ انس ہوتا ہے نہ کہ قرآن کے ساتھ اس لئے کہ وہاں جھوم رہے ہوتے ہیں لیکن

پخت کے بغیر انس ناممکن ہے

گھر میں آکر ایسے نہیں ہوتے ہیں، اگر قرآن کے ساتھ انس ہوتا تو پھر قرآن فقط اس محفل میں تو نہیں ہے بلکہ قرآن تو چوبیس گھنٹے گھر میں ہے۔ اگر انسان قرآن کے ساتھ مانوس ہے تو قاری ہو یا نہ ہو انسان صبح و شام قرآن کے ساتھ مانوس رہے، قرآن کو قاریوں کے ساتھ مانوس ہونے کا ذریعہ قرار دے عموماً قاری کے ساتھ تو انسان کا انس بڑھ جاتا ہے لیکن قرآن کے ساتھ نہیں بڑھتا ہے۔

بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ جو قاریوں کو پسند کرتے ہیں لیکن خود قرآن پڑھنا نہیں آتا ہے کیونکہ یہ قرآن سے مانوس نہیں ہیں۔ یہ قرآن سے اجنبی ہیں لیکن کسی قاری سے مانوس ہیں، علم سے اجنبی ہیں لیکن عالم سے دوستی ہے، عبادت سے اجنبی ہیں لیکن عبادت گزار سے دوستی ہے، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ مولانا کے دوست نماز نہیں پڑھتے ہیں، وقت نماز مسجد کے باہر کھڑے رہتے ہیں کہ جب مولانا نماز پڑھ کر باہر آتے ہیں تو پھر انہیں گاڑی میں بٹھا کر لے جاتے ہیں، معلوم ہوا کہ مولانا کے دوست ہیں لیکن نماز کے دوست نہیں ہیں، مسجد کے دوست نہیں ہیں، مجلس کے دوست نہیں ہیں، عزاداری کے دوست نہیں ہیں، ان کا انس کس چیز کے ساتھ ہے؟ کسی شخصیت کے ساتھ ہے، اگر فلاں نوحہ خوان آئے تو اس کے ساتھ مانوس ہیں لیکن نوحے کے ساتھ مانوس نہیں ہیں، نوحہ یعنی سوگ۔ سوگ کے ساتھ مانوس نہیں ہیں بلکہ شخص کے ساتھ مانوس ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ انس پیدا ہو جاتا ہے لیکن قرآن کی باگاہ میں جاتے ہوئے کئی رکاوٹیں اور موانع سامنے آ جاتے ہیں، جب تک ہم قرآن سے مانوس نہیں ہوتے اس وقت تک حضور ممکن نہیں ہے۔ غیر مانوس کبھی بھی ایک دوسرے کے لئے حاضر نہیں ہوتے ہیں۔

نجت کے بغیر انس ناممکن ہے

ابن ملجم نے جب امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھ پر آ کر بیعت کی تو امیر المومنین علیہ السلام نے تعجب کیا، کہا کہ تو نے بیعت کی ہے؟ اس کو بہت برا لگا، اس نے توہین محسوس کی کہ میں نے سب کے سامنے بیعت کی اور انہوں نے لوگوں کے سامنے میری بیعت میں شک کیا ہے، پھر دوبارہ لوٹا اور لوگوں کو متوجہ کر کے کہا کہ دیکھئے میں بیعت کر رہا ہوں، جب دوبارہ بیعت کر کے ہٹا تو حضرت علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ تو نے بیعت کی ہے؟ پھر اس کو امیر المومنین علیہ السلام کی یہ بات مزید گراں گزری، ناگواری کے ساتھ اس نے تیسری دفعہ بیعت کی تو پھر امیر المومنین علیہ السلام نے یہی فرمایا، لوگوں نے پوچھا کہ آخر اس شخص کے بارے میں آپ خصوصیت کے ساتھ تعجب کر رہے ہیں درحالیکہ باقی کسی کے بارے میں آپ نے ایسے اظہار نہیں فرمایا! حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اس کی روح میری روح سے مانوس نہیں ہے اور میری روح اس کی روح سے مانوس نہیں ہے۔ بائینکہ امیر المومنین علیہ السلام اسے پہچانتے تھے اور وہ امیر المومنین علیہ السلام کو پہچانتا تھا لیکن روح ہی مانوس نہیں تھی، کوئی سختی آپس میں نہیں تھی لہذا ایسا نہیں ہے کہ ہر علی علیؑ کرنے والے سے علی علیہ السلام کی روح بھی مانوس ہو، ابن ملجم لعین نے علی علیؑ کیا اور بیعت بھی کی لیکن حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ میری روح اس سے مانوس نہیں ہے۔

سختی کے بغیر انس ناممکن ہے

روح انسان اپنے مولا علیہ السلام کے ساتھ مانوس ہو، اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ مانوس ہو۔ اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ انس پیدا کریں۔ انس کیسے پیدا ہوگا؟ جب مساخت ہوگی، یعنی کوئی ایسی چیز جو ان میں بھی ہے اور ہم میں بھی آگئی تو انس پیدا ہو جائے گا۔ قرآن کے اندر کوئی ایسی چیز ہے جو اگر ہمارے اندر

بھی آجائے تو ہمارا اور قرآن کا ساتھ بن جائے گا، انس بن جائے، ہم رفیق اور ساتھی بن جائیں گے یعنی اس صورت میں نہ ہم قرآن کے بغیر رہ سکتے ہیں اور نہ قرآن ہمارے بغیر رہ سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو حدیث ثقلین میں کہا ہے کہ اہلبیتؑ قرآن سے دور نہیں ہوں گے اور قرآن اہلبیتؑ سے دور نہیں ہوگا، یہ کیوں کہا ہے؟ اس لئے بیان فرمایا ہے کہ ان دونوں کے درمیان سختیت ہے، ان دونوں کے درمیان مسانحت انس ہے لہذا اہلبیتؑ قرآن کے بغیر اور قرآن اہلبیتؑ کے بغیر نہیں ہوگا، جو صفت قرآن کی ہے وہ اہلبیتؑ کی بھی ہے اور جو اہلبیتؑ کی ہے وہ قرآن میں بھی ہے، اس سختیت نے ان کو انیس بنا دیا ہے اور ایک دوسرے سے مانوس کر دیا ہے لہذا جو بھی قرآن کی طرف آئے یا اہلبیتؑ کی طرف آئے تو ان کے ساتھ سختیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

نماز کے ساتھ جب ہمارا انس نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ دل حاضر نہیں رہے گا بلکہ فرار کرے گا اور کتنے ہی ایسے نمازی ہیں کہ جن کا نماز کے ساتھ انس نہیں ہے لیکن کیوں پڑھتے ہیں؟ چونکہ سزا ملتی ہے، ڈنڈے پڑتے ہیں، جیسے بچہ ڈنڈے کے زور پر مجبوراً ماسٹر کے قابو میں رہتا ہے، پہلے زمانے میں ٹیچر کو ماسٹر کہتے تھے اور دیہات والے تاکید کے ساتھ ماسٹر جی کہتے تھے چونکہ ماسٹر جی نے ڈنڈا رکھا ہوتا تھا اور ڈنڈے کے ذریعے سے بچے کو اسکول میں روک کر رکھا ہوا تھا لیکن بچے کی روح اسکول سے مانوس نہیں تھی۔ جہنم وہ ڈنڈا ہے کہ اس ڈنڈے نے ہمیں مسجد میں روک کر رکھا ہوا ہے، یہ ڈنڈا اگر آج اٹھا لیا جائے تو پھر کیسا سجدہ اور کونسی نماز؟ یہ جنت کی لالچ اگر ہم سے لے لی جائے تو کیسی نماز اور کیسا سجدہ؟

سختیت کے بغیر انس ناممکن ہے

ایک لطیفہ ہے کہ مولانا نے کسی بے نمازی کو تبلیغ کی اور کہا کہ جا کر نماز پڑھو، اس نے شکوہ کیا کہ نماز آپ فارغ لوگوں کا کام ہے، آپ کو فرصت ہے، ہماری محرومیاں ہیں، فقر ہے، غربت ہے، پریشانیاں ہیں تو نماز کیسے پڑھیں؟ ہمارا ذہن آسودہ نہیں ہے، مولانا نے کہا کہ تم نماز پڑھو میں تمہیں کٹا دوں گا، کٹا پنجابی میں بھینس کے نابالغ بچے کو کہتے ہیں، اس کو اچھی تجویز نظر آئی، اس نے کہا کہ کتنے دن پڑھوں تو دو گے؟ انہوں نے کہا کہ چالیس دن تک اگر پیہم نمازیں پڑھو تو میں چالیسویں دن تمہیں انعام دوں گا، ثواب کی خاطر جو نماز پڑھتے ہیں، کہا کہ میں تمہیں یہ ثواب دوں گا، اس کو بھی یقین تھا کہ مولانا وعدہ خلافی نہیں کرتے ہیں، اس نے پڑھنا شروع کر دیں، چالیسویں دن مولانا کے پاس گیا اور جا کر دروازہ کھٹکھٹایا آخری نماز بھی شاید عشاء کی تھی، وہ پڑھ کر رات کو مولانا کے پاس گیا تو پوچھا کیوں آئے ہو؟ کہا کہ کٹا لینے آیا ہوں، کونسا کٹا؟ مولانا بھول گئے تھے کہ اس قسم کی کوئی بات انہوں نے کی تھی، بہر کیف اس نے یاد دلایا کہ آپ نے مجھے کہا تھا کہ چالیس دن تک نمازیں پڑھو تو اس کے بعد میں تمہیں کٹا دوں گا، میری چالیس دن کی نمازیں پوری ہو گئی ہیں، انہیں یاد آ گیا اور کہا کہ وہ تو میں نے صرف اس لئے کہا تھا کہ چالیس دن پڑھو گے تو تمہیں عادت ہو جائے گی چونکہ چالیس دن آدمی جو کام کرتا ہے اس کو عادت پڑ جاتی ہے اور پھر اس کے بعد خود پڑھتے رہو گے لہذا میرے پاس نہ بھینس ہے نہ کٹا ہے، کچھ بھی نہیں ہے، اس نے کہا کٹا نہیں ہے؟ انہوں نے کہا نہیں ہے، کہا کہ کٹا نہیں ہے تو سن لو کہ ہم نے بھی ساری بغیر وضو کے پڑھی ہیں۔

نماز کے ساتھ انس پیدا کریں، اگر تبلیغ نماز بھی کرتے ہیں تو کٹے کا وعدہ نہ کریں، بچے اور

نہایت کے بغیر انس ناممکن ہے

خصوصاً جوان نماز کے ساتھ انس پیدا کریں اور اتفاقاً نماز اور بچوں میں آپس میں بڑی مسانحت ہے، بچے پاک ہیں، ان کی فطرت پاک ہے لہذا جلدی آجاتے ہیں اور انس پیدا ہو جاتا ہے، انس کی زبان سیکھیں، انبیاء علیہم السلام تبلیغ کرتے تھے تو اسی طریقے سے کرتے تھے، معارف دینی کے ساتھ انس بڑھاتے تھے، کتاب خدا کے ساتھ لوگوں کا انس بڑھاتے تھے، ڈنڈا لے کر یا کٹالے کر کسی کو نمازی نہیں بناتے تھے، قرآن کے ساتھ بھی انس پیدا کریں، ابھی اگر آپ یہ کہیں کہ قرآن حفظ کر لیں تو پھر اقامہ ملے گا تو لوگ فوراً قرآن حفظ کرنا شروع کر دیتے ہیں، اس سے تو قرآن کے ساتھ انس نہیں بڑھتا ہے، یہاں تو قرآن اقامہ لینے کے لئے ایک خط ہو گیا ہے اور آخری دن قرآن کا وہی ہوتا ہے کہ جس دن اقامہ ملتا ہے پھر اس کے بعد صرف دو تین سورتیں یاد آتی ہے کہ جو نماز میں پڑھتے ہیں۔

قرآن و عبادت کے ساتھ مسانحت

۹) قرآن و عبادت کے ساتھ مسانحت

آپ قرآن کے ساتھ انس و الفت پیدا کریں، مہم انس ہے، الفت اور انس کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے؟ سختیت و مسانحت کی، مسانحت کس چیز کا نام تھا؟ یعنی مشترک صفات، وہ صفت جو قرآن کی ہے، وہ صفت جو نماز کی ہے وہ ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائے، پھر ہمارا نماز کے ساتھ انس پیدا ہو جائے گا، قرآن کے ساتھ مسانحت یہ ہے کہ قرآن نور ہے، قرآن نے خود اپنا تعارف نور کے طور پر کروایا ہے، خداوند نے فرمایا کہ ہم نے نور نازل کیا ہے۔ چند آیات درج ذیل ہیں،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا (۱۶)

اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان آچکا ہے اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور بھی نازل کر دیا ہے۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نُّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (۱۷)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح (قرآن) کی وحی کی ہے، آپ کو نہیں معلوم تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کن چیزوں کا نام ہے لیکن ہم نے اسے ایک نور قرار دیا ہے جس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اسے ہدایت دے دیتے ہیں اور بیشک آپ لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت کر رہے ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ۝ (۱۸)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا ہے جو ان میں سے بہت سی باتوں کی وضاحت کر رہا ہے جن کو تم کتابِ خدا میں سے چھپا رہے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتا ہے، تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔

حتیٰ تو رات اور انجیل کو بھی اللہ نے نور کہا ہے،

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ..... (۱۹)

ہم نے توریت نازل کی جس میں ہدایت اور نور تھا.....

قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى نُورًا وَهُدًى لِلنَّاسِ..... (۲۰)

ان سے پوچھیں: پھر وہ کتاب جو موسیٰؑ لے کر آئے تھے کس نے نازل کی جو لوگوں کیلئے نور

اور ہدایت تھی.....

امام زین العابدینؑ نے بھی صحیفہ کاملہ کی دعاء ختم القرآن میں یہی تعلیم دی ہے کہ

قرآن نور ہے،

اللَّهُمَّ إِنَّكَ أَعْتَنِي عَلَى خَتْمِ كِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَهُ نُورًا.....

بارالہا! تو نے اپنی کتاب کے ختم کرنے پر میری مدد فرمائی، وہ کتاب جسے تو نے نور بنا کر

اتارا.....

پس قرآن و انسان اور عبادت و انسان میں اس انس کا نقطہ اشتراک نورانیت ہے، قرآن

نور ہے لہذا انسان کا دل بھی جب نورانی ہو جائے تو ان دونوں میں انس پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اگر دل

انسان سیاہ ہو، تیرہ و تاریک ہو تو نور کے ساتھ انس نہیں ہوتا ہے، ظلمانی انسان یعنی جس کا دل

ظلمانی، تاریک اور سیاہ ہو تو وہ کبھی بھی قرآن سے مانوس نہیں ہوتا ہے، وہ محافلِ لہو لعب و اہل بطلان

کے ساتھ مانوس ہوتا ہے، یہ نور اس وقت دلوں کے ساتھ مانوس ہوگا کہ جب دل بھی نورانی ہو، پس

صفتِ مشترک کہ جس سے قرآن اور انسان میں آپس میں انس بڑھ جاتا ہے وہ نورانیت ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے تمہاری دنیا سے چند چیزیں پسند ہیں، خوشبو پسند ہے

اور کہا کہ

جَعَلْتُ قُرَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ..... (۲۱)

اللہ تعالیٰ نے نماز میں میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دی ہے.....

رسول اللہ ﷺ کو نماز سے کس قدر عشق ہے کہ اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دے رہے ہیں، حقیقت میں نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، آنکھوں کی ٹھنڈک محاورہ و کنایہ ہے، یعنی جس چیز سے سرور ملتا ہے، خوشی حاصل ہوتی ہے اور جب بے انتہا خوشی ہو تو اس خوشی کے نتیجے میں انسان کے آنسو نکل آتے ہیں، معمول سے زیادہ خوشی اور سرور ہو تو انسان کی آنکھ میں خوشی کے آنسو آ جاتے ہیں، جیسا کہ اگر غم حد سے زیادہ بڑھ جائے تو بھی انسان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ ویسے تو چھوٹے چھوٹے غم صبح و شام رہتے ہیں کہ آج روٹی کم ملی، آج چھٹی نہیں ملی، یہ چھوٹے غم ہیں ان پر آنسو نہیں نکلتا ہے لیکن اگر غم حد سے بڑھ جائے مثلاً اگر پتہ چلے کہ کوئی عزیز فوت ہو گیا ہے، عزیز بھی ایسا نہ ہو کہ فقط دعائیں کر رہے ہوں اور جس سے فقط جان چھوٹے، نا، جس سے واقعاً محبت ہو، الفت ہو اگر ایسا عزیز چلا جائے تو انسان پر غم آ جاتا ہے، غم جب مستولی ہو جاتا ہے، مسلط ہو جاتا ہے تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں، غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں، جب گال پر آنسو ٹپکتا ہے تو باقاعدہ محسوس ہوتا ہے کہ غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں، کبھی محسوس کیا ہے یا نہیں کیا؟ تجربہ کریں، جب روئیں تو باقاعدہ احساس کریں اور اس کا ٹمپرچر دیکھیں کہ آیا گرم ہے یا نہیں ہے، غم کے آنسوؤں کی تپش باقاعدہ محسوس ہوتی ہے کہ جیسے گرم پانی کا قطرہ ٹپک پڑا ہو، عموماً اگر کسی مریض کے اوپر رو رہے ہیں

قرآن و عبادت کے ساتھ مساجد

اور آپ کے آنسو اس مریض پر ٹپکیں تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ آنسو گرم ہیں یعنی آپ غم سے رورہے ہیں لیکن اللہ کا نظام دیکھیں کہ وہی ایک چشمہ ہے لیکن جب خوشی ہوتی ہے اور خوشی و سرور کی وجہ سے انسان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتا ہے تو وہ بہت ٹھنڈا ہوتا ہے، اس وجہ سے آنکھوں کی ٹھنڈک خوشی اور سرور سے کنایہ ہے، نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے یعنی نماز مجھے سرور پہنچاتی ہے، نماز سے مجھے لطف آتا ہے اور نماز سے میں لذت حاصل کرتا ہوں۔

قُرَّةٌ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ.....

اولاد کے لئے بھی یہ کلمہ کنایہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے، قرة العین یعنی ذریت یا اولاد، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں بھی ہے کہ ہماری ذریت کو ہمارے لئے قرة العین قرار دے یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دے یعنی ایسی اولاد کہ جس کو دیکھ کر انسان کو سرور اور خوشی محسوس ہونہ کہ جس اولاد کو دیکھ کر غم کے آنسو نکل آئیں، اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اگر نیک اور صالح اولاد ہو تو سرور اور خوشی کو قرة العین کہتے ہیں۔

کسی چیز کے ساتھ جب انس و الفت بڑھتی ہے تو انسان اس سے سرور و لذت محسوس کرتا ہے، قرآن میں یا نماز میں کوئی صفت ہے کہ جو ہمارے اندر بھی ہونی چاہئے تاکہ ہمیں نماز میں لذت محسوس ہو، قرآن میں لذت محسوس ہو؟ وہ حضور ہے، اس وقت انسان نماز اور قرآن کے لئے اسے طرح بے تاب ہوتا ہے کہ جس طرح کسی مانوس چیز سے دور ہو کر اس سے ملنے کیلئے بے تاب ہوتا ہے۔ آلودہ اور لہوی دل کے لئے قرآن اور نماز بوجھ ہیں۔

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ (۲۲)

نماز بہت مشکل کام ہے مگر ان لوگوں کے لئے نہیں جو خشوع و خضوع والے ہیں۔

نماز بعض لوگوں کے اوپر بوجھ ہے، نماز کا وقت آئے یا نماز کا نام آئے تو ان پر وحشت طاری ہو جاتی ہے اور رمضان آئے تو پھر تو حالت دیکھنے کی ہوتی ہے، عموماً ماہِ رمضان میں مائیں بچوں کو بتاتی ہیں کہ آج بزرگوں سے بچو کہ ان کا روزہ ہے یعنی روزے کی حالت میں وہ بہت وحشی ہو جاتے ہیں، بہت خطرناک ہو جاتے ہیں، کیوں؟ کیونکہ بوجھ ہے، روزہ اس انسان کے اوپر بڑا بوجھ ہے۔ امام سید الساجدین علیہ السلام رمضان کا استقبال اس طرح سے کرتے تھے کہ جس طرح سے دلہن کا استقبال کیا جاتا ہے اور رمضان کے جانے پر اس طرح سے روتے تھے کہ جس طرح جنازہ گھر سے نکل رہا ہوتا ہے، کیوں؟ کیونکہ روحِ امام علیہ السلام روزے کے ساتھ مانوس تھی، امام علیہ السلام میں اور روزے میں انس تھا، امام علیہ السلام میں اور عبادت میں انس تھا۔

سید الشہداء علیہم السلام نے شبِ عاشور کی جو مہلت لی تو حضرت ابوالفضل علیہ السلام کو یہ فرمایا کہ انہیں جا کر کہو کہ آج شب ہمیں مہلت دیں، اس شب میں ہم کیا کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا کہ عبادتِ خدا کرنا چاہتے ہیں، چونکہ ہم اہلبیت علیہم السلام عبادت کے ساتھ مانوس ہیں، ہمیں عبادت کے ساتھ خاص لگاؤ ہے، ہمیں بارگاہِ خدا میں جانے سے انس ہے، اہلبیت علیہم السلام کا فرد فرد اس طرح سے تھا، یہ انس کیسے پیدا ہوا؟ چونکہ جو خصلت اور جو صفت عبادت کے اندر تھی وہی ان کے اندر بھی موجود تھی اس لئے ان کو انس تھا، نورانیت صفتِ مشترک تھی اور نور نور کی طرف جاتا ہے۔ کبوتر کبوتر کے ساتھ اور باز باز کے

قرآن و عبادت کے ساتھ مساخت

ساتھ جاتا ہے، ہم جنس ہم جنس کے ساتھ پرواز کرتا ہے، جہاں بھی دو دوستیاں ہیں وہاں پران کے اندر کوئی نہ کوئی انس و مساخت موجود ہے، پس پہلے ہم قرآن کے ساتھ اپنا انس بڑھائیں، قرآن کے ساتھ اپنی دوستی بڑھائیں، لیکن کس طرح؟ وہ پہلا ادب جو گزرا تھا اور تطہیرِ قلب سے، طہارتِ قلب سے قرآن کے ساتھ انس بڑھتا ہے چونکہ جب دل پاک ہو جائے تو قرآن بھی پاک ہے، دل نورانی ہو جائے تو قرآن بھی نورانی ہے، نور نور کے ساتھ مساخت رکھتا ہے اور پاک چیز پاک چیز کے ساتھ مانوس ہے۔ اہلبیت علیہم السلام قرآن کے ساتھ مانوس ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں، قرآن اور عبادتِ خدا اہلبیت علیہم السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے چونکہ مساخت ہے اور آپس میں انس ہے۔

۱۰) گریہ، انس کی علامت

امام رضا علیہ السلام کو جب مدینہ سے خراسان لایا گیا تو راستے بھر میں امام علیہ السلام مسلسل بغیر وقفے کے قرآن پڑھتے رہے اور اس طرح سے قرآن پڑھتے رہے کہ امام علیہ السلام کے آنسو خشک نہیں ہوئے، چونکہ قرآن انسان پر اثر کرتا ہے، انسان کی روح کے اوپر اثر کرتا ہے، بعض مسیحیوں کے بارے میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تھے اور یہ مسیحی آکر قرآن سنتے تھے تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی تھیں، ایک اثر یہ ہے یعنی علامت ہے کہ آیا قرآن کے ساتھ انس ہے یا نہیں ہے؟ تو یہ دیکھیں ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے انسان گریہ کرتا ہے یا نہیں، ابھی تو زبردستی گریہ کروایا جاتا ہے، جب تک مصائبِ کربلا نہ پڑھیں تو ہم روتے نہیں ہیں، دعا کے بیچ میں بھی وقفہ کر کے

گریہ، انس کی علامت

مصائب پڑھے جاتے ہیں تاکہ روئیں ناکہ دعا سے روئیں۔ خدا کی بارگاہ میں روئیں وہ ایک گریہ ہے، کربل کے لیے اور مقدس گریہ ہے اور بہت ہی عظیم ہے، اس کے برابر کوئی گریہ نہیں ہے لیکن عبادتوں کے اندر گریہ عبادت کی وجہ سے ہونہ یہ کہ وہاں عبادت روک کر پھر بیچ میں جیسے شہید مطہریؒ نے نقل کیا ہے کہ بعض حتیٰ مصائب میں بھی نہیں روتے ہیں اور ان کے لئے مصائب روک کر پھر اور کام کرتے ہیں تاکہ روئیں، بعض اوقات دعا روک کر مصائب پڑھتے ہیں تاکہ روئیں لیکن بعض ایسے سخت ہو جاتے ہیں کہ مصائب پر بھی نہیں روتے ہیں، ایک ذاکر نے مصائب کو روک کر لوگوں کو پتھر مارنا شروع کیا، پوچھا گیا کہ کیوں؟ تو کہا کہ رلانے کے لئے تاکہ یہ روئیں، ہر قیمت پر تو نہیں رلانا ہے کہ صرف مصائب پر روئیں، آپ سوگِ اہلبیتؑ بیان کریں اور یہ روئیں، آپ دعا پڑھیں اور یہ روئیں، آپ قرآن پڑھیں اور یہ روئیں لیکن پہلے مساخت ہو اور قرآن کے ساتھ انس ہو۔

انس، حضورِ قلب کی طرف پہلا قدم

(۱۱) انس، حضورِ قلب کی طرف پہلا قدم

پس حضورِ قلب کیلئے پہلا قدم انس بڑھانا ہے اور یہ تطہیر کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے، اگر دل نورانی ہو جائے تو حضورِ قلب کی طرف ایک قدم بڑھ گیا لیکن ایک قدم ابھی رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ اتنا آسان نہیں ہے کہ یہ دل قرآن اور نماز سے مانوس ہو جائے، اگرچہ دل وحشی ہے لیکن یہ وحشی کسی اور نے رام کر لیا ہے، یہ دل کسی اور کا رام شدہ ہے، اگر انسان اس کو خدا کے لئے، عبادت کے لئے اور قرآن کے لئے رام کرتا تو یہ وحشی آج قرآن کے ساتھ مانوس ہوتا لیکن اس سے

پہلے کہ ہمیں خبر ہوتی کہ ہم اس کو قرآن کے ساتھ اور عبادت کے ساتھ مانوس کریں یہ پہلے ہی کسی اور سے مانوس ہو چکا ہے، یہ کسی اور کا ہم نشین ہو چکا ہے، کوئی اور اس کے اندر آچکا ہے، دل کو اس نے اپنا نشین بنا لیا ہے، جب تک وہ نہیں نکلے گا اور اس سے نجات نہیں ملتی تو انس باقرآن پیدا ہونا ممکن نہیں ہے۔ پس حضور کے لئے پہلا قدم یا پہلا رکن انس ہے، انس کیسے پیدا ہوگا؟ مسابحت سے، مسابحت طہارت سے حاصل ہوتی ہے اور قرآن کے ساتھ انس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اندر قرآن کی صفت پیدا کرے اور وہ نورانیت ہے اور نورانیت اس ادب سے حاصل ہوتی ہے کہ جسے تطہیر قلب کہا گیا ہے کہ جو فصل ادب دوم میں پڑھ آئے ہیں لیکن حضور کا دوسرا رکن ہنوز رہتا ہے کہ جو اس فصل کے حصہ دوم میں درج کیا جائے گا۔

انس، حضور قلب کی طرف پہلا قدم

حوالہ جات

- (۱)..... (کلیات سعدی، بر اساس نسخہ محمد علی فروغی، صفحہ ۴۳۴)
- (۲)..... (سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۸)
- (۳)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۰۱)
- (۴)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۵۰)
- (۵)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۲۶)
- (۶)..... (سورۃ مبارکہ ابراہیم، آیہ ۴۱)
- (۷)..... (سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۱۹۳)
- (۸)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۶۸، ۶۹، ۷۰) (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۳۴)
- (سورۃ مبارکہ زخرف، آیہ ۴۹)
- (۹)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۳۴)
- (۱۰)..... (سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۵۸)
- (۱۱)..... (سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۵۱)
- (۱۲)..... (سورۃ مبارکہ ہود، آیہ ۶۱)
- (۱۳)..... (سورۃ مبارکہ یوسف، آیہ ۹۸)
- (۱۴)..... (منہاج البراعۃ - الراوندی) (نہج البلاغہ موضوعی)
- (ہدایۃ العلم فی تنظیم غرر الحکم للامام علی بن ابی طالب)
- (۱۵)..... (سورۃ مبارکہ نور، آیہ ۲۶)

(۱۶).....(سورۃ مبارکہ نساء، آیہ ۱۷)

(۱۷).....(سورۃ مبارکہ شوریٰ، آیہ ۵۲)

(۱۸).....(سورۃ مبارکہ مائدہ، آیہ ۱۵)

(۱۹).....(سورۃ مبارکہ مائدہ، آیہ ۴۴)

(۲۰).....(سورۃ مبارکہ انعام، آیہ ۹۱)

(۲۱).....(التفسیر الأصفی - الفیض الکاشانیؒ، الجزء ۱، صفحہ ۴۵)

(تسنیم تفسیر قرآن کریم - آیۃ اللہ جوادی آملی مدظلہ) (التفسیر الصافی -

الفیض الکاشانیؒ، الجزء ۱، صفحہ ۱۳۴) (شرح أصول الکافی - مولی محمد صالح

المازندرانیؒ، الجزء ۱۲، صفحہ ۴۰۳) (بحار الأنوار - علامہ مجلسیؒ، الجزء ۷۹،

صفحہ ۱۹۳) (مجموعۃ ورام - ورام بن ابی فراس، الجزء ۱، صفحہ ۷۹)

(۲۲).....(سورۃ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۵)

فصل ادبِ سوم

﴿حضورِ قلب﴾

(حصہ دوم)

- ۱) تعلقات، حضورِ قلب کی راہ میں رکاوٹ
 - ۲) تعلق یافتہ دل مشغول دل ہے
 - ۳) مشغول دل حضورِ قلب میں مانع
 - ۴) تعلقات کو کاٹنا ضروری ہے
 - ۵) انقطاع کے معانی
 - ۶) عرفان کی حقیقت
 - ۷) دعا و مناجات میں انقطاعِ تعلقات کی ترغیب
 - ۸) لہو و لعب کے معانی
 - ۹) قرآن کے مطابق کونسی چیزیں الہا ہیں؟
 - ۱۰) لہو و الہا کے دیگر مصادیق
- ☆ لعب میں مشغول دل
- ☆ کھانے پینے میں مشغول دل
- ☆ لذتوں میں مشغول دل

☆ آرزوؤں میں مشغول دل

- (۱۱) دنیا کسے کہتے ہیں؟
- (۱۲) دنیا کی کشش، حربہ شیطان
- (۱۳) قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟
- (۱۴) قرآن پڑھتے ہوئے حدیثِ نفس کی ممانعت
- (۱۵) قرآن، باعثِ سرور
- (۱۶) قرآن، باعثِ تفرج

www.ziaraat-e-Sakina.com
jagir.abbas@yahoo.com

۱) تعلقات، حضورِ قلب کی راہ میں رکاوٹ

قلباً و ذہناً موجود ہونے کے دو رکن ہیں، ایک رکن کی طرف اس فصل کے حصہ اول میں اشارہ کیا تھا کہ جب تک انسان کا کسی چیز کے ساتھ انس پیدا نہ ہو تو وہاں انسان موجود نہیں ہوتا ہے۔ دوسرا رکن یہ ہے کہ دل کے مشغلوں سے دل کو فارغ کیا جائے، جن چیزوں نے دل پہ قبضہ جمایا ہوا ہے اور جن چیزوں نے دل کو مشغول کیا ہوا ہے ان سے چھٹکارا پایا جائے چونکہ دل جب ایک طرف مشغول ہو جاتا ہے تو دوسری چیز کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے، پھر ایک ہی وقت میں ادھر بھی مشغول رہے اور ادھر بھی مشغول رہے تو یہ ممکن نہیں ہے لہذا دل کے وہ مشغلے ختم کرنے پڑیں گے اور جب تک وہ ختم نہیں ہوں گے تو حضورِ ذہن بھی نہیں ہوگا۔

تعلقات، حضورِ قلب کی راہ میں رکاوٹ

اگر ہم دل کو پاک بھی کر لیں تو پھر بھی کچھ تعلقات ایسے ہیں کہ جن کی زنجیروں میں دل جکڑا ہوا ہوتا ہے کہ البتہ یہ بھی آلودگیوں کا ہی ایک حصہ ہے، ایک لحاظ سے اسی رکن اول سے ہی رکن دوم پیدا ہوتا ہے، آلودگیوں میں سے ایک آلودگی یہ ہے کہ دل تعلقات کا مرکز ہے، جس طرح دل فہم کا مرکز ہے، احساسات کا مرکز ہے تو اسی طرح سے ہمارا دل تعلقات کا بھی مرکز ہے، تعلق شروع ہی دل سے ہوتا ہے اور بعد میں جسمانی تعلق پیدا ہوتا ہے، آغاز دل سے ہوتا ہے مثلاً آنکھیں اس وقت کسی چیز سے تعلق پیدا کرتی ہیں کہ جب پہلے دل کا تعلق ہو، جس چیز کو دل چاہتا ہے کہ دیکھے تو اسی کو آنکھ دیکھتی ہے، جس چیز کو دل چاہتا ہے کہ سنے تو کان اسی چیز کو سنتے ہیں یعنی سماعت و بصارت کا تعلق درحقیقت دل کے رہین منت ہے، دل جہاں پر تعلق پیدا کرے گا تو اعضاء و جوارح

بھی دل کے پیچھے ہیں، دل جدھر جائے گا انسان اسی طرف جاتا ہے۔ یہ تعلقات ہیں کہ جو انسان کے حضور کے اندر رکاوٹ بنتے ہیں مثلاً ہم نماز میں دل کو حاضر رکھنا چاہتے ہیں لیکن دل تو وہاں ہے کہ جہاں اس کا تعلق ہے، تعلقات اور مشغولیات دل اتنی زیادہ ہیں کہ جب ہم اس کو نماز میں حاضر کرنا چاہتے ہیں تو ہزاروں تعلق چھوڑے نہیں جاتے ہیں اس لئے کہ وہ ان سے مربوط ہے، پس دوسری چیز تعلقات سے انقطاع ہے کہ جیسے آپ مناجات شعبانہ میں خداوند تبارک و تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ

إِلٰهِیْ هَبْ لِّیْ کَمَالَ الْاِنْقِطَاعِ اِلَیْکَ وَاِنْرِ اَبْصَارَ قُلُوْبِنَا بِضِیَاءِ نَظَرِهَا اِلَیْکَ، حَتّٰی تَخْرِقَ اَبْصَارُ الْقُلُوْبِ حُجُبَ النُّوْرِ فَتَصِلَ اِلٰی مَعْدِنِ الْعَظْمَةِ.....

میرے خدا مجھے اس طرح کمال انقطاع کی توفیق عطا فرما کہ تیری بارگاہ کا ہو جاؤں اور ہمارے دلوں کی آنکھیں جب تیری طرف نظر کریں تو انہیں نورانی بنا دے تاکہ یہ دیدہ ہائے دل حجابات نور کو پار کر کے تیری عظمت و بزرگی کے مرکز سے جا ملیں.....

یعنی ہمارے دلوں کو، ہمارے دلوں کی آنکھ کو، دل کی بصیرت کو منور فرما اور دل کو اس طرح سے انقطاع عطا فرما کہ ہر چیز سے مجھے لا تعلق کر کے فقط اپنی ذات سے متعلق قرار دے۔

بعض لوگ حقیقتاً پاک و نورانی انسان ہیں لیکن پھر بھی انہیں توفیق نہیں ہوتی ہے کہ قرآن کے سامنے حاضر ہوں، اسکی وجہ یہ ہے کہ زنجیر بھی ساتھ بندھی ہوئی ہے، ان کے اور قرآن کے درمیان انس ہونے کے باوجود غیر حاضر ہیں، یہ انسان بارگاہ قرآن یا عبادت سے غائب ہے،

ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ جس طرح خدا نے اس کو اہلِ تعقل پیدا کیا ہے اسی طرح سے یہ اہلِ تعلق بھی ہے، اس کے مختلف چیزوں سے تعلقات ہیں یعنی رابطے ہیں، مختلف اشیاء کے ساتھ، مختلف موجودات کے ساتھ، مختلف امور کے ساتھ انسان کے تعلقات ہیں اور تعلق کا مرکز بھی اتفاقاً دل ہی ہے، تعلقات بھی قلبی ہی ہیں، جس طرح سے تعقل دل کا کام ہے اسی طرح تعلق بھی دل کا کام ہے یعنی ساری چیزیں ہمارے دل کے ساتھ رابطے میں ہیں اور ہمارے دل اور ان کے درمیان علاقہ و تعلق موجود ہے، دل کے ساتھ ان چیزوں کی گرہ لگی ہوئی ہے، تعلقات تعقلات کی راہ میں مانع ہیں۔

فہم کی راہ میں ایک بہت بڑا مانع یہی تعلقاتِ قلبیہ ہیں، انسان دل سے دیکھے کہ کتنی چیزوں کے ساتھ دل کا تعلق ہے اور جیسے کہا جاتا ہے اور روایت میں بھی یہ مطلب ہے کہ ہر چیز کی ایک آفت ہے،

لِكُلِّ شَيْءٍ آفَةٌ وَلِلْعِلْمِ آفَاتٌ..... (۱)

ہر چیز کی ایک بلا، بیماری اور آفت ہے لیکن علم کے لئے فراواں آفات ہیں۔ بعض اچھے کاموں کے لئے برے کام آفات ہوتے ہیں لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کیلئے اچھے کام بھی آفت ہیں مثلاً اگر ایک انسان باسی اور خراب کھانا کھائے تو اس کے لئے آفت یہ ہے کہ بیمار ہوگا لیکن بعض مزاج ایسے ہیں کہ اگر وہ صحیح اور تازہ کھانا بھی کھائیں گے تو بیمار ہو جائیں گے اس لئے کہ ان کا مزاج ایسا ہے۔ تعلقات آفتِ علم ہیں۔ انسان اپنے دل میں دیکھے کہ کتنی چیزوں کے ساتھ اس

تعلقات، حضورِ قلب کی راہ میں رکاوٹ

کا تعلق ہے۔ ہر وہ شے جس کی حب ہمارے دل میں ہے تو یہ اس شے کے درمیان ایک تعلق ہے۔

۲) تعلق یافتہ دل مشغول دل ہے

دل تعلقات کو ترک نہیں کرتا ہے اور انسان ایک محدود ہستی کا مالک ہے، قوت کے لحاظ سے، عمل کے لحاظ سے، تاثیر کے لحاظ سے، تاثر کے لحاظ سے بھی ایک محدود ہستی کا مالک ہے لیکن خداوند تبارک و تعالیٰ کی ہستی میں چونکہ حد نہیں ہے اس وجہ سے اسمائے الہیہ و صفاتِ خداوند تبارک و تعالیٰ میں سے ہے کہ

لَا يَشْغَلُهُ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ..... (۲)

کوئی شے یا کام اسے دوسرے کام سے باز نہیں رکھتا.....

یعنی خدا کی صفت یہ ہے کہ اگر خدا کی ذات ایک چیز میں مشغول ہو تو دوسری طرف بھی توجہ رہتی ہے یعنی یہ شے خدا کی توجہ اپنی طرف لگا کر کسی دوسری شے سے توجہ نہیں ہٹا سکتی ہے لیکن انسان ایسے نہیں ہیں، انسان ایسا ہے کہ جب ایک چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دوسری چیز سے غافل ہو جاتا ہے یعنی يَشْغَلُهُ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ یعنی اگر ایک آدمی بات کر رہا ہے اور دوسرا بھی بات کر رہا ہو تو ہم دونوں کی بات ایک ہی وقت میں نہیں سن سکتے ہیں، ایک کو کہتے ہیں کہ آپ ذرا چپ رہیں تاکہ میں اس کی بات سن سکوں، اگر دونوں خاموش نہ رہیں اور مسلسل بولتے رہیں تو ہم دونوں کی بات سن پائیں گے، کیوں؟ کیونکہ ایک کی بات نے دوسرے کی بات سننے سے روکا ہوا ہے۔

یہ انسان کی مشکل ہے کہ دل خالی اور فارغ نہیں ہے بلکہ مشغول و مصروف ہے، جیسے بعض انسان مشغول ہیں تو وہ دوسروں کو کہتے ہیں کہ تم فارغ ہو اور میں مصروف و مشغول آدمی ہوں، البتہ بے کار آدمی اکثر بہت مشغول ہوتے ہیں کہ جن کا کوئی کام نہیں ہوتا ہے۔ بعض ممالک میں خصوصاً یورپی ممالک میں کہ وہاں کی زندگی بہت مصروف ہے لیکن اسی زندگی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کی کوئی جاب (Job) وغیرہ نہیں ہے، انہیں کونسل (Council) کی طرف سے شہر یہ ملتا ہے، یہاں مراجع کی طرف سے ملتا ہے اور برطانیہ میں ملکہ برطانیہ کی طرف سے ملتا ہے، ہفتے کو سب عمامہ پہن کر صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور کونسل سے جا کر شہر یہ لے کر آتے ہیں، بظاہر چونکہ ان کا کوئی کام نہیں ہے اور جاب نہیں ہے، انسان سمجھتا ہے کہ ان کے پاس بہت ٹائم ہوگا لیکن انسان جب ان سے بات کرے تو ان کے پاس ٹیلیفون کرنے کے لئے بھی فرصت نہیں ہوتی ہے، یہ کہتے ہیں کہ ہم سب سے زیادہ مشغول ہیں۔ یعنی اگر ذاتِ خدا ایک فعل میں مشغول ہو یا ایک مخلوق کی طرف متوجہ ہو تو یہ توجہ خدا کو دوسری شے سے غافل نہیں کرتی ہے، ایک ہی آن میں ذاتِ خدا کی توجہ تمام عالمِ ہستی، تمام موجودات اور لامتناہی امور کی طرف ہے۔

یوں نہیں ہے کہ اگر خداوند تبارک و تعالیٰ کے علم میں ایک چیز آئی ہے تو دوسری چیز سے غفلت پیدا ہو جائے یا خدا نے ایک مطلب کا ارادہ کیا ہے تو دوسری چیز کا ارادہ نہ کر سکے، چونکہ ہستی خدا لا محدود ہے لیکن انسان کی ہستی محدود ہے اور نہ صرف کمیت کے لحاظ سے یعنی طول و عرض و عمر کے لحاظ سے محدود ہے بلکہ افعال کے لحاظ سے، فکر کے لحاظ سے، تاثیر کے لحاظ سے اور تاثر کے لحاظ سے

تعلق یافتہ دل مشغول دل ہے

بھی محدود ہے، اگر انسان کچھ سمجھنا چاہے تو بھی محدودیت ہے اور اگر انسان کچھ لینا دینا چاہے تو بھی محدودیت ہے، انسان کے لئے ایک حد مقرر ہے اور اس محدودیت کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان جب ایک کام میں مشغول ہوتا ہے تو اسی آن دوسرے کام سے غافل ہو جاتا ہے اور یہ شے اس کے دوسرے کام میں خود مانع و رکاوٹ بن جاتی ہے۔

۳) مشغول دل حضورِ قلب میں مانع

ہماری توجہ بھی محدود ہے یعنی ایک آن میں فقط ایک طرف متوجہ رہ سکتی ہے، جب ہم ایک چیز ایک سمت میں دیکھ رہے ہوتے ہیں تو اسی آن ہم دوسری طرف نہیں دیکھ سکتے ہیں، ایک ہی وقت میں ہم متعدد جہات میں نگاہ نہیں کر سکتے ہیں چونکہ ایک شے کے اندر ہماری یہ مشغولیت دوسری شے سے روک دیتی ہے۔ تعلقاتِ شغلِ انسان ہیں، مشغولیتِ انسان ہیں، تعلق کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک چیز کا ہمارے دل کے ساتھ فقط ایک رشتہ ہے مثلاً اگر کسی زمین سے ہمارا تعلق ہے یعنی اس زمین کے ساتھ ہماری مشغولیت ہے تو اس زمین کے تعلق کی حد تک ہم اس میں مشغول ہیں، اگر ایک فرد کے ساتھ ہمارا تعلق ہے تو اس تعلق کی حد تک ہماری مشغولیت قلبی موجود ہے، اگر ایک کتاب کے ساتھ ہمارا تعلق ہے تو اس کتاب کے تعلق کی حد تک ہم کتاب کے اندر مشغول ہیں یعنی جتنا تعلق گہرا ہوگا اتنی ہی مشغولیت بیشتر ہوگی اور اگر ایک انسان گونا گوں تعلقات میں گرفتار ہے اور اس کا قلب فراوان تعلقات میں اسیر ہے تو یہ انسان قلبی طور پر مشغول انسان ہے اور یہ مشغولیت اس کو دوسرے

کام سے روک دیتی ہے۔

جب ہم قرآن پڑھنے یا کوئی اور عبادت کرنے کیلئے اپنے جسمانی اعضاء کے ساتھ آتے ہیں تو تعلقات قلبی بھی ہمارے ہمراہ آتے ہیں مثلاً جب ہم بارگاہِ خدا میں کھڑے ہوتے ہیں تو تمام تعلقات سمیت کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس آن میں توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا دل بھی حاضر رہے اور خدا کی طرف متوجہ رہے۔ اس کیلئے سادہ مثال یہ ہے کہ آپ کوئی سرگوشی سننا چاہتے ہیں اور اس سرگوشی کو سنتے ہوئے آپ نے ٹی وی بھی آن کیا ہوا ہے، ریڈیو بھی آن کیا ہوا ہے، کیسٹ بھی چلائی ہوئی ہے اور چاروں طرف سے کوئی نہ کوئی آواز کان میں پڑ رہی ہے اور وہ بھی فل ولیم (Full volume) میں تو ایسی حالت میں آپ سرگوشی نہیں سن سکتے ہیں کیونکہ آپ کی توجہ اس شخص کی گفتگو کی طرف نہیں ہے کہ جو آپ سے محو کلام ہے، اس لئے کہ چاروں طرف سے آپ کے کان میں آوازیں پڑ رہی ہیں یعنی آپ کے کان مشغول ہیں، ہم اس وقت کسی کی بات کی طرف توجہ کر سکتے ہیں کہ جب ہماری دوسری سماعتی مشغولیات ختم ہو جائیں۔

تعلقات کو کاٹنا ضروری ہے

۴) تعلقات کو کاٹنا ضروری ہے

انسان کیلئے تعلقات سب سے بڑی آفت ہیں، تعلقات انسان کو تعقل نہیں کرنے دیتے ہیں، جب تک ان تعلقات سے انقطاع حاصل نہ ہو جائے یہ انسان کو بارگاہِ خدا میں حاضر نہیں ہونے دیتے ہیں اور تعلقات ترک کرنا بہت سخت کام ہے یعنی تعلقات ختم کر کے تعلقات ختم کرنا نہ کہ

لا تعلق ایجاد کرنا، بسا اوقات دوستی بھی تعلق ہے اور دشمنی بھی تعلق ہے اور یہ دونوں مشغولیتیں ہیں، بعض اوقات انسان کسی چیز سے دلچسپی لیتا ہے اور بسا اوقات کسی چیز سے انسان کو الرجی (Allergy) ہوتی ہے یعنی یہ الرجی بھی ایک نوع تعلق ہے، انسان کی حساسیت بھی ایک نوع تعلق ہے۔

یہ تعلقات ایک ایک کر کے انسان کو توڑنے اور کاٹنے پڑتے ہیں، تعلق توڑنا سب سے مشکل کام ہے مثلاً جس طرح سے ہمارے دانت ہیں کہ جو جڑے کے اندر پیوست و راسخ ہیں، اگر ایک صحیح اور ٹھیک دانت حتیٰ بیمار و مریض دانت بھی ہو تو بھی اس کو اکھاڑنا بہت دشوار ہے اور اگر ظالم دانت ہو تو اس کو اکھاڑنے کے ساتھ جان بھی باہر آتی ہے۔ تعلقات اسی طرح سے ہیں، تعلقات ہمارے وجود کے اندر دانت کی طرح راسخ ہیں، تعلقات نے اپنی جڑیں ہماری روح اور نفس کے اندر تک پھیلائی ہوئی ہیں، جب ہم اسے کھینچتے ہیں اور تعلق کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو پورے وجود میں درد محسوس ہوتا ہے اور انسان کی آپہں نکلتی ہیں، درد اتنے ہی شدید ہیں کہ جتنے تعلقات شدید ہیں، یہ تعلقات پہلے سے درد مند انسان کو اور درد مند کر دیتے ہیں، ان تعلقات سے انسان جب تک لا تعلق نہیں ہوتا ہے یا جب تک ان تعلقات کو منقطع نہیں کرتا ہے تب تک انسان حضور کا تصور نہیں کر سکتا ہے، حضور انسان کے لئے ایک فرضی چیز ہے کہ کس طرح سے حاضر ہوں؟ کہاں حاضر ہوں؟ اور کس کے سامنے حاضر ہوں؟ درحالیکہ انسان تعلقات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

بعض اوقات ہم مطالعہ کر رہے ہوتے ہیں اور ہمارے حواس بھی ہر طرف ہوتے ہیں

مثلاً ٹی وی بھی آن ہے اور ساتھ کتاب بھی کھلی ہوئی ہے اور گھر میں ہیں تو بچہ بھی ہے کہ جو سو یا ہوا ہے یا کھا رہا ہے تو اس کی طرف بھی توجہ ہے، ساتھ میں کوئی مہمان بھی آنا ہے تو دروازے کی طرف بھی ہماری توجہ ہے، کسی کا ٹیلیفون بھی آنا ہے تو اس کی طرف بھی منتظر ہیں اور دیر بھی ہو رہی ہے تو بار بار گھڑی بھی دیکھنی ہے، آپ کا ذہن ہزاروں طرف لگا ہوا ہے اور پھر آپ مطالعہ بھی کر رہے ہیں، اس مطالعے سے انسان کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے چونکہ ذہن یہاں پر حاضر نہیں ہے، ذہن کبھی اس طرف ہے تو کبھی اس طرف ہے، جس طرح سے جسمانی طور پر ایک آدمی دوڑ کر کبھی یہاں جا رہا ہو، کبھی وہاں جا رہا ہو تو وہ یکجا ہو کر بیٹھ نہیں سکتا ہے اسی طرح سے ذہن بھی حاضر نہیں ہے لہذا یہ مشغولیت بھی ایک تعلق ہے اور ان سارے تعلقات کو توڑنا نہایت ضروری ہے۔

انقطاع کے معانی

۵) انقطاع کے معانی

انقطاع کے معانی یہ نہیں ہیں کہ ہم کسی غار یا جنگل میں چلے جائیں یا آبادی کو چھوڑ دیں، زندگی چھوڑ دیں، معیشت چھوڑ دیں، کھانا پینا چھوڑ دیں، بچے اور خاندان کو ترک کر کے کسی خانقاہ میں جا کر عبادتِ خدا میں مشغول ہو جائیں، یہ انقطاع نہیں ہے بلکہ یہ تو انحراف ہے، انقطاع الی اللہ یعنی اپنے دل کا تعلق غیر خدا سے ختم کرو، نہ کہ جسمانی طور پر ان چیزوں سے بھاگ کر غار میں جا بیٹھو اور غار میں بھی دل انہی ساری چیزوں کے اندر مشغول ہو۔ انقطاع قلبی ہو یعنی جسمانی طور پر ادھر ہی رہو، لوگوں کے درمیان رہو، گلی کوچے میں رہو لہذا یہ رہبانیت، خانقاہیت اسلام میں کہیں

بھی نہیں ہے۔

خصوصاً انبیائے کرام علیہم السلام اور ائمہ اطہار علیہم السلام میں سے کوئی بھی غار میں نہیں بیٹھا، کسی نے بھی چلے نہیں کاٹے، کسی نے بھی جا کر وہ کام نہیں کئے کہ جو آج تصوف و عرفان کے نام سے اور صوفی گری کے نام سے معروف ہیں، ہنر اور مردانگی یہ ہے کہ انہی لوگوں کے اندر بیٹھ کر اپنے دل کو فقط خدا کی طرف متوجہ کرو، ورنہ اگر کوئی خود کو کالی کوٹھڑی میں بند کر لے کہ جہاں نہ اس کو دھوپ لگے، نہ نور لگے، نہ آکسیجن پہنچے اور اس کی کسی تک رسائی نہ ہو، کوئی آنہ سکے، جانہ سکے تو یہ گویا فرشتہ ہے، ایسا فرشتہ بننا بہت آسان ہے لیکن انسان بننا بہت مشکل ہے چونکہ فرشتہ بننے کے معانی یہ ہیں کہ انسان آبادی چھوڑ دے، معاشرہ چھوڑ دے، ذمہ داریاں چھوڑ دے، فرائض چھوڑ دے اور کسی غار میں جا بیٹھے، نہ کوئی آئے نہ جائے۔ پھر انسان کون ہے؟ انسان یہ ہے کہ انہی انسانوں کے اندر رہ کر سارے تعلقات چھوڑ دے، نہ کہ غار میں بیٹھ کر سب کچھ چھوڑ دے، لہذا انقطاع کے معانی یہ ہیں کہ آپ جسمانی طور پر لوگوں کے ساتھ ہوں لیکن آپ کا قلب فقط خدا کی طرف متوجہ ہو، دل کے ساتھ خدا کا تعلق ہو۔ غیر قلبی تعلقات سب کے ساتھ ہوں لیکن دل کسی کو بھی نہ سونپو، دل کسی کے اختیار میں نہ قرار دو۔

ادبیات کو دین داروں نے چھوڑ دیا یعنی جو دینی ادبیات تھیں وہ بے دینوں نے لے لیں اور انہیں استعمال کیا، جیسے دل سپردگی، دل دادگی، دل بردگی، دلبر، یہ سب دینی ادبیات اور معارف دینی کے الفاظ ہیں کہ جو اہل دین نے ترک کر دیئے اور شہوت رانوں نے ان کو استعمال کرنا شروع

کر دیا، محبت و عشق معارفِ دینی ہیں لیکن دین داروں نے ان کو ترک کر دیا اور کسی اور چیز کے پیچھے پڑ گئے اور بے دینوں نے، شہوتِ رانوں نے اپنی دنیا میں لا کر ان کو رسوا کیا کہ دلبر یعنی جو انسان کا دل لے جائے، جو کسی کو اپنا دل دے دے۔ ایک ہی چیز ہے کہ جس کے ساتھ انسان کا دل لگتا ہے، دل فقط بارگاہِ خدا کے ساتھ مساخت و مناسبت رکھتا ہے، امام صادق علیہ السلام کے مطابق دل کی سخیٹ فقط یہ ہے کہ

الْقَلْبُ حَرَمُ اللَّهِ فَلَا تُسْكِنُ حَرَمَ اللَّهِ غَيْرَ اللَّهِ..... (۳)

دل اللہ کا حرم ہے پس خدا کے حرم میں غیر خدا کو جگہ نہ دو.....

إِنَّ قَلْبَ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ الرَّحْمَنِ..... (۴)

بے شک مومن کا دل خداوندِ عالم کا عرش ہے.....

لہذا اس عرشِ خدا پر خدا ہو، حکمرانی، حکومت و فرمانروائی خدا کی ہو یعنی انسان کا دلبر فقط خدا ہو، خدا انسان کا دل لے جائے، دل سپردگی فقط خدا کو ہو، انسان اپنا دل خدا کو سپرد کر دے اور جب ایک دفعہ انسان کا دل خدا کی طرف چلا جائے تو جسمانی طور پر جہاں بھی ہو اس سے فرق نہیں پڑتا ہے۔

۶) عرفان کی حقیقت

اس مطلب کی وضاحت کیلئے یہ ماجرا نقل کیا جاتا ہے، ممکن ہے کہ یہ فرضی داستان ہو کہ جیسے بظاہر لگتا ہے کہ دو بھائیوں کی ان کے والد نے اچھی تربیت کی اور جب والد کا انتقال ہوا تو

دونوں نے دین داری کی راہ اپنائی، ایک جو بہت ہی زیادہ متدین تھا اس نے زندگی اور معیشت ترک کی اور جنگل کا راستہ لیا اور خانقاہ میں جا کر ریاضت و عبادت و چلے وغیرہ میں مشغول ہو گیا اور دوسرے نے شہر کے وسط میں چوک پر کپڑے کی دکان خرید لی اور اپنے کاروبار میں مشغول ہو گیا اور وہ جو جنگل میں جا بسا تھا اس نے ریاضتیں کیں اور چلے کاٹے۔

چونکہ ریاضتیں کرنے اور چلے کاٹنے سے کچھ طاقتیں اور قوتیں انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں، خواہ جسمانی ہوں یا روحانی، جن کا ایمان اور خدا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے یعنی کوئی ہندو چلے کاٹے تو بھی اس کے اندر کچھ صلاحیتیں آ جاتی ہیں، جیسے اگر ایک ہندو ویٹ لفٹنگ (Weightlifting) کرے تو اس میں طاقت آ جاتی ہے، ایک مسلمان کرے تو وہ بھی ویٹ لفٹر بن جاتا ہے، باڈی بلڈرز مسلم بھی ہیں اور غیر مسلم بھی ہیں۔ جو بھی اپنا جسم بنانا چاہے تو بنا لیتا ہے، اس کے اندر طاقت آ جاتی ہے، جو بھی کرکٹ کی پریکٹس (Practice) کرے تو اس کے اندر کرکٹ کی ایک صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے چاہے وہ ہندو ہو، مسلم ہو، انگریز ہو یا اصلاً سرے سے کسی دین کا پیروکار نہ ہو، اسی طرح سے چلے کاٹنے سے بھی کچھ قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں چاہے انسان مشرک ہو، ملحد ہو، منافق ہو، کافر ہو، ہندو ہو، بت پرست ہو، خدا پرست ہو یا کچھ بھی نہ ہو، چلے کاٹنے سے کچھ نہ کچھ صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں، آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں، اگر آپ بھوکے رہیں تو اس بھوک کی وجہ سے آپ کا جسم کمزور ہوتا جائے گا لیکن آپ کی بعض روحانی طاقتیں بیدار ہوتی جائیں گی، یہ عام انسانی وجود اور انسانی نظام کا حصہ ہے، اس کا معنویت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بارہا کہا ہے کہ عرفان دیواریں دوڑانے کا نام نہیں ہے، پانی پہ چلنے کا نام نہیں ہے، یہ جو عموماً عرفان کے نام سے چیزیں نقل کی جاتی ہیں کہ باطن بتانا، اندرونی حالات بتانا، غیب گوئیاں کرنا، پیشین گوئیاں کرنا اور چھپی ہوئی چیزیں ڈھونڈ کر، تلاش کر کے دے دینا عرفان نہیں ہے، کرتب دکھانا عرفان نہیں ہے، عرفان معرفت سے ہے یعنی قربِ خدا، معرفتِ خدا، انسان کا تعلق خدا کے ساتھ ہو۔ کوئی بھی ریاضت کرے، چلے کالے ٹو اس کے اندر یہ صلاحیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

میڈیا میں بھی دکھایا گیا تھا کہ ہالینڈ کا ایک مرتاض کئی گھنٹے فضا میں وائٹ ہاؤس کے سامنے ایک چھڑی پر معلق رہا یعنی ایک ہاتھ میں ایک عصا ہے اور اس کے نیچے کچھ بھی نہیں ہے اور چارزانوں بیٹھا ہوا ہے اور زمین سے تقریباً ایک سے ڈیڑھ میٹر بلند ہے اور کئی گھنٹے فضا میں اسی طرح سے ایک چھڑی کے سہارے وائٹ ہاؤس کے سامنے معلق رہا، جب اس سے پوچھا گیا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کہا تا کہ لوگ میری طرف توجہ کریں اور ساری دنیا نے توجہ کی چونکہ پھر میڈیا والے پہنچ گئے اور انہوں نے ساری دنیا میں عجوبہ دکھایا کہ یہ شخص کیا کر رہا ہے؟ آپ توجہ کریں کہ یہ کرتب دکھا رہا ہے، لیکن کس لئے؟ تا کہ لوگ میری طرف توجہ کریں، یہ کرتب دکھانا کوئی عرفان نہیں ہے، اگر یہ عرفان ہے تو پھر وہ سب سے بڑا عارف ہے جو کئی گھنٹے چھڑی کے سہارے بیٹھا ہوا ہے، چھڑی کے اوپر نہیں بلکہ چھڑی صرف ہاتھ کے پہلو میں ہے اور اس کا اپنا وزن چھڑی کے اوپر نہیں ہے، وہ بغیر کسی سہارے کے کئی گھنٹوں تک فضا میں معلق رہا کہ جیسے کوئی آرام سے کسی تخت یا صوفے پر بیٹھا ہوتا ہے۔ پس کرتب دکھانا عرفان نہیں ہے، یہ کرتب ساری دنیا نے دیکھا لیکن وہ عارف نہیں تھا، یہ

انسان کی جسمانی و روحانی طاقتیں ہیں کہ جو بعض ریاضتوں سے، مشقوں سے زندہ ہو جاتی ہیں لہذا اس کو عرفان نہیں کہتے ہیں۔

بحر حال واقعے کے مطابق ان دو بھائیوں میں سے ایک نے جنگل کے اندر سو چلے کاٹے تو اس کے اندر کچھ صلاحیتیں بیدار ہوئیں اور اس نے جانوروں کو تسخیر کر لیا، جب جانور اس کے سامنے مسخر ہو گئے تو اس کو خیال آیا کہ میرا بھائی دنیا دار ہے، میں اس دنیا دار بھائی کی اصلاح کے لئے جاؤں لیکن بھائی کو مرعوب کرنے کیلئے اور اثر انداز ہونے کے لئے کہ وہ میری روحانی طاقت کا قائل ہو جائے اس نے گھوڑے کے بجائے شیر کو اپنی سواری بنایا اور کوڑے کی جگہ ہاتھ میں سانپ پکڑا، جب شیر دوڑاتا ہوا شہر میں آیا تو لوگ جانور دیکھ کر، درندے دیکھ کر بھاگ گئے، اسے فرضی قصہ کہہ لیں لیکن مہم اس داستان کے اندر وہ گوہر ہے کہ جو منتقل کرنا ہے، مولانا روم کے بقول قصہ پیانا ہوتا ہے، پیانے کے اندر جو چیز ہوتی ہے وہ اہم ہوتی ہے، پیانے کو نہیں دیکھیں بلکہ اس ظرف کے اندر موجود چیز کو دیکھیں،

ای برادر قصہ چون پیمانہ ای ست

معنی اندروی مثال دانہ ای ست

دانہ معنی بگیرد مرد عقل

ننگرد پیمانہ را گر گشت نقل..... (۵)

قصہ پیانا ہوتا ہے آپ پیانے کو چھوڑیں، یہ زنانہ عادت ہے کہ انسان پیانے پہ زیادہ توجہ

کرے، عورتیں جب کسی کے گھر میں مہمان جاتی ہیں اور وہاں انہیں چائے پیش کی جاتی ہے تو ان کی توجہ چائے سے زیادہ پیالی پہ ہوتی ہے، یہ کونسا ماڈل ہے؟ پرانا ہے یا نیا ہے؟ قیمت کیا ہے؟ سستی ہے یا مہنگی ہے؟ اس کا ڈیزائن (Design) کیسا ہے؟ ان کی ساری توجہ کپ پہ ہوتی ہے۔ یہ زنانہ عادتیں ترک کریں، پیانے پہ توجہ نہ کریں بلکہ مردانگی یہی ہے کہ پیانے کے اندر جو کچھ ہے اس کی طرف توجہ کریں، یہ جب شہر میں شیر کو دوڑاتے ہوئے آیا تو لوگ ڈر کے مارے بھاگے اور اس نے بھائی کے پاس آ کر دیکھا کہ وہ کاروبار میں مشغول ہے، لوگ کپڑے خرید رہے ہیں، آرہے ہیں اور جارہے ہیں، اس نے اس کو دعوت دی کہ تم دنیا میں مشغول ہو، دنیا کو چھوڑو اور خدا کی طرف آؤ، دیکھو میں راہِ خدا میں گیا، عبادتِ خدا کرتا رہا، چلے کاٹتا رہا اور ریاضتیں کرتا رہا کہ جس کے نتیجے میں مجھے خدا کی طرف سے یہ لطف حاصل ہوا ہے کہ میں اب شیر پہ سواری لیتا ہوں، سانپ کو کوڑا بناتا ہوں، درندے اور جانور میرے سامنے مسخر ہیں۔

بہر کیف بھائی نے نہ کوئی تعجب کیا اور نہ اس کی ہاں میں ہاں ملائی، اس نے کہا کہ آپ مہمان ہو، آپ بیٹھو میں آپ کے لئے چائے لے کر آؤں بالآخر کوئی پذیرائی کروں کہ ایک عرصے بعد بھائی سے ملاقات ہوئی ہے۔ جہاں وہ بیٹھتا تھا وہاں پر اس نے صوفی، عبادت گزار اور چلے کاٹنے والے بھائی کو بٹھایا اور خود تھوڑی دیر کے لئے باہر چلا گیا، ظاہر ہے کہ کپڑے کی دکان تھی، اس میں ہر آدمی آتا ہے اور بیشتر کپڑا عورتیں خریدتی ہیں، اب خدا امتحان لیتا ہے، جوں ہی وہ اس کو بٹھا کر گیا تو ایک عورت آئی اور عورت بہت حسین و زیبا تھی، اس سے کپڑا خریدنے کے لئے کہا، اتنی مدت

جنگل میں رہا تھا، ساری عمر تو بھیڑیئے، بندر، سانپ، شیر اور جانور دیکھتا رہا تھا، کافی عرصے بعد اس نے انسان دیکھے تھے اور وہ بھی عورت اور خوبصورت و زیباعورت دیکھی لہذا اس کو دیکھتے ہی اس کے بدن میں ایک تاثیر ہوئی، احساس پیدا ہوا، اس کے بدن میں ایک کپکپی طاری ہوئی اور جھرجھری ایجاد ہوئی کہ جس کی وجہ سے اوپر جو پینے کیلئے پانی کی مشک رکھی ہوئی تھی وہ گر گئی اور یہ بھیک گیا، بھائی واپس آیا تو دیکھا کہ ساری دکان بھی بھیگی ہوئی ہے اور یہ شخص بھی پانی میں تر ہے، پوچھا کہ ماجرا کیا ہے؟ کہا ماجرا یہ ہے کہ تم خود تو دنیا میں غرق ہو مجھے بھی تم نے دنیا میں پھنسا دیا، اس نے ماجرا بیان کر دیا کہ یہ تو گناہ و معصیت کی دکان ہے، جب تم چلے گئے تو یہاں پر عورت آئی اور اس کی وجہ سے میرے بدن میں ایسا احساس پیدا ہوا، مجھے جھٹکا لگا اور اوپر سے مشک گر گئی لہذا میں بھیک گیا، پھر اس بھائی نے اُس کو بتایا کہ انقطاع کس کو کہتے ہیں؟ کہا کہ چالیس سال سے تم غاروں میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہاں جسمانی طور پر تو منقطع ہو گئے تھے لیکن قلبی طور پر منقطع نہیں ہوئے تھے، میں چالیس سال سے اس دکان میں بیٹھا ہوں اور چالیس سال سے یہ مشک اوپر لٹکی ہوئی ہے اور چالیس سال سے عورتیں کپڑا خرید رہی ہیں لیکن کبھی میرے بدن میں ایسی جھرجھری طاری نہیں ہوئی، کیوں؟ اسلئے کہ جسمانی طور پر میرا جسم دکان میں ہے لیکن میرا دل ان عورتوں میں گرفتار نہیں ہے، میرا دل ان کپڑوں میں گرفتار نہیں ہے، تم جنگل میں بیٹھ کر جسمانی طور پر اپنی قوتیں بڑھا کر آئے ہو لیکن انقطاع حاصل نہیں ہوا۔

انقطاع یعنی دل کے تعلقات توڑ دو، قلبی تعلقات توڑ دو، ان تعلقات کے اندر دل اسیر

ہے اور بری طرح جکڑا ہوا ہے، چھوٹی چھوٹی چیزیں مثلاً انگوٹھی بھی ایک تعلق ہے، اگر گم ہو جائے تو بھوک بھی نہیں لگتی ہے اور نیند بھی نہیں آتی ہے، اگر اس شخص سے کہیں کہ ایک اور انگوٹھی لے لو تو کہتا ہے کہ نہیں، وہ انگوٹھی ایک خاص انگوٹھی تھی، یہ تعلق ہے، جب یہ زاہد و عارف انگوٹھی اور تسبیح کے تعلق میں گرفتار ہیں کہ جس کی نہ کوئی معنوی قیمت ہے، نہ کوئی مالی و مادی قیمت ہے تو وہ بے چارہ تو کسی قیمتی چیز کا اسیر ہے کہ جو دنیا کی زرق برق اور طمطراق کے اندر گرفتار ہے۔

اس کی وضاحت کیلئے علامہ نراقیؒ کا واقعہ بھی نقل کرتے ہیں۔ ملا احمد نراقیؒ کے پاس ایک درویش گیا چونکہ کہتے ہیں کہ ملا احمد نراقیؒ ”ذوریاستین تھے، معنوی طور پر ایک مرجعِ مسلم، حکیم، فیلسوف اور عارف اور دوسری طرف سے دنیوی طور پر بھی صاحبِ املاک اور حکومت کے ہاں بھی ان کو عزت و شان و شکوہ حاصل تھا، ایک درویش کو اچھا نہیں لگا کہ ایک عالم اس طرح سے دنیا میں غرق ہو، ان کو ہدایت کرنے کے لئے گیا اور کہا کہ یہ جو تم دنیا میں غرق ہو یہ تمہارے شایانِ شان نہیں ہے، بہر کیف پہلے تو انہوں نے ٹالا کہ تم اپنی راہ لو،

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝ (۶)

تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔

لیکن اس نے اصرار کیا کہ آج مجھے اس عالم و مجتہد کو دنیا کے بن سے، دنیا کی اسارت سے نکالنا ہے، بہر کیف جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے کہا کہ بتاؤ کیا کرنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ سب کچھ چھوڑ دو اور کر بلا و نجف جا کر زندگی بسر کرتے ہیں، درویشی کی زندگی بسر کرتے ہیں،

مقاماتِ مقدسہ میں جا کر رہتے ہیں، مرحوم نراقیؒ نے کہا کہ خوب، اب سب کچھ چھوڑ دیا۔ انہوں نے چھوڑا کیا؟ یعنی وہ املاک، باغات اور کروڑوں کی جائیداد، اس زمانے میں آج سے دو تین سو سال پہلے اور آج کے لحاظ سے وہ جائیداد تقریباً بلینز (Billions) کے حساب سے بنتی ہے، پھر ایک سواری لیکر درویش سے کہا کہ چلیں اور چلتے ہوئے اپنے نوکر سے کہا کہ اس کا کشکول چھپا دے۔ درویشوں کا ایک ظرف کشکول کے نام سے ہوتا ہے، وہی ان کا اوڑھنا بچھونا اور سب کچھ ہوتا ہے، سارا متاعِ زندگی وہی ہوتا ہے، راستے میں ایک جگہ پر پہنچے اور وہاں جب نماز کا وقت ہوا تو درویش کو کشکول یاد آیا، اس نے کہا کہ میں تو آپ کے ہاں کشکول بھول آیا ہوں، انہوں نے کہا کہ کشکول ہے تو مسئلہ نہیں ہے اور خرید لیں گے، اول تو اتنا ضروری نہیں ہے لیکن اگر ضروری بھی ہے تو راستے میں دوسرا لے لیں گے، اس نے کہا نہیں میرا وہ کشکول ضروری ہے، انہوں نے جتنا اصرار کیا لیکن وہ نہیں مانا، اس نے کہا کہ جب تک کشکول نہیں ہوگا تو میں نماز بھی نہیں پڑھوں گا چونکہ میں نے تو وضو بھی اسی میں کرنا ہے، بالآخر واپس آگئے اور اپنے خادم سے کہا کہ اس کو کشکول واپس کر دو اور پھر اس کو متوجہ کیا کہ اب بتاؤ دنیا میں غرق کون ہے؟ میں تو خدا کی خاطر یہ کروڑوں کی جائیداد و املاک اور سب کچھ چھوڑ کر چلا گیا تھا لیکن تم ایک کشکول چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

ضروری نہیں ہے کہ جس انسان کے پاس مال فراواں ہو تو اس کو دنیا دار انسان کہیں گے، چہ بسا فقیر کا پیسوں کے ساتھ زیادہ تعلق ہو۔ یہ تعلقات ایک طرح سے حب ہیں کہ جو جہاں طلب اور خود خواہ انسان ہے وہ ان تعلقاتِ فراواں، آرزوئے فراواں اور خواہشاتِ فراواں کی زنجیروں

میں جکڑا ہوا ہے، یہ سب کے سب تعلقات ہیں، یہاں بھی پہنچنا ہے وہاں بھی پہنچنا ہے، یہ بھی کرنا ہے وہ بھی کرنا ہے اور پھر نماز کا وقت آئے تو نماز میں بھی جانا ہے اور نماز میں بھی خدا سے یہی تعلقات مانگنے ہیں، پھر کہتا ہے کہ دل خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے، اگر یہ دل خدا کی طرف متوجہ ہو جائے تو تعجب کرنا چاہئے کہ یہ دل جو تعلقات میں اسیر ہے یہ خدا کی طرف کیسے متوجہ ہو گیا؟

۷) دعا و مناجات میں انقطاعِ تعلقات کی ترغیب

ائمہ اطہار علیہم السلام کی دعاؤں میں انقطاعِ تعلقات کیلئے خاص ترغیب دی گئی ہے، مناجاتِ شعبانیہ میں بھی یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ کس طرح خدا کی طرف حضورِ دل ہو؟ قرآن پڑھتے ہوئے ہم خدا کی طرف کیسے متوجہ ہوں یا نماز میں ہماری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے ہو؟ مناجاتِ شعبانیہ بہت ہی عظیم الشان دعا ہے، ان مناجات کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ تمام معصومین علیہم السلام کی مناجات ہیں یعنی ہر معصوم نے یہ مناجات خدا کی بارگاہ میں پیش کی ہیں اور ان کے ذریعے سے خدا کو خطاب کیا ہے، باقی جو دعائیں ہیں وہ کسی ایک معصوم سے منقول ہیں، کوئی دوسرے معصوم سے اور کوئی دعا تیسرے معصوم سے منقول ہے لیکن یہ جمیع معصومین علیہم السلام کی مشترک دعا ہے یعنی معصومین علیہم السلام کا، اولیائے خدا علیہم السلام کا یہ نصاب مناجاتِ شعبانیہ کے نام سے معروف ہے، یہ صرف شعبان میں ہی نہیں بلکہ اور دوسرے اوقات میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

چونکہ مفاتیح میں جو آداب لکھے ہیں یا ادھر ادھر اوقات کی جو قید لگائی گئی ہے تو ہم سمجھتے ہیں

دعا و مناجات میں انقطاعِ تعلقات کی ترغیب

کہ ان اوقات سے باہر اگر پڑھا تو ایسے ہی ہے کہ جیسے مقررہ ٹائم سے ہٹ کر کوئی گولی کھالی تو نقصان دے گی، جب بھی انسان کا دل آمادہ ہو تو دعا پڑھ سکتا ہے، دعا کے لئے، قرآن کے لئے اور عبادت کے لئے آمادگی قلبی ضروری ہے، جب دل حاضر اور آمادہ ہو تو انسان عبادت کرے، قرآن پڑھے، مناجات کرے اور دعائیں پڑھے لیکن دل ہر وقت تو آمادہ نہیں ہوتا ہے، دل کے اور عقل کے لئے یہ احوال ذکر کئے گئے ہیں، جیسے عقل کے لئے ہے کہ عقل کے لئے ادبار اور اقبال ہے تو اور اسی طرح دل کے لئے بھی ہے۔ نہج البلاغہ میں مولانا علیؒ نے فرمایا ہے کہ

إِنَّ لِلْقُلُوبِ إِقْبَالَ وَادْبَارًا..... (۷)

اقبال یعنی کبھی قلب کچھ سننے کے لئے آمادہ ہوتا ہے اور کبھی بالکل بیزار ہوتا ہے، ادبار یعنی حاضر نہیں ہے، ہمیشہ دل کی حالت یکساں نہیں ہے۔ عموماً فرصت کے لمحات میں انسان کا دل آمادہ ہوتا ہے لیکن جب انسان کا دل آمادہ ہو، اقبال ہو اور اس وقت انسان لہو و لعب میں مشغول ہو جائے اور جب دل تھک جائے، بیزار ہو جائے اور ادبار ہو تو اس وقت اس کو قانع کر کے قرآن کے بارگاہ میں یا عبادت کیلئے بارگاہِ خدا میں لے آئے تو دل باادبار ان چیزوں کو تحمل نہیں کر سکتا ہے لہذا اس پر عبادتیں شاق و گراں گزرتی ہیں، جب دل کے اندر اقبال ہو یعنی آمادگی ہو اور چاہتا ہو کہ مجھے یہ چیز اس وقت چاہئے، اسے قانع نہ کرنا پڑے بلکہ وہ خود ہمیں مائل کرے، اکسائے اور اٹھائے کہ اٹھو عبادت کی طرف جاؤ، اسی وقت خواہ نصف شب ہو یا نصف روز ہو، جو بھی وقت ہو، گاہ و بے گاہ جب بھی دیکھو کہ دل آمادہ ہے تو وہ لمحہ دعا اور مناجات کے لئے مناسب ہے، ان مناجات کے اندر خداوند

دعا و مناجات میں انقطاع تعلقات کی ترغیب

تبارک و تعالیٰ سے یہ نقطہ اساسی طلب کیا جاتا ہے کہ

إِلٰهِيْ هَبْ لِيْ كَمَالَ الْإِنْقِطَاعِ إِلَيْكَ..... (۸)

میرے خدا مجھے اس طرح کمالِ انقطاع کی توفیق عطا فرما کہ تیری بارگاہ کا ہو جاؤں.....

وَيَا قُرَّةَ عَيْنٍ مَنْ لَّا ذَبِكَ وَانْقَطَعَ إِلَيْكَ..... (۹)

اے اس کے نورِ چشم جو تیری پناہ میں آتا ہے اور سب سے کٹ کر تیری طرف آتا ہے.....

وَلَا تَشْغَلْنَا عَنْكَ بِغَيْرِكَ..... (۱۰)

اور مجھے اپنی ذات سے روگرداں کر کے غیر میں مصروف نہ کر.....

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَخْلَصْتُ بِاِنْقِطَاعِيْ اِلَيْكَ وَاَقْبَلْتُ بِكُلِّيْ عَلَيْكَ..... (۱۱)

خدایا میں اپنے انقطاع میں مخلص ہوں اور اپنے پورے وجود کے ساتھ تیری طرف آیا

ہوں.....

انقطاع یعنی میرا تعلق ہر چیز سے توڑ دے، چونکہ میں اہل تعلق ہوں، تعلقات کی زنجیروں

میں جکڑا ہوا ہوں اور ہر چیز کے ساتھ میرا تعلق ہے۔

لہو و لعب کے معانی

۸) لہو و لعب کے معانی

وہ چیز جو انسان کو تعلقات میں مشغول کر دیتی ہیں اس کو قرآن نے الہا کہا ہے، الہا یا لہو،

الہا مشغولیت کو کہتے ہیں۔ لہو و لعب انسان کو لایعنی کاموں اور تعلقات میں مشغول کر دیتے ہیں۔

بے فائدہ کام اور ایسے کام کہ جن کے اندر عقلانی غرض موجود نہ ہو ان کو لعب کہتے ہیں، لہو ان چیزوں کو کہتے ہیں کہ جو انسان کو مشغول کر لیں یعنی انسان کی توجہ اصلی کاموں سے ہٹا کر اپنی طرف لگا دیں۔ دوسرے الفاظ میں اگر کوئی مشغولیت ہماری توجہ اصلی کام سے ہٹا دے اور ہمیں اپنی طرف مشغول کر لے تو اسی کو لہو کہتے ہیں۔ لہو مخصوص چیزیں نہیں ہوتی ہیں مثلاً بعض نے لہو کا معنی کھیل کیا ہے، نا، کھیل لہو نہیں ہے، یہ معنی کرنا اشتباہ ہے۔

لہو کو سمجھنے کیلئے فرض کریں کہ کوئی زیارت کے لئے آیا ہے اور اس کا مقصد اصلی زیارت کرنا ہے لیکن یہ ایک راستے سے گزرے گا، لوگوں کے درمیان سے گزرے گا، بازار سے گزرے گا، بالآخر انسانی معاشرے سے ہی اس کے تعلقات ہیں کہ جہاں سے گزر کر اس کو زیارت کیلئے جانا ہے لہذا راستے میں بہت ساری چیزیں اس کی توجہ اپنی طرف کھینچتی ہیں اور یہ انسان بھی اگر ایسا ہو کہ اپنا اصلی کام چھوڑ کر ان چیزوں میں مشغول ہو جائے تو یہ لہو ہے مثلاً وہ یہاں پر چاول کے سپل (Sample) ڈھونڈنا شروع کر دے تو یہ لہو ہے اور لوگ ایسا کرتے بھی ہیں کہ آئے اور دیکھا یہاں بڑی بڑی مارکیٹ (Markets) ہیں اور لوگ چاول بہت کھاتے ہیں اور ہمارے یہاں چاول زیادہ ہوتے ہیں، چاول پیدا وہاں ہوتے ہیں لیکن کھائے یہاں جاتے ہیں، یہ لہو ہے، آپ کس لئے آئے تھے؟ آپ زیارت کے لئے آئے تھے، اصلی کام زیارت تھا لیکن تجارت نے اسکی توجہ زیارت سے ہٹا دی ہے لہذا یہ تجارت لہو ہے چونکہ مقصد اصلی زیارت تھا۔ یہ کام جو ہماری توجہ اصلی کام سے ہٹاتا ہے ممکن ہے کہ بہت اچھا کام ہو مثلاً بازار میں ہمارا اصلی مقصد کتاب خریدنا تھا لیکن بازار میں ہمیں کوئی

دوست مل گیا، ہم اس دوست کے ساتھ باتیں کرنے میں اس طرح سے مشغول ہو گئے کہ ابھی اصلی کام بھول گئے اور وہ وقت ہم سے ضائع ہو گیا تو یہ دوست کے ساتھ باتیں کرنا لہو ہے، ہر وہ چیز جو انسان کو اصلی مقصود سے دور کر دے لہو ہے۔

سب سے برے تعلق کو قرآن نے الہا اور لہو کہا ہے۔ جیسے طلابِ حوزہ علمیہ کا اصلی کام تحصیلِ علوم ہے لہذا ہر وہ کام کہ جو ان کی توجہ کو تحصیلِ علم سے ہٹا کر کسی اور سمت لگا دے وہ لہو ہے، ضروری نہیں ہے کہ برے کام کو ہی لہو کام کو کہتے ہیں یعنی سٹہ، جو اور قمار کو لہو کہتے ہیں کہ جو حرام ہیں، لہو کے لئے حرام ہونا ضروری نہیں ہے، جس کام کے لئے خدا نے ہمیں خلق کیا ہے تو جو چیز اس سے ہماری توجہ ہٹا کر کسی اور سمت و جہت میں لگا دے وہی لہو ہے۔

اسی طرح فرض کر لیں کہ کوئی زیارت کے لئے آیا ہے اور اس کا مقصود فقط زیارت ہے لیکن وہ زیارت چھوڑ کر پڑھنا شروع کر دے تو اس کے لئے یہ پڑھنا لہو ہے یعنی اس قید کے ساتھ کہ جب مقصد زیارت کرنا ہو اور زیارت چھوڑ کر وہ پڑھنا شروع کر دے کیونکہ پڑھنے نے اس کی توجہ زیارت سے ہٹا دی ہے مثلاً ایک شخص حرم میں جاتا ہے اور حرم میں اس کا مقصد بارگاہِ معصوم علیہ السلام میں یا ولی خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے لیکن اندر جاتا ہے تو وہاں شیشے لگے ہوئے ہیں، سونا لگا ہوا ہے، فانوس لٹکے ہوئے ہیں، قالین بچھے ہوئے ہیں، خوبصورت ٹائلیں لگی ہوئی ہیں اور معماری کے بڑے شاندار نمونے ہیں اور یہ جا کر ان کے اندر غرق ہو جاتا ہے اور اس کی ذرا توجہ نہیں ہوتی ہے کہ میں کس طرف آیا تھا تو یہ لہو ہے چونکہ ان چیزوں نے اس کی توجہ اصلی کام سے ہٹا دی ہے۔

بعض اوقات انسان ایسے مستحب کاموں میں لگ جاتا ہے کہ جو اصلی کام سے توجہ ہٹا دیتے ہیں، مستحبات فراواں ہیں، مفتح پڑھ کر دیکھیں کہ مستحبات چوبیس گھنٹوں سے زیادہ ہیں یعنی چوبیس گھنٹے اگر ایک ثانیہ شمار کریں تو مستحبات پھر بھی زیادہ ہو جاتے ہیں اور گھنٹے کم ہو جاتے ہیں، پھر یہ مطلب بھی سنا ہوا ہے کہ کسی شخص نے دین کی تبلیغ کی اور غیر مسلمان کو مسلمان کر دیا اور ظاہر ہے کہ جب انسان نیا نیا مسلمان ہوتا ہے تو جذبہ اور شوق و ولولہ بھی زیادہ ہوتا ہے، یہ اسے مسجد میں لے گیا اور کہا کہ میں صبح آؤں گا، میں تمہارے اسلام کا آغاز نماز فجر سے کروں گا، نماز فجر سے اس کا آغاز ہوا پھر فجر جب تمام ہوئی اور اس نے گھر جانا چاہا تو اس نے کہا کہ نہیں اب مستحبات فجر پڑھنے ہیں، مستحبات فجر سے فارغ ہوا تو پھر چاشت کا وقت ہوا، اس نے کتاب کھولی اور کہا کہ اب مستحبات وقت چاشت ہیں ان میں مشغول رہو، وہ چاشت کے مستحبات سے فارغ ہوا تو ظہر قریب تھی، اس نے کہا کہ اب تو زوال کے مستحبات ہیں، زوال کے بعد پھر فرائض زوال شروع ہوئے پھر اسکے بعد تعقیبات نماز ظہر و عصر اور کرتے کرتے اس پہنچا رہے سے مغرب و عشاء و مستحبات بھی ادا کروا ڈالے، آخر میں جب دن بھر کا بھوکا مسجد میں بیٹھا ہوا مستحبات انجام دے رہا تھا تو عشاء کے بعد اس نے کہا کہ جانے دو کھانا کھائیں گے، اس نے کہا کہ نماز شب کا وقت ہوا چاہتا ہے، نماز شب پڑھ کر جائیں گے، بہر کیف اس نے جب چوبیس گھنٹے اس کو تمام دین مستحبات سمیت کروا دیا تو اس نے کہا کہ یہ دین آپ لوگوں کے لئے بہتر ہے، میرا کام زیادہ ہے، زندگی ہے، بچے ہیں، کاروبار ہے، میرے لئے وہ پہلا دین بہتر ہے چنانچہ وہ دوبارہ غیر مسلم ہو گیا۔

ہر چیز کیلئے ایک وقت اور حد ہے، انسان کے لئے مستحبات فراواں ہیں لیکن پہلے انسان یہ شناخت کرے کہ مجھے اصلی کام کیا کرنا ہے، بسا اوقات یہی مستحبات اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں جیسے امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ بعض اوقات مستحبات فرائض کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں، جب مستحبات فرائض کی راہ میں مانع بن جائیں تو آپ فرائض پہ توجہ دو نہ کہ مستحبات پر توجہ دو۔ یہ مستحبات جب فرائض کی راہ میں مانع بن جاتے ہیں تو مستحب بھی نہیں رہتے ہیں کیونکہ ان کا حکم بدل جاتا ہے، پہلے اصلی اور بنیادی کام کرو، اس اصلی کام کے بعد اگر وقت بچتا ہے تو پھر مستحب کام بھی کرو، اب ہم دیکھیں کہ ہمارے بہت سارے کام ایسے ہیں کہ چہ بسا مستحب کام ہوں لیکن ہمیں اصلی کام سے روک دیتے ہیں۔

استاد بزرگوار حضرت آیت اللہ احمدیؒ کہ چند سال پہلے ان کی رحلت ہو گئی ہے، یہ بزرگوار ماہ رمضان میں شاہراہ بازار کے قریب رات کو درس اخلاق دیا کرتے تھے، رمضان میں اور طلبہ بھی ان کے درس میں شرکت کرتے تھے لیکن وہ طلبہ کو درس سے اٹھا دیتے تھے کہ جاؤ جا کر مطالعہ کرو، آرام کرو، صبح تم نے درس میں جانا ہے، یہ درس اخلاق تو میں عوام کے لئے دے رہا ہوں کہ جو اہل علم نہیں ہیں، ان بے چاروں کے پاس دین سمجھنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، یہ درس تمہارے لئے نہیں ہیں بلکہ تم تو ہو ہی طلاب دین اور تمہارا کام ہی دین پڑھنا ہے لہذا ساری رات بیٹھ کر جب درس سنتے رہو گے، ساری رات یہاں اعمال کرتے رہو گے تو صبح اٹھ کر تم کلاس میں کیسے جاؤ گے؟ جبکہ تمہارا اصلی کام درس پڑھنا ہے۔

اب انسان اصلی کام کو تلاش کرے کہ ہم پیدا کس لئے ہوئے ہیں؟ ہمیں خدا نے اس دنیا میں کس لئے بھیجا ہے؟ پھر لہو کی دنیا اور لہو کی فہرست خود ہی مشخص ہو جاتی ہے کہ کون کونسے امور لہو ہیں؟ پھر اپنے آپ کو دیکھیں کہ میں کس میں غرق ہوں؟ آیا لہو میں غرق ہوں یا عبادت میں غرق ہوں، تحصیل علم میں مصروف ہوں یا کسی اور کام میں مشغول ہوں، جیسے اشارہ کیا تھا کہ ہمارا اصلی کام قرب خدا ہے، لقاء پروردگار ہے کہ جس کا دوسرا نام تکامل، ارتقاء اور ترقی ہے یعنی نقص سے کمال کی طرف آنا ہے، قرب خدا خیالی نہیں بلکہ حقیقی چیز ہے کہ ہم نقص سے کمال کی طرف آئیں، ہمارے نقائص ایک ایک کر کے کمالات میں تبدیل ہونا شروع ہو جائیں یہ اصلی کام ہے۔ اس خلقت کا، اس مخلوق کا یا اس زمین کے اندر عالم خلقت میں انسان کا اصلی کام یہی قرب خداوند تبارک و تعالیٰ حاصل کرنا ہے۔ جو چیز ہمیں اس تکامل میں مدد دیتی ہے وہ اصلی کام ہے اور جو اس میں کوئی مدد نہیں دیتی ہے، رکاوٹ بنتی ہے یا ہمیں اپنی طرف مشغول کئے ہوئے ہے اور اس سے تکامل حاصل نہیں ہوتا ہے وہ لہو ہے اور یہی قابل مذمت دنیا ہے۔

اسی طرح فرض کریں کہ ایک تاجر کہیں تجارت کی غرض سے آیا ہے لیکن اس نے آکر دیکھا کہ یہاں پر اور بھی بہت سی سرگرمیاں ہیں اور وہ اپنی تجارت کو بھول کر کسی اور کام میں مشغول ہو جائے مثلاً یہاں پر کسی جگہ قوالی ہو رہی تھی اور وہ قوالی سننے بیٹھ گیا تو یہ قوالی سننا اس کے لئے لہو ہے یا اس نے دیکھا کہ یہاں سے ایک وفد کسی اچھی شخصیت سے ملاقات کے لئے جا رہا ہے اور یہ تجارت چھوڑ کر ملاقات کرنے چلا جائے تو یہ ملاقات اس کے لئے لہو ہے، کیوں؟ کیونکہ اصلی کام

سے جو کام توجہ ہٹا دے اس کو لہو کہتے ہیں۔

اگر کوئی طالب علم حوزہ علمیہ میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے آیا ہوا ہے لیکن یہاں پر زائرین کو کرایہ خانے کرائے پر لے کر دیتا ہے تو یہ لہو ہے، کیوں؟ کیونکہ اس کی مشغولیت نے اس کی توجہ اصلی کام سے ہٹالی، یہاں پر تجارت شروع کر دیتا ہے، یہاں پر روابط بڑھانا شروع کر دیتا ہے، یہ لہو ہے، لہو صرف بُرے کام کو نہیں کہتے ہیں بلکہ اگر بذاتاً اچھا کام بھی ہو لیکن اصلی کام سے ہٹا رہا ہو تو یہ لہو ہے۔

فرض کریں کہ آپ کسی کے پاس پیغام پہنچانے کے لئے گئے ہیں لیکن راستے میں آپ کو کسی نے کہا کہ برائے مہربانی سامان اٹھائیں اور میرے گھر تک پہنچا دیں تو یہ بہت اچھا کام ہے لیکن آپ کو اصلی کام سے روک رہا ہے لہذا لہو ہے کیونکہ یہ آپ کی بے جا مشغولیت ہے۔ اگر وہ برا کام ہے تو اس کے اندر دو بدیاں موجود ہیں، ایک یہ ہے کہ بُرا ہے، حرام ہے اور دوسرا لہو ہے اور اگر اچھا کام ہے تو اس کے اندر ایک برائی ہے اور وہ یہ کہ یہ لہو ہے کیونکہ اس نے مجھے مشغول کر لیا، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ آپ بچے کو دکان پر بھیجتے ہیں لیکن بالفرض راستے میں کسی گاڑی پنچر (Puncture) لگایا جا رہا ہے اور وہ وہیں پر تماشا دیکھنے کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ حرام کام نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ کام لہو ہے یعنی وہاں پر اس کی مشغولیت لہو ہے۔

اب ہم دیکھیں کہ ہماری زندگیوں میں کتنا لہو ہے؟ لیکن یہ اس وقت چلے گا کہ جب یہ پتہ چلے کہ آیا کوئی اصلی کام بھی ہے یا نہیں؟ یا یہ سارے کام اصلی ہیں؟ انسان کا صرف ایک کام اصلی

لہو و لعب کے معانی

ہے، وہ کونسا کام ہے؟ وہ قرب خدا ہے کہ جس کام کے لئے خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے یعنی مقصدِ خلقت پر عمل۔ خدا نے ہمیں ادھورا ناقص پیدا کیا ہے، اسفل سافلین میں پیدا کیا ہے، اس نقص سے ہمیں کمال تک پہنچنا ہے، تکامل و رشد و ارتقاء ہمارا اصلی کام ہے۔ اب ہمیں بخوبی لہو کی تعریف معلوم ہو گئی ہے کہ لہو کونسی چیزیں ہیں، ہر وہ مشغولیت جو انسان کو تکامل سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کر لے یعنی ہر وہ کام کہ جس سے ہماری رشد نہ ہوتی ہو، ہمارا ارتقاء نہ ہوتا ہو، ہمارا تکامل نہ ہوتا ہو کہ جس کے باعث ہم قرب خدا کی طرف نہ جائیں تو یہ سارے کام لہو ہیں، خواہ وہ مطالعہ کرنا ہو، پڑھنا ہو، پڑھانا ہو، جو بھی ہو اگر اس کے ذریعے سے ارتقاء نہیں ہو رہا ہے تو یہ لہو ہے اور اگر ساری زندگی انہی کاموں میں گزر جائے، بڑے اچھے اچھے کام کریں لیکن ارتقاء والے کام نہیں کریں تو ساری زندگی لہو میں بسر کی ہے، تجارت و تعلیم بھی لہو ہو جاتی ہے کہ اگر وہ انسان کو ارتقاء نہ دے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے بارگاہِ خداوندی میں اس علم سے پناہ مانگی ہے،

أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ (۱۲)

(اے خدا!) میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو بے فائدہ ہو.....

یعنی وہ علم جو نفع نہیں دیتا ہے، ارتقاء نہیں دیتا ہے اس علم سے میں تیری بارگاہ میں پناہ مانگتا

ہوں، وہی نبی ﷺ کہ جس کو حکم ہے کہ کہیں

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (۱۳)

اور (آپ) کہہ دیا کریں: پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔

یعنی اے نبی ﷺ اپنے خدا سے اپنے علم کی افضونی کی دعا مانگیں لیکن اسی نبی ﷺ نے علم سے پناہ بھی مانگی لیکن کونسے علم سے؟ جو مجھے رشد و ارتقاء عطا نہ کر لے، جو لوہو ہے، اسی لئے قرآن نے دلوں کے حالات و اقسام میں سے ایک قسم مشغول دل بتائی ہے،

لَا هِيَةَ قُلُوبُهُمْ..... (۱۴)

قلوب مشغول، شاغل دل، مصروف دل یعنی جن کی اپنے اصلی کام کی طرف سرے سے توجہ ہی نہیں ہے کہ ہم پیدا کیوں ہوئے ہیں؟ چونکہ یہ مطالب عام غیر طلبہ بھی پڑھ رہے ہیں اور انہی کے لئے میں ہر مجلس و محفل میں کہ جہاں مناسبت ہوتی ہے ہمیشہ یہ عرض کرتا ہوں کہ ہر آدمی اپنے آپ سے ایک سوال کرے کہ جو کچھ میں آج ہوں، جو کچھ میں کر رہا ہوں آیا اسی کے لئے پیدا ہوا تھا؟ بالآخر ہم میں سے کوئی کچھ نہ کچھ کر رہا ہے، کوئی پڑھ رہا ہے، کوئی پڑھا رہا ہے، کوئی کما رہا ہے، کوئی کھیتی باڑی کر رہا ہے، کوئی ملازمت کر رہا ہے، کوئی تجارت کر رہا ہے بالآخر انسان کسی نہ کسی کام میں مشغول ہے یعنی جس میں زندگی کا اکثر حصہ صرف ہو جاتا ہے، وہ یہ سوچے، گمان کرے، اپنے آپ سے سوال کرے اور اس سوال کا جواب تلاش کرے کہ آیا میں اسی کے لئے پیدا ہوا تھا؟ کیا میرا مقصد خلقت یہی ہے؟ کیا خدا نے مجھے اس کام کے لئے پیدا کیا تھا؟ پہلے اپنا اصلی کام تلاش کرے کہ ہمارا اصلی کام کیا ہے؟ اس دنیا میں اصلی کام وہی ہے کہ جس کا لب لباب قرب خدا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدًّا فَمُلَاقِيهِ ۝ (۱۵)

اے انسان! تو مشقت اٹھا کر یقیناً اپنے رب کی طرف جانے والا ہے پھر اس سے ملنے

لوہو لعب کے معانی

والا ہے۔

یہی انسان کا اصلی کام ہے یعنی اتنے کمالات اور رشد و ارتقاء حاصل کرے کہ لقاء اللہ پہ فائز ہو جائے۔ اس سے ہٹ کر ہر کام لہو ہے، مشغولیت و تعلقات انسان کے تعلقات میں مانع ہیں۔ دل ان چیزوں کے کنٹرول اور چنگل میں ہے، دل پر ان چیزوں کی کمند ہے اور جب دل ان چیزوں کا اسیر ہو تو دل لہوی خدا سے کیا لو لگائے؟

اکثر ہمارے بڑے اچھے اچھے کام بھی لہو ہوتے ہیں، فرض کریں کہ ایک شخص خدمتِ خلق میں لگا ہوا ہے، ویلفیئر (Welfare) میں لگا ہوا ہے، مطالعے میں لگا ہوا ہے اور سیاست میں لگا ہوا ہے تو آپ دیکھیں کہ آیا واقعاً اس سے آپ کو ارتقاء و تکامل حاصل ہو رہا ہے یا اس سے بندگانِ خدا کو ارتقاء نصیب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوتا ہے تو یہ لہو ہے، یہ پڑھنا بھی لہو ہے اور یہ پڑھنا بھی لہو ہے مثلاً ایک انسان اگر قرآن پڑھتا اور پڑھاتا ہے لیکن لوگوں کو محض محظوظ کرنے کے لئے کرتا ہے تو یہ لہو ہے، یہ محفلِ قرآن بھی لہو ہو جاتی ہے کہ اگر انسان اس سے ارتقاء پیدا نہ کریں، اگر انسان اس سے رشد حاصل نہ کریں، اگر انسان قرآنی ہدایت پر ایک قدم آگے نہ بڑھائیں تو یہ محفلِ لہو ہے، یہ درسِ لہو ہے، یہ گفتگو لہو ہے، یہ سارا مشغلہ لہو ہے اور اس میں انسان کی اکثر عمر تلف ہو جاتی ہے۔ ایسی چیز جو اس کو ایک قدم آگے نہیں بڑھاتی ہے اور ایک قدم بھی ارتقاء نہیں دیتی ہے وہ لہو ہے۔ لہذا ایسے لہوی دل رکھنے والے انسانوں کے بارے میں امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

مَنْ اسْتَوَى يَوْمَهُ فَهُوَ مَغْبُورٌ..... (۱۶)

جس کے دودن ایک جیسے گزرے جائیں وہ مغبون انسان ہے یعنی نقصان اور خسارے میں ہے، بعض نسخوں میں ہے کہ

مَنْ كَانَ آخِرُ يَوْمِهِ شَرًّا مِمَّا فَهُوَ مَلْعُونٌ..... (۱۷)

یعنی جس کے دن کا اختتام بدترین ہو پس وہ ملعون ہے.....

وہ انسان ملعون ہے، محروم ہے کہ جس کے دودن ایک جیسے گزر جائیں، یہی لہوی انسان ہے۔ قرآن مجید نے ہماری توجہ اس نکتے کی طرف مبذول کرائی ہے کہ حضورِ دل کیسے پیدا ہوتا ہے؟ پہلے تم دل کو تو آزاد کرو پھر حضورِ قلب حاصل ہوگا، یہ ادب انسان کو اس وقت حاصل ہوگا کہ پہلے انسِ قرآن کے ساتھ حاضر ہو اور دوم یہ کہ دل کے تعلقات اور مشغولیات کم ہو جائیں یا ختم ہو جائیں، دل آزاد ہو جائے، دل فقط خدا کے لئے ہو، حرمِ خدا فقط خدا کے لئے ہو، عرشِ خدا فقط خدا کے لئے ہو، انسان اس عرش سے جنوں کو اور شیاطین کو نکالے چونکہ ابھی اس عرش پر شیاطین کا قبضہ ہے۔

قرآن کے مطابق کونسی چیزیں الہا ہیں؟

۹) قرآن کے مطابق کونسی چیزیں الہا ہیں؟

قرآن کریم کی فراواں آیات میں اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کونسی چیزیں الہا ہیں؟ کونسی چیزیں دل کو مشغول کرتی ہیں؟ اس سلسلے میں چند آیات ملاحظہ کرتے ہیں پھر مفاتیح الغیب کا متن دیکھتے ہیں، ان میں سے ایک سورہ مبارکہ تکاثر میں ہے کہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

اَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ (۱۸)

تمہیں باہمی مقابلہ کثرتِ مال و اولاد نے غافل بنا دیا۔

کثرتِ طلبی نے تمہیں مشغول کیا ہوا ہے، یہ تمہارا الہو ہے، کثرتِ طلبی یعنی ضرورت سے بڑھ ہے کر، ہر وہ چیز کہ جس کی قلیل مقدار سے ہماری ضرورت پوری ہو جائے لیکن ہم اس ضرورت سے مازاد کو بھی طلب کر رہے ہیں تو یہ تکاثر ہے، فرض کریں کہ ہمیں کوئی چیز ایک کلو چاہئے لیکن ہم ایک من خریدیں تو یہ تکاثر ہے، ایک کلو سے آپ کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے لیکن ایک من خریدنا تکاثر ہے، اگر آپ کی ضرورت ایک سو روپے سے پوری ہوتی ہے تو ہزار روپیہ تکاثر ہے، اس وقت انسان ضرورتوں میں نہیں ہے بلکہ تکاثر میں مشغول ہے۔

ہر سال اعلان ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس اعلان سے زشت، برا اور گندا اعلان شاید اور کوئی نہ ہو، وہ اعلان یہ ہوتا ہے کہ اس سال دنیا کے ملینرز (Millionaires) کون ہیں؟ پہلے تو ملینرز ہوتے تھے ابھی بلینرز (Billionaires) کا اعلان ہوتا ہے، پوری دنیا میں ہر سال ایک فہرست کا اعلان ہوتا ہے کہ اس وقت مثلاً سو بڑے بلینرز کون کونسے ہیں؟ یہ وہی لوگ ہیں کہ جو تکاثر میں مشغول ہیں، جتنی پلیدی اس اعلان کے اندر ہے کہ ان لوگوں کو آپ دنیا کے سامنے آئیڈیل (Ideal) بنا کر پیش کرتے ہو جو تکاثر میں مشغول ہیں یعنی یہ وہ جو نکلیں ہیں کہ جنہوں نے تمام انسانیت و بشریت کا اپنے وزن سے کہیں زیادہ خون چوس لیا ہے۔ بعض نے اتنا پیسہ جمع کیا ہوا ہے کہ اگر ان کی سونسلیں بھی بغیر کمائی کے فقط کھاتی رہیں تو ختم نہیں ہوگا لیکن پھر بھی اس تکاثر میں

قرآن کے مطابق کوئی چیزیں الہا ہیں؟

مشغول ہیں۔ جس کو سو کی ضرورت ہے وہ ہزار کما رہا ہے، جس کو ہزار کی ضرورت ہے وہ لاکھ کما رہا ہے اور جس کو لاکھ کی ضرورت ہے وہ کروڑ کما رہا ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس کی ضرورت سو ہے اس کو ایک روپیہ بھی میسر نہیں ہے،

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝

تمہیں باہمی مقابلہ کثرتِ مال و اولاد نے غافل بنا دیا۔

ہر چیز میں تکاثر ہے، میری کتابیں اس سے زیادہ ہوں یہ تکاثر ہے یعنی اتنی رکھو کہ جتنی آپ کی ضرورت ہے۔ ہمارے گروہ میں، ہماری حزب میں لوگ زیادہ ہوں، اتنے لوگ رکھو کہ جتنی ضرورت ہیں، اتنا مال کماؤ کہ جتنی آپ کی ضرورت ہے، اتنے وسائل فراہم کرو کہ جتنی آپ کی ضرورت ہے لیکن ضرورت سے زیادہ تکاثر ہے اور تکاثر لہو ہے، قرآن نے فرمایا کہ تکاثر لہو ہے، پھر اسی سورہ کی آیہ ۲ میں فرمایا کہ

حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝

یہاں تک کہ تم نے قبروں سے ملاقات کر لی۔

اسکا ایک معنی یہ کیا گیا ہے کہ اسی کثرتِ طلبی میں مشغول رہتے رہتے حتیٰ نوبتِ قبر تک آگئی اور مر گئے۔ ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ چونکہ عرب زیادہ نسب پر فخر و ناز کرتے تھے کہ ہمارے قبیلے میں اتنے لوگ ہیں، ہمارے سردار وہ ہیں اور یہ جاہلیت کا عنصر تقریباً اس وقت بھی ساری دنیا میں موجود ہے، مسلمانوں کے اندر بھی موجود ہے، جو گنداسیاست دان بڑا معروف ڈکیت ہوتا ہے وہ کہتا

قرآن کے مطابق کوئی چیزیں الہا ہیں؟

ہے کہ یہ ہمارے خاندان سے ہے، ہمیں سن کر شرمندگی ہوتی ہے اور انہیں کہہ کر بھی نہیں ہوتی ہے، عموماً برے سیاستدان کہ جن کے نام میڈیا کی وجہ سے مشہور ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں خاندان سے ہیں، یہی عربوں کے اندر تھا، فلاں شاعر ہمارے خاندان سے ہے، فلاں سردار خاندان سے ہے، اس طرح سے آپس میں بیٹھ کر راتوں کو گپ لگاتے تھے اور تکاثر ذکر کرتے تھے کہ یہ بھی ہمارا ہے، وہ بھی ہمارا ہے، جس طرح ابھی مدرسوں کے طلبہ بیٹھ کر تکاثر ذکر کرتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے مدرسے کا ہے، یہ بھی ہمارے مدرسے کا ہے۔ جب زندہ ختم ہو جاتے ہیں تو مردوں پہ آ جاتے ہیں کہ فلاں مُردہ بھی ہمارے خاندان سے ہے۔

الْهَآكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝

تمہیں باہمی مقابلہ کثرتِ مال و اولاد نے غافل بنادیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبروں سے ملاقات کر لی۔

یعنی زندوں کو گن گن کے جب ختم ہو جاتے ہیں تو قبریں گننا شروع کر دیتے ہیں، پس ساری زندگیاں اس کے اندر تلف ہو جاتی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ خدا سے توجہ ہٹ جاتی ہے یعنی اصلی کام سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ جب انسان کثرتِ طلبی شروع کر دیتا ہے تو اصلی کام بھول جاتا ہے، سورہ منافقون میں مومنین کو اسی نکتے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ خیال رکھنا مبادیٰ اس ہلاکت میں نہ پڑ جانا، لہو والہا میں نہ پڑنا۔

سورہ منافقون کی آیہ ۹ میں ہے کہ

قرآن کے مطابق کوئی چیزیں الہا ہیں؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ.....

ایمان والوں خبردار تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں یاد خدا سے غافل نہ کر دے.....

لَا تُلْهِكُمْ.....

یعنی مشغول نہ کر دیں کہ اولاد میں اتنا مشغول ہو جاؤ، بعض اسی طرح سے غرق در اولاد

ہیں کہ پہلے خدا کرتے تھے کہ بیٹا دے اور اب بیٹے میں یا اولاد میں اس قدر مشغول ہیں کہ خدا یاد

نہیں آتا ہے، پہلے جب بچہ تھا تو اس طرح سے اس میں مشغول تھے، جب بڑا ہوا تو ایک اور طرح

سے اس میں مشغول ہو گئے، جب جوان ہوا تو ایک اور طرح سے مشغول ہو گئے، ساری عمر اولاد میں

مشغول ہیں،

لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ.....

یہ پیسہ، یہ بینک بیلنس (Bank balance)، یہ کارخانے، یہ فیکٹریاں، یہ اثاثا ہوا جمع

شدہ مال اور یہ سب کچھ تمہارے لئے الھا اور لہو نہ بنیں کہ تم خدا کو بھول جاؤ، اسی آیت میں ایمان لانے

والوں سے فرمایا کہ کون خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ

يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

ایمان والوں خبردار تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں یاد خدا سے غافل نہ کر دے کہ جو

ایسا کرے گا وہ یقیناً خسارے والوں میں شمار ہوگا۔

قرآن کے مطابق کونسی چیزیں الھا ہیں؟

وہ انسان خسارے میں ہے کہ جو اولاد اور مال میں غرق ہے اور پھنس گیا ہے، آپ توجہ کریں کہ الہا انسان کے ساتھ کیا کرتا ہے، سورہ جمعہ میں مومنین کو عبادت کا حکم ہے کہ خدا کی طرف آئیں لیکن آخر کس طرح انسان کا دل بارگاہِ خدا میں حاضر ہو، آیت ۹، ۱۰ اور ۱۱ میں ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝

ایمان والو! جب تمہیں جمعے کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو ذکرِ خدا کی طرف دوڑ پڑو اور کاروبار بند کر دو کہ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جاننے والے ہو۔ پھر جب نماز قائم ہو جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور فضلِ خدا کو تلاش کرو اور خدا کو بہت یاد کرو کہ شاید اسی طرح تمہیں نجات حاصل ہو جائے۔ اور اے پیغمبر یہ لوگ جب تجارت یا لہو و لعب کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو تنہا کھڑا چھوڑ دیتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ خدا کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اس کھیل اور تجارت سے بہر حال بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

یعنی مشغلے ترک کر دو اور جمعے کے دن بارگاہِ خدا میں حاضر ہو جاؤ، لیکن یہی لوگ جو نمازِ جمعہ میں موجود ہوتے تھے اور رسول اکرم ﷺ کی معیت یا اقتداء میں جمعہ ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ہوتا ہے

قرآن کے مطابق کوئی چیزیں الہا ہیں؟

کہ نمازِ جمعہ کے باہر جمعہ بازار لگتا ہے، جہاں یہ چھا بڑی فروش آ کر کھڑے ہوتے ہیں اور آوازیں لگا رہے ہوتے ہیں، اسی طرح مسجد النبی ﷺ کے سامنے آ کر یہ اپنی بساط بچاتے تھے اور مختلف علاقوں سے آتے تھے، کوئی کھجور بیچ رہا ہے، کوئی پیاز بیچ رہا ہے اور بولیاں لگاتے تھے مثلاً ہوا گیا، ختم ہونے والا ہے، دوڑ کر آؤ، جلدی آؤ، بعض ایسے تھے کہ جو نماز کی نیت میں ہوتے تھے لیکن پہلی رکعت میں وہیں سے جمعہ چھوڑ کر کھجوریں خریدنا شروع کر دیتے تھے،

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا.....

تجارت یا کوئی مصروفیت و مشغولیت باہر دیکھتے تھے کہ باہر کوئی شور و غل کر رہا ہے تو یہ جمعہ چھوڑ کر باہر چلے جاتے تھے،

انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا.....

اور رسول ﷺ کو جمعے میں تنہا چھوڑ دیتے تھے، بعض ایسے ہیں جو جمعے میں گاڑی باہر کھڑی کر کے آتے ہیں اور اس میں مثلاً جس کو فارسی میں دُزد گیر کہتے ہیں یعنی سائرِن (Siren) بھی لگا کر آتے ہیں، بعد میں کوئی بلی کسی بھی گاڑی سے ٹکرائے اور سائرِن بجنا شروع ہو تو جمعے میں سب کے دل دھڑکنا شروع ہو جاتے ہیں، اب ادھر سے وہ سورہ جمعہ بھی پڑھنی ضروری ہے اور ادھر سے کوئی توجہ بھی نہیں ہے، ساری توجہ یہ ہے کہ گاڑی کو ہی نہ لے جائیں چونکہ سائرِن بج رہا ہے، معلوم نہیں کہ کس کی گاڑی کا سائرِن بج رہا ہے، ساری توجہ گاڑی پر ہے پھر کہتا ہے کہ نمازِ جمعہ میں حضورِ قلب نہیں ہوتا ہے، حضورِ قلب کیسے ہو؟ جب دل گاڑیوں کے

قرآن کے مطابق کوئی چیزیں اٹھا ہیں؟

اندر مشغول ہے، جب دل اس شور و غوغا کی طرف مشغول ہے۔

موبائل آن (On) کر کے جیب میں ڈالا ہوا ہے، نمازِ جمعہ ہو رہی ہے اور ادھر سے اس کو وابٹریشن (Vibration) پہ لگایا ہوا ہے اور بعض کو تو یہ بھی یاد نہیں رہتا ہے کہ نماز میں اس کو ساکنٹ (Silent) کر دیں یا موبائل ہی آف کر دیں، نہیں بلکہ ضروری کال آنی ہے، تجارتی کال آنی ہے، گھر سے کال آنی ہے اور وہ منتظر ہے، نماز میں بھی ٹیلیفون کا منتظر ہے کہ کب گھنٹی بجتی ہے لہذا کس طرح سے حضورِ دل ہو؟ یہ دل لہوی، یہ دل مشغول، یہ دل مرتبط، یہ دل متعلق کہ جس کا ہر چیز سے تعلق ہے یہ کس طرح سے حاضر ہو؟ یہ تو نماز سے بھاگتا ہے، اس کو ہم کس طرح قائم رکھیں؟ جب تک یہ لہو ختم نہ ہو، یہ تعلقات ختم نہ ہوں تو ممکن نہیں ہے۔

لہو و الہا کے دیگر مصادیق

۱۰) لہو و الہا کے دیگر مصادیق

☆ لعب میں مشغول دل

جیسے پہلے اشارہ ہوا تھا کہ قرآن نے فراواں آیات میں دلوں کی مثبت اور منفی حالتیں ذکر

کی ہیں، ان میں سے ایک حالت سورہ مبارکہ انبیاء میں ذکر کی ہے،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرِ مِّنْ

رَبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَا هِیَۃَ قُلُوْبُهُمْ وَاَسْرُوْا النَّجْوٰی الَّذِیْنَ

ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَ وَأَنْتُمْ تَبْصِرُونَ ۝ (۱۹)

لوگوں کے لئے حساب کا وقت آپہنچا ہے اور وہ ابھی غفلت ہی میں پڑے ہوئے ہیں اور کنارہ کشی کئے جا رہے ہیں۔ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نئی یاد دہانی نہیں آتی ہے مگر یہ کہ کان لگا کر سن لیتے ہیں اور پھر کھیل تماشے میں لگ جاتے ہیں۔ ان کے دل بالکل مشغول ہو گئے ہیں اور یہ ظالم اسی طرح آپس میں راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے ہیں کہ یہ بھی تو تمہارے ہی طرح کے ایک انسان ہیں، کیا تم دیدہ و دانستہ ان کے جادو کے چکر میں آ رہے ہو۔

یعنی جب قیامت آئے گی تو کچھ غفلت میں ہوں گے اور جو ذکر بھی خدا کی طرف سے اترتا ہے یہ اس کو سنتے ہیں، اس کو ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے لیکن یہ لعب میں مشغول ہوتے ہیں،

وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝

یہ کھیل کود میں مشغول ہوتے ہیں،

لَا هِيَءَ قُلُوبُهُمْ.....

ان کے دل لہوی ہیں، لہوی یعنی دل مشغول، جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم مصروف ہیں، ہم بہت مشغول اور بزی (Busy) ہیں، جب ان سے کہو کہ مسجد میں کیوں نہیں آتے ہو؟ کہتے ہیں کہ کام تھا، عموماً یہی جواب ہوتا ہے، روزہ کیوں نہیں رکھا؟ کہتے ہیں کہ کام تھا، انسان کے یہ کام اتنے زیادہ ہیں کہ اسے ایک لختے کے لئے بھی فرصت نہیں ہے کہ خدا کی طرف آئے اور یادِ خدا کرے۔ یہ قلوب لہوی ہیں یعنی سرگرمیوں میں یا معمولاتِ زندگی میں مشغول ہیں یا اپنے لئے



انہوں نے الگ سے سرگرمیاں بنالی ہیں۔

وَأَسْرُوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَ
وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ۝

اور یہ ظالم اسی طرح آپس میں راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے ہیں کہ یہ بھی تو تمہارے ہی طرح کے ایک انسان ہیں کیا تم دیدہ و دانستہ ان کے جادو کے چکر میں آ رہے ہو۔

ان لوگوں پہ انبیاء کا، انبیاء کے کلام کا، ادیان کا اور موعظہ و تبلیغ کا اثر کیوں نہیں ہوتا ہے؟ چونکہ ان میں اکثریت کے دل لہوی ہیں، اکثر لوگوں کے دل غرق ہیں، اسی تجارت کے اندر، مال کے اندر، نکاح کے اندر، جہاں طلبی کے اندر، خودخواہی کے اندر اور خود غرضی کے اندر مشغول ہیں، یہ دل کس طرح سے خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں؟ کس طرح سے یہ دل حضور کے ساتھ قرآن پڑھیں؟ دل مرکز نزول قرآن و مرکز فہم قرآن ہیں، قلب لہوی تو ہرگز قرآن فہمی کے قابل نہیں ہے، یہ سب سے بڑا مانع اور رکاوٹ ہے۔

☆ کھانے پینے میں مشغول دل

دل قرآن پڑھتے ہوئے کیوں حاضر نہیں ہوتے ہیں؟ نماز میں اور مطالعے کے اندر حضور

قلب کیوں نہیں ہے؟ سورہ ہجر میں فرمایا کہ

رَبَّمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ ذَرُّهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ



الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٢٠﴾

ایک دن آنے والا ہے جب کفار بھی یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو کھائیں، پیئیں اور مزے اڑائیں اور امیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رہیں عنقریب انہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

بعض اوقات ان کافروں کو یہ گمان گزرتا ہے کہ اے کاش یہ بھی مسلمان ہوتے، جب مسلمانوں کے پاس کوئی نعمت دیکھتے ہیں یا مسلمانوں کی مثبت حالت کو دیکھتے ہیں تو بھی بسا اوقات ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے، جس طرح یہی دنیا دار لوگ جب کبھی کسی ایک دینی شخصیت، کسی اچھے انسان کو دیکھتے ہیں تو کبھی کبھار ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اے کاش ہم بھی ایسے ہوتے، ہم بھی متدین ہوتے، پیغمبر اکرم ﷺ کو خداوند نے فرمایا کہ آپ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں، اور یہ لوگ کیا کریں؟

يَا أَكُلُوا.....

کھاتے پیتے رہیں، ان کو چرنے دو، یہ چرنے کے لئے آئے ہیں۔

☆ لذتوں میں مشغول دل

سورہ حجر کی اسی آیت میں مزید فرمایا کہ

وَيَتَمَتَّعُوا.....

☆ لذتوں میں مشغول دل

ان کو لذتیں اٹھانے دو، ان کا مقصد زندگی میں فقط لذتیں اٹھانا ہے،

بابر بہ عیشِ کوش کہ عالمِ دوبارہ نیست

بعض کا فلسفہ زندگی لذت ہے، بہت قدیم زمانے میں ایک گریک (Greek) حکیم نے

یہ تفسیر کی تھی کہ انسان کی زندگی کا اصلی فلسفہ و حکمتِ انسان لذت ہے کہ جس کو آج بھی

اپیکوریانزم (Epicureanism) کہتے ہیں، اپیکورس نے زندگی کی لذت کو مقصدِ خلقتِ انسان

قرار دیا تھا، اس کے بعد پھر بعض دوسرے مغربی آئے اور انہوں نے بھی اسی نظریے کو اپنے اپنے

انداز سے پیش کیا کہ زندگی کا مقصد فقط لذت حاصل کرنا ہے، قرآن نے بہت پہلے ان سے کہہ دیا تھا

کہ ان مغربیوں میں بعض ہیں کہ جن کی اپنی زندگی کا مقصد یہی ہے کہ لذت محسوس کریں۔

انسان کی فراواں خواہشات و شہوات ہیں اور اگر خواہشات و شہوات کو کوئی بھڑکا دے اور

اُبھار دے تو ان میں ایک ہیجان آجاتا ہے، جیسے مخصوصاً مغربی کلچر ایسا بھڑکیلا ہے کہ اس کلچر اور

تہذیب کا ہدف فقط شہوات ہیں، یہ شہوانی تہذیب ہے، اسی لئے علامہ اقبالؒ نے مغربی تہذیب کا نام

شہوانی تہذیب تجویز کیا ہے، بعض بزرگوں کے بقول ان کی آدھی انڈسٹری (Industry) شہوات

بھڑکانے کا سامان پیدا کرتی ہے اور آدھی انڈسٹری بھڑکی ہوئی شہوات کی تسکین کا سامان پیدا کرتی

ہیں، میڈیا (Media)، انٹرنیٹ (Internet)، مختلف چیزیں اور درودِ دیوار انسان کے اندسوی

ہوئی خواہشات، مری ہوئی خواہشات اور شہوات کو ابھارنے میں مشغول ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے

معاشرے کے انسانوں کے اندر خواہشات کا ایک طوفان مچا ہوا ہوتا ہے حتیٰ اس وقت دیکھیں کہ

چھوٹے چھوٹے بچوں، نابالغ بچوں کے اندر وہ خواہشات پیدا ہوتی ہیں کہ جو کسی زمانے میں بہت بالغ لوگوں کے اندر بھی پیدا نہیں ہوتی تھیں، یہ تہذیب اور ماحول کی وجہ سے ہوا ہے اور اس کے پیچھے اپیکورس کا وہی نظریہ کارفرما ہے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے پیغمبر اکرم ﷺ کو فرمایا کہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں، یہ کیا کریں؟ یہ چرتے رہیں، کھاتے پیتے رہیں اور لذت اٹھاتے رہیں۔

☆ آرزوؤں میں مشغول دل

اسی آیہ کے اگلے حصے میں فرمایا کہ

وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ.....

اور ان کو اپنی آرزوئیں مشغول رکھیں، تجارت، مال، اولاد، بیع اور لہو کی فہرست میں قرآن نے ایک اور چیز کا اضافہ کر دیا کہ جس میں انسان مشغول رہتا ہے اور یہ اہل خالصتاً قلبی و ذہنی مشغولیت ہے، اہل یعنی آرزوئیں، وہی نکتہ جو پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ دو چیزوں کا خطرہ ہے،

إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْهَوَىٰ وَطُولُ الْأَمَلِ..... (۲۱)

میں اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ جس چیز کا خوف رکھتا ہوں وہ ہوائِ نفس کی پیروی اور لمبی امیدیں رکھنا ہے.....

لمبی آرزوؤں کو اگر عام زبان میں استعمال کریں تو کہیں گے کہ شیخ چلی کے

☆ آرزوؤں میں مشغول دل

منصوبے۔ ملا نصیر الدین کی طرح شیخ چلی بھی فرضی شخصیت ہے، اگر اس کی وضاحت کروں تو آپ کہیں گے کہ ہم نے تو ایسے بہت دیکھیں ہیں جو ابھی بھی موجود ہیں، شیخ چلی ایک تخیلاتی انسان تھا، خیالی منصوبے اور خیالی پلاؤ بناتا تھا اور خیالی لمبی آرزوئیں بنا کر اسی میں مصروف رہتا تھا، اس کا انڈوں کا کاروبار تھا یعنی انڈے خریدتا تھا اور بیچتا تھا، ایک دن اس نے ایک لمبا کاروباری منصوبہ بنایا کہ آج میں انڈے بیچتا ہوں تو کل میرا یہ بزنس (Business) بڑھے گا اور چمکے گا، پھر میں مزید مرغیاں خریدوں گا، پھر وہ اور زیادہ چمکے گا اور پھر میں اس کے بعد بکریاں خریدوں گا اور بکریوں کا فارم جب بہت بڑھے گا تو پھر میں گائیں خریدوں گا اور پھر اس طرح کرتے کرتے انڈسٹری لگاؤں گا اور اس کے بعد میں بڑا مالدار اور سرمایہ دار انسان بن جاؤں گا اور جب بہت زیادہ سرمایہ میرے پاس ہوگا تو اس وقت میں بادشاہ کی لڑکی سے شادی کروں گا، وہ میرا سرمایہ دیکھ کر مجھے رشتہ دے دے گا چونکہ بادشاہ ایسے ہوتے ہیں کہ جو لالچی ہوتے ہیں، کہا کہ پھر وہ شہزادی میرے گھر میں آجائے گی اور جب میں دن بھر اپنی انڈسٹری (Industry) سے تھکا ہوا اپنے گھر آؤں گا اور آکر اس سے پوچھوں گا کہ کھانا پکایا ہے یا نہیں پکایا ہے تو وہ بھی تو معمولی نہیں ہے، وہ بھی شاہ کی بیٹی ہے اور شہزادی ہے، وہ کب میرے لئے کھانا پکائے گی اور اس بات پہ کہ اس نے کھانا نہیں پکایا میں غصے میں آجاؤں گا اور غصے میں آکر اسے لات ماروں گا، جب اس نے زور سے لات ماری تو وہ انڈوں کی ٹوکری وہیں الٹ گئی، اس کو کہتے ہیں شیخ چلی۔

اب غور کریں کہ کتنے لوگ شیخ چلی ہیں؟ شادی نہیں کی اور انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں،



شادی کیوں نہیں کرتا؟ کیونکہ ابھی اس انتظار میں ہے کہ میرا اقامہ لگے گا، اقامہ لگنے کے بعد پھر میں پڑھوں گا، پھر اس کے بعد ایک بہت بڑا خطیب بنوں گا، پھر میری شہرت ہوگی اور میری سی ڈیز بکیں گی، پھر میرے چرچے ہوں گے، پھر مجھے لوگ آفر کریں گے اور میں بہت بڑے آیت اللہ کی بیٹی سے شادی کروں گا، پھر اس کے بعد میں تقریر کر کے تھکا ہوا گھر میں آؤں گا اور کھانا مانگوں گا، پھر وہ کھانا نہیں پکائے گی تو میں اس کو لات ماروں گا، اس کے بعد ٹوکرا وہیں پرالٹ جاتا ہے اور اگلے مہینے کہتا ہے کہ چلو چلتے ہیں، تھک گئے ہیں لیکن اقامہ نہیں ملا۔ یہی شیخ چلی ہے۔

اسی طرح آپ دیکھ لیں کہ عملی دنیا میں بھی لوگ ایسے ہی ہیں، آرزوؤں کیلئے فرائض ترک کئے ہوئے ہیں، بیٹا یورپ و امریکا جائے گا اور وہاں سے ڈگری لے کر آئے گا تو پھر اس کی شادی کریں گے۔ پاکستان میں ایک اسکول ہے اور دنیا بھر میں اس اسکول کی برانچز (Branches) ہیں کہ جہاں پر یہ بات شرم آور بھی ہے کہ جوں ہی بچے کا نطفہ منعقد ہوتا ہے تو اسی وقت اسکول میں اس کا ایڈمیشن (Admission) کرانا ہوتا ہے کیونکہ ولادت کے بعد جگہ نہیں ملے گی یعنی ابھی بچے کا نطفہ منعقد ہوا ہے اور آپ اسکول میں جا کر اس کا نام لکھوائیں کہ یہ بچہ جب پیدا ہوگا اور پیدا ہونے کے بعد پانچ سال کا ہوگا تو پھر اس اسکول میں آکر پڑھے گا اور لوگ پچیس ہزار ایڈوانس دے کر اس کا اسکول میں نام لکھواتے ہیں، یہ شیخ چلی کے منصوبے ہیں، پھر بیٹا پیدا ہوتا ہے، پڑھتا ہے، پھر یورپ میں جاتا ہے اور ماں ادھر لڑکی ڈھونڈ کے رکھتی ہے اور جب وہ پڑھ لکھ کر نوکری کر کے واپس آتا ہے تو ساتھ بیوی اور پانچ چھ بچے بھی لے کر آتا ہے، شیخ چلی کا منصوبہ وہیں پرنا کارہ



ہو جاتا ہے۔

لوگوں نے انہی آرزوؤں کے اندر زندگیاں ترک اور ضائع کر دی ہیں، خیالی اور من گھڑت پلاؤ پکاتے ہیں، بعض رہتے ہی خیال کی دنیا میں ہیں، حقائق کی دنیا میں نہیں آتے ہیں چونکہ خیالی دنیا میں بہت لذت ہے، خیالی دنیا میں انسان عالم خیالات کا فرماں روا ہوتا ہے چونکہ ساری اپنی بنائی ہوئی صورتیں ہیں لہذا ان کا حاکم ہوتا ہے اور ان صورتوں کو جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے، آرزوئیں ایسے ہی بنتی ہیں اور ایسے ہی ٹوٹ بھی جاتی ہیں،

وَيُلْهِمُ الْأَمَلُ.....

ان کو آرزوئیں مشغول رکھیں، آرزو پسند و آرزو زدہ انسان عبادت میں کبھی بھی حضورِ قلب پیدا نہیں کر سکتا ہے، قرآن کو توجہ سے نہیں پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس کا دل مشغول ہے۔

سورہ لقمان کی آیہ ۶ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ
وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو مہمل باتوں کو خریدتا ہے تاکہ ان کے ذریعے بغیر سمجھے بوجھے لوگوں کو راہِ خدا سے گمراہ کرے اور آیاتِ الہیہ کا مذاق اڑائے، درحقیقت ایسے ہی لوگوں کے لئے درد ناک عذاب ہے۔

بعض لوگ ایسے ہیں جو باقاعدہ خریدتے ہیں، کسب کرتے ہیں، حاصل کرتے ہیں لیکن کیا

چیز؟

لَهُوَ الْحَدِيثُ.....

یعنی مشغول کن باتیں، ایسی باتیں جو لوگوں کو مشغول کریں، یہ جو یہاں پر تقریریں تیار کرتے ہیں اور نعرے کیلئے چٹکے نکلتے بناتے رہتے ہیں، بیٹھ کر کاپیوں کی کاپیاں بھرتے ہیں، انہی میں سے ایک کہ جنہوں نے تقریروں کی کاپیاں تیار کی ہوئی تھیں ان کو بارڈر (Border) پہ پولیس نے پکڑ لیا کہ آپ کے پاس کتابیں زیادہ ہیں تو انہوں نے کاپی اٹھا کر کہا کہ باقی لے لو یہ کاپی ہم سے نہیں لینا، پولیس والے نے بھی مذاق کیا اور کہا کہ ہمیں یہ کاپی ہی چاہئے کہ جو آپ کے پاس ہے، چونکہ اس کی ساری زندگی کا سرمایہ تھا، اس کے اندر نکلتے لکھے ہوئے تھے، اس کے اندر تقریریں سن کر، کیسٹیں سن کر، ادھر ادھر ذاکروں کی اور خطیبوں کی سن کر نکلتے جمع کئے ہوئے تھے، پولیس نے کہا کہ ان سارے نکتوں کا کیا کریں گے، چٹکے کیوں لکھے ہوئے ہیں؟ کہا کہ یہ مجلس میں پڑھیں گے، مومنین نعرے لگائیں گے، یہ لبو الحدیث ہے، خود ہدایت پاؤں تاکہ کسی کی ہدایت کر سکو، بارگاہِ خدا میں خود حاضر ہوتا کہ کسی اور کو بھی حاضر کر سکو، جب ہم خود ہی غیر حاضر ہیں تو ہم کسی کو کیا عبادت کا مزہ چکھا سکتے ہیں، ہمارے کہنے پر کس کو عبادت میں کیا لذت آئے گی، جب ہم خود تہمت میں مشغول ہیں، لذتیں اٹھانے میں مشغول ہیں، ذہنی لذتیں اٹھانے میں مشغول ہیں۔

پس دیکھیں کہ قرآن نے کتنی چیزوں کو اٹھا کہا ہے؟

أَلْهَاكُمْ التَّكَاثُرُ۝

☆ آرزوؤں میں مشغول دل

تمہیں باہمی مقابلہ کثرت مال و اولاد نے غافل بنا دیا۔

إِغْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ

وَالْأَوْلَادِ..... (۲۲)

یاد رکھو کہ زندگی دنیا صرف ایک کھیل، تماشہ، آرائش، باہمی تفاخر اور اموال و اولاد کی

کثرت کا مقابلہ ہے اور بس.....

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ

ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ

اے ایمان والوں! خبردار تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں یادِ خدا سے غافل نہ کر دے

کہ جو ایسا کرے گا وہ یقیناً خسارہ والوں میں شمار ہوگا۔

تکاثر الہا ہے، اولاد الہا ہے، اموال الہا ہیں، تجارت الہا ہے، بیع الہا ہے، آرزوئیں الہا

ہیں، ہمارے دل سخت مشغول ہیں اور پھر ان دلوں کے سامنے رمضان آجاتا ہے، اب رمضان میں

ذرا مسجد میں بھی جانا ہے لیکن مسجد میں دل حاضر نہیں ہو رہا ہے، آخر کیسے ہوگا؟ آپ نے اس کو مسجد

میں پھنسا دیا ہے، یہ تو فوراً کہتا ہے کہ جاؤ ڈرامہ دیکھو، جاؤ جا کر ٹی وی دیکھو، گپ شپ لگاؤ۔

پس جب تک اسبابِ حضور نہ ہوں تو دل کا حضور ممکن نہیں ہے اور تینوں میدانوں کے اندر

یعنی عبادت کے اندر، مطالعہ کے اندر اور قرآن پڑھتے ہوئے فہم کے لئے اس دل کو آزاد کرائیں،

مشغولیتوں سے آزاد کرائیں اور عبادت، قرآن اور علم کے ساتھ انس پیدا کرائیں، دل مانوس

درحقیقت حضور چاہتا ہے، جہاں انس نہ ہو تو حضور اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔

۱۱) دنیا کسے کہتے ہیں؟

سورہ عنکبوت، سورہ محمد اور سورہ انعام میں دنیا کی تعریف کی گئی ہے یعنی دنیا کو پہچنوا یا گیا ہے کہ دنیا کس کو کہتے ہیں؟ اور لوگوں کے پاس دنیا کا بہت ہی مبہم مفہوم ہے، بعض سمجھتے ہیں کہ دنیا سے مراد زندگی ہے، بعض سمجھتے ہیں کہ دنیا سے مراد معیشت ہے، بعض سمجھتے ہیں کہ دنیا سے مراد یہ عالم مادہ ہے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی فہم کے مطابق دنیا کی تفسیر کی ہے درحالیکہ قرآن نے بقدرِ کافی واضح طور پر دنیا کو متعارف کروایا ہے کہ دنیا کیا ہے؟ دنیا کی تعریف کی ہے، تعریف سے مراد اردو والی تعریف نہیں ہے، اردو میں تعریف سرائے کو کہتے ہیں، تعریف یعنی ڈیفینیشن (Definition) کی ہے، قرآن نے دنیا کی وضاحت و تفسیر کی ہے، اسے کھول کر بیان کیا ہے کہ وہ دنیا جس کی مذمت کی گئی ہے کوئی دنیا ہے؟ البتہ اس سلسلے میں بہت ساری آیات ہیں،

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌّ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (۲۳)

اور یہ زندگانی دنیا ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں ہے اور آخرت کا گھر ہمیشہ کی زندگی کا مرکز ہے اگر یہ لوگ کچھ جانتے اور سمجھتے ہوں۔

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُوَ وَإِنْ تَوَمَّنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجُورَكُمْ وَلَا

دُنْيَا كَيْفَ تَعْلَمُونَ؟

يَسْأَلُكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۝ (۲۴)

یہ زندگانی دنیا تو صرف ایک کھیل تماشہ ہے اور اگر تم نے ایمان اور تقویٰ اختیار کر لیا تو خدا تمہیں مکمل اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارا مال طلب نہیں کرے گا۔

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهُوَ وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا

تَعْقِلُونَ ۝ (۲۵)

اور یہ زندگانی دنیا صرف کھیل تماشہ ہے، اور دار آخرت صاحبانِ تقویٰ کے لئے سب سے بہتر ہے۔ کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی ہے۔

دنیا کس چیز کا نام ہے؟ کیا گھر کو دنیا کہتے ہیں؟ مال کو دنیا کہتے ہیں؟ وسائلِ زندگی کو دنیا کہتے ہیں؟ معیشت کو دنیا کہتے ہیں؟ نا، یہ دنیا نہیں ہے، دنیا ہو و لعب ہے یعنی یہ تمہاری مشغولیتیں، یہ تمہارے تعلقات دنیا ہیں، جن چیزوں کے تم اسیر ہو مثلاً انگوٹھی دنیا نہیں ہے بلکہ انگوٹھی سے تمہارا تعلق دنیا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاَبِ ۝ (۲۶)

لوگوں کے لئے خواہشاتِ دنیا، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، تندرست گھوڑے یا چوپائے، کھیتیاں سب مزین اور آراستہ کر دی گئی ہیں کہ یہی متاعِ دنیا ہے اور اللہ کے پاس بہترین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انجام ہے۔

اموال دنیا نہیں ہیں بلکہ حبِ اموال دنیا ہے، عورتیں دنیا نہیں ہیں بلکہ عورتوں کے ساتھ شہوانی حب دنیا ہے، اولاد دنیا نہیں ہیں بلکہ اولاد میں مشغولیت دنیا ہے، گھر دنیا نہیں ہے بلکہ گھر سے انسان کا تعلق دنیا ہے۔ ہمارے لئے گھر کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں، اگر گھر مہم ہوں تو اتنے سارے گھر بنے ہوئے ہیں پھر ہمیں الحمد للہ کہنا چاہئے اور خوش رہنا چاہئے لیکن ہمیں گھر نہیں چاہئے بلکہ گھر کے ساتھ تعلق چاہئے مثلاً بعض کو گاڑی کا شوق ہے، گاڑی کا شوق ہے تو روڈ پہ کھڑے ہو جائیں آپ کے سامنے سے ایک ہی وقت میں کئی گاڑیاں گزریں گی اور اپنا شوق پورا کر لیں، پیسے سے محبت ہے تو بینک میں جائیں اور پیسہ دیکھیں کہ لوگ پیسہ جمع کر رہے ہیں اور نکال رہے ہیں لیکن ہمیں اس پیسے سے غرض نہیں ہے، ہمیں کس پیسے سے غرض ہے؟ جو ہمارا ہو یعنی تعلق۔ پیسہ نہیں تعلق چاہئے، گاڑی نہیں تعلق چاہئے، گھر نہیں تعلق چاہئے، یہ سارے تعلقات دنیا ہیں، لہو ہیں۔

حیاتِ دنیا یعنی ایسی ثانوی، فرعی اور غیر اصلی مصروفیتیں اور مشغولیتیں کہ جن کی وجہ سے انسان اصلی کام یعنی جس کام کے لئے ہم پیدا ہوئے ہیں چھوڑ دیتا ہے۔ سارا مشغلہ دنیا کو اپنا بنانے میں ہے، یہ بھی میری ہو جائے، وہ بھی میری ہو جائے، جس طرح کبھی انسان تھک جاتا ہے تو چاہتا ہے کہ کسی پارک میں جا کر تھوڑی دیر بیٹھے اور دل بہلا کر واپس آجائے تو وہاں تو نہیں کہتا ہے کہ یہ درخت بھی میرا ہونا چاہئے، یہ پودا بھی میرا ہونا چاہئے، یہ پائپ بھی میرا ہونا چاہئے اور یہ دروازہ بھی میرا ہونا چاہئے، نا، بلکہ وہاں کہتا ہے کہ یہ پارک ہے اور سب کا ہے، کچھ دیر کے لئے آؤ، دل

بند کے کپڑے

بہلاؤ اور چلے جاؤ۔ یہ دنیا بھی اسی طرح سے ہے۔ اگر یہ ساری چیزیں کہ جو ہمیں اچھی لگتی ہیں تو جا کر صرف دیکھ لیں، شوروم میں کھڑی ہوئی گاڑی جا کر دیکھ لیں تو کہتے ہیں کہ نہیں یہ میری ہونی چاہئے، یہ تعلق لہو ہے اور یہی دنیا ہے۔ انسان اسی کے اندر غرق ہے اور یہی مانع از حضور ہے۔

۱۲) دنیا کی کشش، حربہ شیطان

قرآن مجید نے بہت سارے امور کو لہو قرار دیا ہے اور توجہ دلائی ہے کہ یہاں سے اپنی جان چھڑاؤ، ان مہلکوں سے اپنے آپ کو نجات دو، اگر چاہتے ہو کہ حضورِ دل کے ساتھ قرآن پڑھنا ہے، نماز پڑھنا ہے اور مطالعہ کرنا ہے تو اس کے لئے آپ کو لغویات و لہویات سے باہر نکلنا ہوگا یعنی وہ ثانوی چیزیں کہ جنہوں نے ہماری توجہ ہمارے اصلی کام سے ہٹا دی ہے چونکہ ان کی کشش بھی بہت ہوتی ہے، جن چیزوں کے اندر فائدہ نہیں ہے یا جو ہمارا مقصود نہیں ہے وہ پرکشش چیزیں ہیں اور مقصود خشک ہے، مقصود کی طرف بسا اوقات ایک کٹھن راستہ درپیش ہوتا ہے مثلاً زائرین جب زیارت کے لئے پاکستان سے یہاں آتے ہیں تو تفتان سے لے کر قم تک بے آب و گیاہ صحرا اور خشک راستہ ہے اور اس کے بجائے اگر فرض کریں کہ تفتان نہ آئیں بلکہ پاکستان میں سرسبز مقامات پر چلے جائیں تو راستے بڑے خوبصورت ہیں، وہاں پر ہریالی ہے، سبزہ ہے اور واقعاً خوبصورت علاقے موجود ہیں، پرکشش بھی ہیں لیکن ان پرکشش راستوں پر کسی معصوم علیہ السلام کی زیارت نہیں ہے مثلاً آپ پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں چلے جائیں کہ جو بہت ہی خوبصورت علاقہ ہے لیکن وہاں پر کوئی

زیارت نہیں ہے۔

زیارت جس طرف ہے وہ صحرائی اور خشک راستہ ہے جو بیابان سے گزرتا ہے، تو جو انسان فقط سبزوں کو دیکھ کر اور پرکشش راستوں کو دیکھ کر اپنا راستہ انتخاب کرنے میں تو وہ کشش دیکھ کر ثانوی راستوں پر چل پڑتے ہیں کہ جہاں ان کا مقصود نہیں ہوتا ہے، جیسے سیر و تفریح کرنے والے جاتے ہیں درحالیہ جدھر ہمارا مقصود ہے وہاں پر۔ بے شک صحرا ہے اور خشک راستہ ہے لیکن اس سے گزرنا ضروری ہے چونکہ ہمارا مقصود وہاں پر رکھا ہوا ہے، لیکن ثانوی چیزیں ہماری توجہ اپنی طرف کیوں کھینچتی ہیں؟ چونکہ ان کے اندر کشش زیادہ ہے اور یہی حربہ شیطان ہے، شیطان نے قسم کھا کے خدا سے کہا تھا کہ

لَا زَيْنَ لَّهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا غُورِيْنَهُمْ أَجْمَعِيْنَ ۝ (۲۷)

ان بندوں کے لئے زمین میں ساز و سامان آراستہ کروں گا اور سب کو اکٹھا گمراہ کروں گا۔ یعنی زمین میں جو کچھ ہے میں ان کے لئے زینت بنا کر پیش کروں گا، اس کے اندر جاذبہ اور کشش پیش کروں گا، ان کے سامنے دنیا کو سجا کر پیش کروں گا اور یہ انسان بھی تو ایسے نہیں ہیں کہ جو اپنے مقصد کے اتنے متوالے ہوں کہ مقصد کو کبھی ترک نہ کریں، یہ کشش دیکھ کر کشش کے پیچھے کھینچے چلے جاتے ہیں لہذا شیطان کا یہ آسان طریقہ ہمارے لئے کافی ہے کہ لہو میں مبتلا کرنے کیلئے کہ ہمارے راستے میں کچھ چیزیں سجا کر رکھ دے۔

جس طرح چھوٹے بچوں کو جب اسکول بھیجتے ہیں تو بعض کارٹون جو بچوں کی کہانیوں

دنیا کی کشش، حربہ شیطان

میں بنائے جاتے ہیں وہ اسکول کے راستے میں رکھے ہوتے ہیں، ان کے اندر یہی کشش ہوتی ہے لہذا بچے راستے میں ہی رک جاتے ہیں مثلاً ایک کارٹون ہے جو شاید سب نے دیکھا ہوگا اور نہیں دیکھا ہے تو ضرور دیکھیں، یہ بچوں کے لئے ہے لیکن بڑے بھی ضرور دیکھیں، پینوکیو (Pinocchio) کے نام سے ہے اور بہت ہی بامعنی کارٹون ہے، اب یہ ضمنی مطلب ہے اور میں اس لئے عرض کر رہا ہوں چونکہ یہ خوب ہے، بے شک پینوکیو کی بچوں کے لئے لکھی ہوئی کتاب بھی ملتی ہے اس میں کارٹون بھی بنا ہوا ہے، کہانی پڑھ لیں یا جو بھی آپ کو جاذب لگے لیکن ضرور مطالعہ کریں، میں اس کا پس منظر بتا دوں کہ پینوکیو ہے کیا چیز؟ ایسی چیزیں فلمی دنیا میں یا کارٹون میں بہت کم بناتے ہیں یا عموماً ورغلانے کے لئے اور مشغول کرنے کے لئے کرتے ہیں لیکن اس جیسی داستانیں بنانے والے بہت کم لوگ ہیں کہ جن کے ذہنوں کو خدا نے اتنی توفیق دی ہوئی ہے کہ بچوں کے لئے ایسی ہی بامعنی کہانیاں لکھیں۔

پینوکیو (Pinocchio) ایک انسان کی کہانی ہے، بالکل ایسی کہ جیسے میری اور آپ کی کہانی ہے، اس میں ایک نجار ہے اور یہ بڑھئی بچے کی شکل کا ایک لکڑی کا مجسمہ بناتا ہے کہ جس طرح بچوں کے کھیلنے کیلئے بناتے ہیں، یہ نجار خود بے اولاد تھا اور لکڑی کا مجسمہ بنا کر اس نے آرزو کی کہ اے کاش میرا بھی کوئی بچہ ہوتا، ظاہر ہے کہ بوڑھا تھا اور بچے کی طرف اس کی توجہ بھی نہیں تھی تو اس مجسمے کو دیکھ کر وہ یہ کہتا تھا کہ اے کاش یہی میرا بچہ ہوتا، یہی میری اولاد ہوتا، بہر کیف پھر اس میں ایک اتفاق ہوتا ہے، کوئی ستارہ آتا ہے کہ جو کئی سو سال بعد طلوع کرتا ہے اور اس وقت انسان جو آرزو کرے وہ

پوری ہوتی ہے تو اس نے یہی آرزو کی اور اس لکڑی کے مجسمہ میں آہستہ آہستہ حیات آگئی، پورا انسان نہیں بنا لیکن اس میں شعور آگیا اور اس نے چلنا شروع کر دیا تھا، وہ ابھی لکڑی کا ہی تھا، یہ انسان کی کہانی ہے کہ انسان جب پیدا ہونا شروع ہوتا ہے تو وہ انسان نہیں ہوتا ہے بلکہ بے جان ہوتا ہے اور اس کو انسان بننا پڑتا ہے، بہر کیف اس کی آرزو پوری ہوتی ہے اور اس لکڑی کے مجسمے کے اندر حرکت اور تھوڑا شعور آجاتا ہے لیکن ساتھ یہ شرط رکھ دی جاتی ہے کہ اگر اس بچے نے عمر بھر میں کوئی گناہ نہ کیا اور کوئی معصیت نہیں کی تو آہستہ آہستہ یہ پورا انسان بن جائے گا لیکن اگر اس نے جھوٹ بولا، خیانت کی، چوری کی اور اس طرح کی کوئی غلطی کی تو اس صورت میں اس کو سزا ملے گی از جملہ ایک سزا جو اس کو ملتی تھی وہ یہ تھی کہ جب وہ جھوٹ بولتا تھا تو اس کی ناک لمبی ہو جاتی تھی جبکہ اس کو کہا گیا تھا کہ جھوٹ نہیں بولنا۔

دنیا کی کشش، حربہ شیطان

اس کہانی کے اندر تین اور کیریکٹرز (Characters) بھی پنویو کے ساتھ موجود ہیں، ایک پری ہے کہ اسے فرشتہ یا ضمیر کہہ لیں اور دو اور قوتیں ہیں کہ ان میں سے ایک لومڑی اور ایک بھیڑیا ہے، ظاہراً لومڑی، بھیڑیا اور ایک پری پنویو کی زندگی میں ساتھ ساتھ ہیں، لومڑی اور بھیڑیا اس کو غلط کاموں پہ اکساتے ہیں مثلاً گھر سے نکلتا ہے تو وہ اس کو ورغلا تے ہیں، بہکاتے ہیں اور اس سے برے کام کرواتے ہیں اور فرشتہ جو ہمیشہ اس کے ساتھ ہے مثلاً یہ اس کا ضمیر ہے کہ جو اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور ایک جانور کی شکل میں ہے تو یہ اس کو جگہ جگہ ٹوکتا ہے لیکن یہ ضمیر کی آواز کم سنتا ہے اور لومڑی اور بھیڑیے کی آواز زیادہ سنتا ہے اور اکثر مشکلات کا شکار ہوتا ہے، جب مشکلات

میں جا پڑتا ہے تو پھر فرشتہ آتا ہے اور آکر اس کی مشکل کو حل کرتا ہے مثلاً اس کی ناک بڑھتے بڑھتے بہت دراز ہو جاتی ہے تو یہ روتا ہے پھر فرشتہ اس کی مدد کو آتا ہے کہ اب توبہ کرو کہ جھوٹ نہیں بولو گے اور پھر اس سے عہد لیتا ہے، پھر ناک اپنی جگہ پر آ جاتی ہے، بہر کیف اس طرح کرتے کرتے جب اس کے اندر وہ تمام انسانی خصائل و صفات کہ جو فرشتے اور ضمیر کی مدد سے پیدا ہوتی ہیں ان کی وجہ سے یہ ناگہاں گوشت و پوست والا مکمل انسان بن جاتا ہے۔

یہ عام انسان کی یعنی میری اور آپ کی داستان ہے کہ جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہمیں بھی مکمل انسان بننے کے لئے یہی مشکلات درپیش ہیں یعنی ہر انسان پنو کیو ہے، ہر انسان انسانِ کامل نہیں ہے، انسان بننے کی صلاحیت و استعداد ہے لیکن اس استعداد سے انسان بننے کے لئے شرط ہے، شرط یہ ہے کہ اس نے یہ کام کرنے ہیں اور وہ کام نہیں کرنے ہیں، خدا نے اس کے اندر ایک ضمیر دیا ہے اور باہر خدا نے ملائکہ بنائے ہیں لیکن ساتھ ہی شیطان ہے اور انسان کے اندر شہوت و غضب ہے یعنی شیطان اندر بھی ہے اور باہر بھی ہے، شیاطین انسان کو انسانیت کے راستے سے ہٹا کر کسی اور طرف لے جانا چاہتے ہیں لیکن ملائکہ اور ضمیر انسان کو اس انسانیت کے راستے پر لے جانا چاہتے ہیں، ایک شخص مکمل انسان کب بنے گا؟ جب ضمیر اور ملائکہ کی آواز سنے، وحی کی آواز سنے، اس لحاظ سے وہ داستان بہت خوبصورت ہے، اگر اس کو بڑے دیکھیں چونکہ بڑوں میں فہم زیادہ ہے اور سمجھدار تر ہیں اور بچوں کو تحلیل کر کے بتائیں کہ یہ کہانی یا یہ کارٹون یہ پیغام دے رہا ہے اور یہ بچوں کے ذہنی ہوش کے لئے خوب ہے، جو طلبہ بچوں میں تبلیغ اچھی کر لیتے ہیں تو وہ اسی کارٹون کو

بچوں کے لئے پیش کریں اور پھر مقابلہ رکھیں کہ بچے اس کہانی کی اصلی روح اور لب بتائیں کہ یہ کہانی کیا کہنا چاہتی ہے؟ پھر آپ اس بچے کو منہ مانگا انعام دیں کہ جو واقعاً بتادے یعنی یقیناً جان لیں کہ وہ بچہ کچھ بننے کے قابل ہے کہ جو بتادے کہ اس کہانی میں کیا کہا جا رہا ہے یا کم از کم قریب قریب بتادے، آپ اس کی حوصلہ افزائی کریں پھر اس کے بعد آپ خود بچوں کو بتائیں کہ یہ کہانی درحقیقت ہمیں یہ بتانا چاہتی ہے اور ہم اس کو اپنے اوپر تطبیق کریں۔

غرضیکہ ایک انسان جب انسانیت کے تکامل کی طرف بڑھنا چاہتا ہے تو بہت ساری چیزیں اسے اس راستے سے ہٹانا چاہتی ہیں، مشغول کرنا چاہتی ہیں، اس میں اس بھیڑیے اور لومڑی کا کردار بہت نمایاں ہے کہ صبح و شام مشغول ہیں کہ اس پنو کیو کو انسانی راستے سے ہٹا کر کبھی جنگل میں لے جاتے ہیں، کبھی پارک میں لے جاتے ہیں، کبھی دریا پہ لے جاتے ہیں یعنی اصلی کام سے توجہ ہٹانے کے لئے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور وہ کبھی کبھار دور بھی ہو جاتا ہے لیکن پھر توبہ کرتا ہے اور واپس آ جاتا ہے، پھر ناک چھوٹی ہو جاتی ہے، دوبارہ غلطی کرتا ہے تو اس کی ناک پھر بڑھ جاتی ہے، یہ ہماری کہانی ہے، ہماری داستان ہے، حقیقت یہ ہے کہ آخرت میں جب ہمارا روپ کھلے گا تو دیکھیں گے کہ بعض لوگوں کی کہ جو جھوٹ بولتے ہیں پنو کیو کی طرح ایک ایک کلومیٹر کی ناک ہوگی، ابھی تو ناک چھوٹی ہے لیکن یہ ناک بہت بڑھ جائے گی، جب قیامت میں پردے ہٹائے جائیں گے تو ہمارا اصلی روپ سامنے آئے گا اور سب کا اصلی پنو کیو باہر آئے گا، پھر معلوم ہوگا کہ کیا کیا بنایا ہے۔

صبح و شام ایسی طاقتیں اندر اور باہر سے ہمیں مشغول کرنے میں لگی ہوئی ہیں، ایڑی چوٹی کی سرگرمی ہے مثلاً میڈیا خناس صبح و شام ہمیں مشغولیت میں رکھا ہوا ہے، ٹی وی اور دیگر ذرائع سب ہمیں مشغول کرنے میں اور ہماری توجہ ہٹانے میں مشغول ہیں، بازار، مارکیٹ، شہر کی سرگرمیاں، سیاست اور یہ جتنی چیزیں بھی دائیں بائیں ہیں مثلاً اگر آپ صنعتی سامان دیکھیں چونکہ اس وقت صنعتی دنیا اپنی معراج اور عروج و عروج پر ہے اور صنعتی دنیا کی پوری کوشش یہ ہے کہ ہر وہ وسیلہ پیدا کرے کہ جو انسان کو اصلی مقصد سے دور کرے اور مشغول رکھے۔ اس وقت اسی صنعتی دنیا کی پیدا کردہ جو مشغولیات ہیں ان میں انسان کس قدر مشغول ہے اور اتنا مشغول ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہے کہ میں کس مقصد کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ اس دنیا میں جکڑا ہوا انسان اتنا مشغول و لہوی انسان ہے کہ اس کو کبھی کبھی خدا یاد آتا ہے تو نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور پھر شکوہ کرتا ہے کہ حضورِ قلب نہیں ہے۔ مطالعہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ دماغ حاضر نہیں ہے، کیسے دماغ حاضر ہو کہ جب اتنی مشغولیات ہیں، یہ جو نماز میں جسمانی طور پر کھڑا ہو گیا ہے تو یہ بھی بہت بڑی غنیمت ہے کہ معلوم نہیں کیسے آ کے کھڑا ہو گیا ہے؟ دل کس مقصد میں کھڑا ہو گیا ہے؟ پس دل کو حاضر رکھنے کے لئے اسباب ہیں۔

قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

۱۳) قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

قرآن کے مطابق رجال کبھی بھی ذکرِ خدا سے غافل نہیں رہتے۔ سورہ نور آیت ۳۶

اور ۳ میں ارشاد خداوند متعال ہے کہ

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ

وَالْآصَالِ ۝

یہ چراغ ان گھروں میں ہے جن کے بارے میں خدا کا حکم ہے کہ ان کی بلندی کا اعتراف کیا جائے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے کہ ان گھروں میں صبح و شام اس کی تسبیح کرنے والے ہیں۔

لیکن اس سے آگے آئیے میں فرمایا کہ ان گھروں میں کون لوگ رہتے ہیں؟ رجال، یہ وہ لوگ ہیں کہ

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝

وہ مرد جنہیں کاروبار یا دیگر خرید و فروخت ذکرِ خدا، قیام نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر سکتی یہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کے ہول سے دل اور نگاہیں سب الٹ جائیں گی۔ ذکرِ خدا دل سے ہوتا ہے، ذکرِ فعلِ قلب ہے، ذکرِ زبان کا کام نہیں ہے، زبان سے اظہارِ ذکر ہوتا ہے، زبان سے یا اللہ کہنا، یا رب کہنا اظہارِ ذکر ہے، ذکرِ یاد کو کہتے ہیں اور یادِ زبان سے نہیں ہوتی ہے بلکہ یاد کا ظرف دل ہے، جو چیزیں ہمیں یادِ خدا سے دور کرتی ہیں انکی فہرست میں قرآن نے دو چیزوں کا اضافہ کیا ہے یعنی ان گھروں میں وہ لوگ رہتے ہیں جو رجال ہیں اور

لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ.....

قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

اگر وہ تاجر بھی ہیں اور بیع بھی کرتے ہیں کیونکہ بالآخر انہوں نے زندگی بھی بسر کرنی ہے۔ اس ساری بحث کا خلاصہ کوئی یہ نہ نکالے کہ اس کے معانی یہ ہوئے کہ ہم سب کو چھوڑ دیں یعنی یہ لہو ہے، کھانا پینا لہو ہے، گھر بنانا لہو ہے، شادی کرنا لہو ہے، تجارت کرنا لہو ہے، معیشت اور یہ سب لہو ہے اور ہمیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے غار میں جا بیٹھنا ہے، غار میں جن مل جاتا ہے لیکن خدا نہیں ملتا ہے۔ انسان اسی دنیا، اسی معاشرے، اسی معیشت اور انہی لوگوں کے ساتھ رہ کر قربی سفر طے کرے یہی کمال ہے۔ غاروں اور خانقاہوں میں رہ کر یہ سفر طے نہیں کرنا ہے، پس تجارت و بیع کرنی ہے لیکن یہ تجارت و بیع لہو نہ بنے، تجارت لہو کب ہوتی ہے؟ جب تجارت ہمیں اتنا مشغول کر دے کہ ہم خدا کو بھول جائیں۔

قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

عموماً تبلیغ کے لئے جب مومنین سے واسطہ ہوتا ہے اور کوئی ایسی گفتگو ہوتی ہے تو مختلف لوگ اپنا اپنا اظہار خیال کرتے ہیں، بسا اوقات ان سے چاہتے بھی ہیں کہ اپنا اپنا اظہار نظر کریں، بعض اوقات خوبصورت اظہار نظر کرتے ہیں، ایک جوان نے کہا کہ یہ باتیں جو آپ کرتے ہیں ہمیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں، ہمارے پلے کچھ نہیں پڑتا ہے چونکہ آپ فارغ آدمی ہیں، کوئی معیشت کی فکر نہیں ہے، کوئی کمائی کی فکر نہیں ہے، کام کاج آپ کو نہیں کرنا ہوتا ہے، آپ کو سارا پکا پکا یا مل جاتا ہے، اس لئے آپ خدا خدا، نماز، ذکر، سجدے اور خلوص و خشوع و حضور و فلاں کی باتیں کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ جب ہم صبح اٹھتے ہیں تو ایک دن بجلی کا بل پڑا ہوتا ہے، ایک دن گیس کا بل پڑا ہوتا ہے، ایک دن کیبل کا بل پڑا ہوتا ہے، ایک دن بچے کی فیس کا بل پڑا ہوتا ہے، ایک دن فلاں کا بل پڑا ہوتا

ہے اور یہ بل بھی اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ ہمارا سارا مہینہ اسی فکر میں گزر جاتا ہے کہ یہ بل کیسے ادا کریں گے؟

یہ صحیح بات کہتا ہے، یعنی اس زندگی میں کہ جس میں انسان کی زندگی کا مقصد کیا تھا؟ اور ان سے یہی عرض کیا کہ آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہو گیا؟ کہ آپ گھر بنائیں اور ان گھروں میں بیٹھ کر فقط ایک ہی مقصد ہے کہ بل بھرتے جائیں۔ یہ بل آپ لوگوں نے خود بنائے ہیں، یہ بجلی، گیس اور کیبل کو آپ نے استعمال کیا ہے، جی بھی آج مہینے کے اوّل میں دس بل آپ کے گھر میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان گھروں میں رہ کر آپ نے یہی سیکھا ہے کہ مصرف کرتے جائیں اور بل بناتے جائیں اور پھر اداروں میں جا کر ملازمت کریں اور یہ بل ادا کرتے جائیں یعنی آدھی زندگی بل بنانے میں گزر جاتی ہے اور آدھی زندگی بل ادا کرنے میں گزر جاتی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ گھروں کو ہم نے بلوں میں تبدیل کیا ہوا ہے یعنی اردو والا بل، واقعاً ہم بلوں میں گھسے ہوئے ہیں اور بلوں میں بیٹھ کر بل بنارہے ہیں یعنی ساری زندگی اسی میں گزر رہی ہے، یہی لہو ہے، یہی مشغلہ ہے اور انہوں نے صدر صدیج کہا، وہ انسان کہ جن کا مشغلہ بل بنانا اور بل ادا کرنا ہے تو اس کو خدا کب یاد آتا ہے؟

پھر ہم کیا کریں؟ بجلی مصرف نہ کریں؟ گھر میں نہ رہیں؟ گیس کا استعمال نہ کریں؟ کریں لیکن یہ لہو نہ بنیں، یہ چیزیں ہمیں خدا سے غافل نہ کریں، تجارت بھی کریں، مال بھی کمائیں، ملازمت بھی کریں لیکن یہ سب کچھ ذکرِ خدا سے غافل نہ کرے،

لَا تَلْهِیْہُمْ

قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

قرآن نے بعض جگہ رجال کی تعبیر عورتوں کے مقابلے میں استعمال کی ہے اور بعض جگہ نامردوں کے مقابلے میں استعمال کی ہے، بعض جگہ ہے کہ

هُم الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَّوُّوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ (۲۸)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا اور تم کو مسجد الحرام میں داخل ہونے سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو (قربان گاہ پہنچنے سے) روک دیا اور اگر صاحب ایمان مرد اور با ایمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم نہیں جانتے تھے (اور یہ خطرہ نہ ہوتا) کہ کہیں تم ان کو روند ڈالو اور بے خبری میں ان کی وجہ سے تمہیں بھی ضرر پہنچ جائے (تو اذن جہاد مل جاتا) تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے.....

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لِمَسْجِدٍ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ۝ (۲۹)

خبردار آپ اس مسجد میں کھڑے بھی نہ ہوں بلکہ جس مسجد کی بنیاد روزِ اول سے تقویٰ پر ہے وہ اس قابل ہے کہ آپ اس میں نماز ادا کریں۔ اس میں وہ مرد بھی ہیں جو طہارت کو دوست رکھتے ہیں اور خدا بھی پاکیزہ افراد سے محبت کرتا ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (۳۰)

مومنین میں ایسے بھی مرد میدان ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے وعدے کو سچ کر دکھایا ہے، ان میں بعض اپنا وقت پورا کر چکے ہیں اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی بات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی ہے۔

مومنین میں سے کچھ مرد ہیں، اس کا دوسرا حصہ کیا بنتا ہے کہ کچھ نامرد ہیں، اس کی دوسری شق نہج البلاغہ میں ہے، امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ

يَا أَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَلَا رِجَالٌ..... (۳۱)

اے مردوں سے شباهت رکھنے والوں جو کہ مرد نہیں ہو.....

یعنی کچھ مرد ہیں اور کچھ نامرد ہیں، نامرد کون ہیں؟ جو امیر المومنین علیہ السلام کی آواز پر اٹھتے نہیں ہیں، جہاد نہیں کرتے ہیں، بزدل ہیں، شجاع نہیں ہیں ان کو کہا کہ یہ نامرد ہیں، داڑھی اور مونچھ سے تو رجالت نہیں آتی ہے، مردانگی سے انسان مرد بنتا ہے، یہ نروند کر ہے لیکن مرد نہیں ہے۔ مرد میں مروت ہوتی ہے، مردانگی ہوتی ہے لیکن ان کے اندر مروت نہیں ہے۔ قرآن نے بھی کہا ہے کہ کچھ مرد ہیں اور کچھ نامرد ہیں، وہ جو اللہ کے ساتھ عہد کر کے نبھاتے ہیں وہ مرد ہیں اور جو عہد ہی نہیں کرتے یا توڑ دیتے ہیں وہ نامرد ہیں۔ اس آیت میں بھی ہے کہ تم تجارت بھی کرو، ملازمت بھی کرو، پڑھو بھی، بچے بھی پیدا کرو، انکی تربیت بھی کرو، سب کچھ کرو لیکن یہ ساری چیزیں تمہیں خدا سے غافل نہ کریں، پس مرد وہ ہیں کہ جنہیں تجارت خدا سے غافل نہ کرے نہ کہ جو تجارت نہ کریں۔

قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ

تجارت و بیع انہیں ذکر خدا سے غافل نہیں کرتی ہے۔ وہ معمولات زندگی بھی انجام دے رہے ہیں اور انہی معمولات زندگی کے اندر خدا کی یاد میں بھی ہیں اور ان کا حضور خدا کے سامنے ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام، امیر المومنین ہوتے ہوئے سب کچھ کرتے تھے، محنت بھی کرتے تھے اور معمولات زندگی بھی انجام دیتے تھے، امیر المومنین علیہ السلام کی اولاد بھی تھی اور ان کی تربیت بھی ہو رہی تھی، نظام مملکت بھی چلاتے تھے لیکن ایک لحظے کے لئے بھی خدا کی بارگاہ سے غافل نہیں تھے۔ یہ معمولات اگر خدا سے غافل نہ کریں تو یہی زندگی و حیات ہے، یہی نجات کا ذریعہ ہے لیکن اگر یہی معمولات زندگی ہمیں خدا سے دور کر دیں تو یہ لہو ہیں اور دنیا ہیں۔

رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝

وہ مرد جنہیں کاروبار یا دیگر خرید و فروخت ذکر خدا، قیام نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر سکتی، یہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کے ہول سے دل اور نگاہیں سب الٹ جائیں گی۔ پس رجال وہ ہیں جو ایک دن کے لئے بھی قیامت کو نہیں بھولتے ہیں، ایک لحظے کے لئے بھی خدا سے غافل نہیں ہوتے ہیں یعنی ان کا جسم معمولات میں مشغول ہے چونکہ عموماً جو معمولات زندگی ہیں ان میں جسمانی حضور کافی ہوتا ہے لیکن مطلوب یہ ہے کہ جسم معمولات میں مشغول رہے اور روح یعنی دل خدا میں مشغول رہے، جیسے تاجر کی مثال دی کہ وہ تجارت کرتے ہوئے ولی خدا تھا

قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

اور دوسرا جو خانقاہ میں بیٹھا ہوا تھا اس کی کچھ قوتیں بیدار ہوئیں لیکن اس خانقاہ نے اسے اپنے دل و نفس پر قابو نہیں سکھایا، یہ طاقت اس کے اندر پیدا نہیں ہوئی۔

۱۴) قرآن پڑھتے ہوئے حدیثِ نفس کی ممانعت

☆ و ترک حدیث النفس.....

اس کے بعد صدر المتألهینؒ مزید فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھتے ہوئے حدیثِ نفس نہ کریں، یہ بھی اسی تخیل کا ایک شعبہ ہے، حدیثِ نفس یعنی جیسے انسان اپنے ساتھ دل ہی دل میں بات کر رہا ہوتا ہے، اپنے آپ کو خطاب کرتا ہے مثلاً اپنے آپ کو کہتا ہے مولانا صاحب، حجۃ الاسلام صاحب، آپ بڑی شخصیت ہیں، آپ کے بڑے کمالات ہیں، آپ کا بڑا اثر ہے، یہ اپنے ساتھ بات کرتا ہے، خود اپنے آپ کو داد دیتا ہے کہ کیا کہنے ہیں آپ کے۔

ایک بزرگوار تھے جو مرحوم ہو گئے ہیں ان کا تھوڑا ذہنی توازن ٹھیک نہیں تھا، وہ اپنے ساتھ خود تکلف کیا کرتے تھے، خود کو اپنے آپ کا تعارف کراتے تھے، جب اکیلے دروازے پہ پہنچتے تھے تو ایک سائڈ پہ کھڑے ہو کر اپنے آپ کو کہتے تھے، بسم اللہ پہلے آپ تشریف لے جائیں، پھر دوسری طرف کھڑے ہو کر کہتے تھے، آپ بڑے ہیں، آپ سید ہیں، آپ پہلے چلے جائیں۔ انسان ایسا کرتا ہے، کبھی انسان اپنے ساتھ بات کرتا ہے، یہ حدیثِ نفس ہے، اپنے ساتھ بات نہ کریں، جب آپ قرآن پڑھ رہے ہیں تو حدیثِ نفس نہ کریں، قرآن مخاطب ہو اور ہم مخاطب ہوں، قرآن بول رہا ہو

قرآن پڑھتے ہوئے حدیثِ نفس کی ممانعت

اور ہم سنیں نہ کہ خود بولیں اور خود ہی سنیں، حدیثِ نفس ترک کر دیں۔ اس صفت کے بارے میں کسی مناسبت سے انشاء اللہ بحث ہوگی یہ اہم نکتہ ہے اور یہی زیادہ بڑھ جائے تو بیماری بن جاتی ہے، بعض کو دیکھا ہوگا کہ روڈ پہ جارہے ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ اونچی آواز میں باتیں کر رہے ہوتے ہیں، بعض بیٹھے بیٹھے اشارے بھی کر رہے ہوتے ہیں، انسان سمجھتا ہے کہ پتہ نہیں انسان حالتِ تقریر میں ہے یا اس وقت کس حالت میں ہے؟ وہ اشارے بھی کر رہا ہوتا ہے اور باتیں بھی کر رہا ہوتا ہے، یہ حدیثِ نفس بڑھ کر انسان کے ذہن میں جنون بن جاتی ہے اور ذہنی بیماری بن جاتی ہے،

☆ و هذه الصفة يتولد عما قبلها.....

یعنی حضورِ قلب کیسے حاصل ہو؟ یہ طہارتِ قلب سے حاصل ہوگا، طہارتِ قلب اور حضورِ قلب میں کیا ربط ہے؟ عرض کیا تھا کہ حضور اس وقت ہوتا ہے کہ جہاں انس ہو، انس وہاں ہوتا ہے کہ جہاں مناسبت ہو، مناسبت وہاں ہوتی ہے کہ جہاں پر صفتِ مشترک ہو اور قرآن چونکہ پاک ہے، مطہر ہے،

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (۳۲)

اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

لہذا جب انسان خود کی تطہیر کر لیتا ہے تو قرآن کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، اس مناسبت سے انس پیدا ہوتا ہے اور یہ انس انسان کو حضور کے لئے آمادہ کر دیتا ہے لہذا طہارت کے ذریعے سے حضورِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ آلودہ دل کبھی بھی قرآن کے سامنے حاضر نہیں ہو سکتا ہے،

قرآن پڑھتے ہوئے حدیثِ نفس کی ممانعت

☆ وهو طهارة القلب عن شوائب الاغراض النفسانية.....

دل کے اندر جو آلودگیاں ہیں، نفسانی اغراض، خودخواہی، کینے، نفرتیں، تعلقات اور غرور و تکبر

ہے تو ان چیزیں سے دل پاک ہوتا کہ قرآن کے ساتھ مناسبت و مساخت پیدا ہو،

☆ فان من اخرج عن قلبه محبة الباطل.....

جس نے اپنے دل سے باطل کی محبت کو نکال کر باہر پھینک دیا

☆ فیدخل فی قلبه الانس بالحق.....

بقول حافظ شیرازی

دیو چو بیرون در و فرشتہ در آید..... (۳۳)

یعنی جہاں سے جن نکلتا ہے، دیو اور بھوت باہر جاتا ہے تو فرشتہ آتا ہے، بھوت اور فرشتہ

دونوں ایک کمرے میں جمع نہیں ہو سکتے ہیں لہذا ہمارے دل سے محبتِ باطل نکلے تاکہ انسِ حق و

انسِ قرآن پیدا ہو۔

قرآن، باعثِ سرور

۱۵) قرآن، باعثِ سرور

☆ ففي القرآن ما يستبشر به القلب ان كان اهلاله.....

قرآن کے اندر ایسی چیزیں ہیں کہ جو انسان کو مسرور کرتی ہیں، خوشحال کرتی ہیں، استبشار

یعنی جو چیز انسان کے بُشرہ پہ اثر انداز ہو اور باعثِ خوشحالی ہو، باعثِ انبساطِ بشرہ انسان بنے، چونکہ

خوشی میں انسان کھل اٹھتا ہے، انسان جب خوش ہوتا ہے تو چہرے کا انقباض اور انبساط ظاہر ہوتا ہے لیکن جب پریشان ہوتا ہے تو اس کا منہ لٹکا ہوا ہوتا ہے، چھوٹا ہوتا ہے، اچھا خاصا چوڑا منہ تھا لیکن پریشانی کی وجہ سے لٹکا ہوا اور مرجھایا ہوا ہو جاتا ہے، اس وقت آپ ناپ لے لیں، جب آدمی پریشان ہوتا ہے تو چہرے کا طول و عرض کم ہو جاتا ہے لیکن جب خوشی ہو، جب کوئی مژدہ سنائے تو اس وقت پھیل جاتا ہے یعنی انسان کی جلد پھیل جاتی ہے لہذا قرآن کے اندر ایسی بہت ساری چیزیں ہیں کہ جو انسان کو خوشی و سرور دے سکتی ہیں اور انسان کے اندر خوشحالی اور انبساط پیدا کر سکتی ہیں، شرط یہ ہے کہ دل اہل قرآن ہو ورنہ انسان قرآن سن کر بور ہوتا ہے۔

☆ و کیف لا یطلب الانسان الانس بتدبر القرآن،

اور یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کو قرآن سے انس نہ ہو اور تدبر قرآن سے انس نہ ہو،

☆ ویستأنس باشعار المتنبي و محاضرات الراغب و مقامات

الحریری؟.....

یہ خصوصاً طلبہ کے لئے ہے، عوام اس آفت میں مبتلا نہیں ہیں بلکہ ان کے لئے الگ سرگرمیاں ہیں، طالب علم کتنے خوش ہوتے ہیں؟ آج کل کے طلبہ کو شاید ان چیزوں کا نام بھی معلوم نہیں ہے، یہ پرانے طلبہ کے زمانے کی بات ہے، پہلے ادبیات میں بہت ساری کتابیں پڑھاتے تھے جیسے ہمیں دیوانِ متنبی، حماسہ اور مقاماتِ حریری کہ یہ بھی ادبیات کی کتاب ہے، یہ نام ذہن میں رہیں یہ آج کل نہیں پڑھائے جاتے ہیں اور ایک لحاظ سے اچھا ہے کہ نہیں پڑھائے جاتے ہیں چونکہ

آلودہ چیزیں تھیں، جاہلیت کے شعراء اور ان کے اندر غیر اخلاقی مسائل، ایک لحاظ سے بہتر ہے لیکن حوزوں نے ان کو اس وجہ سے نہیں چھوڑا کہ ان کے اندر اخلاقی مشکلات ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ ادبیات ہی کو سرے سے چھوڑ دیا، اب سب کچھ ادب کے بغیر پڑھنا ہے، مثنوی کے شعر سلیبس (Syllabus) کا حصہ تھے، نصاب میں پڑھائے جاتے تھے اور بڑی خوشی سے پڑھتے تھے، مثنوی کے شعر پڑھ کر بڑا سرور محسوس ہوتا تھا یا مثلاً محاضرات الراغب، مقامات حریری اور اس طرح کی بہت ساری کتب ادبیات تھیں، ان کو پڑھ کر لذت محسوس کرتے تھے، قرآن میں تو اس سے بھی بڑی لذت موجود ہے مثلاً انسان ادب کی کتابیں پڑھتا ہے چاہے وہ کسی بھی زمانے کی ہوں تو لذت محسوس کرتا ہے، ادبیات بڑا لذیذ علم ہے، فرماتے ہیں کہ ان میں انسان کو لذت محسوس ہوتی ہے لیکن قرآن میں لذت محسوس نہ ہو،

☆ وفيه ما لا يخفى من متنزهات القلوب.....

در حالیکہ قرآن میں ایسی بہت ساری چیزیں ہیں کہ جو باعثِ تفریحِ دل ہیں، باعثِ خوشحالیِ دل ہیں، باعثِ خوشی و سرورِ دل ہیں۔

۱۶) قرآن، باعثِ تفرج

☆ ومتفرجات الارواح.....

تفرج، غم غلط کرنے کو کہتے ہیں، محاورہ بھی ہے کہ غم غلط کرنا، غم غلط کرنا یعنی نہ کہ غلط چیزوں

سے غم دور کرنا بلکہ غم غلط کرنے سے مراد ہے غم کو ختم کرنا، جب انسان پریشان ہوتا ہے تو کسی محفل میں جا کر تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ جاتا ہے مثلاً وہاں ہنستا کھیلتا ہے تاکہ ٹینشن (Tension) کو دور کر سکے، عموماً جو لوگ گھروں میں مشکلات کا شکار ہوتے ہیں مثلاً میاں بیوی میں جھگڑا ہوتا ہے، میاں اٹھ کر باہر روڈ پہ جا بیٹھتا ہے، دوستوں کے ساتھ جا بیٹھتا ہے، دو چار گپے لگا کے پھر انتظار میں ہے کہ بیوی سو جائے تو جاؤں گا، یہ انسان کا تفرج ہے یا مثلاً کسی جگہ فلم دیکھنے چلا گیا تو یہ تفرج یعنی غم غلط کرنا ہے، فرماتے ہیں کہ قرآن کے اندر آئیں یہاں خیالی غم نہیں بلکہ انسان کے حقیقی غم غلط ہوتے ہیں، حقیقی غم دور ہوتے ہیں، حقیقی غموں سے انسان کو نجات ملتی ہے، دنیوی غموں سے انسان کو نجات ملتی ہے،

☆ و بساتین الضمائر.....

تفرج گاہ قرآن بساتین ضمائر رکھتی ہے، قرآن میں ضمیر کا چین ہے نہ کہ وہ چین آنکھوں کیلئے ہے، انسان کے ضمیر کے لئے قرآن میں باغات، گلستان اور چین ہیں،

☆ واغذية النفوس.....

غذائے نفس، غذائے روح انسان قرآن کے اندر موجود ہے،

☆ و قرۃ العیون.....

اور آنکھوں کی ٹھنڈک قرآن کے اندر موجود ہے،

☆ و حیوة الحیوان.....

اور ہر ذی حیات کی حیات کا اصلی راز قرآن کے اندر موجود ہے،

☆ و روح الانسان.....

اور حقیقی آسودگی یا روح حقیقی قرآن کے اندر موجود ہے، حیات حقیقی قرآن کے اندر موجود ہے، جناب غزالی نے ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کو محفلوں میں بڑی لذت محسوس ہوتی ہے، اہل محفل لوگ ہوتے ہیں، خلوتوں میں گھبراہٹ ہوتی ہے، اُکتاہٹ ہوتی ہے، تنہائی میں اکتاتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو خدا سے مانوس نہیں ہیں، اگر انسان اللہ سے مانوس ہو، قرآن سے مانوس ہو تو پھر اپنی خوشحالی کیلئے محفلوں کا سہارا نہیں لیتا ہے۔ بعض ہوتے ہیں کہ جب بوریت شروع ہو جاتی ہے یا تھوڑے سے تنہا ہوں تو کسی کو فون کر دیں گے یا کسی کے ہاں جا بیٹھیں گے، یہ بے وقت ایک دوسرے کے لئے مزاحم ہونا اس وجہ سے ہے کہ ان کو اکیلے بیٹھنے سے وحشت محسوس ہوتی ہے، اگر انس قرآن کے ساتھ ہو، دل قابل قرآن و اہل قرآن ہو تو آپ قرآن کھول کر پڑھیں۔ لکھا ہے کہ یہ لوگ جو محفلوں کا سہارا لے کر اپنے آپ کو خوشحال رکھتے ہیں یہ وہ ہیں کہ جن کو خدا سے انس نہیں ہے، اگر ہمارا انیس خدا بن جائے تو پھر ہم ان محفلوں میں بیٹھنے کا اور ان لوگوں کا سہارا نہیں لیں گے بلکہ خلوت میں بارگاہ قرآن اور بارگاہ خدا میں ہوں گے۔ ادب چہارم انشاء اللہ

فصل ادب چہارم میں تحریر کیا جائے گا۔

حوالہ جات

(۱)..... (کشف الخفاء و مزیل الالباس - العجلونی، ناشر دار احیاء التراث

العربی، الجزء ۲، صفحہ ۱۲۵)

(۲)..... (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۷) (آشنایی با قرآن - متفکر شهید استاد

مرتضیٰ مطهری) (التبیان فی تفسیر القرآن - شیخ الطائفة أبی جعفر محمد

بن الحسن الطوسی، الجزء ۹، صفحہ ۳۱۱) (التفسیر الأصفی - الفیض الکاشانی،

الجزء ۱، صفحہ ۱۱۶) (التفسیر الصافی - الفیض الکاشانی، الجزء ۱، صفحہ ۲۶۱)

(تفسیر الامام العسکری) (تفسیر المیزان - العلامة الطباطبائی، الجزء ۲،

صفحہ ۱۰۷) (تفسیر مجمع البیان - امین الاسلام أبی علی الفضل بن الحسن

الطبرسی، الجزء ۲، صفحہ ۴۴) (تفسیر نمونہ - جمعی از فضلا) (منہاج البراعة

فی شرح نہج البلاغہ - الخوئی) (تلخیص البیان فی مجازات القرآن - الشریف

الرضی، الجزء ۲، صفحہ ۵۰) (روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع

المثانی - شہاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسینی الألوسی - المتوفی:

۱۲۷۰ھ، الجزء ۴، صفحہ ۱۲۶) (مناہل العرفان فی علوم القرآن - محمد عبد

العظیم الزرقانی، الجزء ۲، صفحہ ۳۱۵) (شرح نہج البلاغہ - عبد الحمید بن

ہبة اللہ بن محمد بن الحسین بن أبی الحدید، أبو حامد، عزالدین، المتوفی:

۶۵۶ھ، الجزء ۱۰، صفحہ ۱۷۳)

(۳)..... (الامثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل - الشیخ ناصر مکارم الشیرازی



مدظلہ، الجزء ۱۴، صفحہ ۳۵۳)، (بحار الأنوار - علامہ مجلسی،

الجزء ۶، صفحہ ۲۵)، (جامع الاخبار) (پرتوی از اسرار

نماز، الجزء ۴، صفحہ ۲۲) (میزان الحکمة - الریشہری، الجزء ۲، صفحہ ۱۴۵)

(الانسان الكامل فی نهج البلاغة، الجزء ۱، صفحہ ۲)

(۴)..... (تفسیر نمونہ - جمعی از فضلا)

(۵)..... (مثنوی معنوی، بہ تصحیح: رینولد ا. نیکلسون، دفتر دوم، صفحہ ۳۲۸)

(۶)..... (سورہ مبارکہ کافرون، آیہ ۶)

(۷)..... (نهج البلاغة، حکمت ۳۱۲)

(۸)..... (مناجات شعبانیہ)

(۹)..... (مفاتیح الجنان)

(۱۰)..... (الصحيفة الكاملة السجادية، دعا ۱۵۵)

(۱۱)..... (الصحيفة الكاملة السجادية، دعا ۲۸)

(۱۲)..... (تسنیم تفسیر قرآن کریم - آیۃ اللہ جوادی آملی مدظلہ)

(قرآن و تبلیغ، الجزء ۲، صفحہ ۷)

(۱۳)..... (سورہ مبارکہ طہ، آیہ ۱۱۴)

(۱۴)..... (سورہ مبارکہ انبیاء، آیہ ۳)

(۱۵)..... (سورہ مبارکہ انشقاق، آیہ ۶)

(۱۶)..... (وسائل الشیعہ، الجزء ۱۶، صفحہ ۹۵)

(۱۷).....(وسائل الشیعة، الجزء ۱۶، صفحہ ۹۵)

(۱۸).....(سورۃ مبارکہ تکاثر، آیہ ۱)

(۱۹).....(سورۃ مبارکہ انبیاء، آیہ ۲، ۳، ۱)

(۲۰).....(سورۃ مبارکہ حجر، آیہ ۲، ۳)

(۲۱).....(وسائل الشیعة - الفقیہ المحدث الشیخ محمد بن الحسن الحر

العاملی، المتوفی سنۃ ۱۱۰۴ھ، الجزء ۲، صفحہ ۴۳۸) (الامثل فی تفسیر

کتاب اللہ المنزل - الشیخ ناصر مکارم الشیرازی، الجزء ۱۶، صفحہ ۲۱۷)

(تفسیر نور الثقلین، الجزء ۴، صفحہ ۵۰۰) (تفسیر نمونہ - جمعی از فضلا

(علوم طبیعت در قرآن) (الخصال، الجزء ۱، صفحہ ۵۹)

(۲۲).....(سورۃ مبارکہ حدید، آیہ ۲۰)

(۲۳).....(سورۃ مبارکہ عنکبوت، آیہ ۶۴)

(۲۴).....(سورۃ مبارکہ محمد، آیہ ۳۶)

(۲۵).....(سورۃ مبارکہ انعام، آیہ ۳۲)

(۲۶).....(سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۱۴)

(۲۷).....(سورۃ مبارکہ حجر، آیہ ۳۹)

(۲۸).....(سورۃ مبارکہ فتح، آیہ ۲۵)

(۲۹).....(سورۃ مبارکہ توبہ، آیہ ۱۰۸)

(۳۰).....(سورۃ مبارکہ احزاب، آیہ ۲۳)

- (۳۱)..... (نہج البلاغہ) (معانی الاخبار) (علیؑ علیہ السلام) من المہد الی اللحد) (علیؑ والخوارج) (الکافی - الکلینیؒ، الجزء ۵، صفحہ ۷) (در سرزمین تبوک - آیۃ اللہ جعفر سبحانی مدظلہ) (دعائم الاسلام، الجزء ۱، صفحہ ۳۳۹) (تفسیر القرآن الکریم - السید مصطفیٰ الخمینیؒ، الجزء ۳، صفحہ ۱۳۶) (میزان الحکمة - الریشہریؒ، الجزء ۱۰، صفحہ ۵۳۷) (مصباح الفقاہة - السید الخوئیؒ، الجزء ۱، صفحہ ۲۶۳) (منية الطالب - تقرير بحث النائين للخوانساريؒ، الجزء ۳، صفحہ ۳۷۱) (۳۲)..... (سورۃ مبارکہ واقعہ، آیہ ۷۹) (۳۳)..... (دیوان حافظ شیرازی، از روی نسخہ تصحیح شدہ علامہ محمد قزوینی، غزل ۲۳۲، صفحہ ۱۸۲)

فصل ادب چہارم

﴿تدبر در قرآن﴾

(حصہ اول)

- ۱) تدبر کا معنی
- ۲) تدبر اور حضور قلب دو علیحدہ مرحلے
☆ محو اور صحو کا فرق
- ۳) قرآن کے ظاہر میں مشغولیت تدبر میں مانع
- ۴) قرآن میں تکرار نہیں
- ۵) قرآن میں تدبر کی تاکید
- ۶) روایات میں تدبر کی تاکید
- ۷) تدبر کیلئے متدبر بننا شرط ہے
- ۸) متدبر انسان ہر چیز میں تدبر کرتا ہے
- ۹) جہاں بینی اور جہاں بانی میں فرق
- ۱۰) عالم اور عامی میں فرق
- ۱۱) ہم اہل تدبر کیوں نہیں ہیں؟
- ۱۲) اللہ کی نشانیوں سے اجنبی نہ بنیں
- ۱۳) قرآن کا اجنبیوں کیلئے پیغام

بحثِ آدابِ فہم قرآن میں صدر المتلھینؒ نے ادبِ چہارم تدبر ذکر کیا ہے۔

☆ الرابع: التدبر، وهو غير حضور القلب.....

آدابِ فہم قرآن میں ادبِ چہارم تدبر ہے، حضورِ قلب اور تدبر دونوں الگ چیزیں ہیں۔ پہلے بھی درج کیا تھا کہ یہ آداب پڑھ لینے سے فقط ان کی طرف توجہ ہو جاتی ہے لیکن جب ہم قرآن پڑھ رہے ہوں تو اس کے لئے عملی کوشش کی ضرورت ہے، یہ آداب عملاً ہمارے اندر ایجاد ہوں۔ اس کتاب میں فقط توجہ دلانا مقصود ہے اور کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اب جب کہ ہم نے اس بحث کو پڑھ لیا ہے تو لہذا آدابِ قرآن ہمارے اندر آ بھی گئے ہیں، نہیں بلکہ فقط ہماری توجہ آئی ہے۔

۱) تدبر کا معنی

تدبر در قرآن کی مبادی تصوری بحث میں اگر ہم غور کریں تو تدبر کا مفہوم کے لحاظ سے لغتاً یہ استعمال ہوتا ہے کہ کسی چیز کے اس پنہاں حصے تک پہنچنا کہ جس کے سامنے بہت سارے دوسرے حصے حائل ہوں یعنی تدبر، غور اور فکر کے ذریعے کسی حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کو کہا جاتا ہے۔ پردوں کے پیچھے پنہاں یا ظاہر کے پیچھے پنہاں حقیقت تک دسترس ہی کو تدبر کہتے ہیں، بعض چیزیں ترتیب کے ساتھ ہوتی ہیں، ایک سامنے کا حصہ ہوتا ہے، وسط کا حصہ ہوتا ہے اور پھر آخری حصہ ہوتا ہے، تہہ در تہہ امور ہوتے ہیں اور ان تہہ در تہہ امور میں انسان سامنے کے حصوں کو ہٹا کر آخری حصے تک رسائی پیدا کریں تو اس کو لغت میں تدبر کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں بھی تدبر اسی کو کہتے ہیں۔ دُور یا دُبر اس حصے کو کہتے ہیں کہ جو چھپا ہوا ہو، پیچھے ہو، پردوں کے پیچھے ہو اور بعض دیگر حصوں سے پنہاں حصوں کو یا

تدبر کا معنی

چھپے ہوئے مخفی حصے کو دبورا یاد رکھتے ہیں اور کاوش کر کے، کوشش کر کے اسی چھپے ہوئے حصے تک رسائی کو تدبر کہتے ہیں مثلاً بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں کہ جو نمایاں و روشن ہیں اور پنہاں نہیں ہیں لہذا یہ چیزیں محتاج تدبر بھی نہیں ہیں کیونکہ انہیں انسان سطحی نگاہ سے بھی دیکھ لیتا ہے اور ان کی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔

مثلاً جس طرح سطح زمین پر بہت ساری چیزیں ہیں جیسے سبزہ ہے، درخت ہیں، پتھر ہیں، ریت ہے یا انسان آسمان کی طرف نگاہ کرتا ہے تو ستارے ہیں، سورج ہے، چاند ہے، یہ ساری چیزیں بغیر پردے کے سامنے کا حصہ ہیں، ہر موجود کا ایک سامنے کا حصہ ہے اور سادہ نگاہ سے انسان انہیں دیکھ کر سمجھ جاتا ہے لہذا ان کو دیکھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بصر کی ضرورت ہے، سماعت کی ضرورت ہے یا حواس کے ذریعے سے فقط انسان کی توجہ کے محتاج ہیں تو ان کی حقیقت پلے پڑ جاتی ہے لیکن انہی ظاہری چیزوں کے پیچھے کچھ دیگر امور بھی ہیں مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ زمین کے اوپر ریت ہے، مٹی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اس مٹی اور ریت کے نیچے کچھ اور چیزیں بھی ہیں، عموماً زمین کے نیچے پانی موجود ہوتا ہے لیکن تہہ زمین اس کے اوپر آ کر اسے چھپائے ہوئے ہوتی ہے لہذا سطح ظاہر کو ہٹا کر زمین کے نیچے چھپے ہوئے پانی کو، پنہاں پانی تک پہنچنے کو تدبر کہتے ہیں۔ بعض حقیقتوں کے سامنے جسمانی پردے حائل ہیں کہ جنہیں انسان ہاتھوں سے ہٹاتا ہے اور پردوں کی تہہ کے نیچے یا پردوں کے پیچھے پنہاں حقیقت تک پہنچ جاتا ہے اور بعض اوقات غیر جسمانی طور پر کسی معنی و حقیقت تک پہنچتا ہے اور اسکے لئے ذہن کے ذریعے، فہم کے ذریعے اور تعقل و تفکر کے ذریعے وہ پردے

ہٹاتا ہے اور تہہ کے نیچے چھپی ہوئی حقیقت تک جا پہنچتا ہے۔ اسی طرح ضروری نہیں ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے حائل چیزیں کی ترتیب اوپر نیچے کی ترتیب ہو، ممکن ہے کہ ہم سطح ترتیب ہو مثلاً فرض کر لیں کہ بہت سارے پردے اور کپڑے لٹکا کر پیچھے کسی کو پنہاں کیا گیا ہے، پردوں کے پیچھے کوئی چھپا ہوا ہے لہذا ان پردوں کو ہٹا کر اس پیچھے موجود پنہاں چیز تک پہنچنا تدبر ہے۔

عموماً آج صنعتی دور میں یہ مطالب مثالوں کے ذریعے سمجھنا زیادہ آسان ہیں مثلاً اگر قیمتی چیز ہو یا ایسی چیز ہو کہ جو ٹوٹ سکتی ہے تو اسے کئی پردوں کے پیچھے پنہاں کرتے ہیں یعنی اسکی پیکنگ (Packing) کرتے ہیں اور انسان جو قیمت ادا کرتا ہے وہ بھی اسی کی ادا کرتا ہے کہ جو اندر چھوٹی سی چیز ہے لیکن بڑے کارٹن (Carton) میں اس کو باندھا ہوا ہوتا ہے، پیک کیا ہوا ہوتا ہے، اس کے اندر پھر ایک اور پیکنگ لگی ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ چیز نازک ہو تو تہہ در تہہ چند تہیں لگا کر اس کے اندر اس قیمتی چیز کو چھپا کر رکھا ہوتا ہے اور ہم بھی جب معاملہ کرتے ہیں، خرید و فروخت کرتے ہیں تو اسی چیز کی کرتے ہیں، کارٹن کی نہیں کرتے ہیں یا اس کی پیکنگ کی نہیں کرتے ہیں اور پھر آ کر اس کو کھولتے ہیں، اس کے حائل پردوں کو اتارتے ہیں اور اتار کر جب اس کے اندر دیکھتے ہیں تو وہ پنہاں اور پیچھے چھپی ہوئی چیز دبور یا دبور ہوتی ہے اور ہمارا اس تک پہنچنا تدبر ہے یعنی اصلی مقصود تک پہنچنا تدبر کہلاتا ہے۔

انسان کے تکلم اور کلام کے اندر بھی ایسا ہی ہوتا ہے، بعض اوقات انسان گفتگو کرتا ہے تو بہت ہی واضح اور روشن گفتگو کرتا ہے اور جو کچھ کہنا ہوتا ہے بالکل صاف کہہ دیتا ہے مثلاً ایک انسان



کو پیاس لگی ہے تو کہتا ہے کہ مجھے پانی چاہئے، یہاں صاف اس نے پانی کا نام لے لیا، یہاں کوئی چیز حائل نہیں ہے، پردوں کے پیچھے، الفاظ کے پیچھے، تعبیرات کے پیچھے کوئی مراد و مقصود چھپا ہوا نہیں ہے لیکن بعض اوقات انسان اس صراحت کے ساتھ اپنی مراد بیان نہیں کرتا ہے بلکہ کنایے اور استعارے کا استعمال کرتا ہے یا دیگر ادبی قواعد کا استعمال کر کے اپنے مقصود کو چند الفاظ کی تہہ کے پیچھے چھپا کر پیش کرتا ہے اور پھر لوگوں کے سامنے مثلاً شعر کی صورت میں بیان کرتا ہے۔

عموماً ایسے ہوتا ہے کہ ہم کتاب پڑھتے ہیں تو نثر میں آسانی سے بات سمجھ میں آ جاتی ہے لیکن شعر بہت کم لوگ سمجھتے ہیں حتیٰ اردو دان اور اردو بول چال والے بھی بعض اوقات اردو کا کوئی شعر نہیں سمجھ پاتے ہیں کہ اس شعر میں مقصود کیا ہے؟ مثلاً ہم فارسی بول چال لیتے ہیں، خرید و فروخت کر لیتے ہیں اور ٹیکسی میں ایڈریس (Address) بتا دیتے ہیں، کرایہ چکا لیتے ہیں، لڑائی جھگڑا بھی بعض اوقات کر لیتے ہیں لیکن اگر کوئی فارسی شعر مثلاً مولانا کا، حافظ کا یا سعدی کا کوئی شعر ہمارے سامنے پڑھ دے تو بااینکہ ہم فارسی بول لیتے ہیں لیکن ہم شعر میں مراد شاعر تک نہیں پہنچ سکتے ہیں، اسی طرح عربی شعر ہے مثلاً ممکن ہے کہ ہم صرف و نحو پڑھتے ہیں، لغت پڑھتے ہیں اور دیگر ادبیات پڑھتے ہیں لیکن عربی شعر کی مراد تک آسانی سے نہیں پہنچ سکتے ہیں، کیا فرق ہوتا ہے؟ حالانکہ وہ بھی اردو ہے اور یہ بھی اردو ہے، نثر میں لکھی ہوئی بھی اردو ہے اور بول چال والی بھی اردو ہے اور شعر بھی اردو ہے لیکن چونکہ شاعر نے ادبی قواعد کے استعمال کے ذریعے سے بظاہر تعبیریں استعمال کی ہیں، کنایے استعمال کئے ہیں اور اپنا اصل تخیل اس نے ان تشبیہات کے پیچھے پنہاں رکھا ہوا ہے، مراد

اصلی ان تشبیہات کے پیچھے مخفی ہے لہذا شعر میں تدبر کی ضرورت پڑتی ہے یعنی تعبیرات کے پردوں کے پیچھے چھپی ہوئی چیز یا اس چھپے ہوئے آخری حصے تک پہنچنے کو تدبر کہتے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں بھی ایک ظاہر قرآن مجید ہے، الفاظ قرآن مجید ہیں لیکن ان الفاظ کے پیچھے معانی ہیں اور باطن قرآن ہے۔ ایک ظاہر قرآن ہے اور ایک باطن قرآن ہے، حقیقت قرآن و مراد اصلی ذات خداوند تبارک و تعالیٰ یا ہدایت حقیقی جو قرآن کا اصلی مقصود ہے اس تک انسان تدبر کے ذریعے ہی پہنچ سکتا ہے۔ اگرچہ قرآن کا اسلوب یہ ہوتا ہے کہ جیسے عام بول چال کا اسلوب ہے کہ ہر چیز واضح، اور صاف و شفاف بیان کر دی جائے، اس صورت میں قرآن تدبر کا محتاج نہیں ہے، یہی الفاظ ہیں، یہی پڑھنا اور یہی قرأت کرنا ہے۔ ان الفاظ کے پیچھے کچھ اور پنہاں چیز نہیں ہے لیکن قرآن نے چونکہ خود دعوت تدبر و عقل دی ہے،

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (۱)

اس میں بھی صاحبان عقل کے لئے بڑی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔

وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (۲)

اور ہم نے اس بستی میں سے صاحبان عقل و ہوش کے لئے گھلی ہوئی نشانی باقی رکھی ہے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ (۳)

یعنی انہوں نے قرآن میں تدبر کیوں نہیں کیا؟

أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝



یا ان کے دلوں میں قفل پڑے ہوئے ہیں؟

اور دوسری طرف سے روایات میں بھی ہے کہ

إِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَهْرًا وَ بَطْنًا وَ لِبَطْنِهِ بَطْنًا إِلَى سَبْعَةِ أَبْطُنٍ..... (۴)

بیشک قرآن کیلئے ظاہر ہے اور باطن ہے اور ہر باطن کیلئے باطن ہے، یہاں تک کہ سات باطن ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس ظاہر سے باطن تک پہنچنے کے لئے تدبر کی ضرورت ہے، الفاظ ایک ظاہری سطح ہیں، ایک تہہ ہیں اور الفاظ کے بعد معانی ظاہریہ کی ایک اور تہہ ہے اور ان معانی ظاہریہ کے پیچھے حقائق حقیقی و مقصود اصلی قرآن کی ایک اور تہہ ہے، اس تہہ تک پہنچنا، ان ظواہر کے پردوں کو ہٹا کر مقصود تک پہنچنا اصطلاح میں یا لغت میں تدبر کہلاتا ہے۔

۲) تدبر اور حضورِ قلب دو علیحدہ مرحلے

پس اگر انسان قرآن کی خدمت میں آئے کہ عظمتِ کلامِ خدا کی طرف بھی متوجہ ہو، تطہیرِ قلب بھی کر لے اور حضورِ دل بھی ہو اور قرآن ہی سے سروکار ہو، فرض کر لیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی توفیق نصیب ہوگئی کہ حضورِ قلب کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے یعنی جب قرآن پڑھ رہا ہوتا ہے تو فقط قرآن کی طرف متوجہ ہے اور غیر قرآن کی طرف متوجہ نہیں ہے، الہا میں مشغول نہیں ہے، لہو نہیں ہے، سرگرمی نہیں ہے، تعلقات اس نے سارے ختم کر دیئے ہیں اور محدود قرآن

ہے، یہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن درعین حال تذکرہ بھی نہیں ہے یعنی متوجہ اور محو ہے لیکن فقط تعبیرات قرآن کی طرف اور الفاظ قرآن کی طرف توجہ ہے، جس طرح عموماً جن لوگوں نے قرآن کے ظواہر یا قرآن کے الفاظ پہ بہت ساری زحماتیں کی ہیں، فرض کر لیں معجم جس شخص نے لکھی ہے، اب تو کئی معجم آگئی ہیں، قرآن کے الفاظ تلاش کرنے کے لئے یا آیات جستجو کرنے کیلئے جو زحماتیں کی گئی ہے، وہ موضوعاتی ہیں یا ترتیبی ہیں یا مثلاً الف، ب کے اعتبار سے جو معجم ترتیب ہوئی ہیں یہ مختلف قسم کی فوق العادۂ زحمت ہے، ان لوگوں نے معمولی کام نہیں کیا ہے، آج یہی کام کمپیوٹر کے ذریعے کریں تو وقت لگتا ہے درحالیکہ یہ ان لوگوں نے ان ایام میں زحمت کی ہے کہ جب ابھی کمپیوٹر نامی کوئی چیز ایجاد بھی نہیں ہوئی تھی، کس وقت کے ساتھ انہوں نے الفاظ قرآن پہ غور کر کے تعداد الفاظ شمار کئے ہیں کہ کتنی دفعہ قرآن میں لفظ اللہ استعمال ہوا ہے ان ساری آیات کو الگ کرنا، کتنی دفعہ مثلاً لفظ رحمٰن استعمال ہوا ہے ان آیات کو الگ کرنا، کتنی بار رحیم استعمال ہوا ہے ان آیات کو الگ کرنا، کام آپ کے سامنے ہے یہ معمولی کام نہیں ہے بلکہ غیر معمولی کام ہے اور بغیر حضور کے، بغیر توجہ کے اور بغیر قطع تعلق کے یہ کام ہونے والا نہیں ہے۔

☆ محو اور صحو کا فرق

☆ محو اور صحو کا فرق

قرآن کے مطالعے کے لئے حالت محو ضروری ہے۔ محو اور صحو عرفان کی دو اصطلاحیں ہیں۔ محو کہتے ہیں لا تعلق ہو کر کسی امر کے اندر، عبادت کے اندر، مطالعے کے اندر یا کسی اور چیز کے

اندر فقط یک سو ہو جانا اور صحواں کو کہتے ہیں کہ اس حالت سے باہر آ کر پھر تعلقات کی دنیا میں آ جانا، بعض اوقات انسان محو ہوتا ہے اور کبھی محو کی حالت سے باہر نکل کر حالتِ صحو میں آ جاتا ہے، مطالعہ اگر محو کی حالت میں ہو تو ذہن حاضر ہوتا ہے، بات سمجھ میں آرہی ہوتی ہے، پلے پڑ رہی ہوتی ہے لیکن جب انسان صحو کی حالت میں مطالعہ کر رہا ہو یعنی تعلقات بھی ہوں، ہر طرف توجہ بھی ہو اور مطالعہ بھی ہو تو یہ مطالعہ نہیں ہوتا ہے، اس سے مطلب سمجھ میں نہیں آتا ہے، اول سے آخر تک صفحہ پڑھ جاتے ہیں لیکن معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس صفحے میں کیا پڑھا ہے؟ کس موضوع کا صفحہ تھا؟ حالانکہ اس کو پڑھا ہے، اس کے سارے الفاظ دہرائے ہیں اور شاید ہم نے تلفظ بھی کیا ہو لیکن درعین حال ہمارا ذہن متوجہ نہیں ہے کہ اس صفحے میں کیا کچھ درج ہے۔ پس دل کو حاضر رکھنے کے حالتِ محو ضروری ہے۔

☆ محو اور صحو کا فرق

مثلاً اگر انسان متوجہ نہ ہو اور محو در قرآن نہ ہو تو مطالعہ قرآن میں ممکن ہے کہ بعض آیات میں لفظ اللہ استعمال ہوا ہو اور بے توجہی کی وجہ سے وہ آیت گزر جائے اور انسان اُس کو اس کالم میں درج نہ کر سکے، جیسا کہ سطحی اور سرسری انسان کرتے ہیں کہ ان کی نظروں سے وہ آیت گزر جاتی ہے اور یہ دقت نہیں کرتے ہیں، پس یہ ان کا حضور تھا، حضورِ ذہن کے ساتھ اور حضورِ قلب کے ساتھ یہ مجسم تدوین ہوئی ہے، اسی طرح جن لوگوں نے مثلاً اعراب قرآن لکھے ہیں وہ ان کا حضورِ ذہن اور ان کا حضورِ قلب تھا یعنی ساری توجہ الفاظ قرآن پہ مرکوز کی ہے، متمرکز کی ہے تب جا کر انہوں نے اعراب قرآن لگائے ہیں یا اسی طرح جنہوں نے دیگر ادبی حوالے سے قرآن کے لئے خدمات انجام دی ہیں مثلاً جنہوں نے قرآن کے قواعد تجوید، قواعد قرأت و قواعد دیگر تدوین کئے ہیں، کس دقت کے

ساتھ انہوں نے آیات کے اوپر علامتیں لگائی ہیں، چند حروف کے بعد ایک علامت ہے پھر چند کلمات کے بعد ایک اور علامت ہے، ایک ہی آیت کے اندر کئی علامتیں ہیں اور وہ بھی اس وقت کے ساتھ کہ ہر علامت اپنے محل میں ہو، بے محل نہ ہو مثلاً کہاں وقف ہے؟ کہاں وقف لازم ہے؟ کہاں وقف مطلق ہے؟ کہاں وقف جائز ہے؟ کہاں وقف مرخص ہے؟ کہاں وقف مجوز ہے؟ کہاں وقفہ ہے؟ اور کہاں سکتہ ہے؟ یہ ساری علامتیں وضع کرنا بغیر توجہ مرکوز کئے اور بغیر حضورِ ذہنی کے ہرگز ممکن نہیں تھا لیکن یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی قرآن کے اندر تدبر نہیں ہے، اس کام کو تدبر نہیں کہتے ہیں۔

فرض کریں کہ یہ قاری حضرات جو بڑا خوبصورت قرآن پڑھتے ہیں، اس طرح سے کہ لوگ ان کی صوت یا لحن کی وجہ سے قرآن کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور آداب تلاوت قرآن و آداب قرأت قرآن میں بھی ہے کہ اچھی آواز میں قرآن پڑھو، بھونڈی آواز میں نہ پڑھو کہ لوگ سن کر بیزار ہو جائیں، حتیٰ روایت میں بھی کہا گیا ہے کہ مؤذن ہمیشہ خوش لحن مؤذن ہونا چاہئے، خوش آواز مؤذن ہونا چاہئے تاکہ لوگ اذان کی آواز سن کر مسجد کی طرف اور نماز کی طرف راغب ہوں، اس کی آواز کے اندر کشش ہو، جاذبہ ہو، اس کے اندر طرب نہ ہو، لعب نہ ہو، انسان اس قسم کی اذان دے، اسی طرح قرآن کیلئے بھی روایت میں ہے کہ اچھی آواز میں پڑھو، جب بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہو تو اچھی آواز میں پڑھو تاکہ لوگوں میں قرآن کیلئے جاذبہ پیدا ہو اور کشش پیدا ہو۔

۳) قرآن کے ظاہر میں مشغولیت تدبر میں مانع

یہی قاری حضرات جو محنت و مشقت کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آسانی سے آدابِ قرأت و آدابِ تلاوت نہیں آتے ہیں، اس کے لئے انسان کو چند سال محنت کرنی پڑتی ہے پھر جا کر تلاوت میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے، یہی سورہ جو ہم ان سے سادگی سے سن لیتے ہیں اس ایک سورہ کو پڑھنے کے پیچھے اُن کی کئی سال کی زحمت کا رفرما ہوتی ہے، جیسے یہاں ہم حوزے میں دیکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص کو مجتہد بننا ہے تو کم از کم بیس سے تیس سال تک وہ درس پڑھتا ہے، محنت کرتا ہے اور دقت کرتا ہے پھر جا کر ملکہ اجتہاد اس کے اندر پیدا ہوتا ہے، اسی طرح سے ایک قاری بھی کم از کم دس سے پندرہ سال محنت کرتا ہے پھر جا کر اس استاد کی درجے پر فائز ہوتا ہے، فوق العادۃ محنت کرنی پڑتی ہے لیکن درعین حال ساری توجہ فقط الفاظ کی ادائیگی میں ہے، وقف میں ہے اور مخارج میں ہے اور ان چیزوں میں ہے کہ بعد میں اس کو مفصل ذکر کریں گے کہ یہ امور اگر افراط میں ہوں تو قرآن پڑھنے کے اندر کیا اثر ظاہر ہوتا ہے۔

قرآن کے ظاہر میں مشغولیت تدبر میں مانع

یہ آداب تو ملحوظ ہیں کہ ہر چیز سے منقطع ہو کر حضورِ ذہن و حضورِ دل کے ساتھ آتے ہیں اور یہ فنون قرآن کے اندر سیکھتے ہیں لیکن درعین حال تدبر نہیں ہے، یہ قرأتِ قرآن بدون تدبر ہے یا فرض کر لیں کہ حفاظ جب قرآن حفظ کرتے ہیں تو وہ بھی آسان کام نہیں ہے، مشکل کام ہے پھر ترتیب کے ساتھ حفظ کرنا اور پھر آج کل حفظ کے اندر جو نئے اور جو مزید اضافات ہوئے ہیں، اختراعت و ایجادات کہ حفظ کرنا ہے تو ان خصوصیات کے ساتھ حفظ کرنا ہے اس نے حفظ کے امر کو اور مشکل تر

کر دیا ہے، حفظ کرنے کیلئے فوق العادۂ زحمت چاہئے اور لوگ کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ حضورِ دل نہ ہو، حضورِ ذہن نہ ہو، تمرکز نہ ہو تو حفظ نہیں ہو سکتا ہے، ایک ایسا انسان کتنی دفعہ تکرار کرے تاکہ ذہن میں بیٹھ جائے، حفظ ہو جائے، پھر اس کا دورہ کرنا، جو لوگ مشغول ہیں انہیں پتہ ہے کہ کتنی زحمت چاہئے؟ ان کا کاروبار زندگی بالکل ٹھپ ہو جاتا ہے، وہ صرف حافظ رہتے ہیں اور کسی کام کے نہیں ہوتے، حفظ میں مشغول ہوتے ہیں اور باقی ساری چیزیں بھول جاتے ہیں، زندگی بھول جاتے ہیں، گھر بار بھول جاتے ہیں، تعلقات بھول جاتے ہیں حتیٰ باقی دروس بھی بھول جاتے ہیں۔ اس ترتیب کے ساتھ قرآن کو حفظ کرنا بہت سنگین کام ہے لیکن کرتے ہیں، بغیر توجہ اور بغیر تمرکز کے یہ کام نہیں ہو سکتا ہے، حضورِ دل کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا ہے، اگر انسان متوجہ نہ ہو اور حفظ کر رہا ہو مثلاً تخیل کہیں اور زبان پر تکرار کسی اور آیت کی کر رہا ہو تو حفظ نہیں ہوتا ہے، حضورِ دل چاہئے، درعین حال تدبر بھی نہیں ہوتا ہے چونکہ سارا زور حفظ میں ہے کہ یہ ذہن میں بیٹھ جائے، الفاظ و عبارات قرآن میرے ذہن میں بیٹھ جائیں، پس اصلاً تدبر نہیں ہوتا ہے، کیوں؟ کیونکہ فقط اس ظاہر کے ساتھ مشغول ہے درحالیکہ قرآن ہمیں فہم قرآن کے لئے دعوتِ تدبر دیتا ہے یعنی انسان ان ظواہر سے آگے بڑھے اور ان ظواہر کے جو پیچھے جو بہت ساری حکمتیں پوشیدہ ہیں، ان ظواہر کے پیچھے جو نورانیت موجود ہے، جو حقیقت موجود ہے، جو ہدایت موجود ہے ان تک پہنچے۔

اگر حفظ کے لئے کہا بھی گیا ہے تو اس وجہ سے کہ قرآن کا حافظ آسانی سے تدبر کر سکتا ہے چونکہ سارا قرآن یکجا اس کے سینے میں موجود ہوتا ہے، حافظ کے لئے تدبر کرنا بہت آسان ہے چونکہ

قرآن کے ظاہر میں مشغولیت تدبر میں مانع

جب انسان آیات میں غور کر رہا ہوتا ہے اور حقیقتِ آیات تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو سارا قرآن حاضر ہے اور اس کے سامنے موجود ہے، حفظ مقدمہ ہے مقصد نہیں ہے، درست قرأت کر لینا تذہن قرآن کے لئے مقدمہ ہے کیونکہ بعد میں آپ نے قرآن کے اندر تذہن کرنا ہے، جس انسان کو قرآن حفظ نہ ہو تو اس کے لئے مشکل ہوتا ہے، ممکن ہے ایک آیت کے اندر غور کر رہا ہو اور دوسری آیت سے غافل ہو اور یہی مضمون آیہ دیگر میں موجود ہو لیکن اس کے ذہن میں نہیں ہے لیکن حافظ کے لئے یہ سب کچھ کرنا بہت آسان ہے، پس علاوہ تلاوت و قرأت و حفظ و دیگر امور کے کہ جن کا تعلق ظاہر قرآن کے ساتھ ہے تذہن اس ظاہر کے پیچھے چھپی ہوئی چیز تک پہنچنا ہے، حکمت تک پہنچنا ہے۔ پس قرآن ہمیں خود دعوتِ تذہن دے رہا ہے اور تذہن کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

۴) قرآن میں تکرار نہیں

متعدد آیات میں قرآن مجید میں ہمیں تذہن کی دعوت دی گئی ہے، اگر ان آیات کا ایک مختصر

جائزہ لیتے ہیں۔ سورہ مبارکہ نساء میں آیہ ۸۱ اور ۸۲ میں ہے کہ

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ

وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ أَفَلَا

يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝

اور یہ لوگ پہلے اطاعت کی بات کرتے ہیں، پھر جب آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو ایک گروہ اپنے قول کے خلاف تدبیریں کرتا ہے اور خدا ان کی ان باتوں کو لکھ رہا ہے، آپ ان سے اعراض کریں اور خدا پر بھروسہ کریں اور خدا اس ذمہ داری کے لئے کافی ہے۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں کہ اگر وہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف ہوتا۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ.....

کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں؟ تدبر غیر از تفکر ہے، تدبر اور تفکر میں فرق ہے، ممکن ہے کہ مصداق میں ایک جگہ باہم مل جائیں یعنی ایک ہی مطلب میں انسان تفکر بھی کر رہا ہے اور اس میں تدبر بھی کر رہا ہے، یہ ذہن میں رکھیں کہ کبھی بھی الفاظ مترادف نہیں ہیں، خصوصاً عربی جیسی فصیح لغت میں الفاظ مترادف نہیں ہیں، جو الفاظ ہم مترادف سمجھتے ہیں ان کی اپنی خصوصیات ہیں کہ جو منفرد ہیں اور اسی لفظ کے ساتھ مخصوص ہیں یعنی دوسرے لفظ کے ساتھ وہ خصوصیات نہیں ہیں، مثلاً اردو میں ہم سارے الفاظ کا ایک ہی معنی سمجھتے ہیں، غور، خوض، غوص، تدبر، تفکر، تعقل، تأمل، ہم سب الفاظ کا ایک ہی معنی سمجھتے ہیں چونکہ اردو کا دامن تنگ ہے اور اردو کے پاس اتنے الفاظ نہیں ہیں، ہم سب کا معنی کرتے ہیں سوچنا درحالیکہ غور اور چیز ہے، خوض اور چیز ہے، غوص اور چیز ہے، تدبر اور چیز ہے، تعقل اور چیز ہے اور تأمل اور چیز ہے، ان میں خصوصیات کا فرق ہے۔

اس وقت ہماری بحث تذبر در قرآن کے حوالے سے ہے اور قرآن میں تدبر کو موضوعیت حاصل ہے کہ تذبر در قرآن کریں، اب اس کا یہ معنی یہ نہ کریں کہ تفکر در قرآن حالانکہ قرآن نے تفکر کی

بھی دعوت دی ہے اور اہل تفکر اور اہل تذکرہ و طبقات مشخص کئے ہیں لیکن یہاں پر قرآن میں فرمایا کہ تذکرہ کیوں نہیں کرتے ہیں؟ مثلاً فرض کر لیں کہ بعض کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قرآن میں تکرار بہت ہے اور فراواں تکرار ہے، یہی وہ طبقہ ہے کہ جو تذکرہ نہیں کرتا ہے، اگر تذکرہ قرآن کرے تو پتہ چلے گا کہ قرآن میں تکرار موجود نہیں ہے، تکرار کیسے لگتی ہے؟ بظاہر الفاظ ہمیں لگتے ہیں کہ یہ جملہ پہلے بھی استعمال ہوا تھا اور یہی جملہ پھر استعمال ہو رہا ہے، یہ لفظ پہلے بھی استعمال ہوا تھا اور یہی لفظ دوبارہ استعمال ہو رہا ہے، یہی انسان جو مجسم کی طرح دیکھتا ہے یا مجسم سے قرآن دیکھتا ہے کہ ایک لفظ کئی دفعہ آیا ہے، اللہ قرآن میں کئی دفعہ استعمال ہوا ہے، تکرار ہوا ہے، مرحوم علامہ طباطبائیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن میں بسم اللہ تکرار نہیں ہوئی ہے مثلاً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایک سو چودہ دفعہ بسم اللہ آئی ہے، آیا یہ مکرر ہے؟ فرماتے ہیں کہ نہیں ایک سورہ میں بھی مکرر نہیں ہے، ایک جگہ بھی یہ آئے مکرر نہیں ہے، بسم اللہ تکرار نہیں ہوئی ہے، بسم اللہ جو فاتحہ کے آغاز میں ہے یہ اور بسم اللہ ہے، بسم اللہ جو بقرہ کے آغاز میں ہے یہ اور بسم اللہ ہے، بسم اللہ جو سورہ آل عمران میں ہے یہ اور بسم اللہ ہے، سورہ نساء میں الگ بسم اللہ ہے لیکن جو تذکرہ نہیں کرتا ہے وہ کہتا ہے کیا فرق ہے؟ یہ وہی بسم اللہ ہے، یہ ب و ہی ب ہے، یہ اسم رحمٰن وہی رحمٰن ہے، یہ رحیم وہی رحیم ہے لیکن جو تذکرہ قرآن کرتا ہے اس کے لئے مکرر نہیں ہے، اسی لئے قرآن نے کہا کہ تذکرہ کریں، اگر یہاں پر

سورہ مبارکہ نساء کی آیہ ۸۲ میں ہے کہ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا

کثیراً

کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں کہ اگر وہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں

بڑا اختلاف ہوتا۔

اگر قرآن میں تدبر کرو تو ایک چیز آپ کے لئے ثابت ہو جائے گی اور وہ یہ ہے کہ قرآن میں اختلاف و تضاد و تعارض نہیں ہے، آیات قرآن ٹکراتی نہیں ہیں، ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتی ہیں، قرآن کے اندر اختلاف نہیں ہے، قرآن کے اندر تضاد نہیں ہے، اسی طرح قرآن کے اندر اگر تدبر کرتے تو معلوم ہوتا کہ لا تکرار فی القرآن، اصل میں قرآن میں تکرار نہیں ہے اور سب سے زیادہ تکرار ہونے والی آیہ بسم اللہ ہے لیکن اصحاب تدبر فرماتے ہیں کہ بسم تکرار نہیں ہوئی ہے، ہر آیت میں بسم اللہ کا الگ معنی ہے، اگر یہ کوئی معمولی سا ذکر کہتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ ایسے ہی اس نے ایک چٹکلا چھوڑا ہے لیکن جب علامہ طباطبائیؒ کہ جس شخص کی عمر قرآن میں گزری ہے یا قرآن کے سائے میں گزری ہے اور قرآن کی خدمت میں گزری ہے، ایک قرآنی انسان علامہ طباطبائیؒ نے یہ بات ہمیں بتائی ہے، واقعا وہ قرآنی انسان ہیں، آداب میں قرآنی ہیں، اخلاق میں قرآنی ہیں، فکر میں قرآنی ہیں، سوچ میں قرآنی ہیں، زندگی میں قرآنی انسان ہیں، پوری حیات علامہ کی قرآن کے مطابق بسر ہوئی ہے، انہیں اللہ نے نورانی زندگی نے دی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰٓةً طَيِّبَةً

قرآن میں تکرار نہیں

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۵)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو ہم اسے پاکیزہ حیات عطا کریں گے اور انہیں ان اعمال سے بہتر جزا دیں گے جو وہ زندگی میں انجام دے رہے تھے۔

اگر انسان عمل صالح کریں تو انہیں حیات طیبہ نصیب ہو جاتی ہے، یہ قرآن کا نتیجہ ہے، یہ شخصیت بیان فرما رہی ہے کہ بسم اللہ قرآن میں تکرار نہیں ہوئی ہے، یہ تذکرہ سے معلوم ہو جاتا ہے، اگر ہم بھی تذکرہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ بسم اللہ تکرار نہیں ہوئی ہے لیکن الفاظ وہی الفاظ ہیں، تذکرہ یعنی بسم اللہ کے پیچھے حقیقت، بسم اللہ کے پیچھے موجود معنی، بسم اللہ کے پیچھے موجود حکمت، بسم اللہ کے پیچھے موجود جہت مختلف ہے اور ہر آیت میں مختلف ہے اور بسم اللہ اس لئے بھی نہیں ہے کہ جیسے اہل سنت سمجھتے ہیں چونکہ قرآن پڑھنا ایک اچھا کام ہے لہذا ہر اچھا کام بسم اللہ سے شروع ہونا چاہئے لہذا یہ قرآن کا حصہ نہیں ہے، یہ کہتے ہیں کہ یہ ادب ہے کہ قرآن پڑھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھو، کہیں بھی نہیں ہے کہ قرآن سے پہلے بسم اللہ پڑھو بلکہ یہ ہے کہ قرآن سے پہلے اعوذ باللہ پڑھو،

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (۶)

لہذا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان رجیم کے مقابلے کے لئے اللہ سے پناہ طلب کریں۔

مثلاً فرض کریں کہ آپ ایک پورا جُز قرآن پڑھتے ہیں، تیسواں جز پڑھتے ہیں اور آغاز میں

ایک دفعہ بسم اللہ پڑھ لی تو اب ہر سورہ میں تکرار کیوں کروں؟ اچھا کام ایک دفعہ شروع کر دیا، بار بار تو شروع نہیں ہوتا ہے، اگر آپ تیسواں پارہ پڑھ رہے ہیں اور ہر صفحے میں دو دفعہ یا تین دفعہ بسم اللہ تکرار کرنا پڑ رہی ہے، کیوں پڑھیں؟ کیونکہ یہ جزو قرآن ہے اور ہر جگہ اس کا ایک خاص معنی ہے، یہ ہمیں تدبر سے معلوم ہوگا۔

۵) قرآن میں تدبر کی تاکید

سورہ مومنون میں آیات ۶۶، ۶۷، ۶۸ اور ۶۹ میں ہے کہ

قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تُنْكِصُونَ ۝

جب ہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو تم اٹے پاؤں واپس چلے جا رہے

تھے۔

مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ۝

اکڑتے ہوئے، قصہ کہتے اور بکتے ہوئے۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۝

کیا ان لوگوں نے ہماری بات پر تدبر نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی چیز آگئی ہے جو ان کے

باپ دادا کے پاس بھی نہیں آئی تھی۔

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝

یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا ہی نہیں ہے اور اسی لئے انکار کر رہے ہیں۔

بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو سرسری طور پر سن کر ہرگز اس کلام کے پیچھے موجود حقیقت کی طرف جانے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔

سورہ ص آیہ ۲۹ میں ہے کہ

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور صاحبانِ عقل نصیحت حاصل کریں۔ یہ مبارک کتاب ہم نے آپ پر اتاری ہے، کس لئے اتاری ہے؟

لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ.....

تاکہ اس کی آیات میں تدبر کریں، تاکہ وہ اس کی آیات کی تہہ میں موجود مطالب تک پہنچیں،

لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

لیکن یہ نکتہ کس کو سمجھ میں آئے گا؟ اولی الالباب کو، اولی الالباب کے بارے میں ابھی

تحریر ہوگا، اولی الالباب کا تدبر کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور آیہ دیگر سورہ مبارکہ محمد ﷺ میں ہے،

اس میں بعض طبقات کا ذکر کر کے آیہ ۲۴ میں فرمایا کہ

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝

تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی تدبر نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں میں قفل پڑے ہوئے

ہیں؟

بصورتِ مانعۃ الخلو ان کے دلوں پہ تالے پڑے ہوئے ہیں یعنی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہے کہ یا دلوں پہ تالا ہے یا پھر انہوں نے تدبر نہیں کیا ہے، اگر دل پہ تالا ہو کہ جیسے پہلے بحث کر آئے ہیں کہ دل ناپاک ہو، آلودہ دل ہو تو اس آلودہ دل یا بیمار دل کی ایک حالت یہ ہے کہ دل مقفل ہو جاتا ہے، دل پر تالا پڑ جاتا ہے، تالا علامت ہے یعنی جو چیز بند کر دی جائے، جس جگہ ورود و خروج ممنوع ہو اس کو تالا لگا دیتے ہیں، اس کمرے میں آ اور جا نہیں سکتے ہیں، اس مدرسے میں آ اور جا نہیں سکتے ہیں جیسے اکثر مومنین کی مسجدوں کو تالا لگا ہوتا ہے کہ کوئی اندر آ اور جا نہیں سکتا ہے، کوئی نمازی نہ اندر آ سکتا ہے نہ باہر جا سکتا ہے، آیا دلوں پہ تالے ہیں کہ کوئی چیز اندر نہیں جا رہی ہے اور دل کہیں نہیں جا رہا ہے چونکہ تالا جس دل پہ ہو تو نہ اس دل میں کوئی چیز جاتی ہے، نہ دل کسی طرف جاتا ہے، نہ دل کسی مطلب کی تہہ تک جاتا ہے اور نہ کوئی مطلب دل کی تہہ میں اترتا ہے چونکہ اس کے اوپر تالا پڑا ہوا ہے یا یہ کہ انہوں نے قرآن کے اندر تدبر نہیں کیا ہے۔

روایات میں تدبر کی تاکید

۶) روایات میں تدبر کی تاکید

معصومین علیہم السلام کی روایات میں کثرت سے اسی تدبر کے بارے میں ذکر ہوا ہے، البتہ مختلف

مواد کے تحت مختلف جملات ہیں، اسی تعبیر تدبر کے ساتھ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ

آلا.....

یہ خبردار کرنے کے لئے ہے یعنی توجہ دلانے کے لئے ہے، آلا یعنی جان لو، متوجہ رہو، خبردار

رہو،

آلا لَا خَيْرَ فِي قِرَاءَةٍ لَا تَدَبَّرُ فِيهَا..... (۷)

آگاہ رہو! جس قرأت میں تدبر نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

یعنی ایسا قرآن پڑھنا کہ جس کے اندر تدبر نہ ہو اس کے اندر کوئی خیر نہیں ہے، دوسری بہت ساری چیزیں ہیں جو انسان کو مل جاتی ہیں لیکن خیر نہیں ہے، ایسی قرآن خوانی کے اندر کوئی خیر نہیں ہے کہ جس کے اندر تدبر نہ ہو۔

وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَا فِقْهَ فِيهَا وَلَا فِي قِرَاءَةٍ لَا

تَدَبُّرَ فِيهَا..... (۸)

امام علیؑ ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں: اس عبادت کا کوئی فائدہ نہیں جس میں غور و فکر نہ ہو اور

نہ اس قرأت میں کہ جس میں تدبر نہ ہو.....

اس عبادت میں بھی کوئی خیر نہیں ہے کہ جس کے اندر تفقہ نہ ہو، تفقہ یعنی فہم، یہ قرآنی

اصطلاح ہے، تفقہ یعنی حقیقتِ دین کو سمجھنا، دین شناسی، قرآن شناسی، توحید شناسی، اس شناخت

اور اس فہم کو تفقہ کہتے ہیں، جس عبادت کے اندر تفقہ نہ ہو اس عبادت کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس کے

اندر خیر نہیں ہے اور یہ روایت بھی امیر المومنین علیؑ ہی سے ہے کہ

تَدَبَّرُوا آيَاتِ الْقُرْآنِ وَ اعْتَبِرُوا بِهِ فَإِنَّهُ أُبْلَغُ الْعِبَرِ..... (۹)

قرآن مجید کی آیات میں تدبر کرو اور ان کے ذریعے عبرت لے لو بے شک یہ سب سے

زیادہ عبرت والی ہیں.....

یعنی قرآنی آیات بہترین، بالغ ترین اور رساترین عبرتیں ہیں اور روایت دیگر میں ہے،

حتیٰ روایت دیگر پیغمبر اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ سے ایک

شخص نے آکر پوچھا کہ میں کتنے دنوں میں قرآن پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین مہینوں

میں، اس نے کہا کہ میں اس سے بھی جلدی پڑھ سکتا ہوں، فرمایا کہ مثلاً ایک مہینے میں، اس نے کہا کہ

میں اس سے بھی زیادہ جلدی پڑھ سکتا ہوں، کہا کہ ایک ہفتے میں، اس نے کہا کہ میں پڑھ سکتا ہوں

یعنی میری صحت ٹھیک ہے، فرصت بھی ہے، فارغ آدمی ہوں اس سے بھی زیادہ جلدی پڑھ سکتا

ہوں، فرمایا کہ نہیں اس سے زیادہ جلدی کی اجازت نہیں ہے، کیوں؟ کیونکہ مقصود فقط قرآن کے

الفاظ زبان سے دہرانا نہیں ہے بلکہ ان کے اندر تدبر بھی کرنا ہے اور اس تدبر کے لئے تجھے فرصت

چاہئے، ایک ہفتے سے کم عرصے میں جب تو قرآن ختم کرے گا تو اس کے اندر تدبر کیسے کرے گا؟

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

فَإِنَّهُ لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَهُ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ..... (۱۰)

یعنی بے شک جو انسان تین دن سے پہلے قرآن ختم کرے وہ قرآن سے کچھ نہیں سمجھ سکتا

ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے بہت سرعت سے قرآن پڑھنا پڑے گا، اتنا طوطے کی طرح تیز تیز اور فر فر

پڑھنا پڑے گا کہ اصلاً تدبر اور تفکر و فہم کی اس کو فرصت ہی نہیں ملے گی جیسے عموماً مقابلوں میں ہوتا ہے، سات منٹ میں پارہ پڑھنا عالمی ریکارڈ ہے، اس وقت معلوم نہیں کہ اب ٹوٹا ہے یا نہیں ٹوٹا ہے، اس جدید ڈیجیٹل (Digital) دور میں مزید مقابلے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ کسی نے اگر سات منٹ میں پڑھا ہے تو کسی نے کچھ سیکنڈ اس میں کمی کر دی اور دوسرا اس سے بھی کچھ سیکنڈ اور کم کرتا ہے، سات دنوں میں اگر کوئی پارہ کھول کر پڑھے تو مشکل سے سمجھ میں آتا ہے چہ جائیکہ سات منٹ میں انسان پورا پارہ پڑھے، اس میں تدبر نہیں ہو سکتا ہے، قرآن ہر گز اجازت نہیں دیتا ہے، یہ قرآن کے ساتھ بے ادبی ہے۔ بغیر تدبر کے جو قرآن ثواب کے لئے اور برکت کے لئے اور معلوم نہیں کن کن چیزوں کے لئے پڑھا جاتا ہے آیا اس میں کوئی خیر ہے یا نہیں ہے؟ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی خیر نہیں ہے۔

تدبر کیلئے متدبر بننا شرط ہے

۷) تدبر کیلئے متدبر بننا شرط ہے

تدبر در قرآن کے لئے خود انسان کو پہلے متدبر بننا پڑے گا، یوں نہیں ہے کہ آج سے ہم قرآن میں تدبر کرنا شروع کر دیں درحالیکہ ہم خود متدبر نہیں ہیں مثلاً انسان تعقل شروع کرے درحالیکہ ابھی عاقل نہیں ہیں، جیسے آپ احکام شرعیہ بیان کریں کہ نماز واجب ہے، روزہ واجب ہے، فلاں واجب ہے اور ایک بچہ بیٹھا ہوا ابھی ارادہ کر لے کہ آج سے میں یہ سارے واجبات ادا کروں گا، نا، آپ بالغ نہیں ہو، یہ سارے واجبات بالغوں کے لئے ہیں، بالغ کر سکتا ہے، عہدہ برآ ہو سکتا

ہے، مکلف کی شرائط میں سے ہے کہ عاقل ہو، بالغ ہو، اس شرط تک پہلے پہنچو پھر اس سے عہدہ برآ ہو سکو گے، تدبر قرآن کے لئے پہلے انسان متدبر بنے پھر اس سے یہ عمل تدبر سرزد ہوتا ہے اور وہ قرآن میں تدبر کرتا ہے۔ انسان ظاہر بین یعنی بین انسانی جو سرسری نگاہ رکھتا ہے، سطحی نگاہ رکھتا ہے اور ہر چیز پر ایسے ہی اٹھتی ہوئی نگاہ ڈالتا ہے تو یہ اہل تدبر نہیں ہے، موجودات جہان ہستی اور ہمارے ارد گرد کی جتنی دنیا ہے، متدبر انسان سب میں تدبر کرتا ہے نہ کہ صرف قرآن میں تدبر کرتا ہے اور باقی کسی چیز میں تدبر نہیں کرتا ہے۔ جب اہل تدبر ہو جاتا ہے تو پھر ساری آیات خدا میں تدبر کرتا ہے مثلاً معمول کے واقعات ہمارے ارد گرد روزانہ رونما ہوتے رہتے ہیں، اتفاقات رونما ہوتے رہتے ہیں، حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں اور ہم انہیں پڑھتے بھی ہیں، بعض کو ان واقعات و حوادث سے بڑی دلچسپی بھی ہوتی ہے لیکن واقعات و حوادث پڑھ کر گزر جاتے ہیں کہ فقط معلومات ہو گئی ہیں یا تسکین ہو گئی ہے۔

متدبر انسان ہر چیز میں تدبر کرتا ہے

۸) متدبر انسان ہر چیز میں تدبر کرتا ہے

انسان کے اندر جو جاننے یا جستجو کی حس ہے اسے چند ایک واقعات کا علم ہو جانے سے تسکین مل جاتی ہے لیکن اگر انسان اہل تدبر ہو تو ان واقعات کے اندر تدبر کرتا ہے اور ان حوادث کے اندر تدبر کرتا ہے کہ یہ واقعات کیوں رونما ہو رہے ہیں؟ کیسے رونما ہو رہے ہیں؟ ان واقعات کا پس منظر کیا ہے؟ ان واقعات کو جنم دینے والے اسباب کیا ہیں؟ عوامل کیا ہیں؟ سرسری انسان، سطحی

انسان جو خبروں کی طرح ہر چیز سُنے اور اٹھ جائے، جس طرح روزنامہ پڑھا جاتا ہے، اخبار پڑھا جاتا ہے، اسی طرح سے حوادث کو پڑھ کر گزر جائے اور ان حوادث سے سرسری طور پر عبور کر جائے تو یہ اہل تدبر نہیں ہے، جو حوادث اور واقعاتِ زمانہ میں تدبر نہیں کرتا ہے وہ قرآن میں بھی ہرگز تدبر نہیں کر سکتا ہے، جہاں ہستی میں یہ موجودات کہ جن کو خداوند نے فرمایا ہے کہ یہ میری آیات ہیں، میری نشانیاں ہیں، اگر انسان ان میں تدبر کرنے والا نہ ہو قرآن میں ہرگز تدبر نہیں کر سکتا ہے، تدبر ایسی چیز نہیں ہے کہ ہم جہاں چاہیں اس کو استعمال کریں اور جہاں چاہیں اس کو ختم کر دیں۔

عقل انسان اگر قرآن کی بارگاہ میں ہے تو بھی عاقل ہے، اگر گھر میں ہے تو بھی عاقل ہے، کاروبار میں ہے تو بھی عاقل ہے، وہ ہر جگہ عقل استعمال کرتا ہے، یہ ساری چیزیں عقل کا میدان ہیں، اگر تعقل کے مقام پہ فائز ہو گیا ہے تو انسان احساسات سے بالاتر ہو گیا ہے، توہمات سے بالاتر ہو گیا ہے اور حواس سے بالاتر ہو کر مقامِ تعقل میں پہنچ آیا ہے، اس کے اندر عقلانیت آگئی ہے، یہ عقلانیت اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ہر چیز کے اندر تعقل کرے، ہر چیز کو عینکِ عقل سے دیکھے، اس کے ہر عمل کے اندر تعقل کا شائبہ ہو، یوں تو نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ باقی سارے امور میں عاقل نہیں ہے لیکن جب قرآن کھول کر بیٹھے گا تو تعقل شروع کر دے گا، یہ کیسے تعقل کرے گا؟ جب شخصی عقلانیت ہی نہیں آئی ہے تو عاقل بھی شمار نہیں ہوتا ہے، جب عقلاء کے زمرے میں نہیں آیا ہے تو یہ کس طرح سے قرآن میں تعقل کرے گا؟

خداوند متعال نے فرمایا ہے کہ تمہارے نفس کے اندر، آفاق میں اور تمہارے گرد و پیش کو ہم

تدبر انسان ہر چیز میں تدبر کرتا ہے

نے اپنی نشانیوں سے بھر دیا ہے، یہ عالم سراپا نشانی خدا ہے اور ان نشانیوں سے ہم صبح و شام سرسری گزرتے ہیں، تدبر اور تعقل نہیں کرتے ہیں یعنی کسی چیز میں ہمیں خدا نظر نہیں آتا ہے، کوئی چیز ہمیں خدا کی طرف نشاندہی نہیں کراتی ہے؟ چونکہ نشانی کہتے ہی اس کو ہیں کہ جو نشاندہی کرے مثلاً جب آپ گاڑی چلاتے ہیں تو راستے میں ٹریفک کے سگنل ہیں، مختلف سائن لگے ہوئے ہیں اور ہر ایک قانون کی نشاندہی کر رہا ہے، انسان کے اندر اگر تدبر پیدا نہیں ہوا یعنی ایک انسان متدبر بالفعل نہیں بنا تو وہ کس طرح سے قرآن میں تدبر کر سکتا ہے؟ ان حوادث سے، ان اتفاقات سے سرسری نہ گزریں بلکہ آپ رک جائیں، توقف کریں اور ان واقعات و حوادث اور ان نشانیوں کی تہہ تک پہنچیں چونکہ ہر حادثہ اپنے اندر ایک جہان اسباب و عوامل اور معرفت چھپائے ہوئے ہے، خواہ طبعی حادثہ ہو، انسانی حادثہ ہو، اجتماعی حادثہ ہو، ناگوار حادثہ ہو، خوشگوار حادثہ ہو یا جس قسم کا بھی حادثہ ہو مثلاً انسان اسی طلوع و غروب میں غور و تدبر کرے۔

جہاں بینی اور جہاں بانی میں فرق

۹) جہاں بینی اور جہاں بانی میں فرق

ہم سرسری کیوں ہیں؟ اہل تدبر کیوں نہیں بنتے ہیں؟ یعنی یہ سرسری پن اور سطحی پن انسان کے اندر کیوں پیدا ہوتا ہے؟ یہ نکتہ پہلے بھی بہت ساری مناسبتوں سے عرض ہوا ہے لیکن یہاں بھی اس کا تذکر ضروری ہے، عالم میں اور عامی میں یعنی علماء اور عوام میں فرق کیا ہے؟ عوام کا جن چیزوں سے سروکار ہے علماء کا بھی انہی چیزوں سے سروکار ہے، علماء سے مراد مدرسے کے فارغ التحصیل نہیں

ہیں بلکہ قرآن کی اصطلاح میں جو علماء ہیں یا جن کو آج کی اصطلاح میں مفکرین، دانشور، حکماء اور فیلسوف کہا جاتا ہے، جن کا کام شناختِ جہان ہے اور شناختِ جہان تدبیرِ جہان سے زیادہ مشکل کام ہے، علامہ اقبالؒ کے بقول

جہان بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بنی (۱۱)

جہاں بانی یعنی پورے جہان پر حکومت کرنا، پورے عالم پر حکومت کرنا، فرمانروائی کرنا بہت آسان ہے لیکن جہاں بنی بہت مشکل کام ہے۔ انسان جہاں بین کب بنتا ہے؟ اور جہاں بان کب بنتا ہے؟ جہاں بان کوئی بھی بن سکتا ہے، اسکندر جہاں بان تھا اور اس نے پورے جہان میں سے آدھے جہان سے زیادہ پہ قبضہ کر لیا تھا اور جہاں بانی کی، چنگیز جہاں بان بنا اور آدھے سے زیادہ جہان پہ قبضہ کر لیا اور اس نے بھی جہاں بانی کی، استعماری طاقتوں نے جہاں بانی کی ہے، جہاں بانی سب کر سکتے ہیں لیکن جہاں بنی بہت مشکل کام ہے اور ہر زمانے میں کئی لوگ جہاں بان ہیں لیکن صدیوں بعد ایک جہاں بین پیدا ہوتا ہے، ایک ایسا شخص پیدا ہوتا ہے کہ جو جہان کی تہہ تک اترتا ہے، ان موجودات کے اندر تک جاتا ہے، دانشور وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے راز کھولے ہیں۔

عالم اور عامی میں فرق

۱۰) عالم اور عامی میں فرق

جن لوگوں نے ہستی کے سربستہ راز کھولے ہیں ان کو عالم کہا جاتا ہے، عالم کہتے ہی اس کو ہیں کہ جو ان موجودات سے اثر کی توقع نہیں رکھتا ہے، صرف فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا ہے، انہی چیزوں

سے عوام کا سروکار ہے اور انہی چیزوں سے علماء کا بھی سروکار ہے۔ عوامی اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو فقط اس شے سے اپنا مطلوبہ اثر، اپنا فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے چاہے اس کی حقیقت اس کو سمجھ میں آئے یا نہ آئے، وہ حقیقت جاننے کے درپے نہیں ہوتا ہے مثلاً یہی ایٹم (Atom) کہ اس سے صدیوں سے استفادہ ہوتا رہا کہ جب سے انسان ہے، بالآخر ایٹم انسان کی دنیا میں داخل ہے لیکن ایٹم کی شناخت کی ضرورت انسان کو محسوس نہیں ہوئی چونکہ ہمارا کام تو پورا کر رہا ہے، اب اس کا نام ہی انہوں نے ایٹم رکھا ہوا تھا یعنی ناشکن، نہ ٹوٹنے والی شے۔ ایٹم یعنی ناشکن، کیونکہ انہیں اس سے غرض نہیں تھی، ٹوٹے نہ ٹوٹے اس کے اندر انرجی ہے لیکن اس کے اندر کیا چیز ہے؟ یہ خود کیا ہے؟ ہمیں اس سے کیا غرض؟ صرف اس سے ہماری ضرورت پوری ہو رہی ہے۔

مثلاً پانی کیا ہے؟ ہمیں کیا معلوم پانی کیا ہے؟ اسکی حقیقت کیا ہے؟ جب پیاس بجھا رہا ہے، آپ کے کھیت کو سیراب کر رہا ہے، آپ کے کپڑے پاک کر رہا ہے مثلاً دھوبی کو کیا معلوم کہ پانی کی حقیقت کیا ہے؟ آکسیجن، ہائیڈروجن ہے، عنصر ہے یا نہیں ہے، اس کو تو گھاٹ کے لئے پانی چاہئے کہ یہ کپڑے دھوئے اور یہ میل اتار دے بس تمام شد، ایک کسان کو پانی کی حقیقت جاننے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں؟ کیونکہ وہ پانی سے فقط کھیت کو سیراب کرنا چاہتا ہے اور اسی طرح سے ایک شخص ہے کہ جو پانی سے فقط غسل کرنا چاہتا ہے، فقط وضو کرنا چاہتا ہے، حقیقت آب اسکے لئے اہمیت نہیں رکھتی ہے، یہ فقط فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، یہ عامی انسان ہے۔

عالم کون ہے؟ عالم وہ ہے کہ خود پانی اسکے لئے معتمہ ہے مثلاً یہ سوال کہ پانی اوپر سے نیچے

کی طرف کیوں بہتا ہے؟ نیچے سے اوپر کی طرف کیوں نہیں جاتا؟ کسان روزانہ پانی کو اسی طرح اوپر سے نیچے کی طرف، فراز سے نشیب کی طرف استعمال کرتا ہے لیکن ایک دن بھی اس کے ذہن میں یہ سوال نہیں اٹھا کہ آخر پانی کی طب میں ایسا قانون کیوں شامل ہے کہ یہ اوپر سے نیچے کی طرف حرکت کرتا ہے درحالیکہ باقی چیزیں مثلاً دھواں، گیس اور ہوا نیچے سے اوپر کی طرف جاتے ہیں لیکن کسان کے لئے یہ سوال نہیں اٹھا۔

بعض اہل قلم کے بقول اگر یہ نیوٹن گھر میں ہی سویا رہتا، بیوی سے اس کا جھگڑا نہ ہوتا اور وہ روٹھ کر باہر اس سیب کے درخت کے نیچے نہ سوتا اور وہاں سے سیب اس کے سر پہ نہ گرتا تو آج تک اصلاً بشریت کشش ثقل سے محروم ہوتی، یہ آکر بیٹھا اور وہاں اس کے سر پہ سیب گرا تو اس نے سوچا کہ یہ سیب صرف نیچے کیوں آیا؟ اوپر کی طرف کیوں نہیں گیا؟ اس نے سوال اٹھایا، اسی کو تدبر کہتے ہیں لیکن ایک عامی کے لئے سیب سر پر گرا اور اس نے پکڑ کر خوش ہو کر کھالیا، سیب اس کے لئے فقط کھانے کی چیز ہے۔ اہل تدبر میں اور عامی میں یہی فرق ہے، تدبر کے لئے سیب کتابِ خدا اور مطالعے کی کتاب ہے۔

استاد بزرگوار حضرت آیت اللہ جوادی آملی دام ظلہ العالی کے گھر میں انار کا درخت تھا اور اس کے اوپر بہت ہی خوبصورت انار لگے ہوئے تھے اور وہ پک کر بالکل پھٹنے کے قریب تھے چونکہ انار جب پک جاتا ہے، سرخ ہو جاتا ہے اور اپنی اوج پہ پہنچتا ہے تو پھر اس کے اندر دراڑیں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں، یہ پھٹنا شروع ہو جاتا ہے، بالآخر ان کے محافظوں میں سے یا خدام میں سے کسی

نے وہ توڑ کر کھالیا، جب حضرت استاد واپس آئے تو دیکھا کہ درخت کے ساتھ وہ انار نہیں ہے، پوچھا کہ انار کہاں گیا؟ معلوم ہوا کہ وہ فلاں شخص نے توڑ کر کھالیا، اس پر بہت ناراض ہوئے کہ تو نے یہ کیا ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ تو ظلم نہیں ہے، یہ تو ایک پکا ہوا انار تھا، ابھی گر جاتا، خراب ہو جاتا، کھانے کی چیز تھی بالآخر کھا گیا، فرمایا کہ تجھے اگر انار ہی کھانا تھا تو بتاتا منڈی سے پانچ کلو، دس کلو، بیس کلو انار تیرے لئے لے آتے، وہ حیران تھا کہ آخر کیا فرق ہے منڈی کے انار میں اور اس انار میں، یہ بھی کھانے کا ہے اور وہ بھی کھانے کا ہے لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ ایک حکیم، ایک فیلسوف کیلئے انار کھانے کی چیز نہیں ہے، انار مطالعہ ہے، انار ایک حکمت کی کتاب ہے، جس کے اندر فراواں رازِ خدا پوشیدہ ہیں، انار معرضِ تدبرِ حکیم ہے، وہ کس نگاہ سے دیکھ رہا ہے؟ اور یہ کس نگاہ سے دیکھ رہا ہے؟

ہم اہل تدبر کیوں نہیں ہیں؟

(۱۱) ہم اہل تدبر کیوں نہیں ہیں؟

بھینس کو خدا نے تدبر کے لئے پیدا نہیں کیا ہے، بھینس کو نہیں کہا کہ تجھے گاس کی تہہ میں چھپی ہوئی حکمت تک بھی پہنچنا ہے، بلکہ اس کیلئے فقط یہ ہے کہ صرف تجھے گاس تک پہنچنا ہے لہذا خدا نے بھینس کو وہ تمام آلات و ابزار دیئے ہیں کہ جن سے گاس پیٹ میں منتقل کر سکے لیکن انسان کو پیٹ بھی دیا، معدہ بھی دیا اور ساتھ عقل بھی دی ہے کہ یہ ساری چیزیں تجھے پیٹ میں نہیں پہنچانی ہیں، تجھے بعض چیزیں عقل میں بھی پہنچانی ہیں اور عقل کے ذریعے تجھے ان کی گہرائی میں بھی اترنا ہے، یہ چیزیں روزانہ تیرے سامنے سبز ہوتی ہیں، اگتی ہیں، تیرے سامنے چیزیں سر اٹھاتی ہیں لیکن انسان

سرسری گزر جاتا ہے، کیوں سرسری بن جاتا ہے؟ ہم کیوں سرسری ہیں؟ کیوں ان چیزوں سے عبور کرتے ہیں؟ چونکہ فقط اشیاء کے فائدوں سے سروکار ہے، اشیاء کی حقیقت سے کوئی سروکار نہیں ہے یعنی عقل کے بجائے ہمارا معدہ زیادہ فعال ہے چونکہ فائدے سارے معدہ کی طرف جاتے ہیں، ہمارے لئے محرک معدہ ہے نہ کہ عقل، اگر عقل محرک ہو تو بہت ساری چیزیں کھانے کو جی نہیں کرتا ہے۔

مرحوم علامہ طباطبائیؒ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے گھر میں مرغ پالے ہوئے تھے اور جب بھی کوئی مہمان آتا تو بازار سے خرید کر اس کے لئے مرغ لے آتے حالانکہ گھر میں موجود تھا لیکن ایک دفعہ وہ اتنا بوڑھا ہو گیا یا مریض ہو گیا کہ مرنے کے قریب ہو گیا لیکن اس کو پھر بھی نہیں کاٹا، کیوں؟ اس لئے کہ وہ ایک جاندار چیز تھی، حیات کا ایک نمونہ تھا کہ جو ایک حکیم کے مطالعے کی چیز ہے، جس کی حرکات، جس کی سکنت، جس کا وجود، جس کی ساخت اور جس کی بناوٹ خدا کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔

مثلاً آپ نہج البلاغہ پڑھیں کہ جس میں امیر المومنین علیہ السلام نے مور اور چیونٹی کی تفسیر بیان کی ہے یعنی مولا علی علیہ السلام کو چیونٹی میں کیا نظر آتا ہے؟ خدا نظر آتا ہے، یہ چیونٹیاں جو روزانہ ہمارے سامنے پیدا ہوتی ہیں، نکلتی ہیں، غائب ہوتی ہیں، کبھی سوچا کہ گرمیوں میں آ جاتی ہیں لیکن سردیوں میں کہاں ہوتی ہے؟ سردی میں کوئی چیونٹی نظر نہیں آتی ہے، امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں پورا خطبہ چیونٹی کی حقیقت کے بارے میں بیان کیا ہے اور ایک خطبہ مور کے بارے میں بیان کیا، ایک

ہم اہل تذکرہ کیوں نہیں ہیں؟

خطبہ خفاش یعنی چمگاڈ کے بارے میں دیا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ امیر المومنین علیؑ اس لئے حکمتِ خدا ہیں، خدا نے اس جہان میں ایک طرف سے اپنے راز پیدا کئے تو دوسری طرف سے علیؑ کو پیدا کیا کہ یہ دنیا تو چرنے میں لگی ہوئی ہے کوئی ایسا بھی ہو جو ان رازوں کو کھولے اور امیر المومنین علیؑ نے وہ راز کھولے، فراواں راز کھولے ہیں، خود امیر المومنین علیؑ کے خطبے ایک راز ہیں، ان کو کھولنے والا بھی کوئی ہوتا کہ ان سے ہم حقیقتِ جہان تک پہنچیں، پس انسان اس وقت سرسری انسان ہو جاتا ہے کہ جب اشیاء کی معرفت و حقیقت ہمارے لئے اہمیت نہیں رکھتی ہیں بلکہ ان کے اندر چھپے ہوئے فائدے اہمیت رکھتے ہیں، اس وقت انسان عامی بن جاتا ہے، عالم نہیں بنتا ہے، بے شک پڑھ لکھ جائے لیکن اگر ساری توجہ فائدوں کے اوپر ہے تو یہ کبھی بھی عالم نہیں بن سکتا ہے۔

ہم اہل تدبر کیوں نہیں ہیں؟

ایک دفعہ ایک مہمان کمرے میں داخل ہوئے، انہوں نے کتابیں دیکھیں، ان کا ذہن بالکل کیلکولیٹر (Calculator) کی طرح تھا، فوراً ہی انہوں نے ایک مختصر نگاہ میں یعنی ایک منٹ سے کم کے حصے میں پورے کمرے میں موجود کتابوں کا اسٹیمیٹ (Estimate) لگا کر کہا کہ لگتا ہے یہ کتابیں اتنے ملین (Million) کی ہوں گی یعنی انہیں فوراً کتابوں کے اندر ملین روپیہ نظر آیا یا تومان نظر آئے، انہیں کتابوں کے اندر چھپا ہوا علم نظر نہیں آیا، یہ نہیں پوچھا کہ یہ کتابیں کس موضوع پر ہیں؟ یہ کتابیں کیا بتاتی ہیں؟ ان کتابوں سے کیا ملتا ہے؟ نا، فوراً کتابوں میں روپیہ نظر آیا لیکن علم نظر نہیں آیا۔ پس انسان عجائباتِ عالم کو دیکھ کر سرسری نہ گزر جائے اور اس کی سوچ فقط ان اشیاء میں موجود فائدوں پر مرکوز نہ ہو بلکہ ان میں تدبر کرے۔

۱۲) اللہ کی نشانیوں سے اجنبی نہ بنیں

انسان خدا سے یہ توفیق مانگے کہ خدایا ہمیں اہل تدبیر قرار دے، اپنی آیات کے اندر، اپنی نشانیوں کے اندر، اپنے جہان کے اندر اور ان حوادث کے اندر کہ جو صبح و شام ہمارے سامنے رونما ہوتے ہیں، بقول علامہ اقبالؒ

گلزارِ ہست و بود نہ بیگانہ وارد دیکھ

ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ..... (۱۲)

یہ گلزارِ ہست و بود، یہ بستانِ موجودات، یہ باغِ چمنستانِ حقائقِ ہستی، جس کی باغبان خود ذاتِ خدا ہے اس کو اجنبی بن کر نہ دیکھو، بیگانہ بن کر، اجنبی بن کر اس جہان میں گھوم رہے ہو گویا تمہارا تعلق اس جہاں سے ہی نہیں ہے، اگر تمہارا تعلق نہ ہوتا تو تمہیں اس جہان میں پیدا کیوں کیا جاتا؟ بلکہ تمہیں کسی اور ملکوت میں پیدا کیا جاتا، بقول حافظ

من ملک بودم و فردوس برین جاہم بود..... (۱۳)

وہاں پیدا کرتا جہاں یہ سارے درخت نہ ہوتے، یہ جانور نہ ہوتے، یہ پرندے نہ ہوتے، یہ موسم کی تبدیلی نہ ہوتی، اختلافِ لیل و نہار نہ ہوتا، کچھ بھی نہ ہوتا۔ اگر آپ اجنبی ہوتے اور اس دنیا سے بیگانہ ہوتے تو آپ کو عالمِ تجرد میں پیدا کیا جاتا۔ آپ خود کو اس جہان میں اجنبی کیوں سمجھتے ہو؟ خداوندِ متعال نے فرمایا کہ

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ

سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (۱۴)

وہ خدا وہ ہے جس نے زمین کے تمام ذخیروں کو تم ہی لوگوں کے لئے پیدا کیا ہے، اس کے بعد اس نے آسمان کا رخ کیا تو سات مستحکم آسمان بنا دیئے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

اور مزید فرمایا کہ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ
وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ..... (۱۵)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے اور کشتیاں بھی دریا میں اسی کے حکم سے چلتی ہیں اور وہی آسمانوں کو روکے ہوئے ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر زمین پر گر نہیں سکتا ہے۔

یعنی اپنے آپ کو اجنبی کیوں سمجھتے ہو؟ جب کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا ہوا ہے اور جس ماحول میں ہم اجنبی بن کر رہیں گے اس ماحول میں ہم عامی بن جائیں گے۔

قرآن کا اجنبیوں کیلئے پیغام

(۱۳) قرآن کا اجنبیوں کیلئے پیغام

آیا معلوم ہے کہ قرآن نے اجنبیوں کے لئے کیا کہا ہے؟ مثلاً یہاں انقلاب اسلامی میں، حوزہ انقلابی میں رہتے ہیں، ایک ایسی مملکت میں کہ جس میں انقلاب اسلامی یعنی اپنی صدی کی، تاریخ اسلام کی بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ بشری کی منفرد و دادور و نما ہوئی ہے، لیکن اس میں

اجنبی بن کر رہتے ہیں کہ انقلاب سے ہمارا کیا تعلق ہے؟ اجنبی بن کر کہتے ہیں کہ یہ ایرانی انقلاب ہے۔ معلوم ہے اجنبیوں کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے؟ یعنی اقبال کے بقول اس گلزارِ ہست و بود میں جو بیگانہ وار رہتے ہیں قرآن انہیں کیا کہتا ہے؟ قرآن ان کو نہیں سراہتا بلکہ سخت الفاظ میں مذمت کرتا ہے، سورہ اعراف اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے کہ اجنبی بن کر اس عالم میں زندگی بسر نہ کریں،

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ (۱۶)

اور یقیناً ہم نے انسان و جنات کی ایک کثیر تعداد کو گویا جہنم کے لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں اور آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں ہیں اور کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں، یہ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ اصل میں غافل ہیں۔

ایک بہت بڑی تعداد

كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ

جنوں اور انسانوں کی ایک کثیر تعداد ہم نے جہنم کے لئے مخصوص کر دی ہے، ہم نے انہیں چھوڑ دیا ہے کہ یہ جہنم میں جائیں گے، کیوں؟ آخر انہوں نے کیا کیا ہے کہ یہ جن و انس جہنم میں جائیں گے؟ اس لئے کہ یہ اجنبی ہیں، گلزارِ ہست و بود میں بیگانہ وار رہتے ہیں، چرتے ہیں اور پھر

اس کے بعد اجنبی بن کر بیٹھ جاتے ہیں، انہیں کوئی غرض نہیں ہے کہ دیکھیں یہ طلوع کیا ہے؟ یہ غروب کیا ہے؟ یہ شمس کیا ہے؟ یہ قمر کیا ہے؟ یہ کھشکشائیں کیا ہیں؟ یہ جہان ظاہر کیا ہے؟ یہ جہاں غیر ظاہر کیا ہے؟ یہ عالم نزدیک کیا ہے؟ یہ عالم دور کیا ہے؟ یہ صبح کیا ہے؟ یہ شام کیا ہے؟ اور اس کے اندر یہ سب کچھ رونما ہونے والے اتفاقات کیا ہیں؟

بعض کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے بھی کہا کہ مثلاً میر جعفر اور میر صادق کہ جو دو ہندوستانی کردار ہیں، اہل ہند کو اس کی خبر ہے، ہندوستان سے مراد برصغیر ہے، میر جعفر اور میر صادق کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے اپنے فارسی کلام میں لکھا ہے کہ یہ بہت بڑے خائن ہیں، انگریزوں کے تسلط میں ان دو خائنین کا بہت بڑا ہاتھ تھا، سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کی شکست میں ان دونوں کا ہاتھ تھا اور اتفاقاً دونوں شیعہ تھے، میر جعفر بھی اور میر صادق بھی، ان کے بارے میں کہا کہ یہ اتنے بڑے خائن ہیں کہ انہیں جہنم بھی قبول نہیں کرے گی، جہنم بھی ان سے بیزار ہوگی، بعض انسان واقعاً اتنے پست ہیں، خدا کی زمین پر رہتے ہیں لیکن اتنے گھٹیا اور پست ہیں کہ جہنم کے قابل بھی نہیں ہیں، اس لئے خداوند نے سورہ رحمن میں جہنم کو نعمتوں میں سے شمار کیا ہے کہ

هٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۝ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آتٍ ۝

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ (۱۷)

یہی وہ جہنم ہے جس کا مجرمین انکار کر رہے تھے۔ اب اس کے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگاتے پھریں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

خدا نے جہنم کو نعمتوں میں شمار کیا ہے، واقعاً یہ طبقہ کہ جو جہان ہستی میں بیگانہ وارد رہتا ہے اگر یہ در بدر طبقہ جہنم میں نہیں جائے گا تو اور کدھر جائے گا؟

سورہ مبارکہ اعراف کی آیہ ۱۷۹ کے مطابق جن و انسان کی کثرت کو جہنم میں کیوں ڈالیں گے؟

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا.....

ان کو دل دیئے ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں ہیں،

وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا.....

ان کی آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں ہیں،

وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا.....

ان کو کان دیئے ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں ہیں،

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ.....

یہ جانوروں کی طرح ہیں،

بَلْ هُمْ أَضَلُّ.....

بلکہ جانوروں سے بھی پست تر اور بدتر ہیں،

أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝

یہ غافل ہیں، یہ بیگانہ لوگ ہیں، یہ اجنبی لوگ ہیں، کیا تمہیں اس لئے انسان بنایا تھا

اور عقل و شعور دیا تھا کہ اجنبی بن کر رہو؟ پھر تو جانور بہتر ہے کیونکہ جانور کو تو خدا نے عقل و شعور نہیں دیا، عقل و شعور لے کر بھی اگر انسان جانور کی طرح اجنبی رہے تو پھر تو یہ جانور سے بھی بدتر ہے مثلاً فرض کریں کہ ایک جانور ادھر آتا تو اس کا انقلاب سے کیا تعلق ہوتا؟ آیا اس کا کوئی تعلق تھا؟ مثلاً اگر کوئی بھینس آتی، کوئی گائے آ جاتی، کوئی پرندہ ادھر آ جاتا تو اس کا انقلاب سے کیا تعلق تھا؟ اجنبی آیا اور اجنبی اڑ کر چلا گیا کہ جیسے مہاجر پرندے آتے ہیں، خدا نے جس انسان کو عقل و شعور دیا اور وہ بھی اجنبی وار یہاں پر رہ کر چلا گیا تو واقعاً حق بنتا ہے کہ یہ جانور سے بھی بدتر ہے، پس چونکہ ان قلوب نے اجنبی نہیں رہنا بلکہ ان سے سمجھنا ہے، ان سے سوچنا ہے، ان سے تفکر کرنا ہے، ان سے تدبر کرنا ہے، خدا نے قلوب دیئے ہی اس لئے ہیں کہ ان کے ذریعے سے تدبر اور تفقہ کرو۔

پس پہلے انسان اس مقام پر فائز ہو، پہلے اپنے آپ کو اہل تدبر بنائے، اہل تدبر کب بنے گا؟ جب سرسری پنا ختم کر دے، ہر چیز میں تدبر کی عادت بنالے، انسان تدبر کے مقام پر فائز ہو یعنی اس دل سے تفقہ کرے، رکے، سوچے اور اشیاء کے اندر غور کرے، مطالعہ کرے، فقط ان کو کھانے کے چکر میں نہ رہے، فقط ان کو ہڑپ کرنا مقصد نہ ہو، فقط معدہ بھرنے کی فکر میں نہ ہو بلکہ ذہن بھرنے کی فکر میں ہو، وہ انسان جب قرآن کے سامنے آتا ہے تو تدبر کرتا ہے ورنہ اگر انسان دیگر جہان ہستی میں، حوادثِ عالم میں اور روزگارِ زندگی میں سرسری ہو اور یہی سرسری انسان قرآن کے سامنے آجائے اور ناگہاں تدبر شروع کر دے تو ایسا کوئی معجزہ یا اتفاق رونما نہیں ہوتا ہے، ایسا ممکن ہی نہیں ہے، جب تک انسان خود عملاً پوری زندگی کے اندر اور باہر تدبر نہ کرے تو قرآن کے اندر تدبر کرنا دور از فہم ہے۔

حوالہ جات

- (۱)..... (سورۃ مبارکہ رعد، آیہ ۴) (سورۃ مبارکہ روم، آیہ ۲۴)
- (۲)..... (سورۃ مبارکہ عنکبوت، آیہ ۳۵)
- (۳)..... (سورۃ مبارکہ محمدؐ، آیہ ۲۴)
- (۴)..... (تفسیر المیزان - العلامة الطباطبائیؒ، مقدمہ و بحثِ روائی، الجزء ۳، صفحہ ۴۰) (شرح خطبہ البیان امام علیؑ بن ابی طالبؑ) (باطن و تأویل قرآن)
- (۵)..... (سورۃ مبارکہ نحل، آیہ ۹۷)
- (۶)..... (سورۃ مبارکہ نحل، آیہ ۹۸)
- (۷)..... (التفسیر و المفسرون)
- (۸)..... (تنبیہ الغافلین وارشاد الجاہلین عما یقع لہم من الخطأ حال تلاوتہم لکتاب اللہ المبین، باب تنبیہات، الجزء ۱، صفحہ ۱۱۹)
- (۹)..... (غرر الحکم و درر الکلم، الجزء ۱، صفحہ ۵۷) (میزان الحکمة - الریشہری، الجزء ۸، صفحہ ۲۰۷)
- (۱۰)..... (مَصَاعِدُ النَّظَرِ لِلاَشْرَافِ عَلٰی مَقَاصِدِ السُّورِ - ابراہیم بن عمر بن حسن الرباط بن علی بن ابی بکر البقاعی، المتوفی: ۸۸۵ھ، الجزء ۱، صفحہ ۳۳۸)
- (۱۱)..... (بانگِ درا، حصۃ سوم، عنوان: طلوع اسلام، صفحہ ۲۶۸)
- (۱۲)..... (بانگِ درا، حصۃ اول، غزلیات، صفحہ ۹۸)

(۱۳)..... (دیوان حافظ شیرازی، از روی نسخہ تصحیح شدہ علامہ

محمد قزوینی، غزل ۳۱۷، صفحہ ۲۴۷)

(۱۴)..... (سورہ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۹)

(۱۵)..... (سورہ مبارکہ حج، آیہ ۶۵)

(۱۶)..... (سورہ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۷۹)

(۱۷)..... (سورہ مبارکہ رحمن، آیہ ۲۵، ۲۴، ۲۳)

www.ziaraat.com
jagir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

فصلِ ادبِ چہارم

﴿تدبرِ قرآن﴾

(حصہ دوم)

- ۱) عالمِ خلقت کے مطالعے کی ضرورت
- ۲) قیمتی چیزیں پردوں میں مخفی
- ۳) اہلِ تدبرِ جنت کے حقدار
- ۴) تدبر، ترقی کا پیش خیمہ
- ۵) علماءِ دین کون ہیں؟
- ۶) اولوا الالباب کون ہیں؟
- ۷) اہلِ لبُّ ہی خدا کو پاسکتے ہیں
- ۸) تدبر کی مشق کے مراحل
- ۹) سوال پیدا ہوتا ہے
- ۱۰) سات ملین سوالوں کی تیاری
- ۱۱) قرآن اہلِ تدبر کا راہنما
- ۱۲) متدبر بنے بغیر قرآن سمجھ نہیں آسکتا
- ۱۳) رسول اللہ ﷺ کا قرآن میں غور و فکر کرنا

۱) عالم خلقت کے مطالعے کی ضرورت

خدا نے عالم طبیعت کا نظام اس طرح خلق کیا ہے کہ جتنی بھی قیمتی چیزیں، نازک چیزیں اور کارآمد چیزیں ہیں انہیں خدا نے کسی نہ کسی طبعی پردے کے اندر مخفی و پنہاں کر کے خلق کیا ہے، مثلاً ہم یہی چیزیں جو کھاتے ہیں مثلاً سیب ہے، انگور ہے، انار ہے، اسے انسان فقط معدے کی اشتہا کے اثر میں نہ دیکھے کہ یہ کھانے کی چیز ہے اور فقط دیکھتے ہوئے انسان کی رال ٹپک آئے، بلکہ اس کا مطالعہ کریں، پہلے اس کو ذہن سے دیکھیں، غور کریں، فکر کریں، یہ ایک کتاب ہے کہ جو خداوند تبارک و تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے لہذا پہلے اس کتاب کو پڑھیں۔

عموماً پاکستان میں چونکہ آزادی ہے اور شاید کوئی ایسا آزاد ملک نہ ہو البتہ ہندوستان میں بھی سنا ہے کہ ایسی آزادی موجود ہے کہ وہاں پر حیوانات جس سڑک پر چاہتے ہیں آجاتے ہیں مثلاً بھینسیں، بیل، گدھے جو جانور بھی آکر روڈ بلاک کرنا چاہیں، جہاں چاہیں بیٹھ جائیں اور جہاں جو مرضی ہے کریں، عموماً یہ آوارہ بھینسیں یا گائیں شہروں میں کہ جہاں ظاہر ہے کہ سبزہ، گھاس یا ان کے چرنے کی چیزیں نہیں ہوتیں بلکہ یہاں پلاسٹک ہے، تھیلیاں ہیں، کچرا ہے لہذا یہی ان کی یہ مرغوب غذا ہے، یہی کھا کے ان کا پیٹ بھرتا ہے۔ یہ آوارہ بھینس یا آوارہ گائیں جو شہر کے اندر پلاسٹک، کچرا، ردی کا غذا و راخبا رکھاتی ہیں اگر کسی لائبریری میں چلی جائیں یا کسی بک اسٹال پہ چلی جائیں تو انہیں وہ لائبریری نظر نہیں آئے گی بلکہ یہ چراگاہ نظر آئے گی، مرغوب ترین غذائیں نظر آئیں گی چونکہ کاغذ کھانا، پلاسٹک کھانا، چیل کھانا، جوتے کھانا، کچرا کھانا ان کی خوراک

ہے، میونسپل کمیٹی (Municipal committee) کا کام وہاں پر بھینسیں اور گائیں انجام دیتی ہیں۔ یہ گائے سب کچھ کھا جاتی ہے، کاغذ، چمڑا، تھیلیاں اور پلاسٹک بھی کھا جاتی ہیں، یہ چیزیں کھانے کی نہیں تھیں لیکن شہر میں اس گائے کو کچھ اور نہیں ملتا ہے، آوارگی کی وجہ سے یا مالک نہ ہونے کی وجہ سے یا اس کا کوئی نگہبان نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ان چیزوں کو کھانے کی عادت پڑ گئی ہے کہ جو کھانے کی نہیں ہیں، از جملہ کتابیں بھی کھا جاتی ہے مثلاً اخبار کا کوئی اسٹال لگا ہوا ہو یا کوئی اخبار فروشی کا مرکز ہو اور اس کے مالک نے بھی آزاد چھوڑا ہوا ہو تو یہ گائے جائے گی اور سارے اخبار کھا جائے گی، اخبار پڑھنے کے لئے ہے، گائے، بھینس کے لئے نہیں ہے لیکن یہاں بھینس کے کھانے کی چیز ہے اور اس کی خوش مزہ غذا ہے۔

انڈیا کی ایک خبر آئی تھی کہ ایک زچہ اسپتال میں بچہ پیدا ہوا اور اسکے کچھ گھنٹوں کے بعد اس عورت کو بچے سمیت ہسپتال والوں نے مرخص کیا کہ گھر جائے، اس کا شوہر حساب کتاب کر رہا تھا، ہسپتال میں پیسے دے رہا تھا اور عورت بچہ لے کر بیٹھی ہوئی تھی، آوازہ کتا اندر ہسپتال میں آیا اور اس نو مولود بچے کو کہ جو چند گھنٹے پہلے پیدا ہوا تھا اٹھا کر لے گیا، اتنی آزادی اور دنیا میں حیوانات کے حقوق کا احترام شاید جتنا ہندوستان و پاکستان میں ہے کہیں بھی نہیں ہے۔

ان مناظر کو دیکھ کر انسان سمجھے کہ یہ جانور جو کتابیں کھا جاتا ہے، آپ کیلئے بڑی قیمتی مطالعے کی کتاب اور علم کا ذخیرہ ہے لیکن ایک بھینس کے لئے ایک لقمہ و چارہ ہے، اسی طرح بہت سارے مناظر خدا نے بنائے ہیں، بہت ساری اشیاء خلق کی ہیں کہ جو اہل عقل کے لئے کتابیں ہیں

لیکن اہل معدہ کے لئے یہ چارہ ہے یعنی خدا نے بہت ساری چیزیں کتابیں بنا کر خلق کی ہیں، کتابیں یعنی جن کے اندر معرفت اور آیات وجودی خدا موجود ہیں لیکن انسان بھی آوارہ بھینسوں کی طرح ان سب کو کھا جاتا ہے۔ انسان حشرات اور پرندوں پر غور کرے، یہ موجودات جو ہمارے ارد گرد صبح و شام رہتے ہیں یہ سب تجلیات خداوند تبارک و تعالیٰ ہیں لیکن انسان غافل ہے،

لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (۱)

درحقیقت آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر پائے جاتے ہیں۔

یعنی بصیرت نہیں ہے، یہ چیزیں ہمیں آنکھوں سے نظر آتی ہیں اور پھر رال ٹپکتی ہے اور انہیں کھانے کا جی کرتا ہے لیکن ان کے مطالعہ کی طرف اور ان کے اندر غور و فکر و تدبر کی طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا ہے اور ان میں متجلی نظر نہیں آتا ہے، ان لوگوں کو خدا نے جانوروں کی مانند قرار دیا ہے۔ جانور چار قدموں والے بھی ہیں اور دو قدموں والے بھی ہیں، جیسے قرآن نے بھی کہا کہ جن کو ہم نے دل دیا ہے لیکن ان سے سمجھتے نہیں ہیں، جن کو آنکھیں دی ہیں لیکن اس سے دیکھتے نہیں ہیں، جن کو کان دیئے ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں ہیں،

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ (۲)

یہ جانوروں کی طرح ہیں، مویشیوں کی طرح ہیں، مویشیوں کی طرح کیوں ہیں؟ چونکہ یہ ہر چیز کو چارہ سمجھتے ہیں، جس چیز کو سمجھنا ہے اسے بھی کھا جاتے ہیں، جس چیز کو پرکھنا ہے اسے بھی

عالم خلقت کے مطالعے کی ضرورت

کھا جاتے ہیں، جس چیز کو پڑھنا ہے اسے بھی کھا جاتے ہیں یعنی جو چیزیں ہم نے پڑھنے کے لئے خلق کی ہیں یہ وہ بھی کھا جاتے ہیں، جو چیزیں ہم نے سمجھنے کے لئے خلق کی ہیں یہ ان کو بھی کھا جاتے ہیں، یہ جانور ہیں جس طرح سے ایک بھینس لائبریری میں آجائے اور ردی کاغذ کھانے کے عادت ہو تو وہ ساری کتابیں کھا جائے گی اسی طرح سے ہم بھی درحقیقت بہت ساری کتابیں کھا رہے ہیں، جو چیزیں مطالعے کی ہیں ان کو بھی کھا رہے ہیں، جو چیزیں سمجھنے کی ہیں ان کو بھی کھا رہے ہیں، ہر چیز پہ نگاہ کرتے ہیں کہ اس کو کھا جائیں درحالیکہ بہت ساری چیزیں غور و فکر کے لئے ہیں۔

چونکہ قرآن نے ہمیں دعوت دی ہے کہ غور کریں، اللہ نے یہ جہان ہستی خلق کیا ہے، عالم طبیعت بنایا ہے لہذا ہم اس کے اندر غور کریں، اس کے بارش برسنے میں غور کریں، اس کے پانی بہنے میں غور کریں، کشتی چلنے میں غور کریں، دن رات بدلنے میں غور کریں، ہوائیں چلنے میں غور کریں، بیج اور فصلیں اگنے میں غور کریں، خزاں میں غور کریں، بہار میں غور کریں، یہ سب خدا کی کتابیں مطالعے کے لئے ہیں، یہ ساری کتب تو حیدی ہیں لیکن انسان ان سب کو یا چراگاہ سمجھتا ہے یا چرنے کا سامان سمجھتا ہے، اس لئے قرآن نے کہا کہ

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّ هُمْ أَضَلُّ.....

یہ تو مویشیوں سے بھی بدتر ہیں، جو چیزیں ہم نے ان کے سمجھنے کے لئے بنائی ہیں یہ انہیں کھانے کی نیت سے دیکھتے ہیں، ہم مناظر طبیعت، پھل، سبزیوں، کھیت اور روزمرہ کے حوادث پر اگر غور کریں، مطالعہ کریں تو تدبر سے انسان ان کی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے اور یہی خداوند تبارک و تعالیٰ

کی نشانیاں ہیں چونکہ راز خدا نے چھپائے ہوئے ہیں، راز کہتے ہی اس کو ہیں کہ جو چھپا ہوا ہو، جو پنہاں نہ ہو اس کو تو راز نہیں کہتے ہیں۔ آپ پھلوں کی ترکیب دیکھیں، پھلوں میں جو قیمتی اور نازک حصہ ہے کہ جس کے اندر غذائیت ہے اس کو کس اہتمام کے ساتھ رکھا ہوا ہے؟ خداوند تبارک و تعالیٰ نے طبعی طریقے پر کس طرح سے اس کی خلقت کی ہے؟ آپ اخروٹ کی ساخت میں غور کریں، بادام میں غور کریں، یہ چیزیں جو ہم خرید کر کھا جاتے ہیں ان پر غور کریں، انسان جب سبزیوں اور مختلف قسم کے فروٹز (Fruits) کو دیکھے تو غور و تدبر کرے کہ کیا عجیب لطف الہی ہے اور کیا حسین ترتیب ہے؟ کیسی خلقت ہے؟ کیسی بناوٹ ہے؟ کس طرح سے ان کے اندازے ہیں؟ کس طرح سے ان کے اندر مٹھاس ہے؟ کس طرح سے ان کے اندر غذائیت ہے؟ کس طرح سے ان کے اندر پاکیزگی ہے؟ ان کے اندر کس قدر نفاست ہے؟ انسان کو حیرت ہو جاتی ہے اور اصلاً کھانے کو جی نہیں کرتا ہے، مثلاً جب انسان ایک انار کھول کر اس کے اندر بناوٹ کو دیکھے، اس کے اندر یہ چنے ہوئے دانے دیکھے، ان دانوں کی پاکیزگی کو دیکھے، ان کے اندر ذائقہ دیکھے، ان کا رنگ دیکھے، ان کا سائز دیکھے، ان کی شکلیں دیکھے، ان کی انجینئرنگ (Engineering) دیکھے اور ان کے اندر شفافیت دیکھے تو اس کے اندر ایک حیرت کی دنیا ہے۔ انگور کو دیکھے تو غور کرے کہ یہ ایک چھوٹی سی بیل ہے کہ جو گھاس سے اگی ہے، اسی زمین پر دوسری چیزیں بھی اگتی ہیں لیکن کس طرح سے انگور کا دانا بنتا ہے؟ کس طرح اس کا ظاہر بنتا ہے؟ کس طرح اس کے اندر جوس آ جاتا ہے؟ کس طرح اس کے اندر مٹھاس آتی ہے؟ کس طرح اس کے اندر غذائیت پیدا ہوتی ہے؟ اور اس کے اندر کتنی شفافیت و

نزاکت و ظرافت موجود ہے؟

ناریل میں غور کریں کہ یہ خداوند تبارک و تعالیٰ کی صناعت اور خلافت کا کس قدر زیبا اور حسین منظر ہے، انڈہ جو روز ابال کر اور فرائی کر کے کھا جاتے ہیں اس پر غور کریں، فکر کریں کہ یہ خداوند تبارک و تعالیٰ کی خلقت کی کیسی نشانی ہے؟ وجود خدا کی کیسی نشانی ہے؟ پرندوں کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھیں، بارش برستے ہوئے دیکھیں تو ان ساری حقیقتوں پر تدبر کریں، چنانچہ اہل تدبر گئے اور انہوں نے پانی کو کھول کر دیکھا اور کہا کہ یہ پانی عنصر نہیں ہے، ہمارے گزشتگان علمی اور بزرگان علمی خطا کرتے تھے کہ پانی کو عنصر سمجھتے تھے، درحقیقت پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مجموعہ ہے، پانی دو ہواؤں کا مجموعہ ہے، یہ تدبر سے معلوم ہوا اور نہ پانی کی رطوبت سے ہی سرو کار تھا اور پانی سے فقط نہانا دھونا اور دھوبی گھاٹ پر پانی استعمال کرنا ہی مقصود تھا، تدبر کے بغیر انسان ہر گز پانی کی حقیقت تک نہیں پہنچتا۔ عالم طبیعت ہمیں تدبر کی طرف بلاتا ہے، راہنمائی کرتا ہے، اگر تدبر نہ کریں تو سمجھ میں نہیں آتا ہے، روزمرہ یہ چیزیں ہمارے ہاتھ آتی ہیں لہذا ان پر غور و فکر کریں۔

۲) قیمتی چیزیں پردوں میں مخفی

خدا نے ہر قیمتی اور نادر چیز پر پردے چڑھادیئے ہیں اور ان پردوں کے اندر اس حقیقی چیز کو پنہاں رکھا ہے کہ جو ہماری جسم کی غذائی ضرورت ہے، یہ غذائی ضرورت اگر سامنے ہوتی مثلاً اخروٹ کا مغز سامنے ہوتا، پتوں کی طرح چھلکے کے بغیر ہوتا اور ہر جگہ لٹکا ہوا ہوتا تو انسان زحمت ہی نہ کرتا،

اخروٹ توڑنا بھی نہ پڑتا، یہ کام آسانی سے ہو سکتا تھا، جیسے بعض نے آکر جب بھینگی دید اور بھینگی آنکھ سے اس جہان کو دیکھا تو انہیں اس میں کچھ خلل نظر آیا، انہوں نے کہا کہ آپ یعنی قائلینِ توحید مدعی ہیں کہ جہان بڑا منظم ہے، احسن نظام ہے، خداوند تبارک و تعالیٰ نے اس نظام ہستی کا بہترین نظام بنایا ہے اور اس سے بہتر ممکن نہیں ہے، سب سے بہترین نظام یہی ہے کہ جو بنا ہوا ہے، انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہ بہترین نظام نہیں ہے، بہترین نظام یہ ہوتا کہ مثلاً انسان کا دل جو اتنے پردوں کے نیچے پنہاں ہے، چھپا ہوا ہے، اگر بیمار ہو جائے تو آپریشن کرنا پڑتا ہے اور آپریشن آسان بھی نہیں ہے، یہ دل باہر ہی کسی تھیلی میں پڑا ہوتا جیسے کینگر و کے شکم کے نیچے تھیلی ہوتی ہے اور اس کے اندر اس کا بچہ پڑا ہوتا ہے، اس طرح سے انسان کا دل بھی ایک تھیلی کے ساتھ ہوتا جو بدن کے ساتھ لٹکی ہوئی ہوتی لہذا جب بیمار ہوتا تو نکال کر اس کو ٹھیک کر لیتے، دل اتنا پیچھے چھپا کر رکھا ہوا ہے مثلاً گردہ اتنی تہہ کے نیچے ہے کہ اگر گردے کی بیماری ہو جائے تو اس کو نکال کر ٹھیک کیسے کیا جائے؟ یہ ساری چیزیں سامنے ہونی چاہئے تھیں، انہوں نے خدا کی صنائع پر اعتراضات کئے، ظاہر ہے کہ بھینگا آدمی احمقانہ اعتراض کرتا ہے، پھر تو اگر انسان کا مغز خراب ہو جائے تو مغز تک رسائی اور مشکل ہے چونکہ اس کے چاروں طرف ہڈی ہے، چاروں طرف کوئی دریچہ نہیں ہے، مغز کے آپریشن کے لئے ڈرل سے سوراخ کرنا پڑتا ہے، اس کے لئے بھی جیب کی طرح کوئی چیز ہوتی کہ جس میں مغز پڑا ہوتا اور جب خراب ہوتا تو انسان مغز ٹھیک کروا لیتا۔

اگر کھوپڑی میں دماغ اور مغز ہوتا تو انسان کے ذہن میں ایسا اشکال یا شبہ نہیں آتا۔ بدن کی

ساخت میں جو بھی کوئی قیمتی ترین چیز ہے وہ بدن کے اندر مخفی ترین ہے، پنہاں ترین ہے، اس کو زیادہ پردوں کے نیچے چھپایا گیا ہے اور سخت پردوں کے حصار کے اندر رکھا گیا ہے، یہ سب چیزیں انسان کو تدبر کے لئے دعوت دیتی ہیں۔ آپ ایک فروٹ کے اوپر سے چھلکا اتار کر اس کی حقیقت تک یعنی اس کے مغز تک پہنچتے ہیں اور جب مقصود تک پہنچتے ہیں تو وہ عمل درحقیقت ہم سے تدبر کروا رہا ہوتا ہے، یہ تدبر عملی ہے، مثلاً آپ کیلا کھاتے ہیں تو چھلکا اتارتے ہیں اور اس کے مغز تک پہنچتے ہیں پھر اسے کھاتے ہیں تو یہ تدبر عملی ہے، آپ کو عملاً تدبر کی مشق کروائی جا رہی ہے، جانور کو تدبر نہیں کرنا ہے لہذا وہ چھلکے سمیت کھا جاتا ہے بلکہ شاید اسکے لئے چھلکا زیادہ مرغوب ہے۔ عالم طبیعت انسان کو فکر و تدبر کی دعوت دے رہا ہے یعنی انسان کا مقصود پردوں کے نیچے پنہاں رکھا ہے گیا تا کہ انسان تلاش کرے، جسمانی کاوش ہو اور جسمانی کوشش کے ذریعے ان حقائق تک جا پہنچے، اسی طرح سے الفاظ ہیں، الفاظ کے اندر حکمتیں ہیں، معانی ہیں اور انسان تدبر سے ان کی حقیقتوں تک پہنچتا ہے۔

انسان کے لئے خدا نے کوئی چیز اس طرح بر ملا نہیں رکھی ہے چونکہ انسان کو عقل دی ہے اور جانور کو نہیں دی ہے لہذا جانور کے مقصود واضح و روشن ہیں، کھلم کھلا اس کی دسترس میں ہیں لیکن انسان کی مطلوبہ چیزیں اور انسان کے لئے حقائق خداوند تبارک و تعالیٰ نے پردوں کے پیچھے مخفی رکھے ہیں، انہی پردوں کے پیچھے جانا، ان پردوں کو چیر کے حقیقت تک پہنچنا تدبر ہے۔ الفاظ ایک پردہ ہے، مفہیم بھی ایک پردہ ہیں، تصورات بھی ایک قسم کا پردہ ہیں، انسان کے خیالات بھی ایک قسم کا پردہ ہیں، یہ سب حقائق تک پہنچنے کے لئے ہیں اور اہل تدبر وہ ہیں کہ جو الفاظ کے پردوں کو چاک کر کے

ان کی حقیقتوں تک پہنچتے ہیں۔ آپ غور کریں کہ احادیث کے چھوٹے چھوٹے جملوں سے یا ایک چھوٹی سی آیہ سے اہل تدبر نے کتنا علمی مواد اور کتنا حکمت کا مواد نکالا ہے، جس طرح ایک معدن ہے، کان ہے، ایک چھوٹا سا زمین کا ٹکڑا ہے لیکن اس کے اندر کتنی قیمتی معدنیات بھری ہوئی ہیں کہ اہل تدبر ان معدنیات تک پہنچتے ہیں۔

جس طرح سے یہاں پانی کی نہریں بہتی ہیں اور نالیوں میں پانی بہتا ہے تو پانی کے بجائے یہ تیل بھی اسی طرح نالیوں میں بہایا جاسکتا تھا۔ انسان نے اتنا تدبر کیا کہ اس نے کئی کلومیٹر نیچے جا کر زمین میں موجود چیز نکال دی، یہ کام انہی لوگوں نے کیا جو اہل تدبر تھے، جن کو خدا نے عقل دی تھی۔ انہوں نے زمین کے پردے چاک کئے، چیرے اور کئی کلومیٹر دبیز پردے چیر کر زمین کے نیچے موجود ایک حقیقت تک جا پہنچے، اپنی ضرورت تک جا پہنچے لہذا ان سے اسی لئے عرض کیا تھا کہ علامہ اقبالؒ کے بقول کارِ جہاں بنی، کارِ جہاں بانی سے سخت تر ہے چونکہ جہاں بانی میں ظاہر ہے کہ آپ کا زمین سے سروکار ہے لیکن جہاں بنی میں آپ کو زمین کے اندر اترنا پڑتا ہے، عالم کے اندر جانا پڑتا ہے، جہاں بنی تدبر کی محتاج ہے بلکہ جہاں بانی بھی جہاں بنی پر موقوف ہے، اگر انسان جہاں شناس نہ ہو، اہل تدبر نہ ہو اور حقیقتِ عالم سے آشنا نہ ہو تو اس جہاں کو بھی نہیں چلا سکتا ہے، اس جہاں پر حکم فرمائی و حکمرانی نہیں کر سکتا ہے، کارِ جہاں بنی انسان کے لئے دشوار تر ہے، آپ ایک ایک کر کے موضوع دیکھیں کہ جن لوگوں نے ان حقیقتوں تک رسائی پیدا کی ہے وہ کس قدر عظیم اور گراں قدر لوگ ہیں؟

(۳) اہل تدبر جنت کے حقدار

ہم داڑھی اور اس میں بھی داڑھی کے سائز اور پانچا دیکھ کر کہتے ہیں کہ کون جنت میں جائے گا؟ اور کون جہنم میں جائے گا؟ لیکن قرآن کہتا ہے کہ جو تدبر کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ

بہا..... (۳)

اور یقیناً ہم نے انسان و جنات کی ایک کثیر تعداد کو گویا جہنم کے لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں.....

یعنی ہم نے جہنم کے لئے کونسی مخلوق پیدا کی ہے؟ جو تدبر نہیں کرتی ہے، جنوں اور انسانوں میں سے جو غور نہیں کرتے ہیں وہ جہنم میں جائیں گے ورنہ انسان تدبر کئے بغیر پانچا تھوڑا اوپر نیچے رکھنے سے اور داڑھی تھوڑی زیادہ بڑی کرنے سے جنت میں چلا جائے تو یہ ناممکن ہے۔ خود دین پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس عبادت میں تدبر نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں ہے، جس قرآن خوانی میں تدبر نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں ہے، کتنا ہی اچھا اور مقدس کام ہو لیکن اگر انسان اس میں تدبر نہ کرے تو اس کے اندر کوئی خیر موجود نہیں ہے، اہل خیر وہ ہیں کہ جو تدبر کرتے ہیں اور انہی کے تدبر کے نتیجے میں دنیا میں رونق ہے۔

۴) تدبر، ترقی کا پیش خیمہ

دنیا میں جتنی بھی کشفیات، ایجادات اور مصنوعات ہیں یہ سب اہل تدبر کے تدبر کا نتیجہ ہیں، اگر وہ تدبر نہ کرتے اور ہماری طرح ہی ہوتے، تدبر کا میٹر آف (Off) کر کے بچت کر رہے ہوتے چونکہ ہم بچت اسکیم کے تحت عقل بھی استعمال نہیں کرتے، کہتے ہیں ناکہ پانی میں بچت کریں! بجلی میں بچت کریں! گیس میں بچت کریں! کم خرچ کریں! تاکہ بل زیادہ نہ آئے، اسی طرح اکثر نے اپنا تدبر کا میٹر بھی آف کیا ہوتا ہے کہ بل زیادہ نہ آئے، اگر ان لوگوں نے بھی ہماری طرح میٹر آف کیا ہوتا اور کسی چیز میں تدبر نہ کرتے تو ہم بھی آج خچروں پہ اور گھوڑوں پہ بیٹھے ہوتے اور کچے گوشت پکڑ کے لومڑ، گیدڑ کھا رہے ہوتے اور وہی شکار کے زمانے اور پتھر کے زمانے کا تمدن ہوتا۔

ترقی اور پیش رفت اس وجہ سے ہوئی ہے کہ اہل تدبر نے آکر راز کشف کئے ہیں، حقائق کشف کئے ہیں، آپ غور کریں کہ ایک سادہ سے جملے سے انہوں نے کس قدر حکمتیں استخراج کی ہیں، یہ فکر اہل تدبر کا ہی نتیجہ ہے کہ ایک حدیث سے ایک پوری کتاب تحریر کر دی۔ مثلاً چند آیات اور احادیث سے پوری کتاب الصلوٰۃ بن گئی، ایک پوری کتاب الصوم بن گئی، کتاب حج بن گئی، اگر یہ فقہاء، یہ اہل تدبر نہ ہوتے اور ان الفاظ کے پردوں کو چیر کے اور ان کے اندر موجود حقائق و مفاہیم تک نہ پہنچتے تو ہمارے پاس اتنا عظیم ذخیرہ موجود نہ ہوتا، چھوٹے چھوٹے جملوں سے، نیم سطر کے ایک جملے سے اہل تدبر نے ایسی حکمتیں کشف کی ہیں کہ انسان کی عمر بھر کے لئے کافی ہیں۔

۵) علماء دین کون ہیں؟

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ علوم اسلامی کہ جن کے اوپر اسلام کا بے نگر لگا دیا جائے اور جو عربی میں ہیں تو وہ سارے علوم اسلامی ہیں اور دوسرے علوم جو کسی اور زبان میں ہیں یا جن کے اوپر اسلامی بینر نہ لگا ہوا ہو وہ اسلامی نہیں ہیں، علمائے دین کہ جن کو ہم کہتے ہیں کہ علمائے دین کیا کر رہے ہیں؟ جو علمائے دین آیات قرآن کی تفسیر کرتے ہیں، جو علمائے دین روایات کی تفسیر کرتے ہیں اور ان کے اندر موجود حقائق کو کشف کرتے ہیں ان کو ہم علماء کہتے ہیں لیکن جو فزکس کے عالم ہیں، کیمسٹری کے عالم ہیں اور دوسرے علوم کے عالم ہیں انہیں علماء دین نہیں کہتے ہیں بلکہ سائنسدان کہتے ہیں، یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ یہ بھی تو یہی کام کرتے ہیں، یہ بھی ایک آیت خدا کو لے کر اس کی تفسیر کرتے ہیں، اس کی تشریح کرتے ہیں اور اس کی حقیقت تک پہنچتے ہیں، وہ علماء الفاظ کے اندر چھپے ہوئے حقائق تک پہنچتے ہیں اور یہ علماء ان موجودات کے اندر چھپے ہوئے حقائق تک پہنچتے ہیں۔

اگر دونوں کی غرض حقیقت کشف کرنا ہو تو دونوں علمائے دین ہیں لیکن اگر غرض یہ ہو کہ ہم اس سے ملازمت حاصل کریں گے، نوکری حاصل کریں گے اور شہرت پیدا کریں گے تو اس صورت میں یہ عالم دنیا ہیں، اگر کوئی قرآن اس لئے پڑھے کہ میری شہرت ہو، قرآن اس لئے پڑھے کہ مادیت تک پہنچے، قرآن کی تفسیر اس لئے کرے کہ لوگوں میں اپنا نام پیدا کرے تو یہ عالم دنیا ہے نہ کہ عالم دین ہے، اگر حقائق تک پہنچے تو یہ عالم ہے، ہمارے مطابق کوئی الفاظ کی تشریح کرے تو یہ دین ہے لیکن کوئی موجودات عینیہ کی تشریح کرے، موجودات حقیقی کی تشریح کرے تو یہ دین نہیں

ہے، حالانکہ یہ بھی دین ہے، یہ بھی تو آیاتِ خدا ہیں، ایک آیتِ لفظی خدا ہے اور ایک آیتِ عینی خدا ہے، ایک آیتِ لفظی کی تفسیر میں مشغول ہے اور ایک آیتِ عینی کی تفسیر میں مشغول ہے لیکن اگر دونوں کا مقصد اس سے دنیوی مفاد حاصل کرنا ہو تو دونوں علمائے دنیا ہیں، قرآن پڑھا کر بھی عالمِ دنیا ہیں، فقہ پڑھا کر بھی عالمِ دنیا ہیں اور فرس پڑھا کر بھی عالمِ دنیا ہیں لیکن اگر ان کا مقصد یہ ہو کہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس ظاہر کے اندر خدا نے کیا حقیقت چھپا رکھی ہے؟ ہم اس راز تک پہنچنا چاہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس راز سے آشنا کرنا چاہتے ہیں تو یہ علمائے دین ہیں۔ انبیاء و اولیائے خدا نے بھی یہی کام کیا ہے۔

۶) اولوالالباب کون ہیں؟

جو لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں انکی قرآن نے سخت الفاظ میں مذمت کی ہے کہ سورۃ اعراف کی ایک آیہ میں آپ کیلئے صرف اشارہ کیا تھا، اسی کے مقابلے میں ایک اور طبقہ بھی قرآن نے ذکر کیا ہے کہ جنہیں اولوالالباب کہا ہے، پہلے طبقے کو کالانعام گیا ہے،

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا..... (۴)

عقل ہے لیکن اس سے کام نہیں لیتے، آنکھیں ہیں لیکن اس سے عبرت نہیں لیتے ہیں، کان ہیں لیکن اس سے موعظہ نہیں سنتے ہیں، ان لوگوں کو کہا ہے کہ یہ کالانعام ہیں اور ان کے بجائے کچھ ایسے ہیں جو اولی الالباب ہیں، متعدد آیات میں قرآن مجید نے اولی الالباب کا ذکر کیا ہے از جملہ

اولوالالباب کون ہیں؟

سورہ آل عمران میں آیہ ۱۹۰ میں فرمایا کہ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي

الْأَلْبَابِ ۝

بیشک زمین و آسمان کی خلقت اور لیل و نہار کی آمد و رفت میں صاحبانِ عقل کے لئے

قدرت خدا کی نشانیاں ہیں۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (۵)

یقیناً ان کے واقعات میں صاحبانِ عقل کے لئے سامانِ عبرت ہے.....

وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرًا لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ (۶)

اور ہم نے انہیں ان کے اہل و عیال عطا کر دیئے اور اتنے ہی اور اپنی خاص مہربانی سے عطا

کئے اور صاحبانِ عقل کے لئے عبرت و نصیحت (قراردی)۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ

زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيَجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا

لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ (۷)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمان سے پانی نازل کیا ہے پھر اسے مختلف چشموں

میں جاری کر دیا ہے پھر اس کے ذریعہ مختلف رنگ کی زراعت پیدا کرتا ہے پھر وہ کھیتی سوکھ جاتی ہے تو

اسے زرد رنگ میں دیکھتے ہو پھر اسے بھوسا بنا دیتا ہے، ان تمام باتوں میں صاحبانِ عقل کے لئے

یاد دہانی اور نصیحت کا سامان پایا جاتا ہے۔

هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولَى الْأَلْبَابِ ۝ (۸)

جو کتاب مجسمہ ہدایت اور صاحبانِ عقل کے لئے نصیحت کا سامان ہے۔

ان لوگوں کو کہا ہے کہ یہ اولی الالباب ہیں، اولی الالباب یعنی صاحبانِ لب ہیں، اولی بمعنی ذو ہے یعنی صاحب، یہ صاحبانِ لب ہیں، لب حقیقت کو کہتے ہیں، اصلی مقصود کو لب کہتے ہیں، بادام اور اخروٹ کے اندر موجود مغز کو لب کہتے ہیں کیونکہ ان کے اندر اصلی چیز وہ ہوتی ہے، حقیقت اور روح وہ ہوتی ہے، لب اس حقیقت کو کہتے ہیں کہ جو چھپی ہوئی ہے، پنہاں ہے، پردوں کے نیچے ہے اور اس کی وجہ سے شے کی قیمت ہے، اسی وجہ سے عقل کو بھی لب کہتے ہیں کیونکہ انسان کی انسانیت، انسان کی قیمت، انسان کا سارا مقام عقل کی وجہ سے ہے، اگر عقل کی تعطیل ہو جائے، عقل ختم ہو جائے تو انسان اور ایک جانور میں، انسان اور ایک ستون میں کوئی فرق نہیں ہے، حقیقت انسان، قدر انسان رہیں عقل انسان ہے، علماء نے اولی الالباب کا دو طرح سے معنی کیا ہے، ایک وہی رائج تفسیر اولی الالباب یعنی صاحبانِ عقل، عقل کو بھی لب اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ چونکہ یہ بھی حقیقت انسان ہے، مقصود اصلی انسان ہے، کچھ لوگ صاحبِ عقل ہیں یعنی صاحبِ تدبر و صاحبِ تفقہ ہیں۔ کالانعام کی طرح نہیں ہیں کہ ان کے دل ہیں لیکن یہ ان سے تفکر و تدبر نہیں کرتے ہیں،

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا.....

انکے قلوب بغیر تفکر کے نہیں ہیں بلکہ ”لہم قلوب یفقہون بہا، یتدبرون بہا،

اولی الالباب کون ہیں؟

یتفکرون بہا، یعقلون بہا، ”یہ ان قلوب سے تفقہ کرتے ہیں، تدبر کرتے ہیں، تفکر کرتے ہیں، تعقل کرتے ہیں اور اس عقل کی مدد سے حقائق عالم میں غور کرتے ہیں۔ تدبر یعنی یہ لوگ موجودات کی حقیقت تک رسائی پیدا کرتے ہیں، اس وجہ سے ان کو اولی الالباب کہا گیا ہے۔

اولی الالباب کا دوسرا دقیق تر معنی بھی کیا گیا ہے، کچھ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ ظاہر کے تابع ہوتے ہیں، لب کے مقابلے میں قشر ہے، قشر یعنی چھلکا، کچھ ایسے لوگ ہیں جو فقط قشر کے درپے ہیں، چھلکے کی حد تک رسائی ان کا ہم و غم ہے، چھلکا ہاتھ آجائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں بہت کچھ حاصل ہو گیا ہے، جیسے کہ موجود بھی ہیں، علمی مدرسوں میں ادبیات پڑھ کر، صرف و نحو پڑھ کر حجت الاسلام ہو جاتے ہیں، اسلام سے پہلے پہلے ہی کہ ابھی اسلام بھی شروع نہیں ہوا ہے پہلے ہی حجت الاسلام ہو گئے، الفاظ کے آداب پڑھ لئے، الفاظ کی اسحات پڑھ لیں، مبتدا و خبر پڑھ لی، صرف و نحو پڑھ لیا، کلمات کے اعراب و بنا پڑھ لئے لیکن اس کو علم کہاں ہے کہ الفاظ تو چھلکا ہیں، الفاظ تو ظاہر ہیں، لفاظی سیکھ لی ہے، علم الفاظ اگر حاصل کر لیا تو اب معانی کی نوبت ہے، آپ الفاظ کے اندر موجود پنہاں حقائق تک پہنچو، آپ نے الفاظ پر ہی اکتفا کر لیا، یہ لوگ اہل لب نہیں ہیں، یہ لب کے درپے نہیں ہیں۔

جیسے مزار میں جوس کی دکانیں ہوتی ہیں، جوس والے فروٹ سے جوس نکال کر کچرا جمع کرتے ہیں، انہی بازاروں میں جا کر غور کریں، دیکھیں کہ لوگ کیا کر رہے ہیں، کون آدمی کیا کر رہا ہے؟ ایک جوس نکال رہا ہے، ایک جوس پی رہا ہے، ایک جوس بیچ رہا ہے، یہ سارے کام ہو رہے ہیں

اور ایک آدمی آخر میں شام کو گدھا گاڑی لے کر آتا ہے اور وہ جتنا بھوسا یعنی نچوڑے ہوئے فروٹ پڑے تھے وہ سارا گدھا گاڑی میں ڈال کر لے جاتا ہے، اگر اسے جوس کا پیالہ دیں تو بھی وہ اس کا نہیں ہے، یہ جوس پینے نہیں آیا ہے، کبھی بھی آپ اس کو جوس پیتے ہوئے نہیں دیکھیں گے چونکہ وہ آتا ہی فقط نچوڑے ہوئے فروٹ کے چھلکے، کچرا اور بھوسا اٹھانے کے لئے ہے یعنی اس کی غرض یہی ہوتی ہے، فقط چھلکے جمع کرنا اس کا کام ہے، جوس والا جوس نکالتا ہے اور فروٹ کے دو حصے الگ کر دیتا ہے، جن کے پاس پیسے ہیں وہ جوس پی لیتے ہیں اور وہ بے چارہ پیسے کمانے کے لئے، فروخت کرنے کیلئے یا جانوروں کے کھانے کیلئے چھلکے اٹھا کر لے جاتا ہے، اسی کو ہم دیکھیں کہ یہی کام دوسرے لوگ بھی کر رہے ہیں یعنی بعض دوسری دکانوں پر جہاں مثلاً چھلکا نہ پھینکا جاتا ہے، نہ بیچا جاتا ہے، وہاں پر بھی لوگ یہی کام کرتے ہیں، اگر آپ علمی مراکز میں چلے جائیں تو آپ کو وہاں بھی اسی طرح دو قسم کے لوگ نظر آئیں گے، کچھ ایسے ہیں جو گدھا گاڑی لے ہوئے چھلکے جمع کر رہے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو جوس پی رہے ہیں، کچھ ہیں جو فقط ظواہر پہ اکتفا کئے ہوئے ہیں لیکن کچھ ایسے ہیں جو ان ظواہر کے اندر ان کی گہرائی میں اور عمق میں اترے ہوئے ہیں، جوس یعنی وہ حقیقت اور لب۔

کچھ ایسے ہیں کہ جو صاحبان لب ہیں یعنی درپے کشف لب ہیں، اہل تدبر ہیں، قرآن نے ان کو بہت سراہا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے اپنی نشانیاں اس عالم میں پھیلا دی ہیں لیکن ان نشانیوں تک کون پہنچے گا؟ صاحبان لب پہنچیں گے،

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي

اولوالباب کون ہیں؟

الْبَابُ ٥ (٩)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

زمین اور آسمان کی خلقت، زمین اور آسمان یعنی پوری کائنات، قرآن میں جب یہ زمین اور آسمان کے الفاظ باہم استعمال ہوں تو اس سے مراد پورا جہان ہستی، پورا عالم ہستی اور پوری کائنات مراد ہے فقط زمین اور آسمان نہیں ہے، اس عالم ہستی میں ہم نے اپنی نشانیاں پھیلا دی ہیں، مقصود وجودِ عالم ہستی یہی تھا۔ زمین و آسمان کی خلقت میں ہماری نشانیاں ہیں،

وَإِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

زمین کی گردش اور صبح و شام ہونا، دن کا آنا اور رات کا جانا، ان سب کے اندر لآیات

اللہ کی نشانیاں ہیں لیکن کس کے لئے ہیں؟

لأُولَى الْأَلْبَابِ ٥

جو صاحبانِ لب ہیں نہ کہ جو صاحبانِ چھلکا ہیں، صاحبانِ چھلکا وہ ہیں کہ وہ کب افطار کریں؟ کب پکوڑے کھائیں؟ سمو سے کے انتظار میں ہیں، کب دن نکلے تو ہم اپنے کام کاج کریں؟ کب کھیت میں جائیں؟ کب کھانا شروع کریں؟ ناشتے کا ٹائم کب ہوگا؟ بار بار گھڑی دیکھتے ہیں کہ صبح ہوئی ہے یا نہیں ہوئی ہے لیکن رات اور دن کے آنے میں کبھی غور نہیں کیا کہ یہ رات اور دن کیسے بدلتے ہیں؟ صرف انسان اس تفاوت کو دیکھے کہ رات کے بعد دن کا آنا اور دن کے بعد

اولیٰ الباب کون ہیں؟

رات کا آنا، اختلاف سے مراد ہے کہ ایک کا دوسرے کے خلف میں آنا، دن خلیفہ رات ہے اور رات خلیفہ دن ہے، خلیفہ یعنی بعد میں آنا، یہ ایک دوسرے کے بعد نوبت سے اور بڑے نظم کے ساتھ آتے ہیں، انسان اس حقیقت کو اور اس ظاہر کو کھولے، اس کے اندر اترے تو آپ کو کیا ملے گا؟ خدا کی نشانیاں ملیں گی بلکہ خود خدا ملے گا۔

(۷) اہل لب ہی خدا کو پاسکتے ہیں

اختلاف لیل ونہار میں اللہ کی نشانیاں ہیں اور نشانیاں خدا کی طرف انسان کی نشاندہی کراتی ہیں، اہل لب وہ ہیں کہ جن کا یہ کہنا ہے کہ

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللَّهَ قَبْلَهُ..... (۱۰)

میں نے کوئی شے نہیں دیکھی مگر اس سے پہلے خدا کو دیکھا.....

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللَّهَ قَبْلَهُ وَمَعَهُ وَبَعْدَهُ..... (۱۱)

میں نے کوئی شے نہیں دیکھی مگر اس سے پہلے خدا کو دیکھا، اس کے ساتھ بھی اور اس کے بعد بھی.....

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللَّهَ مَعَهُ..... (۱۲)

میں نے کوئی شے نہیں دیکھی مگر اس کے ساتھ خدا کو دیکھا.....

یعنی امیر المومنین مولا علی علیہ السلام کے مطابق ہر چیز میں خدا ہے کہ جو صاحبان لب کو نظر آتا

اہل لب ہی خدا کو پاسکتے ہیں

ہے، ہمیں درخت، درخت نظر آتا ہے لیکن امیر المومنین علیہ السلام کو درخت میں خدا نظر آتا ہے، امیر المومنین علیہ السلام کو درخت آیت خدا نظر آتا ہے، ہمیں پھل نظر آتا ہے لیکن امیر المومنین علیہ السلام کو یہ اللہ کی نشانی نظر آتا ہے، اس کے اندر خدا نظر آتا ہے، ہمیں خرما اور کھجور یعنی فقط کھانے کے لئے ایک شے نظر آتی ہے لیکن امیر المومنین علیہ السلام کو اسی کے اندر خدا نظر آتا ہے، ہمیں چیونٹی نظر آتی ہے لیکن امیر المومنین علیہ السلام کو چیونٹی کے اندر اللہ کی نشانی اور خدا نظر آتا ہے۔ یہ صاحبان لب ہیں، پس ایک طبقے کو کالانعام کہا اور ایک کو اولی الالباب کہا،

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا.....

عقل ہے، دل ہے، دماغ ہے، سوچنے کی قوتیں ہیں لیکن ان سے تدبر نہیں کرتے ہیں، اولی الالباب یعنی جو لب تک پہنچتے ہیں، حقیقت تک پہنچتے ہیں، اگر کوئی ارادہ کرے کہ آج سے ہم قرآن میں تدبر شروع کرتے ہیں تو ممکن نہیں ہوگا، بسا اوقات ہوتا ہے کہ انسان کو جب توجہ ہوتی ہے تو آمادگی کے بغیر جا کر عمل شروع کر دیتا ہے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام سے ایک روایت لو ہے کی خلقت کے بارے میں ہے کہ خدا نے لوہا پیدا کیا ہے اور اس کی حکمت کے طور پر یہی کافی ہے کہ آئینہ اس سے آئینہ بنتا ہے اور آئینہ معرفت خدا کے لئے ایک بہترین چیز ہے، انسان کو اگر حقیقت آئینہ معلوم ہو جائے کہ آئینہ کیا ہے تو یہ معرفت خدا کیلئے بہترین چیز ہے، یہی آئینہ جو ہم صبح و شام دیکھتے ہیں، جس کے سامنے کھڑے ہو کر ڈرینگ کرتے ہیں، اپنے آپ کو سنوارتے ہیں، کنگھا کرتے ہیں، بال ٹھیک کرتے ہیں، میک اپ کرتے

اہل لب ہی خدا کو پا سکتے ہیں

ہیں، سب کچھ کرتے ہیں، آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر آئینے میں خود کو دیکھتے ہیں جبکہ امیر المومنینؑ کو ہر چیز میں خدا نظر آتا ہے۔

ہمیں ہر چیز میں ہم خود نظر آتے ہیں، یہ بھی میری ہے، وہ بھی میری ہے، جو میری نہیں ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے، بہترین چیزیں وہی ہیں کہ جو ہم سے منسوب ہیں، بہترین مدرسہ کونسا ہے؟ جس میں ہم پڑھتے ہیں، جس میں ہم نہیں پڑھتے ہیں وہ بیکار ہے، دوسرے میں کیا ہے؟ اس میں کچھ بھی نہیں رکھا ہے، بہترین استاد وہ ہے کہ جس کے پاس ہم پڑھتے ہیں، بہترین کتاب کونسی ہے؟ جو آپ نے خریدی ہے وہی بہترین کتاب ہے، جو آپ نے نہیں خریدی تو اس میں رکھا ہی کیا ہے؟ بہترین علاقہ کونسا ہے؟ جو ہم نے دیکھا ہے، جن علاقوں میں ہم نہیں گئے وہ بیکار ہیں، ہمیں ہر چیز میں ہم خود نظر آتے ہیں، امیر المومنین حضرت علیؑ کو ہر چیز میں خدا نظر آتا ہے، یہ جہان پورا آئینہ ہے، اس آئینے میں جب ہم کھڑے ہوتے ہیں تو ہم خود اپنے آپ کو دیکھتے ہیں، کیوں؟ کیونکہ ہم خود خواہ ہیں، خود غرض ہیں، خود محور ہیں، اگر خدا پرست ہوتے تو ہمیں امیر المومنینؑ کی طرح ہر چیز میں خدا نظر آتا، خود خواہ انسان کو خود اپنا سراپا ہی نظر آتا ہے۔

ایک دفعہ جب یہ روایت پڑھی کہ آئینہ خدا شناسی کے لئے ایک بہترین کتاب ہے تو ایک بزرگوار درس سے اٹھے اور سیدھے آئینے کے سامنے کھڑے ہو گئے، کیونکہ آئینے عموماً ہوتے بھی واش روم میں ہیں تو وہاں پر انہوں نے آئینے کے سامنے معلوم نہیں کتنی دیر لگائی اور کھڑے رہے، پھر واپس آ کر کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ انسان آئینہ دیکھے تو خدا شناسی کے لئے بہترین ہے، میں نے آئینہ دیکھا

اہل لب ہی خدا کو پا سکتے ہیں

مجھے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا، اس نے درست کہا، ایسے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے کہ انسان درس سے اٹھے اور جا کر آئینہ دیکھنا شروع کر دے، مثلاً درس سے اٹھے اور سیدھا جا کر قرآن میں تدبر کرنا شروع کر دے، ایسے کیا تدبر ہوگا؟ اس تدبر سے کیا ملے گا؟ سوائے سر درد کے، انسان کے سر میں درد ہونا شروع ہو جائے گا چونکہ تدبر کا مطلب یہ ہے کہ ایک آیت لے کر اس کو پڑھیں، غور کریں لیکن کیا غور کریں؟ غور کہاں سے کریں؟ کس طرح غور کریں؟ اس میں کیا ہے جو ہم غور کریں؟ یہی سوالات اٹھ اٹھ کر آخر سر میں درد ہونا شروع ہو جائے گا اور روزہ رکھنا بھی مشکل ہو جائے گا، پھر کہیں گے کہ انہوں نے عجب تدبر بتایا کہ قرآن میں تدبر کریں۔

تدبر کیلئے پہلے انسان متدبر بنے اور آمادہ ہونہ کہ ابھی ہم مقام تدبر پہ اہل تدبر ہیں یا اولی الالباب ہیں کہ صبح سے اگر ہم نے تدبر شروع کر دیا تو قرآن کچھ نہ کچھ ہمیں بتانا شروع کر دے گا یا ہم ان رازوں تک پہنچنا شروع کر دیں گے۔

مثلاً اگر کسی بچے کو بتایا جائے کہ عالم ہستی میں جو حقائق ہیں ان کے اندر بہت سارے راز چھپے ہوئے ہیں اور وہ بغیر اس کے کہ انہیں پڑھے، اسکول جائے اور ایک سائنسدان بنے صبح جا کر مثلاً کسی دانے کو کھول کر اس کے اندر حقیقت دیکھنا شروع کر دے کہ اس کے اندر کیا رکھا ہوا ہے؟ تو سوائے سر درد کے اور کچھ سر میں نہیں آئے گا۔ پہلے صاحب لب بننا ہے، صاحب لب یعنی پہلے انسان اس ابتدائی حالت سے، ناقص حالت سے اوپر آئے، فہم میں ترقی کرے، تخیل کی دنیا سے باہر آئے، ظاہر بنی کی دنیا سے باہر آئے، قشر بنی سے باہر آئے اور خود بنی سے باہر آئے تاکہ اس کو کچھ اور نظر

اہل لب ہی خدا کو پا سکتے ہیں

آئے یعنی انسان کے اندر تکامل علمی حاصل ہو۔

۸) تدبر کی مشق کے مراحل

ہم ابھی فقط حواس کی مدد سے کسی چیز کو دیکھتے ہیں یعنی ابھی ہماری آنکھیں ہمارے سب کام کرتی ہیں، عقل کچھ بھی کام نہیں کرتی ہے، آنکھ سے جو چیز نظر آتی ہے وہی ہم دیکھتے ہیں، آنکھ سے تو تدبر نہیں ہوتا ہے بلکہ عقل سے تدبر ہوتا ہے، کبھی عقل کو بھی موقع دو، ابھی تک تو آنکھ نے عقل کو موقع نہیں دیا، ابھی تک کان نے عقل کو موقع نہیں دیا ہے اور عقل میں سب سے بڑی مزاحم زبان ہے، زبان نے ابھی تک عقل کو موقع نہیں دیا ہے، کہتے ہیں کہ سکوت، خاموشی عقل کے کمال کی علامت ہے، یہ عقل کے کمال کی علامت کیسے ہے؟ چونکہ جب عقل فعال ہوتی ہے تو باقی ساری چیزیں سوئچ آف (Switch off) کرنی پڑتی ہیں، سارے حواس بند کرنے پڑتے ہیں پھر عقل اپنا کام کرتی ہے، اگر ایک آدمی بول رہا ہے اور اتنا بولتا ہے، اتنی باتیں کرتا ہے کہ کسی کو فرصت نہیں دیتا ہے تو یہ تعقل کیسے کرے گا؟ یہ کب سوچے گا؟ پہلے تدبر کے مقام پر پہنچے اور اپنے آپ کو متدبر انسان بنائے اور عرض کیا کہ تدبر کر سکتے ہیں، ہر چیز ہر ذرہ عالم ہمیں تدبر کی دعوت دے رہا ہے، ہمیں کہہ رہا ہے کہ مجھے کھلو اور دیکھو میرے اندر کیا ہے؟ یہی فروٹ جو فوراً کھا لیتے ہیں ان کو کھول کر دیکھیں، ان میں غور و فکر کریں کہ یہ ہمیں دعوتِ تدبر دے رہے ہیں۔

رمضان میں کھجور کھاتے ہیں، اس کھجور کو دیکھیں، غور کریں کہ یہ کھجور کہاں اور کس درخت

تدبر کی مشق کے مراحل

پہ لگی؟ اس درخت کو کھا کر دیکھیں تو اس میں یہ ذائقہ نہیں ہے، جس مٹی سے یہ کھجور اُگی ہے اس کے اندر تو یہ خاصیت نہیں ہے بلکہ اس کے درخت کی مٹی کو کھا دُالی گئی اور اس مضر مٹی سے یہ کھجور جیسی بہترین چیز بنی کہ جس کے اندر اتنی غذائیت ہے، پھر اس کھجور کی بناوٹ دیکھیں اور کھجور کے درخت پر تدبر کریں، اگر انسان کائنات کے ہر ذرے پر غور کرنا شروع کر دے، سوال اٹھانا شروع کر دے اور ان سوالوں کا جواب وہاں سے طلب کرنا شروع کر دے تو پھر انسان آہستہ آہستہ مشق کر کے اہل تدبر میں سے بن جاتا ہے یعنی انسان کی عقل کام کرنا شروع کر دیتی ہے، جب ہماری عقل کام کرنا شروع کر دے تو اس وقت اولی الالباب ہیں اور یہی لوگ جب قرآن کی طرف آتے ہیں تو قرآن انہیں کچھ اور بتاتا ہے لیکن اگر ہم فقط قرآن میں زبان چلائیں اور فقط آنکھوں سے قرآن پر نگاہ کریں تو صاحب لب نہیں ہیں بلکہ اس طرح فقط الفاظ حاصل ہوں گے۔

پس یہ دو طبقے قرآن نے ذکر کئے کہ کچھ ایسے ہیں کہ دل ہیں، آنکھیں ہیں، کان ہیں، سب کچھ ہے لیکن انہیں استعمال نہیں کرتے، استعمال کرنے سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ انہیں درخت، درخت نظر نہیں آتا ہے، نا، بلکہ انہیں درخت کے اندر موجود راز نظر نہیں آتا ہے، یوں نہیں ہے کہ انہیں جانور نظر نہیں آتے ہیں، جانور نظر آتے ہیں لیکن ان جانوروں کے اندر موجود خدا کی نشانیاں نظر نہیں آتی ہیں، یہ اہل لب نہیں ہیں اور دوسرے گروہ کو کہا کہ یہ اولی الالباب ہیں، خدا فرماتا ہے کہ ہم نے پورے عالم میں اپنی نشانیاں پھیلائی ہیں اور ادھر سے ان انسانوں کو پیدا کیا ہے کہ ہماری نشانیوں کو جا کر مطالعہ کرو، کل عالم ہستی کتابِ خدا ہے،

مرا بہ ہیچ کتابی مکن حوالہ دگر

کہ من حقیقت خود را کتاب می بینم..... (۱۳)

یعنی مجھے کسی کتاب کے حوالے نہ کرو میں خود اپنی حقیقت کو کتاب پاتا ہوں.....

انسان خود ایک صحیفہ خدا ہے، انسان خود ایک کتاب خدا ہے، ہم نے انسان کے لئے ان

کے انفس میں اور آفاق میں آیات رکھی ہیں،

روایت میں ہے کہ

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ..... (۱۴)

جس نے اپنے آپ کو پہچانا تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچانا.....

کبھی اپنے آپ میں غور کریں، کبھی اپنی شناخت پیدا کریں اور اپنی حقیقت میں غور کریں

تا کہ اہل تدبر بن سکیں، بہت سارے سوال اپنے لئے اٹھائیں، ابھی تو ہم امتحان میں جواب دیتے

ہیں مثلاً بیس سوال آتے ہیں ان کا بھی مشکل سے جواب دیتے ہیں یا فرض کریں پچاس سوال آتے

ہیں اور ان میں اختیار ہوتا ہے کہ اتنے سوالوں کا جواب دیں لیکن خداوند نے ہمیں اس عالم میں بھیجا

ہے کہ یہ دار امتحان ہے، اس عالم میں ہمیں کس لئے بھیجا ہے؟ اس کو توجہ کے ساتھ ذہن نشین کریں،

اہل تدبر فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عالم میں بھیجا ہے تا کہ ہم سات ملین (Seven Million)

سوالوں کا جواب دیں، جو ان سوالوں کا جواب تلاش کرے وہ انسان کامل ہے۔

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (۱۵)

اور یہی لوگ فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں۔

یہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جنہوں نے سات ملین سوالوں کا جواب کشف کر لیا ہے، ہماری زندگی کا اور یہاں پیدا ہونے کا یہی ایک کام تھا۔ جیسے کمرہ امتحان میں جاتے ہیں تو کس لئے جاتے ہیں؟ ان بیس سوالوں کا جواب دینا ہے، ان سو سوالوں کا جواب دینا ہے، اگر جواب نہیں دیا تو پھر فیل ہیں، کامیابی کیلئے ان سوالوں کا صحیح جواب دینا ہے۔ ہم اس دار امتحان میں، اس دنیا میں کس لئے پیدا ہوئے؟ سات ملین سوالوں کا جواب ڈھونڈنے کے لئے۔

۹) سوال پیدا ہوتا ہے

انسان سوال کا جواب اس وقت ڈھونڈتا ہے کہ جب سوال پیدا ہو، ویسے بھی عام طور پر کہتے ہیں کہ ”سوال پیدا ہوتا ہے“، سوال کی پیدائش ہوتی ہے، سوال کی پیدائش کے لئے ماں باپ چاہئیں، سوال کو ماحول چاہئے، سوال کو کوئی رحم چاہئے کہ جہاں پر کوئی چیز جاتی ہے اور وہاں جا کر سوال بن جاتی ہے، کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو زور لگا کر سوال بناتے ہیں، زور لگا کر بہت ساری چیزیں بنائی جاسکتی ہیں لیکن زور لگا کر سوال نہیں بنایا جاسکتا ہے، جیسے زور لگا کر بعض شعر لکھتے ہیں اور پھر اس سے ڈبل زور لگا کر شعر کو سننا پڑتا ہے، لیکن شعر پیدا ہوتا ہے، شاعر وہ ہوتا ہے کہ جس میں شعر خود پیدا ہوتا ہے، شعر شاعر کو بناتا ہے، شاعر شعر کو نہیں بناتا ہے یعنی لوگ شاعر کیسے بنے ہیں؟ مرزا غالب کیسے شاعر بن گیا ہے، اشعار نے ان کو شاعر بنایا ہے نہ کہ غالب نے اشعار بنائے ہیں۔

حافظ شیرازی میر شریف جرجانی کے شاگرد ہیں یعنی مؤلف صرف میر کے شاگردوں میں سے ہیں، میر شریف جرجانی کی کلاس میں شعر پر پابندی تھی، شعر پڑھنے پر بھی اور شعر کہنے پر بھی چونکہ یہ رات کو بیٹھ کر شعر لکھتے تھے اور صبح آ کر سناتے تھے، جو شعر زور لگا کر لکھا جائے، اس شعر کو سننے میں بہت تکلیف ہوتی ہے، لیکن حافظ کو خود کہتے تھے کہ حافظ جو شعر بنا ہے سناؤ، سب کو تعجب ہوتا تھا کہ ہمیں شعر سے روکتے ہیں اور ان سے شعر سنتے ہیں، جب ان سے پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کہا اس وجہ سے کہ تم زور لگا کر شعر بناتے ہو اور حافظ پر شعر زور لگاتا ہے۔

بعض لوگ سوال بھی زور لگا کر بناتے ہیں، جو زور لگا کر سوال بنائے تو وہ سوال سننا بھی سخت ہوتا ہے اور اس کا جواب بھی سخت ہوتا ہے چونکہ وہ سوال نہیں ہوتا ہے، وہ ایسے ہی انہوں نے زور لگایا ہوتا ہے، بنایا ہوا ہوتا ہے لیکن سوال خود پیدا ہوتا ہے، سوال کب پیدا ہوتا ہے؟ جب انسان کو کوئی معرفت ہو، کوئی علم ہو، علم سوال اٹھاتا ہے، جہالت سے سوال کبھی بھی پیدا نہیں ہوتا ہے لہذا کہا جاتا ہے کہ

حُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ..... (۱۶)

اچھا سوال آدھا علم ہے.....

یعنی سوال صحیح نصف علم ہے، البتہ زور لگا کر جو سوال بنے وہ ناقص ہوتا ہے، ناقص الخلقہ ہوتا ہے لیکن جو سوال طبعی طور پر پیدا ہوتا ہے وہ بہت بجا سوال ہوتا ہے، الغرض انسان کے اندر سوال خود پیدا ہوتا ہے، پہلے ہمارے لئے یہ سوال اٹھے، ہمارے لئے سوال یہ ہے کہ مولانا روم شیعہ تھے یا

سوال پیدا ہوتا ہے

سنی تھے، فلاں آدمی کیا تھا؟ کیا نہیں تھا؟ کس فرقے سے تعلق رکھتا تھا؟ یہی ہمارے سوال ہیں جو پیدا ہوئے ہیں، ابھی اصل سوال پیدا ہی نہیں ہوئے۔

۱۰) سات ملین سوالوں کی تیاری

اہل تدبر کے مطابق ہمیں اس عالم میں اسلئے بھیجا ہے تاکہ ہم سات ملین (Seven Million) سوالوں کا جواب دیں اور جو ان سوالوں کا جواب تلاش کر لے وہ انسان کامل ہے۔ ابھی ہمارے اندر عالم ہستی کے بارے میں ان سات ملین میں سے سات سوال بھی پیدا نہیں ہوئے؟ ان سوالوں کو اٹھانا ہے لیکن یہ کس طرح سے اٹھیں گے؟ تدبر سے، غور سے یہ سوال اٹھیں گے اور ان سوالوں کا انسان کے پاس جواب بھی ہو، یہ قبر میں پوچھیں جائیں گے، ان سات ملین سوالوں کا ہی جواب پوچھا جائے گا؟ یہ قبر کے سوال ہیں اور یہی آخرت میں ہے۔

ہم ان سات ملین سوالوں کا جواب ڈھونڈنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور قبر میں وہی پوچھے جائیں گے، چند ایک سوال ہم نے سنے ہوئے ہیں کہ جو تلقین میں پڑھے جاتے ہیں، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ صرف یہی چند سوال ہوں گے لہذا وہ رٹا دیئے جاتے ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ اب کام تمام ہو گیا ہے، نہیں بلکہ عالم برزخ بہت طولانی ہے، جب تک یہ سات ملین تکمیل نہیں ہوئے تو فارم (Form) آگے نہیں بڑھیں گے، جن کی تکمیل ہوگئی ہے وہ لوگ مرتے ہیں تو قیامت میں پہنچ جاتے ہیں،

فَإِنْ أَحَدُكُمْ إِذَا مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ..... (۱۷)

بے شک تم میں سے جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو پس اس کی قیامت واقع ہو جاتی ہے.....

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ..... (۱۸)

جو مر جاتا ہے پس اس کی قیامت قائم ہو چکی ہے.....

پس جب ابن آدم مرتا ہے تو اس کی قیامت برپا ہو جاتی ہے لیکن وہ ابن آدم کہ جس کا سارا فارم بھرا ہوا ہے یا سارا غلط یا سارا صحیح ہے، جس نے کچھ صحیح اور کچھ غلط بھرا ہوا ہے تو اس کو کوارنٹائن (Quarantine) میں ڈال دیں گے کہ تم برزخ میں رہ کے سارا غلط کرو یا سارا صحیح کرو اور برزخ بہت طولانی اور بڑی سخت ہے، عالم قبر و عذاب قبر بہت سخت ہے، عذاب قبر سے مراد وہ مٹی نہیں ہے کہ جس گڑھے کے اندر جسم ڈالتے ہیں، اس میں تو روح نہیں ہے، روح عالم قبر میں ہے نہ کہ جسم ہے، جسم لحد میں ہے، ہم نے لحد اور قبر میں اشتباہ کر دیا ہے، قبر اور چیز ہے لحد اور چیز ہے، روح قبر میں ہے اور جسم لحد میں ہے، فشار قبر اور فشار لحد، لحد تو فشار نہیں دیتی ہے، لحد میں کیڑے آتے ہیں، وہ تو شکر خدا کرتے ہیں کہ یہاں پر ایک ایسی لاش آئی ہے، ایک ایسا بہترین کھانا میسر آیا ہے اور ایسی بہترین چربی اس کے اوپر چڑھی ہوئی ہے کہ کیا کچھ کھایا ہوگا اس نے؟ کیڑے اس کو کھا کر شکر خدا کرتے ہیں، یہ روح ہے کہ جو اس وقت عالم قبر میں ہے اور فشار میں ہے، جسم سے سوال جواب نہیں کرنے ہیں بلکہ روح سے کرنے ہیں، روح کو بتانا ہے کہ

مَنْ رَبُّكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ وَمَنْ دِينُكَ وَمَنْ كِتَابُكَ وَمَنْ قِبْلَتُكَ وَمَنْ

سات ملین سوالوں کی تیاری

اِئْتَمُک.....

یہ سوالات چند ایک نہیں ہیں کہ جو انگلیوں پر تمام ہو جائیں گے چونکہ ہمارا دین بھی انگلیوں پر تمام ہو جاتا ہے اور سوال و جواب بھی انگلیوں پر ختم ہو جاتے ہیں، دین کیا ہے؟ خدا ایک ہے، نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، امام بارہ ہیں، معصوم چودہ ہیں، اصول دین پانچ ہیں، فروع دین دس ہیں، تمام شد، دین کم ہے اور انگلیاں پھر بھی زیادہ بن جاتی ہیں، یہی بچپن میں سکھاتے ہیں، بڑھاپے تک یہی دین ہمارے ذہن میں رہتا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ یہی چند سوال ہیں، نہیں، بلکہ وہ فارم کونسا ہے؟ وہ صفحہ کونسا ہے؟ وہ کتاب کونسی ہے کہ جو ہمیں ان سوالوں سے بھرنی ہے؟ وہ کتاب صحیفہ نفس انسان ہے، وہ خود اپنے نفس کے اندر ہے۔

اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ حَسِيْبًا (۱۹)

یعنی کہا جائے گا کہ آؤ اپنی کتاب پڑھو، وہ کہے گا کہ پروردگار میری کتاب کہاں ہے؟ آواز آئے گی کہ خود پر نگاہ کرو۔ تو خود اپنی کتاب ہے، تو نے اپنی کتاب خود بھری ہے، یہ فارم (Form) تو نے خود فل (Fill) کیا ہے، دیکھ اس میں تو نے کیا بھرا ہے؟ کتنے سوال ابھی باقی ہیں کہ جو تجھے جاننے تھے اور تو نے نہیں جانے۔

انسان غور و فکر کرے اور خود سے سوال اٹھائے کہ یہ سارا عالم کیسے پیدا ہو گیا؟ کس طرح سے یہ مخلوقات پیدا ہوئیں؟ جواب ڈھونڈنا نہیں میں بہت سارے سوال حل ہو جائیں گے۔

یہ معرفت خود انسان کی حقیقت ہے بقول مولانا روم

ای برادر تو همان اندیشہ ای

ما بقی تو استخوان و دیشہ ای..... (۲۰)

تیری حقیقت فقط یہی علم ہے، دانش ہے، باقی تو لنے کی چیز ہے، اس کو تو لو تو چند کلو ہڈیاں ہیں، چند کلو رگیں ہیں، چند کلو انتڑیاں ہیں، چند کلو چربی اور چند کلو بیچ میں کچھ اور کچرا ہوگا۔

پس انسان مشق کرے، تدبر شروع کرے یعنی اپنے آپ کو اس ظاہر سے اوپر لے آئے، اس نقص سے اوپر لے آئے، ترقی کرے، تعالیٰ یعنی بلندی پر آئے تاکہ تدبر در قرآن کے قابل ہو جائے ورنہ اسی طرح سے اٹھ کر کہیں کہ اب قرآن میں تدبر بھی کرنا ہے اور قرآن کھول کر یا ترجمے والا قرآن کھول کر بیٹھ جائیں، کیا حاصل ہوا؟ سردرد، قرآن میں رات کو اتنا تدبر کیا کہ صبح گولی کھانی پڑی، نا، پہلے متدبر بنیں، اہل لب بنیں، اپنے اندر لب پیدا کریں پھر آپ کے اندر سوال اٹھیں گے۔

قرآن اہل تدبر کا راہنما

(۱۱) قرآن اہل تدبر کا راہنما

اہل تدبر جب گزشتہ آداب کے ساتھ قرآن کی بارگاہ میں اپنے سوال لے کر آئے تو قرآن خود سوال حل کرے گا۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا..... (۲۱)

اور جن لوگوں نے ہمارے حق میں جہاد کیا ہے ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں

گے.....

پھر راستے کھلتے جاتے ہیں، قرآن خود انسان کا ہاتھ تھام لیتا ہے کہ آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ حقیقت کیا ہے؟ خود قرآن راہنمائے انسان بن جاتا ہے، ہمیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اگر قرآن کے ساتھ ایک دفعہ انس پیدا ہو جائے اور روح قرآن کے ساتھ ہماری روح آشنا ہو جائے تو پھر قرآن ہمارا راہنما ہے نہ کہ ہم قرآن کے راہنما ہیں، ہم مفسر قرآن نہیں ہیں، قرآن ہمارا مفسر ہے۔

مولانا روم نے ایک خوبصورت تمثیل بیان کی ہے کہ یہ جوشکاری ہرن کا شکار کرنے جاتے ہیں، یہ کھوجی کو ساتھ رکھتے ہیں، کھوجی پاؤں کے کھر سے کھوج لگاتا ہے، بعض لوگوں کے اندر یہ مہارت ہے اور ایک فن ہے کہ جہاں سے کوئی جانور یا انسان چل کے گیا ہو اس کے قدموں کے نشان سے اس تک پہنچ جاتے ہیں یعنی یہ کھر شناس انسان ہوتے ہیں، اسی طرح شکاری بھی کھوجی کو ساتھ لے کر جاتے ہیں، کھوج لگانے والے کو چند قدم تک اس کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جب آپ ہرن کے قریب ہوتے ہیں تو پھر کھوجی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، چند قدم تک نقش پا راہنما ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ

چند گاہش گامِ آہود در خود راست

بعد از آن خود نافِ آہود ہر راست (۲۲)

چند قدم نقش پائے آہوراہنما ہوتا ہے، آہو یعنی ہرن، انسان کو ہرن کا نقش پا چند قدم آگے لے جاتا ہے لیکن جب قربت پیدا ہوتی ہے تو پھر نقش پا کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، پھر وہاں سے

مشک آہوراہنما ہو جاتی ہے، ناف آہو میں خوشبو ہوتی ہے، وہ خوشبو انسان کو کھینچتی ہے اور رہبر بن جاتی ہے یعنی وہ خود اپنی ضمام ہمارے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔

اسی طرح آپ چند قدم خدا کی نشانیوں، آیات تکوینی خدا، خلقت خدا، آثار خدا اور فعل خدا کی طرف جائیں، چند قدم تک انسان آثار خدا دیکھ کر خدا کی طرف جاتا ہے لیکن جب تھوڑی سی قربت پیدا ہوتی ہے تو انسان کے لئے خود وہ آیات خدا رہبر بن جاتی ہیں یعنی وہ خود ہمارا ہاتھ تھام لیتی ہیں اور یہ قرآن کے اوپر بھی صدق کرتا ہے، ہم قرآن کی طرف اقوال کے ذریعے، قاعدوں کے ذریعے، لفظی قاعدوں کے ذریعے چند قدم خود آئیں اور تھوڑا سا قرآن کے ساتھ اپنی روح کو آشنا کریں، جب قرآن سے آشنا ہوں گے تو خود قرآن آپ کے لئے مثل مشک رہبر بن جائے گا، خود مہک قرآن، خوشبوئے قرآن، حقیقت قرآن اور روح قرآن آپ کا ہاتھ تھام لے گی، پھر خود قرآن آپ کا راہنما بن جائے گا۔

متدبر بنے بغیر قرآن سمجھ نہیں آسکتا

(۱۲) متدبر بنے بغیر قرآن سمجھ نہیں آسکتا

پہلے انسان متدبر بنے اور تدبر کے مقام پر پہنچے ورنہ اپنے آپ کو اتنا بلند کئے بغیر تدبر شروع کر دیا تو پھر آپ کو گولی کھانی پڑے گی، سر میں درد ہوگا، اکتاہٹ، بیزاری اور چہ بسا انسان قرآن سے ہی بیزار ہو جائے، بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جن کیلئے درس کی بہت اہمیت ہے لیکن کسی کو درس میں بوریت بھی ہوتی ہے کہ پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہیں، زمین و آسمان کی باتیں کر رہے ہیں،

سرپرست سمجھ میں نہیں آتا ہے لیکن کوئی کہتا ہے کہ بہت اچھی باتیں ہو رہی ہیں، عموماً ایسا ہوتا ہے، معلوم نہیں آپ کو تجربہ ہوا ہو یا نہ ہو مجھے ہوا ہے کہ بعض دوست دوسرے ایسے لوگوں کو لے آتے ہیں کہ آؤ یہ مولانا تم سے آیا ہے اس کے درس میں آؤ، اس کی تقریر سننے چلو کہ بڑی اچھی تقریر کرتے ہیں، وہ یہ سن کر آ جاتے ہیں کہ ظاہر ہے اچھا آدمی ہے، اچھی باتیں کرتا ہے تو چلو چلتے ہیں لیکن جب وہ آ کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تو وہیں ان کو نیند آ جاتی ہے، اونگھ آ جاتی ہے، بعض اوقات سو بھی جاتے ہیں، پھر اٹھ کر اس دوست کو کوستے ہیں کہ یہ ہمیں کہاں لے کر آئے ہو، اصلاً گفتگو کا نہ کوئی سر تھا اور نہ کوئی پاؤں تھا، ایسے ہی ہونا چاہئے، جو آدمی ذہنی طور پر آمادہ نہیں ہے، جس نے اپنے آپ کو اس مرتبے تک آمادہ نہیں کیا ہے، اس کے لئے یہی ہونا ہے، قرآن نے خود نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن پڑھتے تھے اور بعض اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور خود قرآن نے ذکر کیا ہے کہ گزرتے ہوئے جنوں نے جب قرآن کی تلاوت سنی تو وہیں رک گئے اور مدہوش ہو گئے، ارواح جن پر قرآن نے اثر کیا یا مشرکین جو جو اسیس بھیجتے تھے تو چونکہ ان کے نفوس آمادہ تھے لہذا قرآن ان پر اثر کرتا تھا، وہ وہیں بیٹھ جاتے تھے اور بھیجنے والے منتظر رہتے تھے کہ وہ کب آ کر ہمیں خبر دیتے ہیں لیکن وہ صبح تک وہیں رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنتے رہتے تھے، پس جب تک تدبر کے لئے نفس آمادہ نہ ہو تو عملاً تدبر نہیں ہوتا ہے۔

صدر المتألہینؒ فرماتے ہیں کہ تدبر اور چیز ہے حضورِ دل اور چیز ہے، یہ نہ کہنا کہ پس دل

قرآن پڑھتے ہوئے حاضر ہے تو یہی کافی ہے، کیوں؟

تدبر بے بغیر قرآن سمجھ نہیں آ سکتا

☆ اذ ربّ وقت لا يشغل الانسان قلبه بغير القرآن.....

بعض اوقات انسان اپنے دل کو غیر قرآن میں مشغول نہیں کرتا ہے، یہ فقط قرآن میں مشغول ہوتا ہے یعنی حضورِ دل حاصل ہو گیا اور اس نعمت تک پہنچ آیا جیسے عبادت میں دل حاضر رہتا ہے، قرآن پڑھتے ہوئے بھی دل قرآن ہی میں ہے اور ایک لفظ کے لئے بھی ادھر ادھر نہیں جاتا ہے لیکن اس حضور کے باوجود ممکن ہے کہ تدبر نہ ہو،

☆ ولكن يقتصر على سماع القرآن من نفسه من غير تدبر.....

فقط حضورِ دل کے ساتھ پڑھ رہا ہے یا فقط قرآن سن رہا ہے جیسے مثلاً محافل میں قاری آتے ہیں یا مصری قاری آتے ہیں اور محفلِ قرآن میں واقعاً خوبصورت قرآن پڑھتے ہیں اور سننے والے محو ہو جاتے ہیں، حضورِ دل کے ساتھ ان کی تجوید و قرأت و رفعہ سنتے ہیں اور قرآن سے ادھر ادھر ذہن نہیں جاتا ہے لیکن یہ حضور باوجود حضور کے فقط سننے کی حد تک حضور ہے یعنی کان و سماعت حاضر ہیں لیکن تدبر نہیں ہے،

☆ والمقصود الاصلی فیہ هو التدبر.....

در حالیکہ قرآن کا مقصودِ اصلی تدبر در آیات قرآن ہے اور مفاہیم قرآن ہے،

☆ وهو روح کل عبادۃ.....

اور تدبر کرنا ہر عبادت کی روح ہے، آپ امیر المؤمنین علیہ السلام سے یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ

☆ وعن امیر المؤمنین علیہ السلام: لا خیر فی عبادۃ لا فہم فیہا.....

تدبر بنے بغیر قرآن سمجھ نہیں آ سکتا

اس عبادت میں کوئی خیر نہیں ہے کہ جس میں تفقہ نہ ہو، نہ کہ جس میں احکام فقہ نہ ہو، فقہ سے مراد لغتاً تفقہ ہے کہ جو فہم کو کہتے ہیں، فقہ یعنی فہم، قرآن نے جس معنی میں لفظ فقہ استعمال کیا ہے اور جو روایات میں استعمال ہوا ہے وہ اسی فہم دین کو کہتے ہیں، یہ بعد میں اصطلاح بن گئی ہے کہ علم احکام کو علم فقہ کہتے ہیں اور جو یہ احکام جانتا ہے اس کو فقیہ کہتے ہیں، یہ متاخر اصطلاح ہے،

اس عبادت میں کوئی خیر نہیں ہے، اس عبادت میں کچھ بھی نہیں ہے کہ جس میں تفقہ نہ ہو، تدبر نہ ہو، فہم نہ ہو،

☆ وَلَا فِي قِرَاءَةِ لَا تَدَبَّرُ فِيهَا.....

اور ایسے قرآن پڑھنے کا کوئی خیر و فائدہ نہیں ہے کہ جس کے اندر تدبر نہ ہو،

☆ وَاِذَا لَمْ يَتِمَّكَ مِنَ التَّدْبِيرِ لَا تَرْدِيْهِ فَلْيَرَدِّ.....

تردید یعنی دہرانا، تکرار کرنا، اگر تردید سے نہیں ہوتا یعنی تدبر کے بغیر دہرانا، تکرار کرنا تو پھر دوبارہ پڑھو اور اس وقت تک پڑھتے رہو کہ جب تک نکتے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہو۔ بعض اوقات جو انسانوں میں قوی ہوتے ہیں، تدبر و تفکر اور قوی فہم کے مالک ہیں ممکن ہے کہ وہ ایک ہی دفعہ آیت کو پڑھنے سے مقصود تک پہنچ جائیں لیکن سب تو ایسے نہیں ہوتے ہیں، بعض کو رکنا اور وقف کرنا پڑتا ہے، جیسے قرأت کے قواعد ہیں کہ یہاں وقف ہے، یہاں وقف لازم ہے، یہاں وقف مطلق ہے، یہاں وقف جائز ہے، یہاں وقف مجوز ہے، یہاں وقف مرخص ہے، یہاں سکتہ ہے، یہاں وقفہ ہے، یہاں ناجائز ہے، اسی طرح سے فہم کے بھی وقف ہیں کہ اس آیت پر رکو، غور

کرو، خوض کرو، تعقل کرو، تأمل کرو، تفکر کرو اور تذکر کرو۔

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ کچھ علماء چار چار مہینے اور چھ چھ مہینے تک فقط ایک آیت پڑھتے رہے یعنی ختم قرآن شروع کیا تو ایک ہی آیت پڑھتے ہوئے چھ مہینے گزر گئے، چھ مہینے سے آگے نہیں بڑھے، کیوں؟ کہا کہ یہ آیت مجھے ابھی سمجھ میں نہیں آئی، یہ آیت ابھی حل نہیں ہوئی ہے میں کس طرح اگلی آیت میں پہنچوں؟ اب ایسا تو نہیں ہے کہ پہلی آیت کوتاڑ کے معاذ اللہ دوسری آیہ پہ پہنچیں اور پھر اس کا بھی حشر کرنے جائیں، پہلی کا کیا حشر کیا؟ اس کو میں نے خوب مخارج کے ساتھ نکالا ہے، دبا کے نکالا ہے، قرآن بھی ایسے قاری سے پناہ مانگتا ہے کہ خدایا مجھے اس سے بچا، جیسے بعض لوگ ہیں کہ بہت امام زمانہ علیہ السلام کی طلب میں ہیں، امام زمانہ علیہ السلام کو ملاقات کیلئے ڈھونڈتے ہیں، کسی نے مذاق کیا اور کہا کہ میں نے رات کو خواب میں امام زمانہ علیہ السلام کو دیکھا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ جو میرے پیچھے لگا ہوا ہے اس سے میری جان چھڑاؤ، قرآن بھی بعض قاریوں سے پناہ مانگتا ہے۔

☆ الا ان یكون فی الصلوۃ خلف امام.....

البتہ نماز میں یہ کام نہیں کرنا مثلاً امام جب نمازِ عشاء پڑھا رہا ہے اور

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ (۲۳)

پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

پڑھتا ہے تو ہم غور و فکر کرنا شروع ہو جائیں حتیٰ امام عشاء پڑھ کے بھی چلا جائے اور ہم اسی

جگہ غور و تذکر رہے ہوں، نا، نماز میں یہ کام نہیں کرنا ہے، نماز میں جیسے امام جا رہا ہے آپ بھی اس

تذکر بنے بغیر قرآن سمجھ نہیں آسکتا

کے ساتھ چلے جائیں۔

۱۳) رسول اللہ ﷺ کا قرآن میں غور و فکر کرنا

☆ و روی انه صلى الله عليه و آله قرء بسم الله الرحمن الرحيم.....

روایت میں نقل ہوا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ بسم اللہ کو پڑھتے تھے یا پڑھا

☆ فرددھا.....

اور اس کو تکرار کیا

☆ عشرين مرة.....

بیس دفعہ رسول اللہ ﷺ نے آیہ بسم اللہ کو تکرار کیا،

☆ وانما رددها لتدبر، في معانيها.....

رسول اللہ ﷺ نے اتنی دفعہ کیوں تکرار کیا؟ چونکہ رسول اللہ ﷺ تدبر کر رہے

تھے، بسم اللہ کے اندر تدبر کر رہے تھے اور بسم اللہ اتنا عمیق سمندر ہے کہ میں نے خود ایک دانشمند سے

کہ جو بظاہر عالم بھی نہیں ہے، اس کی داڑھی بھی نہیں ہے مگر اس سے ابھی تک بسم اللہ کی پچاس سے

زیادہ تفاسیر سنی ہیں اور ہر دفعہ پہلی تفسیر سے عمیق تر تفسیر کی، اب اندازہ کریں کہ رسول اللہ ﷺ کس

سطح تک پہنچے ہوں گے، تردد سے رسول اللہ ﷺ نے جو بیس دفعہ تکرار کیا ہے تو بیس درجے اس

کے اندر گئے، رسول اللہ ﷺ کی بسم اللہ کے باطن تک کہاں تک رسائی ہوئی ہوگی؟

رسول اللہ ﷺ کا قرآن میں غور و فکر کرنا

☆ وعن ابی ذرؓ.....

جناب ابی ذرؓ سے یہ روایت مروی ہے،

☆ قال: قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنا لیلۃ.....

ایک شب یعنی ایک شب جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ گزاری، ان شبوں میں

سے ایک شب جو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ بسر کی،

☆ فقام بایۃ یرددھا.....

ایک آیہ لے کر رسول اللہ ﷺ نے اس کو بار بار دہرانا شروع کر دیا، تکرار شروع کیا اور وہ

کوئی آیہ تھی؟

إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اگر تو ان پر عذاب کرے گا تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر معاف کر دے گا تو تو صاحبِ

عزت بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی ہے۔

یہ سورہ مائدہ کی آیہ ۱۱۸ ہے کہ جب لوگوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام خدا ہے تو خداوند نے حضرت

مسیح علیہ السلام سے کہا کہ آپ نے ان کو کہا ہے؟ حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا کہ اگر میں نے کہا ہوتا تو آپ کو علم

ہوتا، میں نے تو ان کو خدا کی طرف متوجہ کیا ہے، پھر اس کے بعد کہا کہ یہ نادان ہیں، جاہل ہیں،

جہالت کی وجہ سے تثلیث کے قائل ہیں، جہالت کی وجہ سے مسیح علیہ السلام اور روح القدس علیہ السلام کو بھی انہوں

نے خدا کے زمرے میں شامل کیا ہے، پھر خداوند سے فرمایا کہ اس گناہ پر، اس شرک پر اگر تو انہیں

رسول اللہ ﷺ کا قرآن میں غور و فکر کرنا

عذاب دینا چاہے تو تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو بھی تیرے بندے ہیں۔

☆ وقال صلى الله عليه وآله لما نزل عليه قوله تعالى:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي

الْأَلْبَابِ ۝

بیشک زمین و آسمان کی خلقت اور لیل و نہار کی آمد و رفت میں صاحبانِ عقل کے لئے قدرت خدا کی نشانیاں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو یہ آیت پڑھتا ہے یعنی سورہ آل عمران کی آیہ (۱۹۰) اور یہ آیہ پڑھ کر اس میں تفکر نہ کرے تو

☆ ويل لمن قرأها ولم يتفكر فيها.

ویل یعنی مردہ باد۔ نفرین ہے، بددعا ہے، ہلاک ہو جائے وہ شخص، مردہ باد ہے وہ قاری کہ جو یہ آیہ قرآن پڑھتا ہے اور اس میں تفکر نہیں کرتا ہے، اب اس ویل کو مردے کے لئے نہ بھیجو یعنی بغیر تفکر کے قرآن پڑھ کر پھر نہ کہو کہ خدایا جو کچھ ہم نے کیا ہے یہ اس کو بھی پہنچا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر تفکر نہیں کیا، تذکرہ نہیں کیا تو آپ کیلئے ویل ہے، انشاء اللہ خداوند تبارک و تعالیٰ اس تذکرہ اور تفکر کو سب کے لئے نعمت کے طور پر عطا فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ کا قرآن میں غور و فکر کرنا

حوالہ جات

- (۱)..... (سورۃ مبارکہ حج، آیہ ۴۶)
- (۲)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۷۹)
- (۳)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۷۹)
- (۴)..... (سورۃ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۷۹)
- (۵)..... (سورۃ مبارکہ یوسف، آیہ ۱۱۱)
- (۶)..... (سورۃ مبارکہ ص، آیہ ۴۳)
- (۷)..... (سورۃ مبارکہ زمر، آیہ ۲۱)
- (۸)..... (سورۃ مبارکہ غافر، آیہ ۵۴)
- (۹)..... (سورۃ مبارکہ آل عمران، آیہ ۱۹۰)
- (۱۰)..... (تفسیر المیزان - العلامة الطباطبائی، بحث روائی،
الجزء، صفحہ ۱۴۶) (شرح نہج البلاغہ - جعفری) (مرآة العقول
فی شرح أخبار آل الرسول - العلامة المجلسی، الجزء ۱۰، صفحہ ۳۹۱)
- (۱۱)..... (مفہیم القرآن الجزء السادس)
- (۱۲)..... (شرح نہج البلاغہ - جعفری)
- (۱۳)..... (دیوان شمس مغربی)
- (۱۴)..... (مستدرک نہج البلاغہ، الجزء ۱، صفحہ ۴) (منہاج البراعۃ فی شرح
نہج البلاغہ - الخوئی) (نفحات الولاية فی شرح نہج البلاغہ) (شرح نہج

البلاغة - عبد الحميد بن هبة الله بن محمد بن الحسين بن أبي الحديد،

أبو حامد، عز الدين، المتوفى: ٦٥٦ هـ، الجزء ٢٠، صفحہ ٢٩٢)

(جامعہ علوی در نہج البلاغہ، الجزء ٨، صفحہ ٢)

(١٥)..... (سورة مبارکہ بقرہ، آیہ ٥) (سورة مبارکہ آل عمران، آیہ ١٠٣) (سورة مبارکہ توبہ، آیہ ٨٨)

(سورة مبارکہ نور، آیہ ٥١) (سورة مبارکہ روم، آیہ ٣٨) (سورة مبارکہ لقمان، آیہ ٥)

(١٦)..... (قرآن در نہج البلاغہ، الجزء ٥، صفحہ ١) (نہج السعادة - الشيخ

المحمودي، الجزء ٨، صفحہ ٣٣٤) (شرح حکم نہج البلاغہ)

(شرح نہج البلاغہ - ابن أبي الحديد)

(١٧)..... (ارشاد القلوب، صفحہ ١٨)

(١٨)..... (بحار الانوار - علامہ مجلسی، الجزء ٤٠، صفحہ ٦٥)

(١٩)..... (سورة مبارکہ اسراء، آیہ ١٣)

(٢٠)..... (مثنوی معنوی، بہ تصحیح: رینولد ا. نیکلسون، دفتر دوم، صفحہ ١٩٢)

(٢١)..... (سورة مبارکہ عنکبوت، آیہ ٦٩)

(٢٢)..... (مثنوی معنوی، بہ تصحیح: رینولد ا. نیکلسون، دفتر

دوم، صفحہ ١٨٤)

(٢٣)..... (سورة مبارکہ فاتحہ، آیہ ٥)

فصل ادبِ پنجم

﴿استنباط﴾

(حصہ اول)

(۱) مطالعہ قرآن کے لحاظ سے لوگوں کی اقسام

(۲) استنباط کا معنی

☆ راویوں کے طبقے

☆ پیغامِ دین کو آفہ تک پہنچانے کی حکمت

(۳) میڈیا کے اہل استنباط

(۴) ادارتی اہل استنباط

(۵) سیاسی اہل استنباط

(۶) اقتصادی اہل استنباط

(۷) طبی اہل استنباط

(۸) دینی اہل استنباط

(۹) چیزوں کو اہل تک پہنچائیں

(۱۰) قرآن کے اہل استنباط

(۱۱) احادیث کے اہل استنباط

آداب فہم قرآن میں ادب پنجم استنباط ہے، صدر المتألفینؒ ادب پنجم کو اس طرح سے بیان

فرماتے ہیں،

☆ الخامس: الاستنباط، وهو ان يستوضح من كل آية ما يليق بها،

پانچواں ادب استنباط ہے اور اس کا مطلب ہر آیت کے مطابق اس کی وضاحت چاہنا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض انسان اہل تدبر ہوں یعنی مطالب کی تہہ تک پہنچ جاتے ہوں لیکن اس تہہ سے خالی ہاتھ واپس لوٹ آتے ہوں۔

(۱) مطالعہ قرآن کے لحاظ سے لوگوں کی اقسام

اگر ہم قرآن کو سمندر سے تشبیہ دیں تو بعض ایسے لوگ ہیں کہ جو سطح سمندر دیکھنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں، بعض تو اصلاً سرے سے سمندری علاقے کے ہی نہیں ہیں بلکہ ساری عمر خشکی میں بسر کر کے صحراؤں میں چلے جاتے ہیں اور اس سمندر تک آتے ہی نہیں ہیں، کچھ ایسے ہیں کہ جو کبھی کبھار سمندر پہ جاتے ہیں، گردش کے لئے، آؤٹنگ (Outing) کیلئے، تفریح کے لئے اور ساحل پہ گھوم پھر کے واپس آ جاتے ہیں، یہ لوگ ساحل پیما ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جنہیں ساحل سے تھوڑا سا شوق اور لگاؤ ہوتا ہے، وہ تھوڑا سا جوتے اتار کے چند قدم اندر بھی چلے جاتے ہیں لیکن پانی جب پنڈلیوں تک آتا ہے تو پھر واپس آ جاتے ہیں، انہیں مزید آگے جانے سے ڈر لگتا ہے، یہ لوگوں کے درجات ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو ممکن ہے تھوڑا اور ہمت کر کے سمندر میں آگے چلے جائیں اور سمندر کے اندر تیر بھی لیں لیکن سطح سمندر پہ تیرتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو سمندر میں غوطہ بھی لگاتے ہیں یعنی

سمندر کی تہہ میں بھی جاتے ہیں لیکن ایسے لوگ کم ہیں کہ جو تہہ میں جاتے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ جو سمندر کی تہہ میں چلے جاتے ہیں لیکن ایسے ہی جیسے بعض فقط مناظر دیکھنے کے لئے ساحل پہ آتے ہیں اسی طرح یہ بھی تہہ میں جاتے ہیں لیکن صرف دیکھنے کے لئے کہ تہہ سمندر میں کیا ہے؟ جیسے بعض ملکوں میں ایسے ہوٹل یا سمندر کی تہہ میں شیشے کے راستے، شیشے کے ٹنل (Tunnel) ہیں کہ انسان ان کے اندر جائے تو سمندر کی تہہ تک جا پہنچتا ہے، دائیں بائیں دیکھ سکتا ہے، تیرتی مچھلیوں کو دیکھ سکتا ہے اور سمندری موجودات کا نظارہ کر سکتا ہے، بعض نے ممکن ہے کہ ایسے ریسورٹ (Resort) کا وزٹ (Visit) بھی کیا ہو، لیکن کچھ ایسے ہیں جو تہہ سمندر میں پہنچتے ہیں اور اس تہہ سمندر میں موجود قیمتی گوہر، جوہر اور صدف کو بھی ساتھ لے کر آتے ہیں۔

اگر ہم غور کریں تو سمندر پہ جانے والوں میں ہمیں یہ سارے طبقات ملیں گے، بالکل یہی حال قرآن کے بارے میں بھی ہے، بعض ایسے ہیں کہ جنہوں نے ساری عمر خشکی اور صحرا میں بسر کر دی ہے اور صحرا پیا ہیں، سرے سے ایک دن بھی قرآن نہ دیکھا نہ پڑھا اور ایسے مسلمان بھی ہیں کہ جن کو قرآن پڑھنا بھی نہیں آتا ہے، یہ بغیر قرآن اور بغیر اسلام کے مسلمان ہیں، صرف شناختی کارڈ کی وجہ سے مسلمان ہیں، بعض ایسے ہیں کہ جو قرآن کے ساحل پیا ہیں، صرف ساحل قرآن تک آتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو کبھی کبھار پڑھ لیتے ہیں، جب رمضان آتا ہے تو ثواب کی خاطر پڑھ لیتے ہیں یا کسی قاری کی مجلس میں جا بیٹھتے ہیں تو سن لیتے ہیں یا اگر کوئی قاری اچھا لگا اور اس کی صوت و لحن اچھی لگی تو ساحل قرآن تک آ جاتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو تھوڑا سا سمندر کے اندر بھی چند قدم آگے

آتے ہیں اور پھر واپس لوٹ جاتے ہیں، کبھی کبھار ترجمہ پڑھ لیا، کبھی کبھار سروکار رکھتے ہیں بالآخر کبھی کبھار آجاتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو اس سمندر میں تیراکی کر رہے ہیں لیکن نیچے نہیں جاتے ہیں، فقط تیراکی کر رہے ہیں، جو تیراکی جو کر رہے ہیں یعنی یہی جو فقط فنونِ قرأت و تجوید و حفظ یعنی فقط ظاہر کی حد تک سروکار رکھتے ہیں، یہ سرے سے معانی کی طرف جاتے ہی نہیں ہیں، فقط الفاظ کے فنون، قاعدے، ضابطے اور الفاظ کی حد تک ہیں، قرآن کے بحر میں ان کی فقط اتنی تیراکی ہے، کچھ ایسے ہیں جو کبھی کبھار نیچے تہہ میں چلے جاتے ہیں، غور بھی کرتے ہیں، پڑھتے بھی ہیں، تدبر بھی کرتے ہیں، تفسیر کا مطالعہ بھی کرتے ہیں لیکن تہہ سمندر میں جا کر فقط منظر دیکھ کر واپس آجاتے ہیں، تفریح کے طور پر جاتے ہیں، ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا ہے، یہ اہل تدبر ہیں لیکن اہل استنباط نہیں ہیں چونکہ قیمتی چیزیں سمندر کی تہہ میں ہوتی ہیں، سطح سمندر پہ جھاگ زیادہ ہوتی ہے اور چند چیزیں ہوتی ہیں، بعض اوقات ممکن ہے کہ آپ تہہ سمندر سے زیادہ سے زیادہ مچھلی پکڑ سکتے ہیں یا فرعی فائدے حاصل کر سکتے ہیں لیکن تہہ سمندر نے قیمتی چیزیں چھپا کر اور وہ بھی صدف کے اندر چھپا کر رکھی ہوتی ہیں، قیمتی گوہر صدف کے اندر موجود ہوتا ہے۔ قرآن کے لئے اب جو ادب بتایا جا رہا ہے وہ فہم قرآن کیلئے نہایت اہم ہے۔ آپ قرأت قرآن کریں، درست کریں اور آیات قرآن میں تدبر کریں یعنی آپ ان آیات کی تہہ میں موجود معانی تک بھی پہنچیں فقط تلفظ پر اکتفا نہ کریں، بعد از تلفظ یا بعد از سماع اس میں تدبر بھی کریں۔

۲) استنباط کا معنی

تدبر کے بعد ادبِ استنباط شروع ہوتا ہے کہ جب آپ قرآنی سمندر کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں تو ساتھ کچھ لے کر بھی آئیں، اس سمندر سے کچھ حاصل بھی کریں۔ استنباط لغت میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، استنباط کا اصطلاحی معنی ہم فقط اجتہاد کو سمجھتے ہیں یعنی فقیہ روایات سے، منابع دین اور ادلہ دین سے حکمِ خدا استنباط کرتا ہے یعنی استخراج کرتا ہے، نکالتا ہے، حاصل کرتا ہے، اجتہاد اسی کو کہتے ہیں اور اسی کو استنباط بھی کہتے ہیں، یعنی بعد از تدبر قرآن انسان کچھ حقائق تک پہنچتا ہے یعنی ظواہر اور الفاظ قرآن سے انسان حکمتِ قرآن، معانی قرآن اور اسرارِ قرآن تک پہنچتا ہے کہ جو مقصود ہیں۔

استنباط کا معنی

یہاں تک پہنچ کر پھر دوسرا عمل شروع ہوتا ہے اور وہ استنباط ہے، استنباط مادہ نبط سے ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ انسان جس طرح کنویں کی تہہ میں موجود پانی کو زحمت کے ذریعے سے نکالتا ہے اور باہر سطحِ زمین پہ لے آتا ہے تو اسی طرح سے انسان تہہ الفاظ میں اور قرآن کے ظواہر کی تہہ میں موجود اسرار کو اپنی استعداد و لیاقت کے مطابق نکال کر برملا کرتا ہے اور اپنی فہم کی حد تک لے آتا ہے پھر اسکے بعد عمل کی حد تک لے آتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی معرضِ استفادہ قرار دیتا ہے۔ لغت میں کنویں کا پانی نکالنا استنباط کہلاتا ہے، کنویں کی تہہ میں موجود پانی کو انسان کسی ذریعے سے، کسی وسیلے سے، کسی حیلے سے باہر نکال لے اور سطحِ زمین پر لے آئے تو اس کو نبط کہتے ہیں اور استنباط یعنی یہی پانی کھینچ کر باہر لانا، استفادے کے لئے، اپنے لئے اور دوسرے موجودات کے لئے باہر

لانا۔ آج کل برقی طریقوں سے اور جدید آلات کی مدد سے زمین کے نیچے موجود گہرے کنوؤں میں برقی آلات اور موٹروں کے ذریعے سے پانی کھینچ کر باہر لے آتے ہیں، یہی استنباط ہے، یہ استنباط الماء ہے یعنی پانی نکالنا۔

کنواں کھودنے کو تدبر کہتے ہیں چونکہ آپ نے سطح زمین کھودی، پردے ہٹائے، ریت ہٹائی، مٹی ہٹائی اور نیچے پانی کی تہہ تک پہنچ گئے، یہ تدبر ہے لیکن ممکن ہے کہ بعض لوگ کنویں کھود لیں مگر پانی نہ نکال سکیں اور ایسا ہوتا بھی ہے مثلاً وہ کاریگر کہ جن کا کام زمین کھودنا ہے وہ فقط بڑے گہرے کنویں کھود سکتے ہیں لیکن اگر آپ انہیں کہیں گے کہ کنویں کا پانی بھی باہر نکالنا ہے تو یہ نہیں نکال سکتے کیونکہ پانی نکالنے کے لئے ایک الگ انجینئر کی ضرورت ہے کہ جو آکراس میں موٹر فٹ کرتے ہیں، پائپ فٹنگ کرتے ہیں، اوزار اور دیگر برقی آلات کی مدد سے اور اپنے ایک معقول طریقے سے پانی کو باہر نکالتے ہیں، پس پانی تک پہنچنا ایک ہنر ہے اور پانی کو زمین کی سطح تک منتقل کرنا ایک فن دیگر و ہنر دیگر ہے اور اسی کو استنباط کہتے ہیں، یہ استنباط الماء ہے۔

معانی عقلیہ بھی اسی کی شبیہ ہیں کہ پہلے انسان عبارتوں کے اندر، الفاظ کے اندر، آیات کے اندر، روایات کے اندر، جملوں کے اندر اور ان کی تہہ میں موجود معانی تک پہنچے یہ تدبر کا مرحلہ ہے یعنی الفاظ سے ہی نہ کھلتا رہے، فقط الفاظ کا جمع خرچ کر کے، ادبیات پڑھ کے، اعراب و بنا پڑھ کے، صرف و نحو پڑھ کے، صیغے پڑھ کے وہیں پہ جتہ الاسلام نہ ہو جائیں بلکہ الفاظ سے آشنا ہونے کے بعد اب معانی تک پہنچیں، ان الفاظ کی تہہ میں جو معانی ہیں ان تک رسائی حاصل کریں یہ تدبر در

قرآن ہے اور اگر قرآن کی تہہ میں پہنچ گئے ہیں اور معانی تک رسائی حاصل ہو گئی ہے تو اب ان معانی کو حاصل بھی کریں یہ استنباط ہے، چنانچہ قرآن میں تدبر کرنے کے بعد معانی قرآن، حکم قرآن اور اسرار قرآن کا استخراج کرنا استنباط کے زمرے میں شامل ہے، دوسرے الفاظ میں معانی قرآن میں غور و خوض کر کے آیات کے مقصود و مطالب کو حاصل کرنا، ان آیات کے معانی و مقاصد کو پھیلانا اور ان سے مربوط حکمتیں اور اسرار و مطالب کہ جو بعض ظواہر کے پیچھے پنہاں ہیں انہیں حاصل کرنا ہے استنباط کہلاتا ہے، استنباط کے مرحلے میں انسان بعض اوقات آیات الہی سے احکام و حدود استنباط کرتا ہے، بعض اوقات خداوند تبارک و تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے جو نظام مقرر کئے ہیں اور انہیں قرآن میں ذکر فرمایا ہے ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے، کبھی قصص اقوام و ائم ماضیہ سے عبرتیں استنباط کرتا ہے۔

استنباط کا معنی

قرآن کی آیات کے اندر جب انسان متدبر غور و خوض کرتا ہے، اسرار و حکم قرآن مجید میں کھلے اور آمادہ ذہن کے ساتھ جاتا ہے تو چونکہ تدبر اس کے لئے ملکہ ہے لہذا معانی قرآن کے اندر موجود مختلف اسرار جو انسان کی زندگی سے مرتبط ہیں لیکن بصورت جامع اور بصورت جمعی قرآن کے اندر موجود ہیں لہذا ان سب کو استخراج کرنا استنباط کے زمرے میں شامل ہوتا ہے۔ البتہ قرآن سے معانی کیسے حاصل کریں؟ ممکن ہے کہ بعض کے ذہن میں یہ بات آتی ہو کہ جب انسان معانی قرآن تک پہنچ جاتا ہے تو حاصل بھی ہو جاتے ہیں، نہیں اس طرح حاصل نہیں ہوتے ہیں بالکل ایسے جیسے پانی کی تہہ تک پہنچ جائیں تو حاصل نہیں ہوتا ہے، ممکن ہے آپ خالی واپس آئیں اور پیا سے واپس

آئیں یا باہر جو منتظر بیٹھے ہوئے ہیں ان کے لئے کچھ نہ لائیں، فرض کریں کہ جس انسان کے پاس پانی نکالنے کا کوئی ظرف نہیں ہے اس کو رسی باندھ کر کنویں میں اتار دیا گیا اور پھر رسی سے کھینچ کر کنویں سے باہر لایا جائے تو چلو میں تو یہ پانی نہیں لاسکتا ہے، ممکن ہے یہ خود پی کے آگیا ہو لیکن آپ کے لئے یا دوسرے موجودات کے لئے، کھیت کے لئے، پیاسے جانوروں کے لئے اور دیگر مقاصد کے لئے پانی نہیں لایا ہے۔

اہل استنباط ان لوگوں کو کہتے ہیں کہ جو تہہ سمندر میں جائیں اور وہاں موجود صدف و گوہرو جو ہر بھی ساتھ لے کر آئیں اور یہ غواصوں کا حق ہے کہ جو غواصی کر سکتے ہیں، تہہ میں جاسکتے ہیں اور تہہ میں جا کر صدف شناخت کر کے اور پھر ان میں گوہر اور موتی بھی دیکھ سکتے ہیں اور اس کو سطح سمندر اور ساحل سمندر پر واپس بھی لے آتے ہیں اور پھر اس کو دوسروں کے سامنے پیش بھی کرتے ہیں۔

قرآن ہدایت کی کتاب ہے اور انسان کے لئے قرآن منشور ہے، جو کچھ بشر کی ضرورت ہے وہ سب قرآن کے اندر موجود ہے لیکن اس کے لئے انسان کو قرآن میں تدبر کرنا پڑے گا اور تدبر کے بعد استنباط کرنا پڑے گا، استنباط ایک قدیمی اصطلاح ہے یا کہہ سکتے ہیں مدرسئی اصطلاح ہے، ممکن ہے کہ عام لوگوں کو اس اصطلاح سے کوئی سروکار نہ ہو لیکن اہل علم کو اور اہل فن کو معلوم ہو جاتا ہے کہ استنباط کس کو کہتے ہیں؟ یا اتنی تحلیل سے ممکن ہے کہ بعض متوجہ ہو گئے ہوں کہ یہ استنباط کیا چیز ہوتی ہے لیکن عام لوگوں کے لئے استنباط کا یہ معنی قابل فہم نہیں ہے چونکہ استنباط بہت ہی مدرسئی اصطلاح ہے، اس کو ہم عام فہم بنانے کے لئے دوسری مثال یا دوسرے طریقے سے بیان کرتے ہیں

ممکن ہے کہ سب متوجہ ہو جائیں۔

قرآن مجید نے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے اور قرآنی اصطلاح سے یا قرآنی تعبیر سے یہ لفظ استنباط بہتر سمجھ میں آجاتا ہے یعنی قرآن نے بھی فرمایا کہ کچھ لوگ اہل استنباط ہیں، سب لوگ نہیں ہوتے ہیں، جیسے نہج البلاغہ میں ہے کہ بعض ناقل روایت ہیں کہ جو فقط روایت کو نقل کرتے ہیں اور وہی کہ جو روایت نقل کر رہے ہیں خود اس کو نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ بعض ایسے ہوتے ہیں جو ناقل روایت نہیں ہیں، راوی نہیں ہیں بلکہ اہل درایت ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اہل رعایت ہیں۔

☆ راویوں کے طبقے

راویوں کے تین طبقے ہیں، بعض اہل روایت ہیں، بعض اہل درایت ہیں اور بعض اہل رعایت ہیں۔ اہل روایت وہ ہیں کہ جو بات سنتے ہیں اور نقل کر دیتے ہیں، یہ ایک رپورٹر (Reporter) کی طرح ہیں، ایک خبرنگار کی طرح ہیں، جو دیکھتے ہیں، جو سنتے ہیں، جو انہیں ملتا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں، یہ راوی ہیں لیکن کچھ لوگ اس کو ساتھ ساتھ سمجھتے بھی ہیں، جو کچھ نقل کر رہے ہیں یا جو کچھ دیکھا ہے اس کو کچھ سمجھنے کی بھی کوشش کرتے ہیں یہ اہل درایت ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ سنتے بھی ہیں، سمجھتے بھی ہیں، نقل بھی کرتے ہیں، دوسروں کو بھی پہنچاتے ہیں اور جو کچھ اس خبر کے اندر موجود ہو اس پر عمل بھی کرتے ہیں یعنی اسے عملی شکل بھی دیتے ہیں، عملی جامہ بھی پہناتے ہیں تو یہ لوگ اہل رعایت ہیں۔

☆ راویوں کے طبقے

نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں کہ دین کو مشکل یہ پیش آئی ہوئی ہے کہ دین میں اہل روایت بہت ہیں، راویان دین بہت زیادہ ہیں لیکن جو رعایت دین کریں وہ بہت کم ہیں، اکثر اہل دین روات دین ہیں، اہل رعایت نہیں ہیں یعنی مدرسوں میں آکر صرف اس لئے پڑھتے ہیں کہ عوام کو جا کر مجلسیں سنائی ہیں یا عوام کو متاثر کرنا ہے لیکن کسی چیز پر خود رعایت نہیں کرتے ہیں، خود اس کو عملی جامہ نہیں پہناتے ہیں، یہ اہل رعایت نہیں ہیں بلکہ اہل روایت ہیں، ان کا سارا ہم و غم یہ ہے کہ ہم یہاں سے کتابوں سے پڑھ کر منبروں پر جا کر بیان کر دیں یا اس مدرسے سے پڑھ کر اس مدرسے میں تدریس کر دیں، ایک کتاب سے پڑھا اور دوسری کتاب میں نقل کیا یا یہ اہل تحریر ہیں مثلاً ایک کتاب میں پڑھا اور دوسری کتاب میں لکھ دیا، اہل رعایت وہ ہیں کہ جو دین کو کتابوں سے پڑھ کر اس کو اپنے وجود میں اتارتے ہیں، اپنے قلب میں اتارتے ہیں، اپنے نفس میں اتارتے ہیں یعنی دین عملاً نظر آتا ہے، جس طرح سے لباس انسان کے وجود پہ نظر آتا ہے اسی طرح سے دین انسان کے وجود میں نظر آتا ہے نہ کہ انسان فقط زبان سے بتائے کہ یہ حقیقت دین ہے اور یہ معارف دینی ہیں یا یہ راہ دین ہے مثلاً امام خمینیؑ ”زبان نہ بھی کھولیں تو آپؐ کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ دین ہے، جو پڑھ رہے ہیں وہ دین ہے، جو بول رہے ہیں وہ دین ہے، جو موقف اختیار کیا ہے وہ دین ہے، جو فیصلہ کیا وہ دین ہے، جو حرکت انجام دی وہ دین ہے، اس کو دین کہتے ہیں، یہ دین رعایت شدہ ہے نہ کہ دین روایت شدہ۔

تاریخ میں دوسرے لوگوں نے بہت زحمات کیں، فقط دین کو کتابوں میں منتقل کیا،

لائبریریوں میں منتقل کیا یا ایک ذہن سے دوسرے ذہن میں منتقل کیا لیکن امام خمینیؒ نے دین کو عملی شکل دی یعنی رعایت کی نہ کہ فقط دین کی روایت کی، دین کے لئے یہ طبقات ہیں، اسی طرح قرآن میں بھی کچھ فقط راویانِ قرآن ہیں یعنی کچھ اہل روایت در قرآن ہیں، کچھ اہل روایت در قرآن ہیں اور کچھ اہل رعایت در قرآن ہیں، اہل رعایت در قرآن یعنی قرآن کی مراعات کرتے ہیں، اپنے وجود میں قرآن کو اتارتے ہیں، اس کو عملی شکل دیتے ہیں، مراعات کرنا یعنی اس کو عمل میں لے آنا، اس کو عملی جامہ پہنانا، یہ قرآن کے لحاظ سے طبقات ہیں، دین کی بھی یہی مشکل ہے اور دین کے منابع کی بھی یہی مشکل ہے۔

☆ پیغامِ دین کو آفاقہ تک پہنچانے کی حکمت

پیغمبر اکرم ﷺ نے جب حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ غدیر بیان فرمایا تو اس جملے سے آغاز کیا کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں اس کو غور سے سنو اور کہا کہ اس کو لکھو، ان باتوں کو یادداشت میں رکھو، صرف حافظے میں نہیں رکھو بلکہ اس کو لکھ بھی لو اور جن کے پاس لکھنے کا سامان نہیں ہے تو اس کو حفظ کرو، سید الشہداءؑ نے خطبہ منیٰ میں یہی فرمایا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو لکھو، باقاعدہ تاکید کی، کیوں؟ تاکہ جو یہاں موجود نہیں ہیں، یہاں سے غائب ہیں ان تک میری یہ بات پہنچائیں، رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا اور حضرت سید الشہداءؑ نے بھی انہی مقدمات کے ساتھ اور اسی اہتمام و تمہید کے ساتھ سننے والوں سے کہا کہ آپ یادداشت میں رکھو اور اس کو لکھو،

☆ پیغامِ دین کو آفاقہ تک پہنچانے کی حکمت

رسول اللہ ﷺ نے ساتھ توجیح بھی کی، تحلیل بھی کی کہ کیوں لکھو؟ فرمایا اس لئے کہ

رَبِّ حَامِلٍ فَقِهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ..... (۱)

بہت سے فقہ بتانے والے اس کو بتاتے ہیں جو ان سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے.....

بعض اوقات ایک شخص ایک مطلب کو حمل کر رہا ہوتا ہے یعنی روایت کرتا ہے، نقل کرتا

ہے، ایک مطلب اس کے ذہن میں، سینے میں ہے لیکن اسے سمجھتا نہیں ہے اور جب یہ مطلب انسان

دوسرے کو منتقل کرتا ہے تو جس کو منتقل کرے وہ بخوبی سمجھتا ہے، اس لئے فرمایا کہ ضروری نہیں ہے کہ جو

کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ تمہیں سمجھ میں آجائے، جب خداوند عالم نے رسول اللہ سے ارشاد فرمایا کہ

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ

رِسَالَتَهُ..... (۲)

اے پیغمبر آپ اس حکم کو پہنچا دیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور

اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا کہ

اللہ کافروں کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔

یہ پیغام پہنچنا چاہئے لیکن رسول اللہ ﷺ کے دل میں کوئی چیز تھی، کھٹکا تھا کہ یہ پیغام کس

طرح سے ان لوگوں تک پہنچایا جائے لیکن خداوند نے جب فرمایا کہ

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ.....

آپ ﷺ پیغام پہنچائیں خدا آپ ﷺ کو بچائے گا اور خدا سے ڈریں، لوگوں سے نہ

ڈریں۔ چنانچہ حضرت ﷺ نے وہ پیغام ابلاغ کر دیا، اس تمہید کے ساتھ کہ اس کو سنو، اس کو لکھو، اس کو ذہن میں بٹھاؤ، حفظ کرو اور جو لوگ ابھی موجود نہیں ہیں ان تک میرا یہ پیغام پہنچاؤ، ساتھ یہ علت بھی بیان کی کہ

رُبَّ حَامِلٍ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ.....

یعنی فرمایا کہ ضروری نہیں ہے کہ میں تمہیں ہی سب کچھ سنارہا ہوں، ایسا ممکن ہے کہ جیسے آج کل صنعتی دنیا نے یہ مشکل آسان کر دی ہے یعنی تمہاری حیثیت فقط ایک ٹیپ ریکارڈر کی ہو، اس کو کسی قوم کے لئے ریکارڈ کر لو وہ اس مطلب کو سمجھے گی، کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک معجزہ رسول اللہ ﷺ ہے، آپ دیکھیں کہ حقیقتاً ایسا ہی ہوا، چودہ سو سال تک یہ مطلب اسی طرح سے حاملِ فقہ نقل ہوتا رہا، ولایت کسی کو بھی سمجھ میں نہیں آئی، کوئی ولایت کا معنیٰ محبت کرتا تھا، کوئی ولایت کا معنیٰ کچھ اور کرتا تھا، پوری تاریخ میں ولایت کے ساتھ یہی کرتے رہے تھے تاہم

إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ.....

ایک افقہ تک یہ بات پہنچی، اس کو سمجھ میں آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا اعلان کیا تھا، وہ افقہ کون تھا؟ وہی امام خمینیؒ کہ غدیریؒ کی آواز امامؒ تک پہنچی اور چودہ سو سال بعد پتہ چلا کہ ولایت کیا ہے؟ حقیقت کیا ہے؟ اور اس کو نظام میں بدل دیا، عقیدے سے نظام میں بدلا، محبت سے نظام میں بدلا کہ یہ ولایت جو رسول اللہ ﷺ نے اعلان کی ان ریکارڈرز کو سمجھ میں نہیں آرہی تھی، انہوں نے نقل تو کر دیا لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ رسول اللہ ﷺ کیا کہہ رہے ہیں؟ حتیٰ بعد میں بھی کسی کو سمجھ میں نہیں

پیغام دین کو افقہ تک پہنچانے کی حکمت

آیا، تا اینکه افقہ تک یہ بات پہنچی اور اس افقہ نے راز کو دریافت کر لیا، اس نے پیغام سے مقصود پیغام استنباط کر لیا۔

یہ جو مدرسئی اصطلاح کا استنباط ہے اس استنباط کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک حقیقت تک پہنچ گئے ہو تو اب اس حقیقت کا تجزیہ کرنا ہے، اب اس حقیقت کی تحلیل کرنی ہے، اب آپ نے اس حقیقت کی جانچ پڑتال کرنی ہے، اس حقیقت کے مختلف پہلوؤں کی طرف توجہ کرنی ہے، روشنی ڈالنی ہے اور اس کے جتنے متعلقات اور لوازمات ہیں ان سب کو حاصل کرنا ہے۔

(۳) میڈیا کے اہل استنباط

بسا اوقات ریڈیو پر خبریں نشر ہوتی ہیں تو جو اناؤنسر (Announcer) خبریں پڑھ کر سنارہا ہے ان میں سے پچیانوے فیصد خبریں خود اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتی ہیں کہ یہ کیا پڑھ کر سنارہا ہے، اس کو لکھ کر دی جاتی ہیں اور وہ پڑھ کر سنا دیتا ہے، یہ جیسے عموماً کہتے ہیں کہ کاتب جو کچھ لکھ رہا ہوتا ہے وہ کاتب کو سمجھنا بھی نہیں چاہئے، اگر کاتب سمجھنے کی کوشش کرے تو خراب کر دیتا ہے، کاتب کا کام یہ ہے کہ جیسی لکھی ہوئی چیز اس کو دی ہے اس کو اسی طرح ٹائپ کر دے یا لکھ دے، اس کو خوشخطی میں لکھ دے، اس کو خود نہ سمجھے بلکہ جو اسپیکر (Speaker) بول رہا ہے اسی طرح لکھ دے اور جو کچھ لکھا ہے وہ دوسروں کے سامنے جا کر بیان کر دے، جیسے ہم ایک مطلب ٹیپ میں ڈالتے ہیں تو ٹیپ کا کام اس کو سمجھنا نہیں ہے بلکہ ٹیپ کا کام ہے اس کو محفوظ رکھنا، بعد میں جس کو سننا ہے اس کو منتقل کر دے،

اسی طرح سے یہ خبروں کے اناؤنسر ہیں کہ بہت ساری چیزیں ان کو خود سمجھ میں نہیں آتی ہیں مثلاً یہ لوگ بڑی بڑی سیاسی خبریں اور بڑے بڑے مطالب نقل کرتے ہیں لیکن خود انہیں معلوم نہیں ہوتا ہے، اسی لئے یہی اناؤنسر ایک ماہر کو یا ایرانی اصطلاح میں، فارسی کی اصطلاح میں ایک کارشناس کو، ایک ماہر کو بلاتا ہے، خبر یہ پڑھ کر سُناتا ہے پھر اس سے کہتا ہے اب آپ اس کی تفسیر کرو، آپ اس پر تبصرہ کرو، آپ اس کا تجزیہ کرو، آپ اس کی تحلیل کرو، یہ جو تجزیہ و تحلیل کرتا ہے یہ درحقیقت خبر کی سمجھ رکھتا ہے، خبر نقل کرنا اور بات ہے اور اس خبر کو تجزیہ کر کے اس خبر کی حقیقت اور پس منظر میں پہنچنا اور بات ہے اسی کو استنباط کہتے ہیں۔

اکثر میں یہ خصوصیت نہیں ہوتی ہے بلکہ چند افراد ہوتے ہیں کہ جن کو تبصرہ نگار، تجزیہ نگار یا محلل کہتے ہیں، یہ اخباروں کے یا حالات کے محلل ہوتے ہیں مثلاً فرض کر لیں کہ دنیا میں کوئی سیاسی یا کوئی اور اتفاق رونما ہوتا ہے تو اس کے بعد ماہرین بلا لیتے ہیں خصوصاً میڈیا نے یہ کام آسان کر دیا جیسے آج کل پاکستان میں ایک نور گشتی کی سیاست چلی ہوئی ہے، میڈیا کا یہ سیاسی کھیل پاکستان میں شطرنج کی طرح ہے، پہلے گیم کا ٹائم اور ہو گیا تھا اب انہوں نے نیا گیم شروع کیا ہے، کچھ مہرے ہیں کہ جنہیں آگے پیچھے کیا جا رہا ہے مثلاً فوجی مہرے ہیں، سول (Civil) مہرے ہیں، مغربی مہرے ہیں، مشرقی مہرے ہیں، داڑھی والے مہرے ہیں، بغیر دھاڑی کے مہرے ہیں، یہ سارے مہرے ہیں، یہ آگے پیچھے کئے جاتے ہیں اور اصل شطرنج کا کھیل کوئی اور کھلاڑی کھیل رہا ہوتا ہے، وہ ان مہروں کو فقط آگے پیچھے چلا رہا ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے نام ہوتے ہیں، شطرنج کے مہروں

میں ایک کا نام سپاہی ہوتا ہے، ایک کا نام گھوڑا ہوتا ہے، ایک کا نام وزیر ہوتا ہے، ایک کا نام بادشاہ ہوتا ہے، اس وقت گھوڑے آگے پیچھے ہو رہے ہیں، سپاہی نہیں، پہلے سپاہی آگے پیچھے ہوتے تھے اب گھوڑے آگے پیچھے ہو رہے ہیں، یہ عوام کو بھی پتہ ہے کہ کیا کام ہو رہا ہے؟

لیکن آپ میڈیا (Media) پر دیکھیں تو روزانہ کچھ سیاست کے ماہرین، اجتماعیت کے ماہرین اور تبصرہ نگار آتے ہیں اور ایک آدمی میزبان بن کر ان سے سوال کرتا ہے کہ یہ جو اس وقت صورتحال بنی ہوئی ہے آپ اس کے کسی ایک پہلو پر روشنی ڈالیں یا آپ ان حالات کو کس تناظر میں دیکھتے ہیں؟ پھر وہ کبھی اس کا قانونی پہلو چھیڑ دیتے ہیں، کبھی اس کا سیاسی پہلو چھیڑتے ہیں، کبھی اس کا عالمی پہلو چھیڑتے ہیں، کبھی اس کا معاشرتی پہلو چھیڑتے ہیں، کبھی عوامی پہلو چھیڑتے ہیں بالآخر ہر ایک اپنی دید کے تحت اس کا کوئی نہ کوئی پہلو اور کوئی نہ کوئی مطلب نکال کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے یہی کام کرنا استنباط ہے، استنباط یعنی تدبر کے بعد کا مرحلہ یعنی ان حالات کے پس منظر میں جانا اور اس پس منظر سے کچھ حقیقت سامنے لا کر لوگوں کو بیان کرنا اور کہنا کہ یہ سازش ہے اور یہ کہنا کہ مثلاً اسکے پیچھے کوئی بیرونی مخفی ہاتھ ہے، اس کے پیچھے کوئی تیسری قوت موجود ہے، کیا کام کس کے مفاد کے لئے ہو رہا ہے؟ اور کس کے کیا عزائم ہیں؟

۴) ادارتی اہل استنباط

ایک جملہ بظاہر سب استعمال کرتے ہیں اور اسکی ایک مصنف نے بڑی خوبصورت تعبیر

لکھی، پاکستان کے ساٹھ سال لکھ کر اس نے کہا کہ ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے آج تک کیا کچھ ہوا ہے چونکہ سب یہی جملہ کہتے ہیں کہ یہ ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے ہے مثلاً ہر ڈکٹیٹر (Dictator) آتا ہے اور آ کر کہتا ہے کہ ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے میری ضرورت ہے اور ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے قبضہ کرتا ہے اور دوسرا آ کر ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے اس کو پھانسی دیتا ہے پھر تیسرا آ کر ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے اس کے خلاف ایکشن لیتا ہے، چوتھا آ کر ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے اس کو نامزد کرتا ہے پھر وسیع تر مفاد کے لئے اس کو انتخاب کیا جاتا ہے پھر وسیع تر مفاد کے لئے اس کو ہٹایا جاتا ہے پھر وسیع تر مفاد کے لئے اس کو ملک بدر کیا جاتا ہے پھر وسیع تر مفاد کے لئے دوبارہ واپس لایا جاتا ہے، یہ ملک کے ایسے وسیع مفاد ہیں کہ پاکستان کے وسیع رقبے کے اندر یہ سب کچھ کھپتا ہے، یہ سب کچھ اس ملک کے اندر ہو رہا ہے۔

وزارتوں میں یا حکومتی اداروں میں ایسے محل، تجزیہ نگار اور ماہرین ہوتے ہیں کہ جن کا کام فقط حالات کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے، یہ اہل استنباط ہیں۔ ہر ملک کے لئے یہ ضروری ہیں اور پوری دنیا میں ہیں، اہل استنباط لوگ بیٹھتے ہیں اور بیٹھ کر فقط حالات کا تجزیہ کر کے مطالعہ کر کے اس کے پس منظر میں اترتے ہیں کیونکہ ان کو فراواں معلومات ہوتی ہیں اور یہ ہنر اور فن بھی ان کے اندر ہوتا ہے کہ ان حالات کے پس منظر کا جائزہ لے سکتے ہیں، فقط ان کے لئے ظاہر نہیں ہوتا ہے، بعض چیزیں میڈیا میں دے دیتے ہیں اور بعض نہیں دیتے ہیں، میڈیا کے اندر اور مخصوصاً ہر ملک کے اندر انٹیلی جنس (Intelligence) ادارے ہیں، یہ پکڑ دھکڑ کا شعبہ نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ خفیہ ایجنسیوں کا ایک

الگ شعبہ ہوتا ہے کہ جو لوگوں پر نظر رکھتے ہیں، جاسوسی کرتے ہیں، دوسروں کی خبر لیتے ہیں اور دوسروں کے حالات کا کھوج لگاتے ہیں۔ ان اداروں کا ایک جاسوس محکمہ ہوتا ہے اور ایک اور اصلی محکمہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ یہ جاسوس میں ان تک منتقل کرتے ہیں وہ ان کو بیٹھ کر تجزیہ اور تحلیل کرتے ہیں یعنی جاسوسوں کی بتائی ہوئی رپورٹوں کے مطابق وہ حالات کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں کہ جس کو آج تھنک ٹینک (Think tank) یا تجزیاتی ٹینک کہتے ہیں، یہ شعبہ ہر اطلاعاتی ادارے یا انٹیلی جنس ادارے میں ہوتا ہے کہ جو حالات کا تجزیہ کرتا ہے اور سارا دار و مدار اسی پر ہوتا ہے یعنی اہل استنباط پر ہوتا ہے، اگر انہوں نے صحیح استنباط کیا تو یہ صحیح فیصلہ کر پائیں گے لیکن اگر انہوں نے غلط استنباط کیا تو یہ غلط فیصلہ کریں گے۔

۵) سیاسی اہل استنباط

کچھ لوگ سیاسی مسائل میں اہل استنباط ہیں اور اس میں ان کو تخصص حاصل ہے کیونکہ عوام کو پتہ کہ ہوتا ہے کہ کیا کچھ ہو رہا ہے؟ واقعاً عوام میں اتنا شعور نہیں ہے، نہ صرف پاکستان میں نہیں ہے بلکہ کہیں بھی عوام میں اتنا شعور نہیں ہے۔ عوام کس کو کہتے ہیں؟

النَّاسُ عَلَى دِينٍ مُّلُوكِهِمْ (۳)

لوگ اپنے بادشاہوں (حاکموں) کے دین پر ہوتے ہیں.....

لوگوں کے چند طرح کے دین ہیں ان میں سے ایک دین دینِ ملوکی ہے، ملکوتی نہیں بلکہ



دین ملوکی یعنی لوگ دین ملوک پر ہیں، لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر اور حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں یعنی جو کچھ حکمران بتاتے جاتے ہیں لوگ اسی کو باور کرتے جاتے ہیں، اسی کو مانتے جاتے ہیں، عوام کو معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ اتفاقات، یہ حوادث، یہ روئیدادیں اور یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے مثلاً عالمی سطح پر اس وقت فرض کریں کہ عراق میں کیا ہو رہا ہے؟ خود عراقی عوام کو نہیں معلوم ہے کہ اس کے بارے میں کیا ہو رہا ہے، کوئی کہتا ہے کہ یہ تیل کے لئے آئے ہوئے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہمیں نجات دینے کے لئے آئے ہوئے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ حرم آزاد کرانے کے لئے آئے ہوئے ہیں، یہ عوام ہیں بالآخر یہی انہیں کہنا چاہئے، جو زبان پر ڈال دو وہی دہرانا شروع کر دیتے ہیں لیکن کچھ لوگ اہل استنباط ہیں، یہ لوگ انہی واقعات کے اندر تدبر کر کے، ان واقعات کے پس منظر میں جا کر، ان واقعات کے اصلی علل و اسباب تلاش کر کے اس کو خود اپنے لئے یا بالآخر کسی مخصوص طبقے کے لئے یا پھر عوام کے لئے پیش کرتے ہیں۔



اسی مطلب کو ایک اور مثال سے سمجھیں کہ انقلاب اسلامی جب رونما ہو رہا تھا تو یہاں پر امریکا قابض تھا اور اس کی رسائی اندر تک تھی، امریکی تجزیہ نگار کہ جن کا کام اس وقت سوچنا تھا، حالات کا جائزہ لینا تھا وہ صدر صدنا کام رہے، یہ خود ان کی رپورٹیں ہیں کہ ان کے مطابق وہ صدر صدنا کام رہے یعنی ایران میں کیا ہو رہا ہے؟ ایران میں کیا ہونے والا ہے؟ یہ ان واقعات اور حالات کا صحیح تجزیہ نہیں کر سکے اور اس وجہ سے ان کی موجودگی کے باوجود یہاں پر انقلاب اسلامی رونما ہو گیا۔ انہیں معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ کیا ہو رہا ہے یا اس طبقہ انقلابی کہ جو اس وقت انقلاب کے

لئے کوشش کر رہا تھا اس سے دوری کی وجہ سے یا مثلاً غرور کی وجہ سے، بسا اوقات ہوتا ہے کہ تکبر اور غرور بھی انسان کیلئے مانع بنتا ہے، وہ لوگ صحیح تجزیہ اور تحلیل نہیں کر سکے بالآخر ضمامِ امران کے ہاتھ سے نکل گئی اور نا خواستہ ان کو یہاں پر سب کچھ چھوڑنا پڑا، بعد میں انہوں نے اعتراف کیا کہ ہمارے تجزیاتی بورڈ نے سخت اشتباہ کیا ہے اور حالات کا درست تجزیہ نہیں کر سکے کہ یہ حالات کس رخ پر جارہے تھے۔

اسی طرح سے ابھی عراق کے اندران کے تجزیہ کرنے والے لوگ سخت اشتباہ میں ہیں، انہیں نہیں معلوم کہ مسئلہ کس طرف جا رہا ہے، اصلاً یہ ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے، یہ ضمامِ امران کے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور عراقی حالت اس وقت کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے، نہ عراقیوں کے ہاتھ میں ہے، نہ عراقی لیڈر شپ کے ہاتھ میں ہے، نہ بیرونی لیڈر شپ کے ہاتھ میں ہے، اصلاً عراقی حالت شتر بے مہر کی حیثیت اختیار کر چکی ہے کہ جس کی لگام کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے، جس طرح ایک وحشی جانور بھاگ جاتا ہے، جس گاؤں سے گزرتا ہے تو اس گاؤں کے رہنے والے کوشش کرتے ہیں کہ اس کو قابو کریں لیکن ایک آدھ پاؤں ان کی رسی پہ آتا ہے تو وہ دوسرے ہی لحظے جھٹکا دے کر چھڑا کے بھاگ جاتا ہے، اسی طرح اس وقت عراق کے حالات ایک وحشی چوش جانور کی طرح ہیں کہ ہر ایک کوشش کرتا ہے کہ اس پہ اپنی گرفت ڈالے، حکومت کوشش کرتی ہے، دوسرے لوگ کوشش کرتے ہیں، ہمسائے کوشش کرتے ہیں، عالمی طاقتیں اور UNO سب ملکر کوشش کر رہے ہیں لیکن کسی کے ہاتھ میں اس کی ضمام نہیں ہے، کیوں نہیں ہے؟ چونکہ انہی لوگوں نے اشتباہ کیا تھا، انہی مجتہدین

سیاست نے اشتباہ کیا تھا کہ جن کا کام درست تجزیہ کرنا تھا، حالات کا درست تجزیہ کرنا تھا، وہ صحیح تجزیہ نہیں کر سکے یعنی صحیح تدبیر نہیں کر سکے، وہ یا تو اہل تدبیر و بصیرت نہیں تھے یا صحیح تحلیل نہ کر سکے پس منظر کے اندر نہیں اُتر سکے اور سیاست دانوں کو موقع پر حالات نہیں بتا سکے مثلاً ملک کا حکمران تجزیہ نگار نہیں ہوتا ہے، اسے مطالعہ شدہ چیز سمری (Summary) کی صورت میں پیش کی جاتی ہے، مجتہدین سیاست اور لوگ ہوتے ہیں، وہ اپنے مشاورین کی جماعت بناتے ہیں اور کسی کا اعلان کرتے ہیں کسی کا اعلان نہیں کرتے ہیں مثلاً جو لوگ سب کچھ مطالعہ کر کے، سوچ سمجھ کے، تجزیہ و تحلیل کر کے اس کو سامنے لا کر پیش کرتے ہیں یہ لوگ سیاسی اہل استنباط کہلاتے ہیں۔

۶) اقتصادی اہل استنباط

اسی طرح اقتصادی میدان میں بھی کچھ لوگ ہوتے ہیں کہ جن کا کام فقط اقتصادی واقعات و حالات سے متعلق ہوتا ہے لیکن ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو مجتہد اقتصاد ہیں یعنی جو اقتصادی حالات کا درست تجزیہ اور تحلیل کرنے کے قابل ہوتے ہیں، اقتصادی مسائل کے پس منظر میں جا کر ساری نبض انکے ہاتھ میں ہوتی ہے، یہ تجزیہ و تحلیل کر کے آئندہ کے اقتصادی حالات کو دیکھ لیتے ہیں۔

۷) طبی اہل استنباط

طب میں بھی اسی طرح سے ہے کہ ایک ڈاکٹر صرف علامتیں چیک کرتا ہے، اس کو پتہ ہے کہ اس مریض کے اندر یہ یہ علامتیں ہیں اور یہ علامتیں کس بیماری کی ہیں، بس اس کو معائنے کی رپورٹ معلوم ہے، عموماً نرسوں کو یہ پتہ ہوتا ہے کہ مریض میں یہ علامتیں ہیں لیکن نرسیں دوا تجویز نہیں کر سکتیں، کیوں؟ اسلئے کہ وہ استنباط نہیں کر سکتی ہیں، اسی معائنہ کی رپورٹ سے کسی چیز کو استنباط نہیں کر سکتی ہیں، ان کے اندر تدبیر ہے، تدبیر کر کے انہوں نے دیکھا ہے کہ اس کو یہ تکلیف ہے، اس کے گردے میں یہ علامت ہے، اس کے مغز میں یہ علامت ہے، اس کے معدے میں یہ علامتیں ہیں لیکن جو کچھ گردے، مغز اور معدے میں ہو رہا ہے اس سے کوئی چیز دریافت نہیں کر سکتی ہیں لہذا اس کے لئے ایک ڈاکٹر ہوتا ہے یا بسا اوقات ڈاکٹر کو بھی معلوم نہیں ہوتا ہے بلکہ پورا ایک میڈیکل بورڈ (Medical board) بٹھایا جاتا ہے اور اس کے سامنے مریض کی حالت اور ساری رپورٹیں پیش کی جاتی ہیں پھر وہ تجزیہ و تحلیل کر کے سمجھتے ہیں کہ اس کو کیا بیماری ہے؟

۸) دینی اہل استنباط

یہی صورت اجتماعی یا دینی مسائل میں بھی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو باصلاحیت اور اہل استنباط ہوتے ہیں، قرآن مجید نے اتفاقاً اسی تناظر میں یہ لفظ استعمال کیا ہے کہ یہ جو بات سنتے ہو وہ آپ اہل تک پہنچاؤ کہ شاید وہ زیادہ بہتر سمجھتے ہوں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ

رُبَّ حَامِلٍ فِقْهِهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ.....

جو فہم اور جو مطلب آپ لوگوں کو ملا ہے شاید آپ درست نہ سمجھ سکتے ہوں لہذا فرمایا کہ اس کو ضبط کرو، دوسروں کے لئے نقل کرو کہ جن تک تم نقل کرو گے ممکن ہے وہ بہت بعد میں آئیں، شاید اگلی صدی میں ہوں، شاید اس سے اگلی صدی میں ہوں، یہ مطلب محفوظ کر لو کہ انہیں سمجھ میں آ جائے گا، جس کی مثال بھی دی ہے، سورہ نساء کی آیہ (۸۲) اور (۸۳) میں پہلی آیہ پہلے لکھ چکے ہیں، آیہ (۸۳) اسی سے مربوط ہے اور اسی آیہ میں ہمارا شاہد ہے، آیہ ۸۲ میں ہے کہ

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ.....

کیا یہ لوگ قرآن میں تذکر نہیں کرتے ہیں؟ مثلاً منکرین یا جو لوگ بھی قرآن سے سروکار نہیں رکھتے ہیں یا قرآن کی طرف مائل نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ اسی طبقے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا، چار یا چھ آدمیوں کی بات نہیں ہو رہی ہے کہ مثلاً وہ فلاں فلاں قرآن میں تذکر نہیں کرتے ہیں، قرآن کے مخاطب تا قیامت کے ناس ہیں، ہمیں آج کی مثال دینی چاہئے نہ کہ چودہ سو سال پہلے کی مثال کہ چودہ سو سال پہلے فلاں فلاں تذکر نہیں کرتے تھے مثلاً ابن مسعود، ابن عباس تذکر کرتے تھے اور دوسرے چند ایک نہیں کرتے تھے، بلکہ آج کی نسل میں تلاش کریں کہ کون قرآن میں تذکر نہیں کرتا ہے؟

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا

کثیراً ۵

کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں کہ اگر وہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف ہوتا۔

یعنی اگر قرآن میں تدبر کرتے تو انہیں ایک چیز بخوبی معلوم ہو جاتی اور وہ یہ کہ قرآن میں اختلاف نہیں ہے اور اگر یہ کتاب خدا کی طرف سے نہ ہوتی تو جس طرح سے دوسروں کا کہنا تھا کہ یہ اساطیر اولین ہیں مثلاً یہ رسول اللہ ﷺ کے اپنے افکار ہیں، خود اپنی آراء ہیں کہ جو جمع کر کے مثلاً دوسرے ادیان کا مطالعہ کر کے یا دوسری امتوں کا مطالعہ کر کے یا سن کے انہوں نے لکھی ہیں، بعض لوگ پیغمبر اکرم ﷺ پر یہ تہمت لگاتے تھے کہ یہ آراء و افکار مختلف لوگوں سے سن کر اور ایک اچھی کتاب تدوین کر کے کہا کہ یہ وحی خدا ہے، افکار اپنے، تدوین اپنی اور اس کو ذات خداوند تبارک و تعالیٰ کی جانب نسبت دے دی، خداوند نے فرمایا کہ اگر یہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں غیر خدا کی ایک حتمی علامت ہوتی اور وہ یہ کہ اختلاف ہوتا اور شدید اختلاف ہوتا اور اسکے مطابق اس میں تناقص ہوتا، کیا یہ قرآن کے اندر تدبر نہیں کرتے ہیں، غور نہیں کرتے ہیں کہ

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ.....

اگر یہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا، حتیٰ رسول اللہ ﷺ کی اپنی طرف سے ہوتا یا مثلاً جیسے وہ کہتے ہیں کہ نحیرہ کی طرف سے تھا یا بحیرہ سے حضرت کی ملاقات ہوئی اور اس سے کچھ چیزیں لے کر پھر پوری تشریح لے کر کتاب تدوین کر دی،

لَوْ جَدُّوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝

اس میں فراواں اختلاف ہوتا، تضاد ہوتا درحالیکہ نہیں ہے یعنی منطق کی اصطلاح کے مطابق ایک قیاس استثنائی ہے کہ اگر یہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس کے اندر اختلاف کثیر ہوتا اور اب جبکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے تو یہ غیر خدا کی جانب سے نہیں ہے یعنی خدا کی جانب سے ہے، یہ تدبر کا نتیجہ ہے۔

۹) چیزوں کو اہل تک پہنچائیں

آیہ (۸۳) اسی آیہ کے ساتھ متصل ہے یعنی آیہ تدبر کے ساتھ ہی آیت استنباط ہے،

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ.....

یعنی جب کوئی بھی خبر آتی ہے، جب بھی کوئی بات امن کے بارے میں، جنگ کے بارے میں، خوف کے بارے میں یا کسی اور چیز کے متعلق کہیں سے بھی کوئی خبر آتی ہے،

أَدْعُوا بِهِ.....

تو فوراً نشر کر دیتے ہیں، فوراً پھیلا دیتے ہیں یعنی شائع کر دیتے ہیں، افواہ پھیلا دیتے ہیں،

یہ نفسیات عوام ہے کہ اہل افواہ ہوتے ہیں، افواہ فوہ سے ہے اور فوہ سے مراد منہ ہے، افواہ کو افواہ اسی

لئے کہتے ہیں یعنی وہ بات جو فقط منہ کی حد تک ہے اور منہ سے پیچھے اس کی کوئی حقیقت نہ ہو یعنی فقط

ایک زبانی گفتار ہے اور اس کے بعد اس کی کوئی حقیقت، کوئی معنی اور کوئی اور مصداق نہیں ہے۔

یہ عام چیز ہے کہ لوگوں کا سارا دار و مدار افواہوں پر ہوتا ہے، دین افواہی، اعتقاد افواہی،

چیزوں کو اہل تک پہنچائیں

عمل افواہی، فقہ افواہی، سنا ہے کہ چاند نظر آ گیا ہے، سنا ہے کہ چاند نظر نہیں آیا ہے، سنا ہے فوہ سے نکلا ہے، آپ نے چاند کو دیکھنا ہے نہ کہ سننا ہے، چاند تو سننے کی چیز نہیں ہے بلکہ چاند دیکھا جاتا ہے لیکن لوگوں کا سارا دار و مدار افواہ پہ ہوتا ہے، جیسا ابھی حالیہ دنوں میں ہے چونکہ ایران میں رہنے والوں کو نہیں پتہ ہے کہ ایران کے بارے میں باہر کیا خبر ہے؟

اس وقت باہر دنیا کا خیال یہ ہے کہ ایران جنگ کے شعلوں میں جل رہا ہے اور باقاعدہ ٹائم اور ڈیٹ (Time & Date) بھی دیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو رات فلاں بجے ایک (Attack) ہونا ہے اور ساتھ ایڈریس (Address) بھی دیتے ہیں کہ کن کن نقطوں پر ہونا ہے، مثلاً تین سو نقطوں پر ایک ہونا ہے، چار سو جگہوں پر ایک ہونا ہے، ابھی ریسنٹلی (Recently) انہوں نے کہا ہے کہ سات سو نقطے ہیں کہ جو مشخص ہو چکے ہیں، ان کی نشاندہی ہو چکی ہے اور میزائل ان کی طرف بالکل تیار ہیں، یہ صرف افواہیں ہیں یعنی میزائل اس پہ فٹ (Fit) کر دیئے گئے ہیں، نشانہ لے لیا گیا ہے اور عنقریب اس کو فائر کرنے والے ہیں، باہر میڈیا کی وجہ سے یہ افواہیں گردش کر رہی ہیں اور لوگ پریشان ہیں لیکن آپ دیکھیں کہ خود ایران کے اندر ایسی کوئی خبر نہیں ہے، جو باہر سے آتا ہے وہ اندر آ کر زیادہ مطمئن ہو جاتا ہے، ایئر پورٹ تک سخت پریشان ہوتا ہے کہ معلوم نہیں پہنچ بھی پاؤں گا یا نہیں لیکن یہاں آ کر دیکھتا ہے کہ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے، افواہیں اسی کو کہتے ہیں، خناس کا کام بھی افواہیں پھیلانا ہے اور افواہوں پر ایمان لانا بھی اتنا ہی غلط ہے کہ جتنا افواہ پھیلانا غلط ہے، شائع پر اکنی غلط کام ہے، حرام ہے۔ اگر خوف کے

بارے میں، امن کے بارے میں، جنگ کے بارے میں، صلح کے بارے میں یا کسی بھی بارے میں کوئی ایسی افواہ یا اڑتی ہوئی خبر پہنچتی ہے تو

أَذَاعُوا بِهِ.....

اسے فوراً پھیلا دیتے ہیں۔ حالانکہ اسے پھیلا نا نہیں ہے، پھر کیا کرتے؟

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ.....

آپ اسے رہبر کی طرف پلٹاتے یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹاتے، کچھ کام ہیں کہ جو خدا نے رہبر کے ساتھ مخصوص کئے ہیں، رسول اللہ ﷺ کو رہبر، امام اور حاکم مقرر کیا ہے اور کچھ اختیارات دیئے ہیں کہ اگر چاند نظر بھی آیا ہے تو کس کو بتانا ہے؟ فقط رہبر کو بتانا ہے، خود کچھ بھی اعلان نہیں کرنا ہے، جو بھی ہوتی مرجع تقلید ہو لیکن کسی کا حق نہیں بنتا ہے کہ اعلان کر دے کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے اور کل عید ہے یا کل روزہ ہے، بلکہ کیا کرنا ہے؟

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ.....

جو خبر بھی پہنچتی ہے اسے فوراً پھیلاؤ نہیں بلکہ اس کو فوراً رسول اللہ ﷺ تک پہنچاؤ، رسول بعنوان مصداق ہیں لیکن اگر رسول ﷺ نہیں ہیں اور امیر المومنین علیہ السلام ہیں تو امیر المومنین علیہ السلام تک پہنچاؤ، امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہیں تو ان تک پہنچاؤ، سید الشہداء علیہ السلام ہیں تو ان تک پہنچاؤ، جو بھی زمانے کا امام ہے اس تک پہنچاؤ، اگر زمانہ غیبت کبریٰ ہے تو پھر پھیلا دو؟ چونکہ قرآن نے کہا ہے کہ اگر امن و خوف کی کوئی بات تم تک پہنچتی ہے تو اسے پھیلاؤ نہیں بلکہ اسے رسول اللہ ﷺ تک پہنچاؤ اور اب تو

چیزوں کو اہل تک پہنچائیں

زمانہ غیبت کبریٰ ہے اور اس میں نہ رسول ﷺ ہیں نہ امام ہیں، پس اب پھیلا سکتے ہیں، نہیں، اب بھی پھیلانے کا حق نہیں بنتا ہے، کیوں؟ کیونکہ بالآخر ترتیب ہے، جیسے اگر ابھی رسول اللہ ﷺ ہوتے تو آپ نماز کیسے اور کہاں پڑھتے؟ رسول ﷺ کے پیچھے، اگر رسول اللہ ﷺ نہیں ہیں تو کس کے پیچھے پڑھو گے؟ امام معصوم کے پیچھے اور اگر امام معصوم علیہ السلام نہیں ہیں تو؟ نائب امام علیہ السلام کے پیچھے، ایک جامع شرائط انسان کے پیچھے یا ملنگوں کی طرح یہ کہو گے کہ نہیں ہم نے تو نماز رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ہی پڑھنی ہے اور اگر رسول ﷺ نہیں ہیں تو پھر نماز ہی نہیں پڑھنی، البتہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کہہ لیں تو اتنی شانس بھی نہیں ہے، رسول ﷺ کا کوئی اتنا ملنگ بھی نہیں ہے کہ کہے ہم صرف رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پڑھیں گے بعض کہتے ہیں کہ ہم صرف امام زمانہ علیہ السلام کے مقلد ہیں اور کسی کی تقلید نہیں کرنی ہے، جب امام زمانہ علیہ السلام ہیں تو امام علیہ السلام کی تقلید کرو لیکن جب تک امام علیہ السلام نک رسائی نہیں ہے تو نائب امام کی تقلید کرو کہ جن کو خود انہوں نے متعین کیا ہے اور آپ کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے متعین کیا ہے۔

دین سیکھیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ اگر کوئی گم شدہ چیز ملتی ہے تو کیا کریں؟ حج پہ عموماً لوگوں کی بہت ساری چیزیں گم ہو جاتی ہیں، ایک عام چیز جو گم ہو جاتی ہے وہ جوتا ہے، کبھی حج پہ جانا پڑے تو پندرہ، سولہ جوتے ساتھ لے کر جائیں، نہ کہ لوگ چراتے ہیں بلکہ رش کی وجہ سے گم ہو جاتے ہیں، بسا اوقات انسان رکھتا ہے اور بھول جاتا ہے، بسا اوقات صفائی کرنے والے اٹھا کر کہیں پھینک دیتے ہیں اور جوتا گم ہو جاتا ہے، یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض نے خود اپنے طور پر اجتہاد کر کے کہ چونکہ ہمارا جوتا

کسی نے اٹھالیا ہے تو کسی اور کا جوتا ہم اٹھا لیتے ہیں لہذا وہ کسی کا پہن کر آ جاتے ہیں اور اسی میں پورا جج بھی کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی گم شدہ چیز ملی ہے تو کیا کریں؟ معلوم ہونا چاہئے، یہ تربیت کا حصہ ہے، بچوں کو تعلیم و تربیت میں بتاؤ کہ اگر کوئی چیز ملے تو اس کو کیا کریں؟ اسکول میں اگر بچے کوزمین پر پینسل، ربڑ، کاپی، کتاب، پیسہ یا جو کچھ بھی ملے تو بچہ کیا کرے؟ اس چیز کو اسکول کے آفس میں

دے،

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ.....

اگر یہ بچے اسے آفس میں نہ دیں تو اس سے دکان پہ جا کر ٹافی خرید کے کھالیں گے، اس طرح سے ہر چیز کا ایک اہل ہے، ہر چیز کے لئے ایک اتھارٹی (Authority) ہے، ہر کام اس کی اتھارٹی کی طرف لوٹاؤ یعنی یہ قرآن کا قاعدہ ہے کہ ہر کام، ہر مطلب اپنی اتھارٹی کی طرف لوٹاؤ، ہر کام اس کے اہل کی طرف لوٹاؤ، اس کے منبع کی طرف لوٹاؤ، اگر ملکی حالت کے بارے میں امن و خوف کی کوئی خبر آئی ہے کہ حملہ ہونا ہے یا کچھ اور ہونا ہے تو لوگوں کو: دراؤ، فوراً نہ پھیلاؤ کہ یہ ہو گیا وہ ہو گیا بلکہ یہ اس کے اہل تک پہنچاؤ کہ یہ خبر ہم نے سنی ہے، دیکھو کیسی ہے؟

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ.....

اگر یہ لوگ رسول ﷺ کی طرف واولی الامر کی طرف لوٹا دیں یعنی فقط رسول ﷺ نہیں

ہیں بلکہ بعد میں صراحت ہے، رسول ﷺ اور اولى الامر کی طرف لوٹاتے تو کیا ہوتا؟

لَعَلَّمَهُ الَّذِينَ.....

چیزوں کو اہل تک پہنچائیں

اس وقت جان لیتے، کون؟

يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ.....

جو لوگ استنباط کرتے ہیں یعنی وہ امر جو خوف و امن کے بارے میں پھیلا یا جا رہا ہے یا افواہ اڑائی جا رہی ہے، شائع کی جا رہی ہے اگر اسے رسول ﷺ یا اولی الامر کی طرف لوٹاتے تو وہاں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو مستنبط ہیں، استنباط کرنے والے ہیں، وہ جان لیتے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ آیا خبر درست ہے یا نہیں ہے؟ واقعاً کوئی خطرہ ہے یا نہیں ہے؟ لوگ بسا اوقات امن کی افواہ اڑا دیتے ہیں درحالیکہ خطرہ ہوتا ہے اور بعض اوقات خطرے کی افواہ اڑاتے ہیں درحالیکہ امن ہوتا ہے، اس کے لئے باقاعدہ طبقہ ہے، لوگ معین شدہ ہیں لہذا جن کا کام استنباط کرنا ہے،

الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ.....

یعنی ان لوگوں میں سے جو اہل استنباط ہیں وہ جان لیتے، استنباط کون کرتے ہیں؟ بعض نے تحقیق کرنے والے، جستجو کرنے والے لکھا ہے یہ تعبیریں درست ہیں لیکن انہوں نے دقیق معنی استنباط روشن نہیں کیا، نہ ترجموں میں اور نہ تفسیروں میں کہ استنباط کا صحیح معنی کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے پاس یا اور اولی الامر کے پاس ایسے افراد ہیں یا لوگوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں کہ اگر یہ خبر ان تک پہنچ جائے تو اس میں سے استنباط کرتے ہیں، یعنی اس خبر کی تہہ تک پہنچیں گے اور تہہ تک پہنچ کے جو حقیقت ہے وہاں سے نکال کر سامنے لے آئیں گے اسی کو استنباط کہتے ہیں، کنویں کے اندر تہہ میں موجود پانی کو نبط کہتے ہیں، اس پانی تک رسائی تدبیر ہے اور پھر اس پانی کو لے کر باہر منتقل کرنا استنباط ہے۔

۱۰) قرآن کے اہل استنباط

لہذا کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تجزیہ نگار ہیں، تبصرہ نگار ہیں، ان کے لئے مختلف اصطلاحیں ہیں عموماً میں رائج اصطلاحیں استعمال کرتا ہوں یعنی جو اہل تحلیل ہیں، اہل تجزیہ ہیں وہ حالات کے پس منظر میں اتر سکتے ہیں، یہ اہل مطالعہ اور اہل معلومات ہیں کہ ہر چیز کی تہہ میں اور پس منظر میں جا کر حقیقت کو تلاش کر کے آپ کے لئے کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ جیسے بیان کیا ہے کہ میڈیا میں یہ چیز رائج ہے اور روزمرہ ہو رہی ہے، دین میں بھی ایسے ہی ہے، اداروں کے لئے بھی ایسے ہی ہے، اسی طرح قرآن کے لئے بھی ہونا چاہئے، اب آیہ کو آخر تک پڑھتے ہیں،

الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَا تَبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

یعنی جب ان کے پاس امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو فوراً نشر کر دیتے ہیں حالانکہ اگر رسول اور صاحبان امر کی طرف پلٹا دیتے تو ان سے استفادہ کرنے والے حقیقت حال کا علم پیدا کر لیتے اور اگر تم لوگوں پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند افراد کے علاوہ سب شیطان کا اتباع کر لیتے۔

اور اگر اہل استنباط کو یہ بات نہ دو بلکہ خود ہی اس کو افواہ بنا کر پھیلانا شروع کر دو تو پھر اگر رحمت خدا و فضل خدا شامل حال نہ ہو تو تم میں سے اکثر شیطان کے پیروکار بن جاؤ گے۔ جس قوم کے اندر، جس طبقے کے اندر اہل استنباط لوگ نہ ہوں کہ جو حقائق کو تجزیہ کر کے، تحلیل کر کے ان کے

سامنے بیان کریں تو اس صورت میں آپ کو شیطان کی پیروی کرنی پڑے گی چونکہ دوسری صورت میں شیطان بتائے گا چونکہ شائع کرنا، افواہ پھیلانا شیطان کا کام ہے، خناسیت شیطان ہے اور شیطنت ہے،

لَا تَبْعُتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا

پھر استنباط در قرآن سے کیا مراد ہوئی؟ استنباط در قرآن سے مراد یہ ہے کہ آپ کے سامنے قرآن نازل شدہ ہے، نازل شدہ یعنی لفظی قالب میں موجود ہے، عربی کے ساتھ موجود ہے، کتابی شکل میں موجود ہے اور اس عربیت، ان تعبیرات و عبارات کے پیچھے معانی ہیں، حقائق ہیں، باطن قرآن ہے۔ یہ ظاہر قرآن ہے اور اس کے پیچھے حکمت اصلی قرآن ہے، اس سے پہلے ادب یہ تھا کہ قرآن میں تدبر کرو یعنی ظواہر پر ہی اکتفا نہ کرو، ساحل پیمائی نہ کرو، ساحل قرآن میں اور سطح سمندر میں ہی ساری عمر صرف نہ کر دو بلکہ اسکی گہرائی میں بھی جاؤ چونکہ قیمتی گوہر اس کی گہرائی میں موجود ہیں، تدبر کے بعد پھر کیا کرنا ہے؟ تدبر کے بعد ان آیات کا جو مقصود ہے، ان آیات کے اندر خدا نے جو حکمت رکھی ہوئی ہے، ان آیات کے اندر تمہارے لئے جو ہدایت موجود ہے اس ہدایت کو لے کر آؤ، اپنے اندر بھی اتارو اور اس ہدایت کو لوگوں کے سامنے بھی پیش کرو لیکن استنباط سے مراد ذرا وسیع تر ہے چونکہ جب آپ آیت کے پس منظر اور آیت کی گہرائی میں جاتے ہیں تو لکیر کا فقیر نہیں بننا ہے۔

بعض موانع فہم قرآن صدر المتاھینؒ نے خود الگ سے بیان کئے ہیں، ابھی آداب فہم قرآن میں استنباط پر بحث ہے، اگلی فصل میں جو چھٹا ادب آرہا ہے اس میں موانع فہم قرآن بیان

کریں گے کہ جن چیزوں کی وجہ سے انسان فہم قرآن پہ قدرت حاصل نہیں کر پاتا ہے۔

جب آپ آیت قرآن میں پہنچتے ہیں تو اس آیت قرآن کے معنی کو لے کر پھیلائیں مثلاً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسی ایک آیت کو لے لیں اور اس کی تہہ میں اتریں یا اس کے اندر تہہ بر کریں یعنی جب آپ ظاہر لفظ سے معنی باطن تک پہنچیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ یہ معنی ایک عالم ہے، اس عالم معنی کے اندر ایک اور دنیا ہے، جس طرح سے یہ چیزیں کہ جو ہم کھاتے پیتے ہیں یا جہاں آپ سوتے ہیں یا جہاں بیٹھے ہوئے ہیں ہم عام آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور ہمیں کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے لیکن اگر آپ اسی کو اگر مائکرو اسکوپ (Microscope) میں دیکھیں گے تو کو آپ کو یہاں ایک عجیب دنیا آباد نظر آئے گی، یہاں پر عجیب و غریب قسم کے جاندار موجود ہیں کہ جو تدریجاً میری ناک میں داخل ہو رہے ہیں، پھیپھڑوں میں جا رہے ہیں، پانی کا ایک قطرہ لے کر مائیکرو اسکوپ کے اندر دیکھیں تو اندر ایک عجیب و غریب دنیا ہے۔

قرآن کے اہل استنباط

اسی طرح سے ہم جب قرآن کے معنی تک پہنچتے ہیں تو اب کس چیز کی باری آ جاتی ہے؟ مائکرو اسکوپ کی باری آتی ہے، لفظ سے معنی تک پہنچے، ادبیات و صرف و نحو نے ہمیں معنی تک پہنچا دیا ہے لیکن اب یہاں سے آگے کیا چاہئے؟ مائکرو اسکوپ چاہئے یعنی وہ آنکھ کہ جو انتہائی چھوٹی چیزیں بھی دکھاتی ہے، جب اس سے دیکھیں تو ہر چھوٹا سا معنی اپنے اندر ایک پورا عالم لئے ہوئے ہے، اس کے اندر پوری دنیا ہے، پھر اس کے بعد استنباط کرنا ہے یعنی انسان معنی قرآن میں اس دید

کے ساتھ، اس بصیرت کے ساتھ اترے کہ وہ جہانِ معانی، عالمِ معانی میں اُتر جائے اور عالمِ معانی میں سے معانی کو لے کر باہر آئے جیسے علامہ طباطبائیؒ ہیں، یہی آیت جو بہت سارے لوگوں نے لکھی بھی اور پڑھی بھی، فرض کریں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝

لکیر کا فقیر بن کر چونکہ اس نے الحمد کہا ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں لہذا میں ایک کلمہ اوپر نیچے کرنے کا مجاز نہیں ہوں، مجھے بھی یہی کہنے کا حق ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کیونکہ میرا حق نہیں بنتا ہے، سارے نمبر کٹ جائیں گے، اگر کسی نے کہہ بھی دیا تو لوگ اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے کہ اس نے ایک اور بات کر دی ہے، لیکن اسی آیہ کے اندر جب مستنبط اترتا ہے تو وہ ایک عجیب جہانِ معانی اپنے ہمراہ لے کر واپس آتا ہے۔

علامہ طباطبائیؒ کہتے ہیں کہ قرآن میں بسم اللہ تکرار نہیں ہوئی ہے تو معلوم ہوا کہ جہانِ بسم اللہ ہے، عالمِ بسم اللہ ہے، بسم اللہ ایک آیہ نہیں ہے بلکہ بسم اللہ پوری ایک دنیا ہے، جب بسم اللہ معانی کی ایک پوری دنیا ہے تو اس دنیا میں اترنا اور اس دنیا سے پھر اپنی استطاعت و طاقت کی حد تک معانی لے کر باہر آنا اصطلاح میں استنباط کہلاتا ہے۔

حضرت آیت اللہ سید محسن الحکیم رضوان اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح کفایہ میں نقل کیا ہے

کہ ہم ایک استاد کے پاس جاتے تھے، ایک دن گئے تو انہوں نے ایک آیہ قرآن پڑھی اور اس کی تفسیر کی، دوسرے دن ہم پھر دوبارہ گئے، یہ سب مجتہدین تھے کہ جو ان کے پاس جاتے تھے، دوسرے دن گئے تو اسی آیہ کی ایک اور تفسیر کی، تیسرے دن گئے تو انہوں نے اسی آیہ کی ایک اور نئی تفسیر کی، چوتھے دن اسی آیہ کی ایک اور تفسیر کی اور کہا کہ ہم تیس دن مسلسل گئے اور تیس دن تیس تفسیریں کیں اور ہر ایک تفسیر دوسری سے دقیق تر تھی یعنی اناڑی عوام بھی نہیں تھے کہ جن کو سمجھ میں نہیں آرہی تھیں کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں، یہ مجتہدین تھے کہ جو اس میں شرکت کرتے تھے، پس اہل استنباط اگر آیات کے اندر اتریں تو ایسے ہی ہوتا ہے۔

یہ فہم قرآن کا ادب ہے کہ اس کو انسان اپنے وجود کے اندر ایجاد کرے اور ادب قرآنی کے ساتھ مؤدب ہو جائے۔ قرآن کو آداب کے ساتھ پڑھیں اگر آداب کے بغیر قرآن پڑھیں تو اس کو بے ادبی کہتے ہیں، وضو کے بغیر قرآن پڑھنا بے ادبی ہے، طہارت کے بغیر قرآن پڑھنا بے ادبی ہے، تلفظ کے بغیر پڑھنا بے ادبی ہے، قرآن کو بغیر وضو کے چھونا بے ادبی ہے اسی طرح بغیر تدبر کے پڑھنا بھی بے ادبی ہے، استنباط کے بغیر پڑھنا بھی بے ادبی ہے، بالآخر ادیبوں کے درجات ہیں، کوشش کریں کہ وہ ادیب بنیں جو قرآن بنانا چاہتا ہے، قرآن نے سرزنش کی ہے کہ کیوں تدبر نہیں کرتے ہو، یہاں پر فرمایا کہ اگر یہ بات استنباط کرنے والوں کو پہنچائیں اور خود نہ پھیلاتے پھریں تو پھر دیکھیں گے کہ یہ ان سے کیا معارف نکال کر دیتے ہیں۔

قرآن کے مستنبطان نے کتاب خمس فقط ایک آیت قرآن سے استنباط کی گئی ہے۔ یہ ایک

پوری کتاب ہے کہ پورا ایک سال کا سلیبس (Syllabus) بنتا ہے، کم از کم اگر ایک مختصر آدمی وقت کے ساتھ پڑھے یا ایک اعلیٰ استاد پڑھائے تو کتاب خمس پڑھتے ہوئے انسان کو ایک سال لگتا ہے۔

(۱۱) احادیث کے اہل استنباط

اسی طرح کچھ لوگ احادیث کی دنیا میں اترتے ہیں تو وہاں ایک عظیم جہان معانی پاتے ہیں، مجتہدین کی مثال دیکھ لیں کہ ایک روایت لے کر اس سے استنباط کرتے ہیں اور پوری کتاب فقہ ایک روایت سے استنباط کرتے ہیں اور ان کا حق بنتا ہے چونکہ اہل استنباط ہیں یعنی جب فقیہ روایت کے جہان معانی میں، دنیائے معانی روایت میں پہنچا تو اس نے وہاں پر دیکھا کہ اس کا تو ایک معنی نہیں ہے، ایک دال و مدلول نہیں ہے بلکہ یہ تو عجیب و غریب عالم ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ..... (۴)

جس نے اپنے آپ کو پہچانا تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچانا.....

یہ حدیث نبوی ﷺ بھی ہے اور علوی علیہ السلام بھی ہے، یعنی یہ روایت دو معصومین علیہم السلام سے

منقول ہے، استاد محترم حضرت استاد حسن زادہ آملی دام ظلہ العالی نے درس کے اندر فرمایا تھا کہ میں نے اس حدیث کی تفسیر میں ڈھائی سو الگ الگ تفسیریں لکھی ہیں یعنی دو سو پچاس تفسیریں اور ہر تفسیر دوسری سے مختلف ہے، دوسرے لفظوں میں اس کے دو سو پچاس معانی کئے، پھر فرمایا کہ میں نے کہیں تذکرہ کیا تو کسی نے اس کو سنا اور اس کا شوق بڑھا کہ یہ مجھے دکھائیں اور وہ کتاب لے کر چلا گیا اور

حضرت استاد کو بہت افسوس تھا کہ وہ شخص پتہ نہیں مر گیا، کھپ گیا، کیا ہوا کہ وہ کتاب واپس نہیں لایا، انہیں یاد بھی نہیں تھا کہ کون لے گئے ہیں، طالب تھا یا عالم دین تھا کہ جو لے گیا تھا لیکن اس نے واپس نہیں کی اور فرمایا کہ ابھی چند مہینوں سے دوبارہ کوشش کر رہا ہوں کہ حافظے کی مدد سے ایک دفعہ پھر لکھوں چونکہ وہ پہلی ساری تفسیریں یادداشت سے کھو گئی ہیں، اس وقت تک یعنی جب حضرت استاد کی خدمت میں درس میں حاضر ہونے کی توفیق تھی یعنی آج سے تقریباً دس سال پہلے فرمایا تھا کہ ابھی تک میں اس کی نوے تفسیریں حافظے کی مدد سے دوبارہ لکھ چکا ہوں اور پھر دعا بھی کرتے تھے کہ خدا لطف کرے، عنایت کرے کہ ان باقی پر بھی قادر ہو جاؤں، بعد میں وہ درس معطل ہو گئے اور کہا تھا کہ وہ بھی بے ادبی کی وجہ سے ہوئے، کسی بے ادب نے وہ فیض حوزے سے چھین لیا، بے ادب بہت نقصان پہنچاتے ہیں، آپ توجہ کریں کہ اہل استنباط کیا ہوتے ہیں، اس حدیث کے اندر کتنے لفظ ہیں؟

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ.....

پانچ چھ لفظ ہیں، ان پانچ چھ لفظوں کے اندر ایک عجیب و غریب دنیا ہے کہ اگر اس کے اندر اہل استنباط اترے ایک استاد حوزہ و ایک حکیم الہی اترے تو اسکی ڈھائی سو تفسیریں کر سکتا ہے اور منحصر نہیں ہے کہ یہ ڈھائی سو ہی ہوں بلکہ مزید بھی ہیں۔ ہر حقیقت ایسے ہے، امیر المومنین علیہ السلام کا یہ جملہ انسان کے بارے میں ہے کہ

أَتَزَعُمُ أَنَّكَ جَرْمٌ صَغِيرٌ وَفِيكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ..... (۵)

(اے انسان) کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو بس اک چھوٹا سا جسم ہے درحالیکہ تیرے وجود

میں ایک بڑی دنیا (عالم اکبر) پوشیدہ ہے.....

اسی طرح قرآن کی ہر آیت کے اندر معانی کی ایک پوری کائنات ہے، اس لئے انسان اگر آنکھیں کھول کر بصیرت کے ساتھ تدبر کر کے اسکی تہہ میں اترے، سمندر میں اترے اور دل میں بھی نورانیت ہونہ کہ اندھیرا ہو تو نورانیت میں دیکھیں کہ ایک عالم ہے، انسان ایک نئے عالم میں آجاتا ہے، اسی طرح نہج البلاغہ بھی ہے اور جنہوں نے نہج البلاغہ میں یہ کام کیا ہے اس کا مطالعہ کریں از جملہ محمد عبیدہ کی کتاب کا مقدمہ پڑھیں تو اندازہ ہوگا کہ ایک مسیحی جب نہج البلاغہ کی دنیا میں اترتا ہے تو اس کو اس کتاب کے اندر سے کیا کیا معلوم ہوتا ہے۔ جارج جرداق، ابو نعیمہ، جرجی زیدان یا اس طرح کے غیر مسلم لوگ کہ جو نہج البلاغہ کی دنیا سے آشنا ہوئے ہیں تو ان کو حیرت ہوئی ہے کہ ہر لفظ کے اندر ایک پوری کائنات بھری ہوئی ہے اور قرآن تو معجزاتی حد تک کائنات ہے، ہر لفظ کے اندر اور ہر آیہ کے اندر پورا جہان معانی پوشیدہ ہے، آپ قرآن کی طرف بڑا ظرف لے کر جائیں تو پھر دیکھیں کہ قرآن کیا عطا کرتا ہے، انشاء اللہ خدا سب کو توفیق دے۔

حوالہ جات

(۱)..... (تسنیم تفسیر قرآن کریم - آیۃ اللہ جوادی آملی مدظلہ) (مرآۃ العقول فی شرح أخبار آل الرسول - العلامة المجلسیؒ، الجزء ۱، صفحہ ۱۵۱)
 (مستدرک سفینۃ البحار - العلامة آیۃ اللہ الشیخ علی النمازی، الجزء ۲، صفحہ ۲۳۳) (عوالی اللالی - ابن ابی جمہور احسائی، الجزء ۴، صفحہ ۲۴) (منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغۃ - الخوئیؒ)
 (بہج الصباغۃ فی شرح نہج البلاغۃ) (أحكام القرآن - أحمد بن علی أبو بکر الرازی الجصاص الحنفی، المتوفی: ۳۰۷ھ، الجزء ۲، صفحہ ۶۰۷) (مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل - المحدثین الحاج میرزا حسین النوری الطبرسیؒ، الجزء ۱، صفحہ ۲۸۵) (بحار الأنوار - العلامة المجلسیؒ، الجزء ۴، صفحہ ۱۴۶)

(۲)..... (سورۃ مبارکہ مائدہ، آیہ ۶۷)

(۳)..... (الامثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل - الشیخ ناصر مکارم الشیرازی مدظلہ، الجزء ۱۲، صفحہ ۵۲) (تفسیر القرآن الکریم - السید مصطفیٰ الخمینيؒ، الجزء ۲، صفحہ ۲۶۴) (تفسیر المیزان - العلامة الطباطبائیؒ، الجزء ۴، صفحہ ۳۳) (تفسیر نور - حجة الاسلام و المسلمین حاج شیخ محسن قرائتی مدظلہ) (نفحات القرآن - آیۃ اللہ العظمی مکارم الشیرازی مدظلہ) (شرح أصول کافی - مولی محمد صالح المازندرانیؒ) (مستدرک

سفينة البحار - العلامة آية الله الشيخ علي النمازي (وصول الأخيار الى أصول

الأخبار - والد البهائي العاملي) (الامام علي بن ابي طالب عليه السلام من حبه

عنوان الصحيفة) (الامام علي - أحمد الرحمانى الهمدانى)

(۴)..... (مستدرک نهج البلاغة، الجزء ۱، صفحہ ۴) (منهاج البراعة فى

شرح نهج البلاغة - الخوئي) (نفحات الولاية فى شرح نهج البلاغة)

(شرح نهج البلاغة - عبد الحميد بن هبة الله بن محمد بن الحسين بن

أبي الحديد، أبو حامد، عز الدين، المتوفى : ۶۵۶ هـ، الجزء ۲۰، صفحہ ۲۹۲)

(جامعه علوى در نهج البلاغة، الجزء ۸، صفحہ ۲)

(۵)..... (پیام امام امیرالمؤمنین) (شرح نهج البلاغة - جعفری)

(نفحات الولاية فى شرح نهج البلاغة)

فصلِ ادبِ پنجم

﴿استنباط﴾

(حصہ دوم)

- ۱) الفاظ، معانی اور حقائق کا آپس میں ارتباط
- ۲) استنباط کی ضرورت
- ۳) استنباط کے رائج ثمرات
- ۴) قرآن سے علماء کا محدود استنباط
- ۵) قرآن، معدنِ معارف
- ۶) استنباط کیلئے جس جستجو چاہئے
- ۷) استنباطِ تقلیدی
- ۸) لقمہ خورِ غرب نہ بنیں
- ۹) قرآن و اہلبیتؑ باعثِ ثروت
- ۱۰) قرآن بصورتِ معدن ہونے کی حکمت
- ۱۱) علوم کو قرآن سے استنباط کرنے کی ضرورت
- ۱۲) اثارۃ قرآن
- ۱۳) اثارۃ الموضوع

صفحہ

- ☆ سَبَقْتُ رَحْمَتِكَ غَضَبِكَ..... 359
- ☆ وَأَنْتَ الَّذِي تَسْعَى رَحْمَتُهُ أَمَامَ غَضَبِهِ..... 359
- ☆ فَإِنَّكَ فَعَالٌ لِمَا تَشَاءُ..... 461
- ☆ إِلَهِي وَاجْعَلْنِي مِمَّنْ نَادَيْتَهُ فَأَجَابَكَ وَلَا حَظَّتْهُ 493
فَصَعِقَ لَجَلًا لَكَ فَنَاجَيْتُهُ سِرًّا.....
- ☆ بَيْنِكَ وَبَيْنِي إِنِّي يُنَازِعُنِي فَارْفَعْ بِفَضْلِكَ 503-504
إِنِّي مِنَ الْبَيْنِ.....
- ☆ رَبَّنَا لَا تَكِلْنَا إِلَى أَنْفُسِنَا طَرَفَةَ عَيْنٍ أَبَدًا..... 583

۱) الفاظ، معانی اور حقائق کا آپس میں ارتباط

آداب فہم قرآن میں ادب پنجم استنباط ہے اور اس فصل کے حصہ اول میں عرض ہوا تھا کہ قرآن کریم کے الفاظ سے جب انسان معانی تک جاتا ہے تو معانی کا اپنا پورا ایک عالم ہے کہ جس طرح الفاظ کا اپنا ایک عالم ہے۔ الفاظ میں آپس میں ارتباطات ہیں، جو لوگ ادبیات عرب سے آشنا ہیں یا کسی بھی زبان کی ادبیات سے آشنا ہیں، لٹریچر (Literature) سے آشنا ہیں، وہ جانتے ہیں کہ الفاظ کا آپس میں رابطہ ہے، جس طرح سے ہم عربی لٹریچر میں یا دوسری ادبیات میں پڑھتے ہیں کہ بعض الفاظ دوسرے بعض الفاظ کے ساتھ مرتبط ہیں، آپس میں عامل اور معمول کا رابطہ ہے، آپس میں مبتدا و خبر کا رابطہ ہے، صفت و موصوف کا رابطہ ہے یا ممکن ہے کہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ کا رابطہ ہو تو یہ الفاظ کی دنیا ہے۔

اسی طرح سے معانی کے اندر بھی ارتباط موجود ہے، جب ہم ایک معنی تک پہنچتے ہیں تو کوئی بھی معنی تنہا نہیں پڑا ہوا ہے، کوئی معنی کسی جگہ بھی تنہا نہیں ہوتا ہے، معانی کے اندر بھی آپس میں ارتباطات ہیں، ایک معنی دوسرے معنی سے مربوط ہے، ایک معنی دوسرے معنی کی تفسیر کرتا ہے، ایک معنی دوسرے معنی کا سبب بنتا ہے، ایک معنی دوسرے معنی پر دلالت کرتا ہے، ایک معنی دوسرے معنی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اسی طرح ایک معنی دوسرے معنی کا ثمرہ اور نتیجہ بنتا ہے، یہ معانی کی دنیا کے آپس میں ارتباطات ہیں کہ جو منطق میں بیان ہوتے ہیں۔

علم ادب ہمیں الفاظ کے روابط پڑھاتا ہے اور علم منطق ہمیں معانی کی دنیا کے آپس میں

الفاظ، معانی اور حقائق کا آپس میں ارتباط

ارتباطات سکھاتا ہے کہ تصورات کس طرح سے آپس میں مربوط ہیں، تصدیقات کس طرح سے آپس میں مربوط ہیں، یہ معانی کی دنیا سے آشنائی ہے اور پھر اس کے بعد انسان حقائق کی دنیا میں آجاتا ہے یعنی ان معانی اور مفہیم سے مصادیق اور حقائق تک آجاتا ہے، عیناً الفاظ اور معانی کی طرح حقائق بھی آپس میں مربوط ہیں، کوئی حقیقت اس دنیا میں منقطع اور بے رابطہ نہیں ہے، ہر حقیقت کا دوسرے حقائق کے ساتھ رابطہ موجود ہے، جس طرح ہم معانی میں پڑھتے ہیں کہ معنی کا ایک کا لازمہ ہے اور ایک ملزوم ہے اور اس معنی کے ساتھ دوسرے معانی مربوط ہیں، اس ارتباط کو ہم بعض علوم کی مدد سے سیکھتے ہیں، کشف کرتے ہیں کہ ان کا آپس میں کس قسم کا رابطہ ہے، اسی طرح سے حقائق کی دنیا میں بھی آپس میں ارتباط ہے، واقعتاً حقیقتوں میں، واقعات میں اور موجودات میں اسی طرح کے روابط موجود ہیں، ایک حقیقت دوسری حقیقت کی علت ہے یا اس کے لئے معلول ہے، ایک حقیقت دوسری حقیقت کے لئے شرط ہے یا اس کے لئے مشروط ہے، اس کی صفت ہے یا اس کا موصوف ہے، لازم ہے یا اس کا ملزوم ہے، اس کا نتیجہ ہے یا اس کے مبادی و علل میں داخل ہے، بالآخر ہر حقیقت ایک مجموعہ حقائق کے ساتھ مربوط ہے۔

۲) استنباط کی ضرورت

ایک مثال کے ذریعے استنباط کی ضرورت پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ کتابوں کے اندر ہم ایک منظومہ شمس کو پڑھتے ہیں، اسے ہم دیکھتے کم ہیں اور پڑھتے زیادہ ہیں۔ منظومہ شمس کے اندر

ایک ستارہ بنام سورج ہے اور اس کے ارد گرد ایک پورا عالم ہے، منظومہ شمسی کے نام سے ایک پورا جہان ہے یعنی کچھ سیارے ہیں جو اس کے گرد موجود ہیں، کچھ ستارے اس کے ارد گرد موجود ہیں، سیاروں کے ارد گرد کچھ اور موجودات ہیں کہ جو گردش کر رہے ہیں کہ جن کو قمر یا چاند کہتے ہیں اور اس طرح سے ایک مجموعہ بنام منظومہ شمسی بنا ہوا ہے اور پھر یہی منظومہ شمسی دیگر منظومات کے ساتھ مل کر ایک اور دنیا کا حصہ ہے، وہ بھی حقائق کا ایک عالم ہے کہ جسے کہکشاں کہتے ہیں، ایک کہکشاں کے اندر متعدد منظومے موجود ہیں اور ایک منظومہ کے اندر بہت سارے فلکی موجودات، ستارے اور سیارے موجود ہیں۔ اسی طرح سے یہ ساری حقائق کی دنیا ہے، حقائق کا عالم آپس میں اسی منظومہ شمسی کی طرح مربوط ہے، بعض معانی دیگر معانی کے ساتھ اور بعض حقیقتیں دوسری حقیقتوں کے ساتھ منسلک ہیں، اسی وجہ سے انسان کو استنباط کی ضرورت پڑتی ہے۔

تدبر کی ضرورت اس وجہ سے پڑتی ہے کہ یہ معانی آشکار نہیں ہیں بلکہ یہ کچھ پردوں کے پیچھے ہیں، یہ معانی کچھ ظواہر کے پردوں کے پیچھے پنہاں ہیں اور باطن میں موجود ہیں، تدبر کے ذریعے انسان وہاں تک رسائی پیدا کرتا ہے، اس بحر کے عمق کے اندر پہنچتا ہے اور پھر جب وہاں جا کر ان معانی کو سمیٹتا ہے تو ان معانی کے ارتباطات کو کشف کرتا ہے اور ان معانی کو اپنے ذہن میں اور اپنے وجود میں منتقل کرتا ہے اور جب ان کی دنیا سے آشنا ہو کر ان کے ارتباطات کو ظاہر کرتا ہے تو اس کو استنباط کہتے ہیں، مثلاً زمین سے فضا کے اندر پہنچنا تدبر ہے اور فضا کے اندر پہنچ کر اس منظومہ کے موجودات کا آپس میں رابطہ سمجھنا مثلاً زمین کے گرد چاند ہے اور چاند اور زمین کا فاصلہ ہے، چاند

کا مدار کیا ہے؟ زمین کا مدار کیا ہے؟ مرتخ کا مدار کیا ہے؟ مشتری کا مدار کیا ہے؟ سورج کے گرد کتنے سیارے ہیں؟ اور ان سیاروں کے گرد کتنے قمر موجود ہیں؟ یہ انسان کا استنباط ہے، پس تدبر ان حقائق تک یعنی ظواہر سے حقائق تک پہنچنا ہے اور استنباط ان حقائق کے آپس میں ارتباطات کو کشف کر کے انہیں اپنے وجود میں منتقل کرنا ہے، انہیں اپنی فہم کی حد تک لے آنا ہے، یہی چیز قرآن کے لئے ضروری ہے، تدبر کے بغیر کوئی خیر نہیں ہے۔

أَلَا لَا خَيْرَ فِي قِرَاءَةٍ لَا تَدُبَّرُ فِيهَا..... (۱)

آگاہ رہو! جس قرأت میں تدبر نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

اگر انسان قرآن کے اندر تدبر بھی کر لے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ استنباط پر قدرت نہ رکھتا ہو یعنی انسان اس بحر میں اتر گیا ہے لیکن اس میں صدف اور گوہر نکالنے کی طاقت نہیں ہے یا کسی رسی کی مدد سے پانی کے اندر کنویں میں اتر گیا ہے لیکن اس میں پانی نکالنے کی طاقت موجود نہیں ہے، ممکن ہے کہ ایسے متدبرین موجود ہوں کہ جو استنباط نہیں کر سکتے ہیں اور اکثر لوگ اہل تدبر نہیں ہیں، اہل تدبر بہت قلیل لوگ ہیں اور ان قلیل لوگوں میں بھی اقل قلیل لوگ ہیں کہ جو اہل استنباط ہیں، جو معانی کے اندر اتر کے وہاں سے گوہر و صدف جمع کر کے اور ان کے ارتباطات سمجھ کے خود اپنے وجود میں منتقل کرتے ہیں اور دوسروں کے اختیار میں قرار دیتے ہیں۔

قرآن کی ہر آیت انسان سے تدبر اور استنباط مانگتی ہے، ہر آیت ایک بحر کی حیثیت رکھتی ہے، ہر آیت ایک منظومہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے معانی ایک منظومہ کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی ہر آیت کے

اندر حقائق و معانی کی ایک دنیا ہے کہ جو منظومہ کی طرح آپس میں مرتبط و منسلک ہے اور ان تک رسائی ضروری ہے، اگر انسان فقط تلفظِ آیہ پڑھ کے یہ سمجھے کہ میں نے قرآن کا حق ادا کر دیا ہے تو یہ مہجوریتِ قرآن ہے یعنی قرآن ابھی مہجور و متروک ہے یعنی قرآن کو ابھی انسان نے چھوا تک نہیں ہے،

لَا يَمَسُّهُ..... (۲)

ابھی کسی نے قرآن کو ٹچ (Touch) تک نہیں کیا ہے، اتنی قرأت کے باوجود، دس قرأتوں سے قرآن کو پڑھنے کے باوجود بھی ابھی قرآن کو مس تک نہیں کیا ہے حتیٰ اگر انسان مفاہیم تک پہنچ بھی جائے تو پھر بھی، لایمسہ، کا مصداق ہے کہ جب تک انسان آیت کا وہ منظومہ تلاش نہیں کر لیتا۔ اب ممکن ہے کہ کسی نے یہ کام نہ کیا ہو، اتفاقاً بہت سارے ایسے بزرگان ہیں مثلاً امام غزالی وہ فرد ہیں کہ جو قرآنیات میں اور اخلاقیات میں بہت تبحر انسان ہیں، بعض دوسرے علوم میں ان کو مشکل درپیش ہے لیکن قرآنیات میں اور اخلاقیات میں تبحر ہیں، ایسا مقام علمی جو شیعہ و سنی دونوں تسلیم کرتے ہیں، اس مورد میں غزالی کا مقام قرآنی حقائق، قرآنی مسائل اور اخلاقیات کے اندر ایک حجت سمجھا جاتا ہے، ویسے بھی حجۃ الاسلام سب سے پہلے غزالی کے لئے استعمال ہوا ہے، اگر علی الاطلاق حجۃ الاسلام کہا جائے تو مراد امام غزالی ہوتے ہیں، جن کا لقب ہی حجۃ الاسلام تھا، اسلئے کہ اس شخص کا بہت رسوخ تھا، اس نے قرآنیات کے اندر اور اخلاقیات کے اندر عمر صرف کی اور محنت کی مثلاً یہی مطالب انہوں نے ذکر کئے کہ انسان اہل استنباط ہو لیکن خود جو کچھ استنباط کیا وہ ان کے ہاں

نظر نہیں آتا ہے، دوسروں کو انہوں نے راہ دکھائی کہ انسان اہل تدبر ہو، اہل استنباط ہو لیکن خود اتنا کشف کر سکے کہ قرآن کو استنباط کی ضرورت ہے اور انسان قرآن کے اندر استنباط کرے لیکن خود اس استنباط کا نتیجہ لے کر سامنے دیا ہو تو ایسی کوئی چیز غزالی سے نہیں ملتی، اگرچہ غزالی کی فراواں خدمات ہیں، غزالی کی ایسی بہت ساری کتابیں ہیں کہ جو قابلِ استفادہ ہیں اور علمی کتابیں ہیں۔

اگر قرآن میں تدبر نہ ہو اور استنباط نہ ہو تو قرآن متروک و مہجور ہے یعنی ابھی کسی نے اس کو مس نہیں کیا ہے، اکادکا افراد آئے ہیں کہ جنہوں نے آکر اس توفیق کو پیدا کیا ہے، خداوند تبارک و تعالیٰ نے انہیں یہ نعمت اور توفیق عطا کی کہ دوسروں کی کچھ راہنمائی کریں لیکن بیشتر دیکھیں کہ جیسے تفسیر کشاف ہے یا امثال کشاف، ہمارے ہاں بھی ایسی تفاسیر موجود ہیں چونکہ اس مسئلے میں وہ ہم پر مقدم ہیں، وہ پہلے کام کرتے ہیں پھر ان کی دیکھا دیکھی ہمارے یہاں بھی ہوتی ہے، وہ ادبی تفسیر ہے، قرآن کے اعراب و بنا جیسی چیزیں کشاف نے حل کر دیں پھر آکر دوسروں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی قرآن کی ایک اور ادبی تفسیر کر دی یا بعض نے آکر کلامی تفسیر کی یعنی اس کے مقابل میں ایک اور کلامی تفسیر وجود میں آگئی، وہ استنباط چاہیے جو حقیقی معنی میں قرآن کے لئے درکار ہے اور جو شایانِ شان قرآن ہے چونکہ جیسے پہلے عرض کیا تھا کہ انسان تدبر اس وقت کرتا ہے کہ جب پہلے خود متدبر ہو یعنی تدبر صفت انسان ہے نہ کہ صفت قرآن ہے، انسان متدبر ہے اور قرآن محل تدبر ہے یعنی انسان مستنبط ہے نہ کہ قرآن مستنبط ہے۔

پہلے انسان اہل استنباط بنے پھر قرآن کے اندر استنباط کرے گا، مستنبط بنے بغیر اگر قرآن

پڑھے گا جیسے ادیب بنے بغیر اگر قرآن کو پڑھے گا تو تلاوت بھی نہیں کر پائے گا، قرآن کا صحیح تلفظ بھی نہیں کر پائے گا، انسان پہلے مقام استنباط و مرتبہ استنباط پہ فائز ہو، صفت استنباط انسان کی صفتِ راسخ بن جائے تو پھر اس کے بعد انسان قرآن کے اندر کچھ حاصل کرتا ہے، البتہ یہ صفت بھی قرآن کے اندر استنباط سے ہی پیدا ہوتی ہے یعنی تمرین اور مشق بھی خود انسان قرآن کے اندر ہی کرتا ہے اور جیسے پہلے اشارہ بھی ہوا تھا کہ پھر آہستہ آہستہ قرآن انسان کا ہاتھ تھام لیتا ہے، جس طرح سے ایک بچہ اگر کسی کے پیچھے بہت زیادہ چلتا ہے اور زیادہ نہیں چل پاتا اور نہیں اٹھ سکتا ہے تو پھر وہ اس کا ہاتھ تھام لیتے ہیں اور اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، اسی طرح انسان اگر قرآن میں استنباط کیلئے اصرار کرے، قرآن کی تکرار کرے تو ایک دن قرآن اس کا ہاتھ تھام لیتا ہے، اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے اور اپنے حقائق انسان پر عیاں کر دیتا ہے، نمایاں کر دیتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے، اگر ہم بعض بزرگان کے حالات زندگی پڑھیں تو ان کے ساتھ اسی طرح سے اتفاق ہوا ہے کہ آغاز میں ان کو قرآن کی طرف کوئی راہ نہیں مل رہی تھی لیکن جب قرآن نے خود رکھول دیا تو پھر ان کیلئے در پہ در کھلتے گئے اور ان کے اندر جتنی طاقت و استعداد تھی اس لحاظ سے انہوں نے حقائق قرآن کو حاصل کیا۔

استنباط کے رائج ثمرات

(۳) استنباط کے رائج ثمرات

اہل استنباط نے قرآن سے ابھی تک کیا حاصل ہے؟ مطالب استنباط کئے ہیں لیکن استنباط قرآن میں فقط آیات احکام کی حد تک اسکا نمونہ یا مصداق موجود ہے مثلاً قرآن کی آیات کی جو مجموعی

تعداد ہے ان میں سے تقریباً، لگ بھگ تکرار و مکررات سمیت مثلاً آیاتِ صلوٰۃ و آیاتِ زکوٰۃ جو متعدد دفعہ تکرار ہوئی ہیں، ان مکررات کو ملا کر پانچ سو آیاتِ احکام ہیں کہ جن کے اندر علماء نے استنباط کیا ہے لیکن وہ بھی فقط در حدِ حکم استنباط کیا ہے یعنی آیاتِ احکام کی تہہ میں اترے ہیں اور ان آیات کی تہہ سے انہوں نے فراواں احکام استنباط کئے ہیں جیسے عرض کیا کہ بعض آیات ایسی ہیں کہ ایک ایک آیت سے پوری کتاب فقہ استنباط کی ہے مثلاً کتابِ خمس ایک آیت قرآن سے استنباط کی گئی ہے۔ ایک سال کا مواد ایک آیت سے استخراج ہوا ہے، کس طرح سے استخراج ہوا؟ استنباط کے نتیجے میں استخراج ہوا ہے، فقط قرأت سے نہیں ہوا ہے، تلاوت سے نہیں ہوا ہے۔ پہلے قرآن کی گہرائی اترے، تدبر کیا اور تدبر کر کے اس کے احکام کے متعلقات کو کشف کیا، روابط کو کشف کیا اور اس طرح سے دوسروں کے لئے ایک پوری کتابِ خمس تدوین کی ہے، درحالیہ قرآن چونکہ ہدایتِ بشر ہے، ہدیٰ للناس ہے لہذا ہدایت کے لئے ایک حکم کافی نہیں ہے۔

۴) قرآن سے علماء کا محدود استنباط

ہدایتِ انسان کے لئے بہت سی چیزوں کا ہونا ضروری ہے، سب سے پہلے معرفت چاہئے، حکم سے بھی پہلے انسان کو معرفت کی ضرورت ہے، آگاہی کی ضرورت ہے، شعور کی ضرورت ہے اور معرفت کے بعد انسان کو پھر نظام کی ضرورت ہے، انسان کو علوم کی ضرورت ہے، علوم بمعنی معرفت نہیں بلکہ مجموعہٴ علوم یعنی یہ مجموعہ جو تدوین شدہ ہے جیسے علمِ ادب ہے، علمِ فقہ ہے، علمِ کلام

ہے، انسان کے لئے ان علوم کا جو مجموعہ موجود ہے اور ان کی مدد سے انسان حقائق کو سمجھنے کے اور پرکھنے کے قابل ہوتا ہے، ہدایت انسان کے لئے ان علوم کا ہونا ضروری ہے، شناخت کا ہونا ضروری ہے اور ہدایت کے لئے انسان کے لئے نظم کا ہونا اور نظام کا ہونا ضروری ہے، مستنبطین قرآن فقط احکام کی حد تک آئے ہیں لہذا انہوں نے قرآن سے آیات کو انتخاب کیا ہے اور ان پانچ سو آیات کے اندر خوب استنباط کیا ہے۔ چودہ سو سال سے تمام فرقہ اسلامی کے جو علماء، فقہاء اور قرآن شناس ہیں انہوں نے انہی آیات میں آکر کام کیا البتہ اپنی حد تک، کسی نے سطحی استنباط کیا، کسی نے دقیق استنباط کیا، کسی نے دقیق سے دقیق تر استنباط کیا، کوئی ادق یعنی انتہائی باریک و دقیق تر استنباط تک پہنچا، درجات علمی ہر ایک کے محفوظ ہیں لیکن میدان استنباط محدود رہا ہے۔

اول یہ کہ قرآن سے انہوں نے استنباط کے لئے آیات منتخب کیں اور وہ بھی فقط پانچ سو آیات احکام، باقی چھ ہزار آیات میں استنباط نہیں کیا گیا یا استنباط کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور فقط پانچ سو کو اس قابل سمجھا گیا کہ ان میں استنباط کیا جائے۔

دوم یہ کہ ان آیات کے اندر جب استنباط کیا گیا تو علوم استنباط نہیں کئے گئے بلکہ فقط احکام استنباط کئے گئے ہیں اور سوم یہ کہ ان سے نظام استنباط نہیں کیا گیا ہے، قرآن انسان کے لئے ہدایت ہے، ہدایت کے لئے معرفت کی ضرورت ہے، نظام کی ضرورت ہے، علوم کی ضرورت ہے اور قرآن یہ سب کچھ لے کر آیا ہے چونکہ اگر یہ نہ ہو تو ہدایت ممکن ہی نہیں ہے، کیسے بشر کی ہدایت کریں گے؟ اگر قرآن سے پوچھیں کہ بشر کے لئے کوئی نظام ہے؟ اور یہ کہے کہ نہیں نظام نہیں ہے بلکہ نظام بشر کو

خود بنانا ہے، پھر پوچھیں کہ وہ علوم جو انسان کو مختلف مہارتیں عطا کریں، مختلف شناخت عطا کریں، انسان کی مختلف صلاحیتیں بیدار کریں اور اس جہان ہستی کو انسان کے لئے کھول کر، عیاں کر کے بتائیں تو ایسی کوئی چیز قرآن کے اندر موجود ہے؟ اگر جواب دے کہ نہیں قرآن تو فقط ثواب کے لئے آیا ہے، قرآن احکام بیان کرنے کے لئے آیا ہے تو پھر اس کو کیوں کہتے ہیں کہ یہ کتاب ہدایت ہے؟ ہدایت کے لئے تو انسان کو ان ساری چیزوں کی ضرورت ہے، ہدایت کے لئے قانون کی ضرورت ہے، ہدایت کے لئے سیاسی نظام کی ضرورت ہے، اجتماعی نظام کی ضرورت ہے، تعلیمی نظام کی ضرورت ہے، ارتباطات کے نظام کی ضرورت ہے اور تمام ضروریات حیات کی ضرورت ہے، اگر آپ کے پاس یہ سارے علوم اور نظام نہیں تو پھر کیوں کہتے ہیں کہ یہ کتاب ہدایت ہے؟ اور حقا یہ کتاب ہدایت ہے، مشکل یہ ہے کہ قرآن کے اندر سب کچھ موجود ہے لیکن بصورت معدن موجود ہے۔

۵) قرآن، معدنِ معارف

قرآن ایک معدن کی طرح معارف سے مالا مال ہے، جس طرح کسی ملک کے اندر فراواں معدنیات ہوں مثلاً افغانستان معدنیات کے لئے لحاظ سے مالا مال ملک ہے، ہر قسم کی معدنیات ہیں، گیس وہاں ہے، تیل وہاں ہے، قیمتی پتھر وہاں ہیں، قیمتی دھاتیں وہاں پر موجود ہیں لیکن ایک ایسی قوم اس سرزمین کے اوپر موجود رہی ہے کہ اس کو اطلاع نہیں ہے کہ اس معدن کے نیچے کیا کچھ موجود ہے؟ چونکہ زمین کے اوپر ان کی اتنی سرگرمیاں ہیں کہ ان کی زمین کے نیچے

موجودات کی طرف توجہ نہیں ہے لیکن معدنیات سے مالا مال اس ملک کے بارے میں دوسروں کو پتہ چل گیا، پڑوسیوں کو پتہ چل گیا، روسیوں کو، امریکیوں کو، پاکستانیوں کو اور ایرانیوں کو معلوم ہے کہ اس کے اندر کیا ہے؟ لہذا سب کی نظریں افغانستان میں ہیں اور افغانی کی نظریں باہر ہیں کہ مجھے کہیں اور کا پاسپورٹ (Passport) مل جائے تاکہ میں کسی دوسرے ملک میں سکون سے زندگی بسر کرو اور یوں ہی ہوا، اسکا اپنا ملک معدنیات سے بھرا ہوا ہے اور اسی میں وہ ایک فقیر محتاج اور ایک ایسی امت کی سی زندگی بسر کر رہا ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، سب کچھ اس کے لئے باہر سے آتا ہے، یہ حالت تمام مسلمانوں کی ہے۔

عرب کسی زمانے میں اسی صحرا میں زندگی بسر کرتے تھے اور ریت کے اوپر اونٹ دوڑاتے تھے درحالیکہ اسی ریت کے نیچے تیل کی عظیم ثروت کا ذخیرہ موجود تھا لیکن آگاہی نہیں تھی، ان کے اندر اتنی فراست اور مہارت نہیں تھی کہ ریت کے نیچے دیکھ لیں کہ چند کلومیٹر نیچے خدا نے کیا چیز، کیا ثروت چھپا رکھی ہے یعنی استنباط چاہئے تھا، استنباط یعنی استخراج چاہئے، کنویں سے پانی نکالنے کو نبط کہتے ہیں، کنویں سے تیل نکالنے کو بھی نبط ہی کہتے ہیں، یوں تو نہیں ہے کہ فقط پانی ہو تو صرف اس کو نبط کہیں گے، اگر گیس ہو تو اس کو بھی نبط ہی کہتے ہیں، استنباط یعنی وہ چیز باہر نکالنا، استخراج کرنا۔

یہ سب کچھ ان کے یہاں موجود تھا لیکن مستنبط موجود نہیں تھے، مستنبط کسی اور مغربی ملک میں بنے چونکہ علوم ان کے پاس تھے، علوم انہوں نے کشف کئے، علوم کی طرف انہوں نے توجہ کی، علوم کی ترویج انہوں نے کی اور ثروت یعنی کنویں یہاں موجود تھے یعنی مستنبط وہاں پیدا ہوئے



اور ثروت یہاں موجود تھی لہذا سارا تیل نکال کر، معدنیات نکال کر وہ سب اپنے اپنے ممالک میں چلے گئے، پاکستان کے ایک معدن کار اور صنعت کار کے بقول وہ سروے آف پاکستان والوں کے پاس گئے کہ جس کا کام یہی ہے کہ ملک کی سرزمین کے مختلف حصوں کا سروے کر کے یہ بتائے کہ ملک کے کن کن حصوں میں کونسی معدنیات ہیں؟ تاکہ بعد میں سرمایہ داروں کو بتایا جاسکے کہ یہاں کس قسم کا معدن ہے تاکہ وہ انتخاب کر کے سرمایہ لگا سکیں، وہاں پر انویسٹمنٹ (Investment) کر سکیں، انہوں نے سروے آف پاکستان سے جا کر پوچھا کہ ہمیں آپ معدنیات کا نقشہ دیں کہ پورے پاکستان کے اندر کون کونسی معدنیات ہیں؟ تاکہ ہم دیکھیں اور پھر اس کے مطابق جہاں ہمیں انویسٹمنٹ کرنی ہیں وہاں سرمایہ لگائیں، انہوں نے بڑا کھرا سا اور صادقانہ جواب دیا اور کہا کہ سروے رپورٹ پوری کمپلیٹ (Complete) موجود ہے، پاکستان کا بڑا دقیق سروے ہوا ہے لیکن وہ برٹش ایمبسی (British embassy) میں ہے، یہ رپورٹ ہمارے پاس نہیں ہے اور ہمیں بھی جب ضرورت پڑتی ہے تو ان سے جا کر لے لیتے ہیں، کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پاکستان کی سرزمین ہماری ہے لیکن سروے رپورٹ برٹش ایمبسی میں پڑی ہوئی ہے، انہوں نے کہا کہ چونکہ یہ سروے انہوں نے کیا ہے ہم نے نہیں کیا ہے، ہم نے فقط یہ کیا ہے کہ ان سے پیسے لے کر سروے کی اجازت دی ہے، انہوں نے ہمیں پیسے دے دیئے اور اب ان کے سروے کی رپورٹ ان کے پاس ہے لہذا آپ کو چاہئے تو آپ بھی وہاں پر جائیں اور پیسے دے کر وہ کاپی لے لیں۔ یہاں پر غور کریں کہ یہ ایک نہایت معدنیات سے سرشار اور مالا مال ملک ہے لیکن اس کا مستنبط برطانیہ ہے

یعنی جس نے آکر مطالعہ کیا، جس نے آکر وقت کی، جسے پتہ چلا کہ اس معدن کے نیچے کیا ہے۔
 قرآن بھی ایسے ہی ہے، قرآن بھی مسلمانوں کے پاس موجود ہے، عربوں کے پاس موجود
 ہے، عجم کے پاس موجود ہے، مشرق کے پاس موجود ہے لیکن مشرق کی عادت استنباط کرنا نہیں ہے،
 اصلاً مزاج ہی استنباطی نہیں ہے، ان کا مزاج یہ ہے کہ ہم اس میں مقابلے کریں، اس کی تلاوت کے
 مقابلے رکھیں، حفظ کے مقابلے رکھیں اور سرعت سے پڑھنے کے مقابلے رکھیں، یہ کام قرآن کے
 ساتھ فراواں ہیں اور اسی حد تک قرآن زندہ ہے لیکن یہ کہ قرآن میں استنباط کریں، یہ کام مفقود
 ہے۔ قرآن ایک معدن ہے اور اس معدن کے نیچے ثروت ہے، انسانی اور بشری ثروت ہے اور وہ
 ثروت ہے کہ جس کا نام ہدایت ہے، ہدی للناس ہے، بشر کی ساری ہدایت قرآن کے اندر موجود
 ہے لیکن معدن کی صورت میں موجود ہے، اس کے اوپر تہہ ہے، الفاظ کی تہہ ہے اور بہت ساری
 چیزوں کی تہیں ہیں، ان تہوں کے اندر اترنے والا مستنبط چاہئے اور شاید یہی ہو کہ کوئی مغرب سے
 آئے اور آکر استنباط کرے۔

استنباط کیلئے حس جستجو چاہئے

۶) استنباط کیلئے حس جستجو چاہئے

تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ مغربیوں کے اندر استنباط کا عنصر زیادہ ہے، ان کے اندر حس
 جستجو زیادہ ہے، زیادہ ماجرے وہاں سے ہوتے ہیں مثلاً مشرقی ممالک میں بھی الٹی سیدھی جگہوں پر
 جا کر اگر کوئی بندہ گھوم رہا ہو تو وہ بھی کوئی مغربی ہی ہوگا اور مشرقی اس کا گائیڈ (Guide) ہوگا کہ جو

اس کا سامان اٹھا کر، اس کی کٹ (Kit) اٹھا کر مزدور کے طور پر اس کے ساتھ جا رہا ہوگا لیکن یہ کہ خود اس کے پاس حس جستجو نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں کیا ہے؟ بہت ساری چیزیں ایسی ہیں کہ جو مشرقی ممالک کو مغربی ممالک نے کشف کر کے بتائی ہیں، جیسے ایک نمونہ سروے آف پاکستان کا آپ کی خدمت میں ذکر کیا ہے۔

امام خمینیؑ نے اپنے خطبات میں ایک نمونہ ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جب میں طالب علم تھا، جوان تھا تو اس وقت ہمدان میں گیا تھا، انقلاب سے بہت پہلے امامؑ قم میں پڑھتے تھے، فرمایا کہ میں کسی سے ملنے کے لئے ہمدان گیا، وہاں ایک بزرگوار سید عالم دین نے یہ واقعہ نقل کیا اور کہا کہ ایک آدمی نقشہ لے آیا اور اس کے اوپر مختلف نشانات لگے ہوئے تھے، کہیں سرخ نشان، کہیں سبز نشان، کہیں آبی نشان، کہیں سیاہ نشان، کہیں سفید نشان، نقشے کی مختلف جگہوں پر یہ نشانات تھے اور کچھ بھی نہیں تھا، فقط ایک نقشہ تھا، لائنیں تھیں اور یہ نشانات تھے، میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیسے نشانات ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ امریکیوں نے پورے ایران کا سروے کیا ہے اور یہ مختلف نشان مختلف معدنیات کی علامت ہیں، ہمیں نہیں پتہ کہ مثلاً سفید علامت کے نیچے کون سی معدن موجود ہے مثلاً لوہا ہے، پیتل ہے، سونا ہے، تیل ہے، کوئلہ ہے یا کیا ہے یہ معلوم نہیں ہے؟ یہ خود سے انہوں نے نقشہ بنایا ہے اور علامتیں بھی ایسی لگائی ہیں کہ جو خود انہیں ہی معلوم ہیں مثلاً فرض کر لیں کہ ہمدان میں فلاں معدن ہے لیکن ہمدان کے کونسے علاقے میں ہے؟ مشرق میں ہے؟ مغرب میں ہے؟ جنوب میں ہے؟ کوئی پہاڑی میں ہے؟ صحرا میں ہے؟ ندی میں ہے؟ نالے میں ہے؟ یہ نہیں بتایا بس نقشے کے اوپر

ایک نشان لگا ہوا ہے، اس کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے، پوری دنیا کا یہی حال ہے، جس جستجو چاہئے۔ وہ لوگ اہل استنباط ہیں، آج کیوں سرمایہ مشرق اور سرمایہ مسلمین مغرب کے پاس منتقل ہو گیا ہے؟ اس وجہ سے کہ جس جستجو ان کے پاس موجود ہے اور یہ مختلف قوموں میں رہا ہے، کسی زمانے میں علم کے اندر ایسے پیش رو مسلمان تھے، اس سے پہلے کسی زمانے میں اہل یونان تھے اور اس وقت اہل مغرب اہل جستجو بن گئے ہیں، بعض بزرگان کے بقول اگر یہی مغربی مسلمان ہو جائیں تو شاید وہ یہ کام کریں کہ جو ہمارا مقصود ہے یعنی استنباط چونکہ ان کے اندر جس جستجو زیادہ ہے اور وہ اہل استنباط ہیں۔ جب ریت کے نیچے سے تیل نکال لیا گیا ہے تو ممکن ہے کہ قرآن کے نیچے سے بھی بعض حقائق اور نظام استخراج کر لیں اور بعید نہیں ہے کہ کر لیں، بعض مغربی ممالک کے جو اس وقت قرآن کے اوپر حملے ہیں اور قرآن کی نسبت جو کچھ حساسیت ہے وہ یہ بتاتی ہے ان کو قرآن کے اندر موجود مطالب کی کچھ بو آئی ہے اور انہوں نے مسائل جس کئے ہیں، اس وجہ سے چاہتے ہیں کہ قرآن کی طرف سرے سے توجہ نہ ہو مثلاً لگتا ہے کہ قرآن کے بعض حقائق ان پر آشکار ہوئے ہیں۔

(۷) استنباطِ تقلیدی

مسلمانوں میں مقلد زیادہ ہیں اور مستنبط بہت کم ہیں حتیٰ مثلاً فرض کر لیں کہ قرآن کی آیات احکام میں پہلے ایک شخص نے آکر استنباط کر لیا لیکن دوسرے نے بھی آکر وہی استنباط کیا تو یہ استنباطِ تقلیدی ہے یعنی اس استنباط میں تقلید ہو رہی ہے، استنباط کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے

تیل نکالا ہے تو آپ گیس نکالیں، استنباط اس کو تو نہیں کہتے ہیں کہ پہلے ایک آدمی کنواں کھودے، تیل نکالے پھر دوسرے آکر وہی کنواں کھودیں اور وہی تیل نکالیں، یہ کام ہو چکا ہے آپ اس کے ساتھ دوسری زمین میں جا کر کہیں سروے کریں اور وہاں موجود کچھ اور ثروت نکالیں یعنی آپ غیر کشف شدہ اسرار کشف کریں تو آپ مستنبط ہیں، فرض کریں کہ اس وقت ہم کہیں کہ ہم بہت بڑے مستنبط ہیں، کیوں؟ اسلئے کہ وہ تیل جو پچاس سال پہلے نکالا گیا ہم بھی وہی تیل پھر سے نکالنا چاہتے ہیں۔ یہ تیل وہ لوگ نکال چکے ہیں، آپ وہ چیز نکالیں جو وہ پہلے نہیں نکال سکے ہیں، جس چیز تک ان کی دسترسی نہیں ہوئی ہو، پہلا مستنبط بننا سخت ہے جیسے متدبر بننا و مدبر بننا سخت ہے، اہل تدبر ہونا سخت ہے اسی طرح اہل استنباط ہونا بھی دشوار ہے، اسی لئے علامہ اقبالؒ نے کہا کہ

جہان بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہان بینی

جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا..... (۳)

جہاں بینی بہت سخت کام ہے جبکہ جہاں بانی بہت آسان ہے، اس وقت پاکستان میں دیکھیں جہاں بانی کے لئے الیکشن (Election) ہو رہے ہیں اور سب تیار ہیں کہ جہاں بانی کی ضام ہمیں دی جائے لیکن جہاں بین بننے کے لئے الیکشن نہیں ہیں، جہاں بینی دوسرے کر کے دیں لیکن جہاں بانی کرنے کے لئے ہم تیار ہیں، جہاں بانی کے لئے، اقتدار کے لئے ہزار پارٹیاں بنی ہوئی ہیں لیکن جہاں بینی کے لئے کوئی گروہ نہیں بنا ہوا ہے، اکادکا فرد آتے ہیں اور ان کو بھی ایسی سزا ملتی ہے کہ دوسرے عبرت لے کر کبھی اس طرف رخ نہیں کرتے ہیں، جہاں بین کی وہ درگت بنائی

جاتی ہے کہ وہ انسان اس طرف کبھی رخ نہیں کرتا ہے، پھر وہ یہ کہتا ہے کہ جہاں بان بنو، جہاں بین نہ بنو، اکا دکا انسان جہاں بین بنتا ہے، جہاں بین یعنی یہی مستنبط انسان، وہ مستنبط انسان کہ جو قرآن سے احکام بھی استنباط کریں، مطلق ہدایت بھی استنباط کریں، احکام بھی استنباط کریں، نظام بھی استنباط کریں اور علوم بھی استنباط کریں۔

۸) لقمہ خورِ غرب نہ بنیں

قرآن منبعِ علوم ہے لیکن اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ ہم یعنی اہلِ مشرق یا مسلمان لقمہ خورِ غرب بنے ہوئے ہیں اور وہ بھی اس حالت میں کہ جو چیز ہمارے پاس موجود ہے اسکے اپنے پاس ہوتے ہوئے بھی لقمہ خورِ غرب بنے ہوئے ہیں، ہم مغرب کے لقمہ خور ہیں، جو کچھ وہ بنا کر دے دیتے ہیں یا جس کی ہمیں اجازت دیتے ہیں وہ ہم کر لیتے ہیں اور اپنی طرف سے خود کوئی قدم نہیں اٹھتا درحالیکہ منبعِ علوم، منبعِ انکشافات اور منبعِ ہدایت ہمارے اختیار میں ہے، قرآن ہمارے اختیار میں ہے لیکن دسترخوان کسی اور کا بچھا ہوا ہے، لقمہ کسی اور کا بچھا ہوا ہے اور ہم طفیلی کے طور پر اس پہ بیٹھے ہوئے ہیں۔

لقمہ خورِ غرب نہ بنیں

جیسے یہاں ایران میں ایک بہت بڑا ہنریہ ہے کہ کمپیوٹر وہ بناتے ہیں اور نام یہ رکھتے ہیں، انہوں نے کمپیوٹر بنایا اور اس کا نام کمپیوٹر رکھا لیکن انہوں نے کہا کہ اس کا نام رایانہ ہے، ہیلی کاپٹر انہوں نے بنایا لیکن انہوں نے اس کا نام بدل کر کہا کہ یہ بالگرد ہے، کیا یہ ہنر ہے کہ کام وہ کریں،

مسمیٰ وہ بنائیں اور اسم آپ رکھتے جائیں؟ یہ کارنامہ نہیں ہے، مہم یہ ہے کہ آپ مسمیٰ بنائیں اور لوگ آکر اس کے نام رکھیں، یوں نہ ہو کہ سارا کام دنیا کرتی رہے اور ہم فقط اس کا نام اپنی زبان میں بدل بدل کر رکھتے رہیں اور پھر ایک امت مرقی ہونے کا دعویٰ کریں، اگر آپ نے امت مرقی بننا ہے تو اس کے لئے پہلے مسمیٰ پیدا کرنا پڑے گا، نام بھی آپ کا ہو اور مسمیٰ بھی آپ کا ہو اور کسی کا حق نہ ہو ورنہ جنہوں نے کوئی چیز بنائی ہے اور اس کا نام رکھا ہے تو اس کے نام کو وہی رہنے دیں، نام بدلنے سے چیز آپ کی نہیں ہو جاتی ہے، پھر بھی یہ چیزیں انہی کے نام سے منسوب ہیں چونکہ استنباط کا عنصر یہاں پر کم ہے، رجحان نہیں ہے، اب شکوہ عوام سے نہیں ہے اور یہ عوام کے لئے ممکن بھی نہیں ہے بلکہ یہ اہل علم سے ممکن ہے، اہل حوزہ سے ممکن ہے اور اس مرکز علمی سے ممکن ہے کہ جس کی سلیبس (Syllabus) کی کتاب ہی قرآن ہے۔ حوزہ علمیہ، حوزہ اسلامیہ، حوزہ دینیہ، دین یعنی قرآن، جس کا مرکز ہی دین ہو اس سے لوگوں کو توقع ہے کہ یہ سارا کام کر کے دے اور لوگوں کو استنباط کا ڈھنگ سکھائے۔

اس وقت جتنے علوم بھی ہیں کہ جن سے سروکار ہے اور جن سے لوگ اپنی ضروریات پوری کر رہے ہیں یہ سب علوم دوسروں نے غیر قرآنی منابع سے استنباط کئے ہیں۔ ان کے غیر قرآنی منابع میں ممکن ہے کہ فلسفہ ہو، ممکن ہے تاریخ ہو، ممکن ہے کہ جہان طبیعت ہو، عالم مادہ ہو اور ممکن ہے کہ آباؤ اجداد کی رسومات ہوں کہ بیشتر آباؤ اجداد کی رسومات ہیں کہ جہاں سے انہوں نے یہ علوم استنباط کر کے، تدوین کر کے دیئے اور مشرق و مغرب دونوں نے ان کو اپنی زبان میں ترجمہ کر لیا، کسی

نے فارسی میں، کسی نے عربی میں اور کسی نے اردو میں ترجمہ کیا اور عالم بن گئے۔

ایک یونانی فیلسوف ایران آئے تھے، ارسطو کے زمانے کے نہیں بلکہ ابھی چند سال پہلے کی بات ہے کہ یونان کے ایک اسکالر (Scholar) آئے اور انہوں نے یہاں آکر بہت سارے لوگوں سے کہ جو پی ایچ ڈی (PhD) ہیں، ڈاکٹر ہیں یا فلسفے کے اندر اسکالر ہیں، جن کو شدُ بد حاصل ہے ان سب سے ملاقاتیں کیں، ان ملاقاتوں کے بعد سب نے تبادلہ خیال کیا، اس اسکالر کو تعجب ہوا اور کہا کہ یہ تو ساری وہ باتیں ہیں جو ہم نے آپ کو پڑھائی ہیں، میں تو یہاں اس لئے آیا تھا کہ کچھ آپ لوگوں سے سنوں کہ آپ کے پاس کہنے کے لئے کیا ہے، یہ تو سب کچھ آپ نے وہ باتیں کی ہیں جو آپ نے ہم سے پڑھی ہیں، چونکہ پی ایچ ڈی کی ڈگری وہیں سے لے کر آتے ہیں، اگر ڈگری نہ بھی لے کر آئے تو کتاب وہیں کی ہوتی ہے یعنی ان ہی کے افکار، انہی کے اقوال، انہی کی آراء یہاں پر پڑھ کر اس پر ڈاکٹریٹ کر کے پھر انہی کی تحویل میں دیتے ہیں کہ یہ ہم پڑھ کر ڈاکٹر بن گئے ہیں۔

اس یونانی اسکالر نے جواب دیا کہ یہ علوم تو آپ کی طرف ہم نے بھیجے تھے، ہم یہاں پر یہ دیکھنے کے لئے آئے ہیں کہ آپ کی اپنی متاع کونسی ہے؟ آپ کے پاس بھی کہنے کے لئے کوئی اپنی بات ہے یا نہیں، پھر تہران سے اس کو حوزے میں لے کر آئے کہ اپنی بات کریں، حوزے میں بھی دیکھا کہ اس وقت ڈگریوں کی طرف رجحان زیادہ ہے، پہلے لوگ اپنے شان کے لئے حجۃ الاسلام لکھتے تھے، آیت اللہ بھی لکھتے تھے لیکن ابھی ڈاکٹر آیت اللہ لکھتے ہیں، ڈاکٹر واضح لکھتے ہیں اور آیت اللہ چھوٹا سا لکھتے ہیں وہ بھی اگر کوئی متدین طبقہ تو ہو اس کے لئے آیت اللہ لکھتے ہیں ورنہ فقط ڈاکٹر

لکھتے ہیں مثلاً اگر روزہ خوان ہے تو ڈاکٹر فلاں روزہ خوان، اگر کوئی استاد ہے تو کہتے ہیں یہ ڈاکٹر ہے، وہ حوزے میں آکر بھی حیران ہوا کہ میں یہ سمجھا کہ یہ حوزہ دین کا ہے، یہاں کوئی مجھے دین کی رائے بتائے گا، کوئی مجھے قرآن کی رائے بتائے گا لیکن یہاں پر بھی سارے ڈاکٹر ہیں اور ڈاکٹر بھی سارے مغرب کی حکمت و فلسفہ و دیگر علوم مغرب پڑھے ہوئے ہیں، یہاں بھی مجھے وہی باتیں بتانے لگے۔

تاہم اس شخص کو حکیم مطلع کے پاس لایا گیا، یہ خدا کی نعمتیں ہیں کہ جن کی قدردانی ہمارے پاس نہیں ہے، اسے حکیم مطلع حضرت آیت اللہ جوادی آملی دام ظلہ العالی کے پاس لایا گیا، یہاں آکر اس کو پتہ چلا کہ دین کے پاس بہت بڑا عظیم سرمایہ ہے کہ پوری گفتگو کے اندر جس طرح امام نے گورباچوف کو خط لکھا اور دین کے منابع متعارف کروائے تو اس میں کوئی مغربی منبع نہیں تھا کہ آپ کسی کافلاں ترجمہ پڑھو، سب کے سب اصیل اسلامی منابع، شرقی اور قرآنی منابع متعارف کروائے کہ آپ یہ پڑھو، کہا کہ ملا صدر کو پڑھو، آپ فتوحات پڑھو، آپ یہ اسلامی کتابیں پڑھو تا کہ تمہیں پتہ چلے کہ اسلام میں کیا کچھ موجود ہے اور قرآن کیا دیتا ہے؟!

یہ اسکا لران کی طرف آیا تو اس وقت اسے احساس ہوا کہ جنہیں میں سمجھ رہا تھا کہ یہ تو وہی فقط ڈاکٹر ہیں، نہیں یہ ڈاکٹر نہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ ہیں اور اس نے کہا کہ پہلے دن مجھے آپ کو یہاں لانا چاہئے تھا، آپ مجھے غلط جگہ گھماتے رہے ہیں، ڈاکٹروں کے ہاں گھما گھما کے مجھے آخر میں یہاں لائے، جب وہ مایوسی کے بالکل قریب پہنچ گیا تو اس کو حکیم قرآنی کے پاس لے گئے، حکیم مطلع کے

پاس لائے، جس کی الہیات، جس کا علم سارا کا سارا نتیجہ قرآن ہے یا جیسے ایک فرانسیسی اسکالر ہنری کاربون جب فکری طور پر سرگردان آیا اور دامنِ علامہ میں آیا تو اس کو سکون محسوس ہوا، یہاں آکر اس نے احساس کیا کہ قرآن کے پاس کیا کچھ موجود ہے؟ قرآن کے اندر کتنے علمی سمندر موجود ہیں؟ ایک مستنبط قرآن کے پاس جب ایک مستنبطِ غربی آیا تو اس کو سکون ملا اور پھر جا کر مغرب میں اس نے لوگوں کو خود بتایا۔ اس کے اپنے بقول میں نے مغرب میں بتایا کہ دین کا دامن کتنا پُر ہے اور قرآن کا دامن کتنا پُر ہے۔

اسی دینی حوزے میں بیٹھ کر ہم نے دستِ خوانِ غربی بچھائے ہوئے ہیں اور ڈاکٹر، ڈگری اور دوسرے مدرک کے درپے ہیں اور پھر وہی مثلاً ہیگل و ہابز و فلاں کے افکار یاد کریں کہ ان سے دوسروں کے اوپر دھاک ڈالیں، اس سے کوئی متاثر نہیں ہوتا ہے مثلاً اس وقت آپ کلاشکوف ان لوگوں کے پاس لے کر جائیں کہ جنہوں نے کلاشکوف بنا کر خود ہمیں پیچی ہے اور ہم لے کر انہی کے سامنے کھڑے ہو گئے ہیں کہ مسلمان ہو جاؤ تو کیا وہ اس طرح کلاشکوف سے ڈریں گے؟ یہ تو بنائی ہی انہوں نے ہے، یہ انہوں نے ہی بنا کر ہمیں پیچی ہے، جو چیزیں خود انہوں نے بنا کر دی ہیں اور ہماری طرف ایکسپورٹ (Export) کی ہیں ان سے وہ کب متاثر ہوتے ہیں؟ اس طرح جب یہ ہمارے ڈاکٹر ہیگل و فلاں پڑھ کر جب مغرب میں جا کر تبلیغ کریں گے تو ان سے کون متاثر ہوگا؟ چونکہ یہ خود انہوں نے ہمیں تعلیم دی ہے، ان کے ترجمے ہیں جو پڑھ پڑھ کے ڈاکٹر بن گئے ہیں۔

اگر آپ نے متاثر کرنا ہے تو آؤ قرآن ان کے سامنے پیش کرو، ان کے سامنے اہلبیت علیہم السلام

کو پیش کرو، ان کے سامنے اصالتِ دین پیش کرو اور اس کے لئے وہاں کئی لوگ تشنہ ہیں حتیٰ آپ دیکھیں کہ اس وقت عرفانِ ہندی اس وقت عرفانِ مغرب کی مقبول ترین دینی شکل ہے چونکہ اس کے اوپر مغربی رنگ طاری نہیں ہوا ہے یعنی جو بدھائی ہیں، ان کے مذہبی راہنما وہاں جاتے ہیں اور مُرتاض لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں، اس وقت مغرب کا شدید رجحان ہندی عرفان کی طرف ہے یعنی ہندوؤں کے عرفان کی طرف ہے، سب سے زیادہ احترام اس وقت وہ سادھوؤں کا کرتے ہیں، کیوں؟ کیونکہ فقط ہندی ہے اور اس کے اندر مغربی رنگ نہیں ہے، لیکن جب ہم تبلیغِ دین کے لئے جاتے ہیں تو ان کو وہی چیزیں پیش کرتے ہیں کہ جو انہوں نے پیک (Pack) کر کے ادھر بھیجی تھیں، ہم یہ واپس انہی کی طرف لوٹا دیتے ہیں، اس سے وہ کب متاثر ہوں گے؟ اگر ہم قرآنِ اِصیل، اصالتِ قرآن کو ان کے سامنے پیش کریں تو یہ اثر کرتی ہے۔ اس وقت ہماری دانشگاہوں میں حتیٰ ہمارے حوزوں کے اندر جو علوم رائج ہیں، قرآن کے ہوتے ہوئے یہ سارے علوم ہم نے مغرب سے قرض لے کر، مستعار لے کر اپنے سلیپس (Syllabus) میں شامل کئے ہیں درحالیکہ سب کچھ قرآن کے اندر موجود ہے، کمی اس بات کی ہے کہ مستنبط نہیں ہیں، کوئی آئے اور انہی چیزوں کو قرآن سے استنباط کرے۔

مثلاً کتابِ خمس تو قرآن میں نہیں ہے، فقط ایک آیہ خمس ہے، اگر ایک قاری پڑھتا ہے تو وہ صرف چند سیکنڈ میں پڑھ کر اس سے گزر جاتا ہے لیکن ایک فقیہ ایک سال رکتا ہے، آیہ خمس پر توقف کرتا ہے، تدبر کرتا ہے، اس کی گہرائی میں اترتا ہے یعنی قاری کا چند سیکنڈ کا مواد فقیہ کا ایک سال کا

مواد ہے۔ یہ تو ایک آیت کا حکم ہے لیکن جو جہاں بنی کی آیات ہیں، حقیقت شناسی کی آیات ہیں، ہستی شناسی کی آیات ہیں، انسان شناسی کی آیات ہیں، طبیعت شناسی کی آیات ہیں، افلاک شناسی کی آیات ہیں، یہ ساری آیات اپنے اندر ایک دنیائے علم رکھتی ہیں اور اسی طرح آپ نہج البلاغہ میں آئیں جیسے اس فصل کے پہلے حصے میں اشارہ کیا ہے کہ جو لوگ دنیائے نہج البلاغہ سے آشنا ہوئے ان کے احساسات پڑھیں کہ انہیں کیا ملا؟ نہج البلاغہ کے اندر ہر ہر جملے کے نیچے ایک عظیم علوم کا منبع پوشیدہ ہے۔

مثلاً اس وقت ہم مغرب کی ترجمہ شدہ نفسیات پڑھتے ہیں، اس وقت زیادہ تر جتنی بھی علم نفسیات یا سائیکالوجی (Psychology) کی کتابیں ہیں یہ سب مغربی سائیکالوجی ہے، اس میں ہم وہ نفسیات پڑھتے ہیں کہ جس میں نفس کا کوئی تصور نہیں ہے یعنی نفس کے بغیر نفسیات کی کتابیں پڑھتے ہیں، دقیق تر مطالعہ کر کے دیکھ لیں کہ نام نفسیات ہے لیکن سب جسمانیات ہیں، مادیات ہیں یعنی اس نفسیات کے اندر نفس کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، ہم جتنے بھی معاشرتی علوم پڑھتے ہیں، جتنی بھی سوشیالوجی (Sociology) پڑھتے ہیں یہ سب مغرب سے ترجمہ شدہ معاشرت ہے کہ جو ہم نے ترجمہ کر کے یہاں پر اپنی کتابوں میں رائج کر دی ہے درحالیکہ قرآن انسان کی ہدایت کا سب سے اصیل منبع ہے، قرآن نے بشری معاشرے جس طرح تحلیل کر کے بتائے ہیں، تجزیہ کر کے بتائے ہیں، جتنے قصے ہیں، قوم عاد و ثمود، بنی اسرائیل و قوم لوط علیہ السلام و نوح علیہ السلام و فلاں یہ سب جامع شناسی قرآن ہیں لیکن ہم چونکہ لقمہ خور ہیں، طفیلی ہیں اگر ایک دن اپنے ہاں کھالیں تو اس کو حرام سمجھتے ہیں،

کہتے ہیں کہ مولانا سے کسی نے پوچھا کہ کبھی حرام کھایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک دن کھایا ہے، مجبوراً کھانا پڑا، کہا کہ وہ کونسا دن تھا؟ کہا کہ بارش تھی، آندھی تھی، طوفان تھا، گھر سے باہر نہیں نکل سکتے تھے، اس دن گھر میں پکا کر کھانا پڑا، پوری عمر میں یہ ایک حرام کھایا باقی کبھی بھی حرام نہیں کھایا چونکہ موسم معمولی ہوتا تھا یعنی دوسروں کے ہاں جا کر کھاتے تھے۔

۹) قرآن و اہلبیتؑ باعث ثروت

سب مفید چیزیں قرآن میں موجود ہیں، بقول حافظ شیرازی

سالہادل طلب جامرِ جم از مامی کرد..... (۴)

یعنی کئی سالوں سے، مدتوں سے دل کا ایک تقاضا تھا، روز مانگتا تھا، کیا مانگتا تھا؟ جامِ جم۔ یہ اصطلاح ہے یعنی ایسی دید، ایسی بصیرت کہ جس کے اندر انسان دنیا کو سمجھ سکے، حقیقت کو سمجھ سکے۔ کہتے ہیں کہ جمشید جو ایران کا بادشاہ تھا، اس کے پاس ایک پیالہ تھا، آج کے مطابق راڈار (Radar) تھا کہ جس میں وہ بہت دور کے حالات دیکھ لیتا تھا، اب واللہ عالم تھا یا نہیں تھا، معلوم نہیں افسانہ ہے یا حقیقت، بہر کیف جس کو آج ریڈار کہتے ہیں، ریڈار اسی جامِ جم کو کہتے ہیں، انسان یہاں بیٹھا ہوا سارا عالم دیکھ رہا ہوتا ہے کہ کون کدھر جا رہا ہے، اسی طرح سے ایک جامِ جم انسان کے اندر موجود ہے،

گفتم این جامِ جهان بین بتو کی داد حکیم

گفت آنروز کہ این گنبد مینا میگرد

یعنی وہ شخص کہ جامِ جہاں بین جس کے پاس ہے، یعنی ایسا دل ہے کہ جس سے وہ پوری کائنات کو سمجھتے ہیں، پورے احوالِ عالم سمجھتے ہیں، میں نے پوچھا کہ یہ جامِ جہاں بین خدا نے تجھے کب دیا یعنی یہ دل خدا نے تجھے کب دیا؟

گفت آنروز کہ این گنبد مینا میگرد

کہا کہ جس وقت عرش بنا رہا تھا، آسمان اور سماوات وارضین کی بساط بنا رہا تھا، جس وقت جہان بنا رہا تھا، میں نے کہا کہ مجھے جامِ جہاں بین بھی عطا کر دے،

سالہادل طلب جامِ جمر از مامی کرد

وانچہ خود داشت زیگانه تمنا می کرد

سالوں سے دل مطالبہ کر رہا تھا کہ یہ جامِ جہاں بین مجھے مل جائے، یعنی جو کچھ اس کے اپنے پاس تھا وہ دوسرے سے مانگ رہا تھا، جو کچھ اپنی جیب میں تھا، اپنے پاس تھا وہی چیز دوسروں سے مانگ رہا تھا، جامِ جم تیرے پاس ہے، جامِ جم قرآن ہے، جامِ جہاں بین قرآن ہے، یہ کس قدر فقروں کے پاس ملینز کے اعتبار سے اربوں، کھربوں کے اعتبار سے سرمایہ ہو اور وہ ایک کاسہ لے کر پل پہ کھڑا ہو اور ہر آنے جانے والے سے کہے کہ یہاں تم ایک سکہ ڈال دو، قرآن غنی کا مجموعہ ہے، امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ

وَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى أَحَدٍ بَعْدَ الْقُرْآنِ مِنْ فَاقَةٍ..... (۵)

جان لو کہ قرآن کریم کی قرأت کے بعد کوئی بھی انسان فقر و فاقہ سے دو چار نہیں ہوتا.....

لَا فُقْرَ بَعْدَ الْقُرْآنِ،

قرآن کے بعد کوئی فقر نہیں ہے،

ایک شخص امام صادق علیہ السلام کے پاس آیا، اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، جوتے نہیں تھے، برا حال تھا، پیٹ بھی خالی تھا اور آکر رونے لگا، کہنے لگا کہ میں فقیر ہوں، میرے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے، میں محتاج ہوں، حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ تو بہت بڑا غنی ہے، اس نے سمجھا کہ شاید میرا تمسخر اڑا رہے ہیں، طنزاً کہہ رہے ہیں کہ تو بہت امیر ہے، جس طرح ہوتا ہے کہ بعض طنزاً فقیروں کو سیٹھ کہتے ہیں، رئیس کہتے ہیں، وہ بے چارہ جس کا کچھ نہیں ہے اس کو بعض طنز کے طور پر سیٹھ یا رئیس کہہ دیتے ہیں، اس نے کہا کہ شاید امام علیہ السلام اس حوالے سے مجھے کہہ رہے ہیں، امام علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں تو واقعاً غنی ہے، اس نے پوچھا کہ میرے پاس کیا غنی ہے فرمایا کہ آیا ہم اہلبیت علیہم السلام کی محبت تیرے دل میں ہے یا نہیں ہے اس نے کہا کہ ہے، فرمایا کہ جس کے پاس یہ سرمایہ موجود ہے وہ سب سے بڑا غنی ہے، یعنی ولایت کی نعمت جس کے پاس ہو اور وہ کہے کہ محتاج ہیں! کس چیز کے محتاج ہیں؟ یہ نہ کہو کہ محتاج ہیں بلکہ کہو کہ نا اہل ہیں، نظامِ ولایت ہوتے ہوئے جمہوریت کے پیچھے دوڑتے ہیں، یہ نا اہل ہیں، نظامِ ولایت ہوتے ہوئے تمہارے اوپر استبداد حاکم ہو، نظامِ ولایت ہوتے ہوئے ڈکٹیٹروں کے تحت رہتے ہو، نظامِ ولایت ہوتے ہوئے شہنشاہیت کے زیر سایہ رہتے ہو، نظامِ ولایت کے ہوتے ہوئے فوجیوں کی حکومت کے تحت رہتے ہو، یہ کہو کہ ہم نا اہل ہیں یہ نہ کہو کہ

ہم فقیر ہیں، سرمایہ تمہارے پاس موجود ہے، نظامِ دینی، قرآن کا بنایا ہوا نظام موجود ہے اور تم دوسروں کے نظام کے تحت زندگی بسر کر رہے ہو، اس سے زیادہ برا فقر کونسا ہے؟

۱۰) قرآن بصورتِ معدن ہونے کی حکمت

قرآن ہدایت ہے اور تمام علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن اسے کوئی مستنبط چاہئے۔ تمام نسلوں کے لئے استنباط شدہ چیزیں نہیں دی جاسکتی ہیں کیونکہ وہ ایک نسل کے لئے ہیں لیکن پھر دوسری نسل کے لئے نہیں ہو سکتی ہے، میں اسی معدنیات کی مثال سے اس مطلب کی تکمیل کروں گا مثلاً کیوں خدا نے تیل کو زمین کے نیچے رکھا؟ اور کیوں بہت ساری مٹی کے اندر کئی کلومیٹر نیچے معدن بنا کر رکھا ہے؟ اگر طبعی طور پر پٹرول پمپ پیدا ہوتے اور پٹرول پمپوں میں تصفیہ شدہ تیل ہوتا تو ہمیں اتنی زحمت کرنے کی، استنباط کرنے کی ضرورت نہ پڑتی، ایک نسل تو استفادہ کر لیتی لیکن باقی نسلیں اس سے استفادہ نہیں کر سکتیں۔

یہ بھی ممکن تھا کہ کسی طرح صاف شدہ تیل آپ تک پہنچایا جاتا یا اسی کو خلق کیا جاتا اور اس میں کوئی آلودگی نہ ہوتی، پٹرول الگ ہوتا، ڈیزل الگ ہوتا ہے اور اس میں دوسری قسمیں الگ الگ ہوتیں لیکن یہ ایک نسل کے لئے ممکن ہوتا ہے مثلاً اگر ہم سو سال پہلے ہوتے اور کسی کو سواری چاہئے ہوتی تو کیا مانگتے؟ گدھا گاڑی مانگتے چونکہ اس وقت بہترین شاہی سواریاں یہی گھوڑا گاڑیاں یا گدھا گاڑیاں تھیں، اُس وقت لوگ سوچتے ہوں گے کہ آخر خدا نے یہ گدھا گاڑیاں کیوں نہیں پیدا

قرآن بصورتِ معدن ہونے کی حکمت

کیس؟ اگر خدا ساری گدھا گاڑیاں سب نسلوں کے لئے پیدا کر دیتا تو آج یہ پٹرول کی گاڑیاں اور آگے آنے والے زمانوں میں اور جدید گاڑیاں جو ہمارے تصور سے بھی باہر ہیں نہ ہوتیں اور ان آئندہ کی نسلوں کی ارتقاء کا سلسلہ رک جاتا۔

معدن کی شکل میں کسی چیز کو بنانا نسلوں کے لئے ترقی کا میدان کھلا رکھنا ہے، اگر پروڈکٹ (Product) تیار کر کے کسی کے سامنے رکھ دیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ہم نے ترقی کرنے نہیں دینا ہے لہذا قرآن میں استنباط شدہ سب چیزیں بھی بیان کی جاسکتی تھی لیکن نہیں کیس، کیوں؟ کیونکہ اس سے انسان ارتقاء نہیں کر سکتا ہے، مقصود انسان کا ارتقاء تھا، اس لئے قرآن معدنی صورت میں ہے، سب کچھ قرآن میں ہے، علوم جتنے بھی ہیں سب قرآن کے اندر موجود ہیں حتیٰ یہ علوم رائج کہ جو ہم حوزوں میں پڑھتے ہیں یہ کوئی ادھر اور کوئی ادھر سے دوسروں نے استنباط کر کے ہمیں دیئے ہیں۔

(۱۱) علوم کو قرآن سے استنباط کرنے کی ضرورت

بالخصوص صدر المتألہینؒ کا ایک اصرار یہ ہے کہ علوم قرآن وہ علوم ہیں کہ جو انسان کی ہدایت میں مؤثر اور ضروری ہیں لہذا انسان یہ سارے علوم قرآن سے عکس کریں چونکہ قرآن میں یہ سب موجود ہیں۔ ایک دن انسان یہی چیزیں قرآن سے استنباط کر کے دیکھیں، فلسفہ قرآن سے لیں، منطق قرآن سے لیں، نفسیات قرآن سے لیں، جامع شناسی قرآن سے لیں، مسئلہ یہ درپیش

ہے کہ مستنبط قرآنی نہیں ہیں حتیٰ آپ دیکھیں کہ عربی ادب شروع ہی قرآن سے ہوا چونکہ لوگ قرآن غلط پڑھتے تھے لہذا احساس ہوا کہ اس کے لئے ایک علم ہونا چاہئے تاکہ قواعد و ضوابط لغت عرب کے مطابق بیان ہوں تاکہ لوگ صحیح قرآن پڑھیں، صحیح قرآن پڑھنے کے لئے جس علم کی ضرورت محسوس ہوئی اس علم کی ساری بنیاد جاہلیت کے شہروں میں ہے یعنی اس علم کے قواعد بھی قرآن سے استنباط نہیں ہوئے بلکہ جاہلیت کے شعر ہیں مثلاً سبع معلقہ ہے کہ ان کے ذریعے سے استنباط کرتے ہیں، آپ بڑے بڑے نحویوں کو دیکھیں کہ کہتے ہیں یہ لفظ اس طرح سے پڑھا جائے، یہ اعراب اس طرح سے ہونے چاہئیں، کیوں؟ اس لئے کہ فلاں شاعر جاہلی نے عصر جاہلیت میں اپنے شعر میں اس کو استعمال کیا ہے یعنی وہ علم جو قرآن کی ضرورت کے تحت وجود میں آیا اس کے مستنبطان بھی قرآنی نہیں ہیں، صرف ونحو کے مستنبطان بھی قرآنی نہیں ہیں، درحالیکہ منطق انسان کا فطری علم ہے لیکن اس میں بھی ان مستنبطین کے قواعد پر اکتفا کیا ہوا ہے کہ جو آج سے ڈھائی ہزار، تین ہزار سال پہلے پیدا ہوئے۔

علوم کو قرآن سے استنباط کرنے کی ضرورت

قرآن ہمارے پاس موجود ہے لہذا آئیں ہم منطق کو قرآن سے استخراج کریں، ابھی تک جو علوم قرآن سے استنباط ہوئے ہیں ان میں سے ایک فقہ ہے، فقط یہ ایک علم استنباط ہوا ہے، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن سے علم استنباط ہو سکتا ہے، یہ کسی ایک چیز کا وقوع دوسری چیزوں کے استنباط کے امکان پر دلیل ہے، اگر قرآن سے ایک علم استنباط ہو سکتا ہے یعنی علم شریعت و علم فقہ تو پھر بشر کی تمام ضرورتوں کے علوم بھی قرآن سے استنباط ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ہدایت کے لئے ہوں سرگرمی

کے لئے نہ ہوں، ہدایت بشر سے متعلقہ ہر چیز قرآن کے اندر موجود ہے، یہ سارے علوم جو اس وقت دانشگاہوں میں یا حوزوں میں پڑھائے جاتے ہیں وہ مستنبطین قرآنی نے استنباط نہیں کئے ہیں بلکہ دوسروں نے دیگر منابع سے استنباط کئے ہیں۔

ہم تعلقہ لگا دیتے ہیں، حاشیہ چڑھا دیتے ہیں کہ یہاں یہ آیت قرآنی ہے حالانکہ اول سے متن قرآن کا ہونا چاہئے تھا اور دوسرے حاشیے ہونے چاہئے تھے، آباؤ اجداد نے ہمیں یوں کہا تھا یا فلاسفہ نے یوں کہا تھا یا مثلاً دوسرے انسانوں نے یوں کہا تھا یہ حاشیے میں ہونے چاہئے تھے نہ کہ قرآنی آیات حاشیے میں ہوں، فٹ نوٹ کے طور پر ہوں اور متن اور اصل دوسروں کے اقوال ہوں۔ معلوم ہوا کہ قرآن میں استنباط کا عمل نہیں ہوا ہے، یہ درکھلا ہوا ہے۔ ہم اس وقت قرآنی انسان بنیں گے، قرآنی معاشرہ بنے گا، قرآنی ہدایت عام ہوگی اور قرآن مجہوریت سے نکلے گا کہ جب اس میں استنباط ہو اور ہر آیت میں ہو یعنی بسم اللہ میں استنباط ہو، ایک استاد بزرگوار فوت ہو گئے ہیں، خدان پر رحمت کرے، انہوں نے بسم اللہ کی بتیس ترکیبیں کیں تھیں، ترکیب طالب علموں کی اصطلاح ہے یعنی تجزیہ یعنی یہ ب کونسی ب ہے؟ اسم کیا ہے؟ رُحْمَن کیا ہے؟ رحیم کیا ہے؟ مبتدا کیا ہے؟ خبر کیا ہے؟ یہ سارے نحوی اور صرفی قوانین ہیں، ان نحوی اور صرفی قاعدوں کی رو سے بتیس الگ الگ ترکیبیں و تجزیے انہوں نے فقط بسم اللہ کے کئے ہیں، فقط قواعد ادبی میں ترکیبیں کی ہیں کہ اس کو کس کس طرح پڑھ سکتے ہیں؟ مثلاً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انہوں نے کہا کہ یہ سب جائز اور درست ہیں، بسم اللہ پڑھنے کے بتیس طریقے ہیں لیکن اس فکر کو چھوڑیں کہ بسم اللہ صحیح پڑھی ہے یا نہیں کیونکہ بعض لوگ بسم اللہ صحیح نہیں پڑھ سکتے ہیں، بیشک نہ پڑھیں، حضرت بلالؓ بھی بہت ساری چیزوں کو درست نہیں پڑھ سکتے تھے، ش کو س پڑھتے تھے، اسہد الا پڑھتے تھے، اسی شہادت میں کہ جس کا تلفظ درست نہیں تھا بلالؓ کا استنباط بہت درست تھا، بلالؓ کو تپتی ہوئی ریت پر لٹکا کر اوپر چٹان رکھ کر کہتے تھے کہ اشہد الانہ کہو لیکن پھر بھی کہتا تھا کہ اسہد الا یعنی یہی غلط اس سے نہیں رکوا سکے، یہ شہادت بلال کے اندر راسخ تھی ورنہ ابھی بہت سارے ایسے لوگ ہیں کہ جن کا اعتقاد و ایمان نہیں ہے جیسے بعض لوگ پیسے لے کر ریڈیو، ٹی وی پر شیعہ اذان پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں اشہد انّ علی ولی اللہ لیکن اگر انہی بہت بڑے قاری حضرات کے سپنے پر چٹان رکھ کے کہو کہ انکار کرو تو یہ سب کا انکار بھی کر سکتے ہیں۔

اشارہ قرآن

(۱۲) اشارہ قرآن

صدر المتألهینؒ ایک بہت خوبصورت تعبیر ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں، ابن مسعود جو صحابہ رسول ﷺ میں سے تھے اور ایک قرآن شناس انسان تھے، یہ ان چیدہ چیدہ افراد میں سے ہیں کہ جن کو قرآنیات میں رسوخ تھا لیکن ان کے سیاسی یا دیگر مسائل امام غزالی کی طرح الگ

ہیں، غزالی کے بہت سارے مسائل ہیں لیکن قرآنیات میں غزالی واقعاً معرکہ ہے۔

صدر المتألهین ابن مسعود سے ایک قول نقل کرتے ہیں اور یہ قول مبالغہ نہیں ہے یعنی خطابي نکتہ نہیں ہے کہ خطابت کر کے لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے یا با اصطلاح دیگر کہ جس طرح بعض لوگ نعرہ لگوانے کے لئے فضائل اہلبیتؑ پڑھتے ہیں اسی طرح فضائل قرآن پڑھ کر لوگوں سے واہ واہ کروانے کے لئے یہ بات نہیں ہے بلکہ ایک حقیقتِ کاملہ ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی کو علوم چاہئیں، علمِ اولین و آخرین چاہئے تو وہ قرآن کی بارگاہ میں آئے، لیکن کیا کرے؟ اشارہ قرآن کرے،

مَنْ أَرَادَ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فَلْيُثَوِّرَ الْقُرْآنَ..... (۶)

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ علمِ اولین و آخرین سیکھے تو اسے چاہئے کہ اشارہ قرآن کرے.....

اشارہ قرآن کی اصطلاح ہم نے نہیں سنی ہے، تلاوت قرآن، قرأت قرآن، تفسیر قرآن کی اصطلاحیں سنی ہیں لیکن اشارہ قرآن نہیں سنی ہے درحالیکہ یہ تعبیر استعمال کس نے کی ہے؟ ابن مسعود نے کہ جو صحابی رسول اکرم ﷺ ہیں یعنی چودہ سو سال سے یہ تعبیر مباحث میں اشارہ قرآن کے نام سے موجود ہے، یہ بہت اہم نکتہ ہے، آپ قرآن کو اشارہ کریں، یہ ثورہ سے ہے، ثورہ یعنی ابھارنا، اکسانا، ثورہ انقلاب کو کہتے ہیں، انقلاب کو اس وجہ سے ثورہ کہتے ہیں چونکہ اس میں لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، قیام کرتے ہیں، مظاہرہ کرتے ہیں اور لوگوں کے احساسات ابھرے ہوئے ہوتے ہیں اس وجہ سے اس کو ثورہ کہتے ہیں، ثورہ کا معنی ہے ابھارنا یا جس طرح سے روایت میں بھی ہے کہ

مَنْ أَخْلَصَ لِلَّهِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا ظَهَرَ تَيَابِيعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى

لِسَانِهِ..... (۷)

یعنی جس نے چالیس دن اپنے اندر خدا کے لئے اخلاص پیدا کیا تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے (پھوٹیں گے اور) زبان پر ظاہر ہوں گے۔

یہ بھی اصطلاح ہے اور اشارہ کی تعبیر ہے یعنی خدا اس کے دل پر حکمت کے سوتے اور چشمے جاری کرتا ہے اور وہ بھوٹ پڑتے ہیں لہذا ثورہ بھی اسی کو کہتے ہیں، جب پانی زمین کو چیر پھاڑ کر خود اُبل کر نکلے تو اس کو ثورہ کہتے ہیں۔

بسا اوقات ہوتا ہے کہ پانی نیچے سے ابل کر نکلتا ہے، جوش مار کر نکلتا ہے، ابلنے سے مراد گرم ہونا نہیں ہے، ٹھنڈے پانی کا چشمہ بھی جوش کے ساتھ نکلتا ہے اسی کو ثورہ کہتے ہیں اور یہ کام قرآن کے اندر ضروری ہے، اشارہ قرآن یعنی ابھارنا، بھڑکانا، اکسانا اور چھیڑنا۔

اس چھیڑنے سے مراد محاوراتی زبان میں ہے مثلاً کسی معاشرے کے اندر ایک موضوع نہیں ہوتا ہے تو لوگ اس میں بحث و مباحثہ نہیں کر رہے ہوتے ہیں، قیل وقال نہیں کر رہے ہوتے، سوچ بچار نہیں کر رہے ہوتے ہیں، اصلاً فراموش شدہ موضوع ہوتا ہے لیکن بعض افراد آکر وہی موضوع اس معاشرے میں چھیڑ دیتے ہیں۔

۱۳) اثارۃ الموضوع

فرض کریں کہ حوزے میں اس وقت بہت سارے موضوع چھڑے ہوئے ہیں، یہ حوزے کے زندہ موضوعات ہیں کہ جن پر بحث و تمحیص ہوتی ہے، غور و خوض ہوتا ہے، قیل و قال ہوتا ہے، نقد ہوتا ہے، تنقید ہوتی ہے ان سارے موضوعات کو کہتے ہیں کہ یہ مُطَرَّع موضوعات یا چھڑے ہوئے موضوعات ہیں، براہِ یختہ موضوعات ہیں، جنہیں کسی نے ابھار دیا ہے، اٹھا دیا ہے۔ فرض کریں کہ بہت سارے موضوعات ہیں کہ جو ابھی حوزے میں چھڑے ہوئے نہیں ہیں، جن موضوعات کو حوزے کی اصلی بحث کا حصہ ہونا چاہئے یعنی فضلاء حوزہ، اساتید حوزہ اور بزرگان حوزہ کو چاہئے کہ ان موضوعات پر غور و خوض کریں لیکن نہیں کر رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ موضوع کسی نے چھیڑا نہیں ہے، مثال کے طور پر وحدت کا موضوع، جیسے ایک پورے سال کو مقامِ معظم رہبری نے وحدت اور انسجامِ اسلامی کا سال قرار دیا تھا تا کہ اس موضوع پر عملی توجہ ہو سکے، وحدت ایک مفہوم کے طور پر یا ایک ضرورت کے طور پر تو موجود ہے، کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے، قرآن میں اس کا ذکر ہے لیکن عملاً معاشرے کے اندر چھڑا ہوا موضوع نہیں تھا، وحدت فراموش شدہ موضوع تھا را کد و جامد موضوع تھا، متروک موضوع تھا، اس کے اوپر کوئی گفتگو نہیں ہوتی تھی لیکن رہبر نے اس موضوع کو چھیڑا ہے، ابھارا ہے، اکسایا ہے اور اٹھایا ہے اس کو کہتے ہیں اثارۃ الموضوع یعنی ایک دبا ہوا، فراموش شدہ موضوع زندہ کر دینا، ابھار دینا، اس کو لوگوں کے سامنے بحث کے لئے آمادہ کر دینا، ضرورت ہے کہ بہت ساری چیزیں کو چھیڑیں مثلاً معاشروں کے اندر، انسانی معاشرے کے اندر

خصوصاً علمی ماحول کے اندر جب تک یہ علمی موضوعات کہ جو ضروری ہیں کہ ان پر غور و خوض جستجو ہو،

جب تک یہ موضوع چھیڑے نہیں جائیں یا کوئی چھیڑنے والا نہ ہو تو لوگ توجہ نہیں کرتے ہیں۔

انسان خود ہی خود بے ہوئے موضوعات، فراموش شدہ موضوعات اور متروک موضوعات

کی طرف نہیں آتے ہیں، ہمیشہ اس زمانے کے چھڑے ہوئے موضوعات کی طرف رجحان ہوتا ہے،

اجتماعی طور پر یا سیاسی طور پر ان میں زیادہ غور و خوض ہوتا ہے مثلاً آپ میڈیا میں دیکھیں، خبروں میں

دیکھیں کہ وہ موضوعات کہ جو آج کل چھڑے ہوئے ہیں ان کی طرف زیادہ توجہ ہے مثلاً اس وقت

دنیا میں ایران کا ایٹمی مسئلہ ایک چھڑا ہوا اور ابھارا ہوا موضوع ہے جسے شرق و غرب میں بہت سارے

لوگ دبنے نہیں دیتے ہیں، ایران کی پوری کوشش ہے کہ یہ موضوع ختم ہو جائے، فراموش ہو جائے

اور اس پہ گفتگو نہ ہو، حتیٰ یو این او (UNO) میں ایرانی پریذنٹ (President) نے اعلان بھی کیا

کہ ہماری طرف سے یہ موضوع تمام شدہ موضوع ہے، اب اس پر کوئی گفتگو نہیں ہوگی اور دنیا نے کہا

کہ یہ تمام شدہ موضوع نہیں ہے بلکہ ابھی جاری ہے، یہ لوگ اس موضوع کو زندہ رکھنے کیلئے کئی بلین کا

سرمایہ صرف کر رہے ہیں، یہ ہے کسی موضوع کو ابھارنا، زندہ کرنا، چھیڑنا اور اس کو اثارۃ الموضوع کہتے

ہیں، یہ اجتماعی یا سیاسی موضوع ہے۔

ہر ملک کے اندر حزب اقتدار یا حزب اختلاف یعنی حکومت یا حکومت کے مخالفین کی کوشش

یہ ہوتی ہے کہ اپنی مفاد کا کوئی نہ کوئی موضوع چھیڑ کر رکھیں اور اس پر میڈیا کے اندر بحث و تمحیص ہو، خود

میڈیا کا بھی ایک یہی رول (Role) ہے کہ بعض چیزیں ابھارنا، چھیڑنا اور بعض چھڑی ہوئی چیزوں



کو، مَطَرُ چیزوں کو دبا کر رکھنا کہ ان پر کوئی بحث و تَحِیص نہ ہو، کچھ علماء کی یہ خصوصیت ہوتی ہے یعنی ہر عالم کی ایک صفتِ خاص ہے مثلاً بعض علماء کا کام فقط علمی بحث کرنا ہے اور پھر کئی عنوانات سے اور کئی موضوعات کے تحت کرتے ہیں، بعض علماء کا یہ تخصص اور فن ہے کہ وہ تعلیم اچھی دے سکتے ہیں، بعض تحقیق اچھی کر لیتے ہیں، بعض اچھا سمجھا سکتے ہیں، بعض محقق تو بہت خوب ہیں لیکن اچھے معلم نہیں ہیں، یہ مختلف افراد کی، معلمین کی، اساتید کی اور بزرگان کی خصوصیات ہیں۔

ایک شخص ہے کہ خود تنہائی میں کسی موضوع کے اندر غور و خوض کر کے اچھے نتائج لے سکتا ہے لیکن یہی موضوع دوسروں کو تفہیم کرنا پڑے، دوسروں کو سمجھانا پڑے تو نہیں سمجھا سکتا ہے، ایسے بہت سارے لوگ ہیں کہ جن کو خدا نے نعمتِ بیان عطا کی ہے، بیان یعنی قوتِ تفہیم مطلب، کسی کے پاس سمجھانے کی صلاحیت بھرپور موجود ہوتی ہے، بعض بڑے فاضل ہیں لیکن اپنا مافی الضمیر کسی تک آسانی سے منتقل نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ سادگی سے بیان کرنے میں ان کو مشکل پیش آتی ہے لیکن کچھ علماء کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دے ہوئے موضوعات کو چھیڑنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں، فراموش شدہ موضوعات کو اچھے طریقے سے، علمی طریقے سے، آداب کے ساتھ اور خوبصورتی کے ساتھ چھیڑ دیتے ہیں اور پھر علمی حلقوں کے اندر اس موضوع پہ لے دے شروع ہو جاتی ہے یا قیل و قال ہوتی ہے اور پھر اہل فضل آ کر اپنا اظہارِ نظر کرتے ہیں۔

لہذا موضوع چھیڑنے والا ایک خاص ہنر مند عالم ہوتا ہے، ہر ایک یہ موضوع نہیں چھیڑ سکتا ہے، شہید مطہریؒ نے امام رازی کے بارے میں ان کی یہی تصویر پیش کی ہے چونکہ امام رازی اہل

سنت کے بڑے معروف عالم تھے کہ جو ہر فن میں اور ہر علم میں متبحر تھے، ان کی ایک اختلافی شخصیت ہے یا یوں کہہ لیں کہ نزاعی شخصیات میں سے ہیں، جن کے بارے میں مختلف آراء ہیں، یہ ان شخصیات میں سے ہیں کہ جن کے بارے میں بعد والوں میں افراط و تفریط ہوتا ہے، بعض نے ان کو افراط کی حد تک تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور بعض نے سرے سے تنقید ہی نہیں کی، بعض نے مثلاً ان کو بہت سراہا ہے اور یہ ہونا بھی چاہئے کیونکہ عموماً وہ شخصیات کہ جو اس طرح کا کام کریں ان کے بارے میں ایسی ہی آراء ہوتی ہیں اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، دوسرے انہیں کہتے ہیں کہ یہ امام مشکلیں ہیں، امام رازی کا یہ لقب معروف ہو گیا ہے کہ یہ شک کرنے والوں کے امام ہیں، شک کرنا، شک ڈالنا، مسلم مسائل میں بھی شک کرنا ان کا تخصص ہے، ان کو مہارت ہے لہذا مبدء سے لے کر معا دتک جتنے مسائل ہیں ان کے اندر انہوں نے شک کیا ہے، کسی بھی چیز کو انہوں نے کنفرمڈ (Confirmed) اور مسلم نہیں رہنے دیا۔

یعنی بعض چیزوں کو کچھ لوگ مسلمات دین میں سے سمجھتے تھے لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں یہ مسلمات دین میں سے نہیں ہیں ان میں بھی بحث ہو سکتی ہے، ان میں شکوک و شبہات کئے، نتیجہ یہ ہوا کہ جو علماء ان کے بعد آئے خوانخواہ ان کو ان کے شکوک و شبہات کا جواب اپنے اپنے موضوع اور فن میں دینا تھا، شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ امام رازی نے درحقیقت علوم کی جو خدمت کی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سارے فراموش شدہ موضوعات کہ جن کو مسلم سمجھ کر، طے شدہ سمجھ کر یا ثانوی سمجھ کر لوگوں نے چھوڑا ہوا تھا اور ان میں بحث و تمحیص نہیں کرنے تھے امام رازی نے شبہات کے ذریعے ان

موضوعات کو دوبارہ زندہ کیا ہے، دوبارہ ابھارا ہے اور پھر اس کے بعد انہوں نے دوسرے علماء کو میدان دیا جیسے خواجہ طوسیؒ ہیں اور سب سے بڑھ کر صدر المتاھینؒ ہیں، ملا صدراؒ نے آکر بہت ایسے بہت سارے مسائل میں بحث کی ہے کہ جن کو اگر امام رازی نہ چھیڑتے، نہ ابھارتے، نہ اکساتے تو یہ زحمت بھی نہ کرتے اور ضرورت بھی نہ سمجھتے کہ ان مسائل میں وارد ہوں۔ یہ فراموش شدہ موضوع تھے، علم کلام میں یا دوسرے علوم کے اندر طے شدہ موضوعات تھے اس وجہ سے دوسرے ان پر بحث کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے لیکن امام رازی نے آکر انہیں چھیڑ دیا اسی کو اثارہ موضوع کہتے ہیں یعنی موضوع کو چھیڑنا۔

مثلاً کسی محفل میں بعض لوگ ایسے ہی آپس میں دو دو کر کے بات کر رہے ہوتے ہیں لیکن وہاں کچھ ایسے ہنرمند بھی بیٹھے ہوتے ہیں کہ جو پوری محفل و مجلس کو ایک موضوع پر لے آتے ہیں یعنی سب لوگ ایک ہی موضوع پر گفتگو کرنا شروع کر دیتے ہیں، عموماً افطار کی مجالس میں، محافل میں ایسے ہی ہوتا ہے کہ جو ساتھ ساتھ دو بیٹھے ہوتے ہیں وہ اپنی ذاتی دلچسپی کے مسئلے پر گفتگو کر رہے ہوتے ہیں، کبھی موسم پر، کبھی ٹریفک پر اور اس طرح کے جزئی اور ذاتی تعلقات پر کہ بچوں کا حال پوچھنا، اپنا حال بتانا، روزہ بہت لمبا ہے، اس سال یوں ہوگا، پچھلے سال روزہ ایسا تھا، چاند کے مسئلے پر بات ہوگی اور اس طرح کے اپنی دلچسپی کے امور پر گفت و شنید کر رہے ہوتے ہیں لیکن بعض دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ ایک اچھی فرصت ہے، سارے مومنین، سارے اہل فضل، سب اہل کمال جمع ہیں لہذا سب کی موجودگی سے استفادہ کیا جائے تو وہ بیچ میں ایک ایسا موضوع چھیڑتے ہیں کہ جو سب کی توجہ کا مرکز

بن جاتا ہے اور پھر سب اس میں اظہارِ نظر کرنا شروع کر دیتے ہیں، یہ ان کا ہنر ہے کہ انہوں نے موضوع چھیڑا ہے اسی کو اشارہ کہتے ہیں یعنی ابھار دینا، چھیڑ دینا تاکہ لوگ آئیں اور آکر اس کے اوپر اظہارِ نظر کریں۔

۱۴) اشارة الفتنہ

بعض لوگوں کے اندر فتنہ چھیڑنے کی، فتنہ پھیلانے کی بڑی مہارت ہے، اشارہ فتنہ یعنی فتنہ پھیلانا اور فتنے کو ہوا دینا، دوسرے لفظوں میں چھیڑنے کو اردو زبان میں، محاورے کی زبان میں ہوا دینا کہا جاتا ہے، اس سے آگ بھڑکتی ہے، جب آگ خاکستر کے نیچے بجھی ہوئی ہوتی ہے تو پنکھا لے کر اس کو ہوا دیتے ہیں اور ہوا کھا کر اس کا شعلہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ عموماً جہاں تگے اور کباب بنتے ہیں وہاں ان کے نیچے کونکوں پر آگ کا شعلہ جلا کر پنکھے کی ہوا دیتے ہیں، یہ ہوا دینا ہے کہ ہوا سے آگ مزید پھیلتی ہے، اس سے آگ پھیلانا مقصود ہے، اگر آپ ہوا نہ دیں تو آگ پھیلتی نہیں ہے، ایک کونکہ سرخ ہوتا ہے لیکن وہ جل کر وہیں پر خاکستر ہو کر بجھ جاتا ہے اور ساتھ والے کونکے میں آگ سرایت نہیں کرتی ہے چونکہ آگ کو پھیلانے کی ضرورت ہے اور وہ ہوا ہے جو آگ کو پھیلاتی ہے، بلڈنگز (Buildings) کو آگ لگ جاتی ہے، جنگلوں کو آگ لگ جاتی ہے، یہ ہوا ہے جو آگ کو پھیلاتی ہے، یہ عمل ہم نے دیکھا ہوا ہے مخصوصاً کھانے پکانے کی ضرورت کے وقت جب آگ جلاتے ہیں تو اس کو ہوا دیتے ہیں۔

مثلاً پاکستان میں ایک فقہی مسئلہ یعنی سادہ سا نماز کا مسئلہ پھیلا یا گیا ہے اور اس کو ہوا دی گئی کہ نماز میں شہادت جائز ہے یا نہیں ہے، یہ مسئلہ تو ضیح المسائل سے حل ہو سکتا ہے۔ سادہ مسائل کو اسی لئے سادہ کہتے ہیں کہ یہ تو ضیح المسائل کے ذریعے حل ہو جاتے ہیں، ان کو عدالتوں میں لے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، اگر یہ مسئلہ علماء کے پاس ہوتا، فقہاء کے پاس ہوتا تو مشکل نہیں تھی لیکن آپ دیکھیں کہ یہ فتنہ جب بعض لوگوں کے پاس آیا تو انہوں نے چند مہینوں کے اندر بلکہ چند ہفتوں کے اندر اس کو ایسا چھیڑا، ایسا ابھارا کہ دیکھیں اس فتنے کے شعلے کہاں تک بھڑک رہے ہیں، کچھ لوگوں میں منفی امور کو ابھارنے کی مہارت ہوتی ہے اور کچھ لوگوں میں مثبت چیزوں کو چھیڑنے کی مہارت ہے، انسان کوشش کرے کہ مثبت چیزوں کو چھیڑے، ہم بھی اپنے اندر صلاحیت پیدا کریں لیکن نہ کہ فتنے چھیڑنے کی اور اختلافات کو ہوا دینے کی بلکہ علوم کو ہوا دیں، اچھے موضوعات کو ہوا دیں، اقدار کو ہوا دیں، صفات کمالیہ کو ہوا دیں تاکہ یہ مثبت چیزیں لوگوں کے اندر پھیلیں۔

اختلافات کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ ان کو ہوانہ دیں، اختلافات کو ہوا دینے سے اختلافات پھلتے ہیں، تفرقے کو ہوانہ دیں، ہوا دینا یعنی تفرقے کا اگر چھوٹا سا شرر ہے تو اس کو شعلہ نہ بنائیں، اسے ہوانہ دیں، اس موضوع کو نہیں چھیڑیں اور اس موضوع کو دوبارہ نہ دیں۔ اختلافی موضوعات کو اٹارہ نہ کریں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ افراد کے درمیان کوئی سیاسی مسئلہ ہو، کوئی اختلافی مسئلہ ہو، کوئی اختلافی شخصیت ہو، کوئی اختلافی موضوع ہو یا کوئی مذہبی اختلاف ہو مثلاً اگر ٹرین میں دوسری اور شیعہ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں یا بس میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہاں پر کوئی اور گفتگو ہو رہی ہے

لیکن کسی نے آکر مسئلہ خلافت چھیڑ دیا تو وہ دوسرا آدمی کہتا ہے کہ اس موضوع کو رہنے دیں، اسے یہاں پر نہ چھیڑیں کہ اختلاف کو ہوا ملے گی اور یہ آہستہ آہستہ تفرقہ بن جائے گا، لڑائی جھگڑا ہو جائے گا اور پھر مسئلہ الجھ جائیگا لہذا بعض چھڑے ہوئے مسائل کیلئے کوشش ہوتی ہے کہ اس کو دبائیں اور بعض مسائل کو کہتے ہیں کہ ان کو ہوا دیں، ہوا دینا یعنی اس مسئلے کو پھیلانا یا کسی مسئلے کو ابھارنا۔

افواہوں کو بھی ہوا دے کر پھیلایا جاتا ہے مثلاً ایک آدمی حرم جاتا ہے اور حرم میں نماز کے بعد تعقیبات کے طور پر کسی کے کان میں کہتا ہے کہ میں نے یہ بات سنی ہے اور یہ کسی کو نہیں بتانی ہے، یہ کوڈ (Code) ہے یعنی سب کو بتانی ہے، جب طلبہ میں اور عورتوں میں کہا جاتا ہے کہ یہ کسی کو نہیں بتانا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب کو بتانا ہے اور وہ بھی دوسرے کو یہی کہہ کر بتاتے ہیں کہ یہ بات کسی اور کو نہیں بتانی ہے۔

بعض طالب علموں کی صفات عورتوں سے ساتھ ملتی ہیں، ان میں سے ایک یہ صفت ہے یعنی افواہ اور شائعات پھیلانا اور وہ بھی تاکید کے ساتھ کہ اس بات کو کسی اور کو نہیں بتانا، یہ پھیلانے کا بہترین طریقہ ہے پھر آپ دیکھیں کہ یہ ایک دم پھیل جاتی ہے، تجربے کے طور پر بھی کریں کیونکہ یہ تجربہ شدہ بات ہے، اس کے لئے نئے تجربے کی ضرورت نہیں ہے، آپ خود ایک بات مذاق کے طور پر کسی سے کریں پھر آپ دیکھیں کہ وہ سنجیدہ بات بن جاتی ہے اور پھیلتی ہی جاتی ہے اور جوں جوں پھیلتی ہے اس کے اندر شدت بھی آتی جاتی ہے یعنی آپ نے دیا سلائی سے آگ لگائی تھی اور اب اس افواہ کے یا اس شائعات کے شعلے آسمان پہ لپک رہے ہیں۔

۱۵) اثارۃ الارض

بہت ساری چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان انہیں چھیڑے نہیں، ان کو ابھارے نہیں، انہیں اٹھائے نہیں تو وہ چیزیں خود بخود انسان کو کچھ بھی عطا نہیں کرتی ہیں جبکہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جنہیں ہمارے چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے جیسے زمین کے اندر خدا نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ موسم بہار میں یا مختلف موسموں میں وہ خود ہی کچھ نہ کچھ اگلنا شروع کر دیتی ہے لیکن بعض چیزوں کے لئے ہمیں زمین کو آمادہ کرنا پڑتا ہے، انسان کی غذا کے لئے زمین کو آمادہ کرنا پڑتا ہے لیکن حیوان کی غذا خود ہی خود زمین سے اگتی ہے یعنی ہمیں زمین کو جا کر چھیڑنا پڑتا ہے، اکسانا پڑتا ہے، آمادہ کرنا پڑتا ہے، اس پر ہل چلانا پڑتا ہے، اس کا منہ کھولنا پڑتا ہے، اس کے اندر ایک مناسب حد تک رطوبت ایجاد کرنا پڑتی ہے پھر اس کے اندر بیج بونا پڑتا ہے اور دیگر متعدد امور زمین کے اوپر انجام دیے جاتے ہیں کہ جن کی بنا پر زمین کچھ اگانے کیلئے آمادہ ہوتی ہے، اس کو اثارۃ الارض یا احیاء الارض کہتے ہیں۔

خداوند تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ پانی کے ذریعے زمین کو زندہ کیا گیا ہے لیکن یہی زمین جو پانی سے زندہ ہوتی ہے جب تک انسان اس کو اثارہ نہ کرے اور اس کے اندر ثورہ ایجاد نہ کرے یعنی ابھارو اکھاڑ کر کے آمادہ نہ کرے تو زمین وہ فصلیں اگانے کے قابل نہیں ہوتی ہے کہ جو انسان کے لئے مفید ہیں اور یہ چیز ہم روزمرہ مشاہد کرتے ہیں۔ ایک کھیت انسان کو اس وقت غذا یا غلہ دیتا ہے کہ جب خود کسان جا کر اس میں زحمت کریں، محنت کریں اور اثارۃ الارض کریں۔

۱۶) ٹیکنالوجی و ایجادات، ثمراتِ آثارہ

ٹیکنالوجی (Technology) اور یہ سب ایجادیں دانشمندوں اور سائنس دانوں کی مرہونِ منت ہے، ابھی ہم نے تقسیم بندی کر دی ہے کہ آرٹسٹ الگ ہو گئے، ہنرمند الگ ہو گئے اور علماء الگ ہو گئے ہیں، نہیں، حقیقتاً بنیادی طور پر ایک عالم ہوتا ہی ہنرمند ہے، سب سے بڑا آرٹ ایک عالم کے پاس ہوتا ہے، ایک سائنسٹ (Scientist) وہی ہوتا ہے کہ جو سب سے بڑا ہنرمند ہو یعنی جس کو پتہ ہے کہ اس شے کے اندر کیا راز موجود ہے اور اس نے اس کو کشف کر لیا ہے اور یہ چھیڑنے سے کشف ہوا نہ کہ چھوڑنے سے مثلاً یہ بڑے بڑے طبیب کہ جنہوں نے جڑی بوٹیوں سے اور دوسری چیزوں سے انسانی علاج کے لئے دوائیں ایجاد کی ہیں، یہ کون لوگ تھے؟ جنہوں نے آ کر ان ساری چیزوں کو چھیڑا، اگر نہیں چھیڑیں گے تو ان کے اندر سے کچھ بھی نہیں نکلے گا، ہزاروں سال سے یہ بوٹیاں اگتی آرہی ہیں، بہار میں اگتی ہیں اور خزاں میں خشک ہو جاتی ہیں، جانور ان کو چر جاتے اور انسان کو ان کی کوئی خبر نہ تھی لہذا ان کو چھیڑنے والا بھی کوئی موجود نہیں تھا، نتیجہ یہ تھا کہ ان کو ساری چیزوں کے راز بھی معلوم نہیں تھے، لیکن جب چند پڑھے لکھے لوگوں نے ان نباتات کو آ کر اکسایا، ابھارا اور چھیڑا تو انہی پودوں نے اپنے ثمرات عیاں کرنے شروع کر دیئے۔

۱۷) اثارة العقل، انبیاء علیہم السلام کا مقصدِ بعثت

عقل بھی ان چیزوں میں ہے کہ اگر پڑی رہے اور کوئی اس کو نہ چھیڑے، نہ ابھارے اور نہ

اکسائے تو عقل خود ہی خود پڑے پڑے کچھ بھی نہیں کرتی ہے، ضروری ہے کہ کوئی آکر اس دے ہوئے خزانے کو ابھارے اور اکسائے تاکہ اس کے اندر پنہاں اسرار انسان کے لئے نمایاں ہو جائیں، اس کام کے لئے خداوند تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مقرر کیا ہے اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے نبج البلاغہ میں انبیاء علیہم السلام کے مقاصد بعثت میں سے ایک عمدہ مقصد یہی بیان کیا ہے کہ

لِيُشِيرُوا فِيهِمْ دَفَائِنَ عُقُولِهِمْ..... (۸)

(انبیاء اسلئے تشریف لائے) تاکہ وہ ان کی عقول کے پوشیدہ خزانوں کو ان میں

ابھاریں.....

ایک اور حدیث مبارکہ میں بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ ہوا کہ

وَأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ إِنَّمَا جَاءُوا لِْيُشِيرُوا دَفَائِنَ الْعُقُولِ فِي النَّاسِ..... (۹)

بے شک انبیاء اس لئے آئے تاکہ وہ لوگوں میں عقول کے خزانوں کو ابھاریں.....

انبیاء علیہم السلام انسانوں کی دبی ہوئی عقلیں اور دبی ہوئی فطرتیں کہ جو ساکت اور جامد ہیں ان کو

اکسانے اور ابھارنے کے لئے آئے ہیں۔ دفاعن یعنی مدفون عقلیں، دفاعن عقلی یعنی خزینہ عقلی یا

عقل کے خزانے، ان کو ابھاریں، اس طرح سے کہ عقل انسان جوش مارے، انبیاء علیہم السلام عقل کو ختم

کرنے نہیں آئے ہیں یا عقل کے خلاف کوئی چیز لے کر نہیں آئے بلکہ مخاطب انبیاء علیہم السلام عقل ہے اور

مخاطب کو جگانا بھی انبیاء علیہم السلام کا کام ہے، مخاطب کو ابھارنا بھی انبیاء علیہم السلام کا کام ہے۔ ایک ٹھنڈا اور جامد

آدمی کہ جس کے لئے ایک موضوع بیان کریں لیکن وہ اس موضوع کے لئے آمادہ نہ ہو، بھڑکا ہوا نہ ہو

تو اس کے سامنے موضوع بیان کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے بھینس کے سامنے بین بجانا ہے اور انبیاءؑ بھینسوں کے لئے نہیں آئے ہیں، انبیاءؑ اس لئے آئے تھے کہ ایسے لوگ تیار کریں کہ پہلے ان کی عقل کو ابھاریں پھر ان کے سامنے قرآن پیش کریں۔

ابھری ہوئی عقل کی مثال رحم کی طرح ہے، بعض عورتیں بانجھ ہوتی ہیں، بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوتی ہیں یعنی ان کے رحم میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ نطفے کو انسان بنا سکیں لیکن جو بانجھ نہیں ہیں ان کے رحم میں اگر جائے تو وہ اس نطفے کو انسان بنا دیتی ہیں، اس پر غور کریں تو وہ قطرہ بھی نہیں ہوتا ہے بلکہ قطرے سے بہت کم ہوتا ہے کہ جس کو ہم نطفہ کہتے ہیں، وہ نامرئی چیز ہے اصلاً نظر بھی نہیں آتا ہے، مثلاً اس ایک اسپرم میں ایک جرثومہ ہے کہ جو آنکھ سے نظر نہیں آتا ہے، یہ نامرئی جرثومہ جب اس رحم آمادہ میں جاتا ہے کہ جس کو خدا نے بنایا ہے لیکن اس نے کیا کیا؟ اس کو انسان بنا دیا، کیسا انسان بنا دیا؟ ایسا انسان کہ جس میں تمام اعضاء اور پیچیدہ ترین نظام موجود ہے اور جس کے اندر روح بھی آگئی ہے، اس رحم کے اندر کیوں بنا؟ کیونکہ یہ رحم آمادہ تھی، اسی طرح رحم علمی بھی ہے، انسان کا ذہن، انسان کا دل انسان کا رحم ہے، اس رحم کے اندر اگر ایک قطرہ چلا جائے، ایک اسپرم علمی چلا جائے تو وہ اس کو بہت کچھ بنا سکتا ہے اسی انسان کو مستبظ کہتے ہیں ورنہ بعض ایسے ہیں کہ جو پورا قرآن حفظ کر لیتے ہیں لیکن ایک ہدایت کا کلمہ یا ایک ہدایت کا اثر تک ان کے اندر موجود نہیں ہوتا ہے، سالہا سال درس پڑھ لیتے ہیں لیکن عملاً ہدایت حاصل نہیں کرتے ہیں، کیوں؟ اسلئے کہ بانجھ ہیں، ان کے رحم آمادہ نہیں ہیں۔

اشارۃ العقل، انبیاء علیہم السلام کا مقصد بعثت

ایک بدو عرب رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا کہ مجھے قرآن پڑھنا ہے لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے، میں اپنی بھیڑیں چھوڑ کر آیا ہوں اور مجھے جلدی واپس جانا ہے جیسے آج کل بعض شارٹ کٹ (Short cut) مانگتے ہیں کہ یہ لمبی چوڑی باتیں، یہ توضیح المسائل، یہ رسالہ عملیہ یہ ہم سے نہیں ہو سکتا ہے بلکہ ایک شارٹ کٹ بتائیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کو ایک شارٹ کٹ کے بجائے ایک فولڈر (Folder) بتا دیا، شارٹ کٹ، شارٹ کٹ ہی ہوتا ہے لیکن فولڈر کے اندر بہت کچھ ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو دو آیات پڑھ کر سنائیں، یہ سورہ زلزال کی دو آیات ہیں لیکن دونوں ملا کر ایک آیہ کے برابر بھی نہیں بنتی ہیں،

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ (۱۰)

پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

یہ آیات سن کر کہا کہ خدا حافظ یہی لینے آیا تھا، وہ دوسرے جو بیٹھے ہوئے تھے جو کئی کئی سالوں کے سینئر شاگرد تھے کہ جن کو ابھی تک سورہ بقرہ یاد نہیں ہوا تھا وہ یہ دیکھ کر ہنسنے لگے کہ یہ دیکھو جاہل بدو ابھی آیا اور ایک آیہ سن کر واپس جا رہا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے لئے کافی ہے، رسول اللہ ﷺ نے جب ان کی طنز آمیز ہنسی دیکھی، ان کا خندہ دیکھا، مدحکہ دیکھا تو کیا فرمایا؟

لَقَدْ رَجَعَ الرَّجُلُ فَفِيهَا..... (۱۱)

کیا سمجھتے ہو؟ یہ فقیہ بن کر لوٹ کر جا رہا ہے، فقیہ دین، فقیہ قرآن بن کر لوٹ کر جا رہا ہے،

اگر در خانہ کس است يك حرف بس است.....
 یعنی اگر گھر کے اندر کوئی ہے تو اس کے لئے ایک کلمہ ہی کافی ہے، ایک مستنبط کے دل میں
 یہ آیات ڈال دی ہیں لہذا یہ ان آیات کو خود کھولے گا،
 لِشِيرُوا فِيهِمْ دَفَائِنَ عُقُولِهِمْ.....

پہلے اس کی عقل ابھاری اور پھر اس ابھری ہوئی عقل کے اندر ایک نکتہ ڈال دیا۔ الغرض تمام
 پیغمبر ﷺ و انبیاء ﷺ اس لئے آئے ہیں کہ لوگوں کی عقل کو ابھاریں تاکہ ان عقلوں میں پیغام خدا
 اتر جائے اور جب ان کو آسمانی پیغام پیش کیا جاتا ہے تو کوئی سلمان بنتا ہے، کوئی مقداد بنتا ہے اور کوئی
 ابوذر بنتا ہے۔

۱۸) اثارۃ الناس

اسی طرح وہ امور کہ جن کو ابھارے کی ضرورت ہے اس میں سے خود لوگ بھی شامل ہیں
 تاکہ ان کے اندر کوئی اثر پیدا ہو، اثارہ کا اور ثورہ کا ایک میدان قومیں اور عوام ہیں، اپنی روزمرہ
 ضروریات مادی اور طبعی کے تحت ان کے اندر بھی رکاوٹ آ جاتی ہے، معاشرے کے اندر جمود اور رکود
 پیدا ہو جاتا ہے اور عمل ارتقاء رک جاتا ہے، بجائے اس کے کہ لوگ معاشرے کے اندر رشد و نشوونما
 کریں ایک ہی حالت پر منجمد ہو جاتے ہیں اور ٹھہر جاتے ہیں، ٹھہرا ہوا معاشرہ یعنی جس کے اندر کوئی
 شخصیت پیدا نہیں ہوتی ہے، جس کے اندر علوم ترقی نہیں کرتے ہیں، علوم نشوونما نہیں کرتے ہیں اور

تکامل یافتہ افراد پیدا نہیں ہوتے ہیں، ناقص افراد کمال تک نہیں پہنچتے ہیں بلکہ سب ایک ہی سطح کے اور ایک ہی درجے میں رکے ہوئے ہوتے ہیں، معاشرے کے بہت سارے نمونے اس وقت موجود ہیں، اکثر معاشرے جو مادیت کے ملبے میں دبے ہوئے ہیں کہ جن کے اندر انسانی اقدار و انسانی کمالات کی افتتاح کا عمل رُکا ہوا ہے تو یہ مغلوب اور رکے ہوئے معاشرے ہیں، اگر کوئی ان کو نہ ابھارے، نہ چھیڑے اور نہ اکسائے تو یہ خود بخود آگے نہیں بڑھتے ہیں ان کو بھی ثورہ اور اثارہ کی ضرورت ہے جیسے زمین کو ابھارنے کی ضرورت ہے تاکہ کچھ اگلے اور اگائے، اس زمین کے اندر یہ ساری چیزیں موجود ہوتی ہیں لیکن اسے اکسانے کی اور چھیڑنے کی ضرورت ہے، اسی طرح انسانوں کے اندر بہت طاقت ہے، انسانوں کے اندر بہت قوت ہے، ارتقاء کی قوت ہے، تکامل کی قوت ہے، جہالت کو ختم کرنے کی قوت ہے، باطل کو مٹانے کی قوت ہے، ظلم و ستم کو ختم کرنے کی قوت ہے، یہ سب انسانی معاشرے کے اندر موجود طاقتیں اور قوتیں ہیں لیکن جب تک کوئی ان انسانوں کو ابھارے نہیں تو یہ قوتیں پڑے پڑے ختم ہو سکتی ہے لہذا انسانوں کو بھی اثارہ کی ضرورت ہے۔

امام خمینیؑ میں یہ مہارت و تخصص تھا کہ وہ لوگوں کو ابھارنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔

ٹھنڈا برف زدہ معاشرہ، تَخ زدہ معاشرہ کہ جس کے اوپر تہہ لگی ہوئی تھی، تیخچال گلیشر (Glacier) بنے ہوئے تھے وہ سارے امام خمینیؑ نے اس طرح سے پگھلائے کہ ایک بحر بیکراں کی شکل اختیار کر گئے اور اس ٹھنڈے اور منجمد معاشرے کو امامؑ نے متحرک معاشرہ بنا دیا، یہ ثورہ ہے یہی انقلاب تھا اور یہی اثارۃ الناس تھا۔

اس کام کے لئے بھی خداوند تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مامور کیا، اولیاء علیہم السلام کو مامور کیا اور ائمہ اطہار علیہم السلام کو مامور کیا، ان کا اساسی کام یہی تھا کہ لیشیر والناس یعنی لوگوں کو ابھاریں، جس طرح سے خداوند تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا، انبیاء علیہم السلام کا کام بھی معاشروں کو مبعوث کرنا ہے، ابھارنا ہے اور تکامل کے لئے تیار کرنا ہے ورنہ معاشرے رک جاتے ہیں، ان کے اندر رکود و جمود آ جاتا ہے اور تکامل کی طرف ان کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔

ابوذر غفاریؓ صحابی رسول ﷺ نے کتنے سال درس پڑھا؟ حوزوں میں کتنے سارے ابوذر نامی طلبہ بھی ہوں گے کہ جنہوں نے پندرہ سال پڑھا ہوگا لیکن ابوذر غفاریؓ نے کتنے سال درس پڑھا؟ ابوذرؓ نے چند منٹ میں یہ درس پڑھا، یہ انبیاء علیہم السلام کا کام ہے۔

انبیاء علیہم السلام ہماری طرح ٹھنڈے لوہے پہ چوٹ نہیں لگاتے ہیں، ہم ہر سال تبلیغ کے لئے جاتے ہیں اور خود ہی زخمی ہو کر آ جاتے ہیں چونکہ ٹھنڈے لوہے پہ جب چوٹ لگتی ہے تو وہ واپس اپنی پیشانی پہ آ کر لگتی ہے، خود مایوس ہو کر آتے ہیں کیونکہ ٹھنڈے لوہوں پر چوٹ لگاتے ہیں، انبیاء علیہم السلام پہلے لوہا گرم کر دیتے تھے، لوہا گرم کرنا یعنی عقل کو ابھارنا، دل کو ابھارنا، دل جب ابھر جائے تو پھر ایک نکتہ ہی کافی ہے۔

اگر در خانہ کس است يك حرف بس است

یعنی اگر گھر کے اندر کوئی ہے تو اس کے لئے ایک کلمہ ہی کافی ہے، اگر کوئی بھی نہیں ہے تو

بیشک آپ پوری تقریر جھاڑ دیں کچھ بھی نہیں ہوگا۔ پہلے رسول اللہ ﷺ نے دل ابوذرؓ کو ابھارا،

وہی کام جو خدا نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا وہی کام رسول اللہ ﷺ نے ابوذرؓ کے ساتھ کیا،

خداوند تعالیٰ نے رسول ﷺ کے ساتھ کیا کیا؟ مبعوث کیا،

بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا..... (۱۲)

بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا..... (۱۳)

بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا..... (۱۴)

خدا نے بعث کیا یعنی ابھارا، اللہ نے رسول ﷺ کو اس طرح سے اٹھایا کہ پھر اس رسول کو دنیا کی کوئی طاقت بٹھانے پہ قادر نہ ہو سکی اور یہی ابوذرؓ کے ساتھ ہوا، ابوذرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے چند منٹ میں اس طرح ابھار دیا کہ دنیا کی کوئی طاقت قادر نہیں تھی کہ ابوذرؓ کو چپ کرا سکے، ابوذرؓ کے اسلام لانے سے پہلے مسلمان موجود تھے لیکن ابوذرؓ نے جوں ہی سیکھا کہ أشہد ألا الہ الا اللہ تو فوراً جا کر کعبہ کی دیوار کے ساتھ کہ جہاں لوگ سنگسار کرنے کے لئے تیار تھے وہیں ببا ننگ دہل کہا أشہد ألا الہ الا اللہ، پانچ منٹ کے درس نے ابوذرؓ کو کیا بتایا گیا اور پھر خلافت کی پوری مشینری (Machinery) استعمال کی گئی، طاقت صرف کی گئی، جلاوطن کیا گیا، سزائیں دی گئیں اور ابوذرؓ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا گیا؟ لیکن ابوذرؓ کو خاموش نہیں کرا سکے۔

اکسانا یعنی درد پیدا کرنا، درس اگر درد پیدا کرے تو خوب ہے لیکن اگر درس ٹھنڈا کر دے تو

خوب نہیں ہے، علامہ اقبالؒ کو مدرسوں سے یہی شکوہ تھا کہ مدرسے درد پیدا نہیں کرتے ہیں بلکہ گلا دبا

دیتے ہیں،

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا

کہاں سے آئے صد لا الہ الا اللہ..... (۱۵)

گلا گھٹا ہوا ہو تو اس سے صدائے لا الہ الا اللہ نہیں آتی ہے، مدرسے کا کام درد پیدا کرنا ہے، انسان درد مند ہو، امام خمینیؒ کے اندر وہی درد تھا، انسان کو درد اٹھاتا ہے درس نہیں اٹھاتا ہے اور اسی کو ثورہ کہتے ہیں، درد کس طرح اٹھاتا ہے؟ دانت میں درد ہو تو پھر بیٹھنے دیتا ہے؟ سونے دیتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ پھر وہ انسان کو تگنی کا ناچ نچاتا ہے، یہ دانت کا درد ہے اور دانت کا درد جسمانی درد ہے الہی درد نہیں ہے، اگر الہی درد پیدا ہو جائے، بشریت کا درد پیدا ہو جائے تو پھر انسان نہیں بیٹھ سکتا ہے، اس دل کو کوئی بٹھا نہیں سکتا ہے، ممکن نہیں ہے کہ کوئی طاقت اس کو بٹھا سکے، چاہے اس کے قتل کے منصوبے بنائے، اسے ڈرائے، دھمکائے، لالچ دے، جو کچھ بھی کرے لیکن اس کے درد کو تسکین نہیں ملتی ہے۔ ابو ذرؓ میں وہی برا نیچتگی پیدا ہوئی، ثورہ پیدا ہوا، اب اس ابو ذرؓ کو ایک آیہ قرآن پڑھ کر سنائیں تو اس کے لئے کافی ہے۔

اثارة القرآن کی ضرورت

۱۹) اثارة القرآن کی ضرورت

آج سب سے بڑھ کر ضرورت یہ ہے کہ آئیں اور قرآن کے اوپر اپنی طاقت آزمائی کریں۔ اثارة القرآن کی شدید ضرورت ہے وَاللّٰہُ پڑے پڑے انسان کو کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا ہے۔ یہ کام مستنبط انسان کر سکتا ہے، فارسی میں اس کے لئے شوراندن کا لفظ استعمال ہوتا ہے یعنی کسی

کو برا بیچختہ کرنا، ابھارنا، اکسانا، اس کے اندر ایک ایسی حالت ایجاد کرنا کہ جس طرح سے آتش فشانی حالت ہوتی ہے، اس کے اندر ابھار پیدا ہو۔

قرآن ہمارے پاس موجود ہے لیکن جب تک قرآن کو ابھارنے والے، اکسانے والے اور قرآنی مسائل اور مطالب کے اسرار کو چھیڑنے والے نہ ہوں تو خود ہی خود قرآن اپنے خزانے باہر نہیں نکالتا ہے یعنی قرآن کے خزانے چشمے کی طرح خود ہی نکل کر باہر نہیں آتے ہیں کہ جب تک کوئی قرآن کو چھیڑے نہیں۔ لوگوں کے اندر قرآنی موضوعات چھیڑیں، چھیڑنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ قرآن کے اندر اپنی تفسیر بالرائے شروع کر دیں، البتہ یہ الگ موضوع ہے کہ تفسیر بالرائے کے کیا معانی ہیں، ہمیں قرآن کے اوپر اپنی بات ٹھونسنی نہیں ہے، قرآن کے اوپر تکمیل نہیں کرنا ہے، قرآن کو اپنے کسی مفاد پر تطبیق بھی نہیں کرنا ہے بلکہ ان سے پرہیز کرنا ہے، چھیڑنے سے مراد یہ بھی نہیں ہے کہ قرآن کو اپنے مدعا پر تطبیق کرنا شروع کر دیں یا قرآن کے اندر معاذ اللہ تحریف شروع کر دیں، یہ کام قرآن کے ساتھ نہیں کرنے ہیں بلکہ ان سے اجتناب کرنا ہے، اس سے مراد موضوعات قرآن کو ابھارنا ہے تاکہ یہ معاشرے کی عام گفتگو کے موضوع بن جائیں، گھر گھر میں قرآنی موضوع پر بحث ہو رہی ہو، مثلاً گلی محلے میں جب لوگ بات کر رہے ہوتے ہیں تو چھیڑا ہوا موضوع وہی ہوتا ہے کہ اخباروں میں بھی اسی پر گفتگو ہو رہی ہوتی ہے، گھروں میں بھی اسی پر گفتگو ہوتی ہے، دسترخوان پر بھی اسی پر گفتگو ہوتی ہے، بس، اڈے، چوک اور حتیٰ ٹیلیفون پر بھی اسی پر گفتگو ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ لوگ جو ایک دوسرے کو فضول ٹیلیفون کرتے ہیں اور کوئی بات نہیں بنتی ہے تو فقط کہتے ہیں اور سناؤ، اگر کوئی

موضوع چھڑا ہوا ہو تو فوراً اسی موضوع پر آ جاتے ہیں کہ یہ موضوع جو آج کل جاری ہے اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

موضوع قرآنی اگر چھڑے ہوئے ہوں تو اسی پر ایس ایم ایس (SMS) کریں، اسی پر ٹیلیفون کریں اور ظاہر ہے کہ چھڑے ہوئے موضوع پر دوسرے بھی مجبور ہو جاتے ہیں۔ جب ہم ایک موضوع چھیڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو سب مجبور ہوتے ہیں کہ اس موضوع پر سوچ بچار کریں، سب لوگ اس موضوع پر کہنے اور سننے کے بارے میں مجبور ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب اتنے لوگ مل کر ایک موضوع پر سوچیں بھی، کہیں بھی اور سنیں بھی تو خواہ مخواہ یہ موضوع لوگوں کو زیادہ فائدہ دیتا ہے اور یہ موضوع بھی پختہ تر ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس موضوع پر سوچ بچار کرنے کیلئے باصلاحیت اور با استعداد لوگ بھی ہوتے ہیں، اہل فضل اور اہل علم بھی ہوتے ہیں، اہل درایت اور اہل تحقیق بھی ہوتے ہیں، وہ جب اس موضوع کو لے کر آگے بڑھتے ہیں تو اس کے اچھے ثمرات آتے ہیں، ممکن ہے کہ کوئی اس موضوع پر اچھی تقریر کر دے، کوئی اچھا مقالہ لکھ دے، کوئی اچھی کتاب لکھ دے، اسی موضوع کے بارے میں ممکن ہے کہ کوئی اچھا کام ہو جائے، چھڑے ہوئے موضوعات کے اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے صدر المتاہینؒ فرماتے ہیں کہ استنباط یعنی قرآنی موضوعات کو ابھارنا، چھیڑنا، پھیلانا، ہوا دینا اور ان کے پیچھے لگ جانا، ان کے تعلقات و روابط و لوازمات کو کشف کرنا اور پھر اس کا نتیجہ لے کر اپنے لئے اور لوگوں کیلئے بیان کرنا اشد ضروری ہے۔

۲۰) قرآنی موضوعات کے احیاء کیلئے مہارت کی ضرورت

قرآنی موضوعات کو چھیڑنے، ہوا دینے اور ابھارنے کے لئے مہارت کی ضرورت ہے تاکہ وہ موضوع پہلے خود انسان کے اندر چھڑے، خود میرے اندر مسئلہ اٹھے، سوال بن کر ابھرنے تاکہ میں اس کی جستجو میں لگوں، میں اس کے بارے میں سوالات اٹھاؤں اور پھر ان سوالات کو جوابات میں تبدیل کروں، پھر اسکے بارے میں تحقیق کروں، انسان کے اندر ابھرا ہوا موضوع، چھڑا ہوا موضوع کہ جس کے بارے میں انسان کو الجھن ہوتی ہے اور جو انسان کا ہم و غم بن جاتا ہے تو پھر وہ اس مسئلے میں اپنے لئے اور دوسروں کیلئے جستجو کرتا ہے۔ یہ کام مستنبط انسان کر سکتا ہے، یہ تخصّص اور مہارت صدر المتألمین کے اندر موجود ہے یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ طباطبائیؒ ہیں، اگر دو چار افراد کے نام لئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی اور نہیں ہیں، بہت سارے بزرگان ہیں کہ جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں یہ کمال کیا ہے، انہوں نے بعض معارف کو چھیڑا ہے، ہوا دی ہے، ان مسائل کو اور ابھارا ہے، موضوع کے قابل اور بحث کے قابل بنایا ہے اور پھر دوسرے علماء نے آکر ان کے بارے میں بحث و گفتگو کی ہے۔

قرآنی علوم کو اور قرآنی معارف کو ابھارنے کی ضرورت ہے یعنی شعبہ قرآن سے متعلق ایسے متخصص اور ماہرین آئیں کہ جو آکر معارف قرآن کو چھیڑیں۔ قرآنی معارف کو ہوا دینے کی ضرورت ہے یعنی علمی ہوا دینے کی ضرورت ہے نہ کہ سیکھے کی کہ قرآن سامنے رکھ کر اس کو پنکھا جھلکتے رہیں یا فقط قرآن سے ہوا جھلتے رہیں اور کہیں کہ قرآنی موضوعات کو ہوا دے رہے ہیں، قرآنی

موضوعات کو ہوا وہ دے سکتے ہیں کہ جو معارف قرآنی میں مہارت رکھتے ہوں، جو قرآن کے ساتھ انس رکھتے ہوں، جن کا قرآن کے اندر تخصص ہو اور بہت سارے لوگوں نے یہ کام کیا ہے، خود صدر المتألهینؒ کہ جن کی کتاب کا متن ہم اس کتاب میں وقتاً فوقتاً ملاحظہ کر رہے ہیں اور یہ آداب قرآن ان کی کتاب سے درج کر رہے ہیں چونکہ مفاہیج الغیب قرآنی علوم کے مقدمہ کے طور پر لکھی گئی ہے، انہوں نے یہ کام کیا ہے، اتفاقاً ایک شخص اس بزرگوار ہستی کو یہ بھی حاصل تھا کہ انہوں نے بہت سارے معارف کو چھیڑا ہے، ابھارا ہے کہ جو دوسروں کے ہاں فراموش شدہ اور مفقود تھے اور ان کے بارے میں کوئی بحث و گفتگو نہیں ہوتی تھی۔

مرحوم علامہ طباطبائیؒ نے معارف قرآنی کو ایک مستنبط کے طور پر ابھارا ہے اور معارف قرآنی کو پیش کیا ہے لیکن چونکہ ہمارا معاشرہ قرآنی معاشرہ نہیں ہے تاکہ یہ بحثیں پھر سے چھڑ جائیں، علم اصول کی ایک بحث چھیڑیں تو فوراً چھڑ جاتی ہے، فقہ کی باتیں چھیڑیں تو وہ بھی چھڑ ہی جاتی ہیں لیکن قرآن کا کوئی موضوع چھیڑیں تو وہ نہیں چھڑتا ہے، یہ اتنا ٹھنڈا ہے کہ اس کو مثلاً آپ بہت بڑے ٹربائن (Turbine) کے ذریعے بھی ہوا دیں تو بھی اصلاً اس کے اندر یہ ہوا نہیں پھیلتی ہے اور دوسروں تک سرایت نہیں کرتی ہے، جب ہم سنتے ہیں کہ قرآن کہ بارے میں فلاں نے یہ گفتگو کی ہے، یہ اظہار نظر کیا ہے تو لوگ اس کو لے کر آگے نہیں بڑھتے ہیں۔

پس قرآن کو اٹارہ کی ضرورت ہے، نہیں ابھاریں گے، نہیں اکسائیں، نہیں چھیڑیں گے تو قرآن آپ کو کچھ بھی نہیں دے گا جیسے زمین کو چھیڑنے کی ضرورت ہے تاکہ فصل اگ جائے، اگر

زمین کو نہیں چھیڑیں گے تو کچھ بھی نہیں ہوگا، جانوروں کے لئے گھاس اگ آئے گی لیکن آپ کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا، جب تک آپ زمین میں ہل نہیں چلائیں گے، جب تک آپ اس میں اٹارہ و ثورہ ایجاد نہیں کریں گے۔ لہذا اگر کوئی موضوعات قرآن کو چھیڑے تو یہ تخصّص اور فن کسی کے پاس ہونا چاہئے۔

عالم بنیادی طور پر اسی ہنرمند انسان کا نام ہے کہ جو چھیڑنا جانتا ہو، عالم قرآنی اسی کو کہتے ہیں کہ جو قرآنی معارف کو چھیڑ سکتا ہو، اپنے اندر بھی چھیڑ سکتا ہو اور معاشرے کے اندر بھی چھیڑ سکتا ہو اور قرآنی معارف کے اندر سے پنہاں اسرار کو اور حکمتوں کو باہر نکال کر انسانی ہدایت کے لئے آمادہ کر کے پیش کر سکتا ہو، وہ اس کے دونوں کام جانتا ہو، پہلے قرآن سے حکمت کو نکالے، ضبط کرے، استنباط یعنی اس بحر قرآن کے عمق سے اور اس کی تہہ سے ان جواہر و گوہر کو باہر نکالے اور نکال کر پھر ایک اچھے بیان کے ساتھ اور ایک مناسب انداز میں لوگوں کے سامنے پیش بھی کرے اور ایسی مثالیں فراواں ہیں۔

اگر ایک مستنبط انسان کی مثال دی جائے تو شہید مطہریؒ کی مثال ہے کہ کس خوبصورتی سے یہ انسان دینی معارف کے اندر اترتا اور اس نے دینی موضوعات کو چھیڑا، اس انسان نے چھیڑ کر خوبصورتی سے وہ حقائق اور حکمتیں نکالی اور نکال کر اپنی نسل کے لئے پیش کیں، پہلے اپنی نسل کو دیکھا، اتفاقاً شہید مطہریؒ نے فرمایا کہ میں نے دو آنکھوں سے دو چیزیں دیکھیں، جب میں نے اس زمانے میں رائج دین اسلام پر نگاہ ڈالی تو مجھے اسلام کا ایک عجیب چہرہ نظر آیا اور پھر جب میں نے

اپنی موجودہ نسل پہ نگاہ ڈالی تو مجھے اس کا عجیب تر چہرہ نظر آیا، پھر اس کے بعد اس شخصیت نے اسلام کے اندر، دین کے اندر غواصی کی اور دین کی گہرائی میں اتر کر استنباط کیا لہذا یہ مستنبط انسان ہے، یعنی انہوں نے بحر دین سے قیمتی گوہر نکالے اور نکال کر ایک خوبصورت بیان کے ساتھ اپنی نسل کو پیش بھی کئے لہذا بہت ساری چیزیں شہید مطہریؒ سے پہلے چھڑی ہوئی نہیں تھیں، شہید مطہریؒ نے ان موضوعات کو چھیڑا، دوسروں نے آکر بعض کو جاری رکھا اور بعض کو جاری بھی نہیں رکھ سکے، ظاہر ہے کہ اس طرح کی کوئی شخصیت پیدا ہو کہ جو ان موضوعات کو آگے بڑھا سکے اور اگلے مرحلے میں ان کو داخل کر سکے، ظاہر ہے کہ پہلا کام پہلا کام ہوتا ہے، تکمیل دوسرے کرتے ہیں۔

شہید مطہریؒ نے اس نسل کے لئے پہلا قدم اٹھایا اور ظاہر ہے کہ اسی نسل میں کچھ اور لوگ ہوں کہ جو اس کام کو اگلے مرحلے میں داخل کریں۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ جب انسان معارف دینی کو چھیڑنے جاتا ہے، استنباط کرنے جاتا ہے اور وہاں سے اپنی ہدایت کا سامان دریافت کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کے اندر فراواں علوم اور فراواں موضوعات موجود ہیں لیکن اسے یہ دیکھنا چاہئے کہ میں ترجیحات کی بنیاد پر اور پھر ترتیب کے ساتھ استنباط کروں، آخری چیز پہلے دن استنباط نہ کروں اور پہلی چیز آخری دن کے لئے نہ رکھ دوں اور یہ ہوتا بھی ہے کہ بعض پڑھتے ہیں لیکن بے ڈھنگا پڑھتے ہیں، آخری کتاب کا پہلے دن مطالعہ کرتے ہیں اور پہلی کتاب کا آخری دن، جب فارغ التحصیل ہوتے ہیں تو ان کو یاد آتا ہے کہ کتاب الامثلہ بھی پڑھنی تھی، صرف بھی آنی چاہئے، صرف کے بغیر تو مولانا نہیں ہوں لہذا پہلے دن پہلی چیز پڑھے اور آخری دن آخری چیز پڑھے، اسفار پہلے دن کی

قرآنی موضوعات کے احیاء کیلئے مہارت کی ضرورت

کتاب نہیں ہے، امثلہ سے شروع کریں اور اسفار آخری دن پڑھیں یعنی ترتیب کے ساتھ پڑھیں۔
 قرآن میں اہم ترین علوم تین چیزیں ہیں کہ جو معارف قرآنی کو چھیڑنے سے حاصل ہوں
 گی ایک احکام یعنی احکام الہی، دوم نظام یعنی نظام الہی اور سوم علوم، اگر قرآنی موضوعات چھڑ جائیں
 تو یہ تین چیزیں تحفہ ہیں، یہ ہر نسل کیلئے قرآن کا ہدیہ ہیں، جو نسل بھی قرآن کو چھیڑ دے گی تو قرآن
 اسے یہ سب کچھ عطا کر دے گا کیونکہ قرآن کے پاس اتنا ذخیرہ موجود ہے۔

(۲۱) اشارہ قرآن نہ کرنے کا نقصان

عموماً اگر سادہ سا ساز دیکھیں کہ جس کو ستار یا گٹار کہتے ہیں، پہلے کسی زمانے میں چھوٹا تھا تو
 دیکھتا تھا کہ انہوں نے سادہ سا ساز بنایا ہوتا تھا، کدو میں سوراخ کر کے اس کے اندر ڈنڈا لگا کر پھر
 اسکے ساتھ تاریں جوڑ کے انہوں نے سادہ سا ایک گھریلو ساز بنایا ہوتا تھا، یہی صنعتی دنیا میں آ کر ذرا
 ماڈرن (Modern) ساز بن گیا ہے لیکن اس کا بنیادی فارمولا ایک ہی ہے، یہ تاریں اگر کسی گھر
 میں اسی طرح سے رکھی رہیں کہ جیسے ڈیکوریشن پیس (Decoration piece) کے طور پر لوگ
 نے ابھی گھروں میں ساز لٹکایا ہوتا ہے، ساز کا ماڈل یا خود ساز کا آلہ، بعض مومنین کے گھروں میں
 جائیں تو ظاہر ہے کہ روح کی غذا ہے، مومنین کو بھی روح کی غذا چاہئے بالآخر مومنین نے گھروں میں
 ڈیکوریشن پیس کے طور پر یہ ساز لٹکایا ہوتا ہے، اس میں غور کریں کہ اگر یہ ساز اسی طرح سو سال تک
 بھی گھروں میں ڈیکوریشن پیس کے طور پر سجا رہے اور کوئی بھی اس کے تاروں کو نہ چھیڑے تو اس میں

اشارہ قرآن نہ کرنے کا نقصان



سے کوئی آواز نہیں نکلتی ہے، سو سال پہلے یہ دادایا نانا نے خریدا تھا، باپ کو بجانا نہیں آتا ہے پھر پوتے کو بھی نہیں آتا ہے لیکن انہوں نے ڈیکوریشن پس اور نانا جان کی نشانی کے طور پر رکھا ہوا ہے، یہ ساز خاندانی وراثت ہے۔

سو سال سے اس میں آواز پیدا نہیں ہوئی ہے، کوئی نغمہ، کوئی سر پیدا نہیں ہوا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ یہ ٹھہرا ہوا اور رکھا ہوا ساز ہے، اس کو کسی نے چھیڑا نہیں ہے حتیٰ اگر کسی بچے کا ہاتھ کھیلتے کھیلتے بھی اس تار پر لگ جائے تو وہیں سے ایک آواز پیدا ہو جاتی ہے، ساز وہ ہیں کہ جن کو چھیڑنے سے نغمے پیدا ہوتے ہیں، ساز ان تاروں کے اندر ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی انہیں نہیں چھیڑے تو ہزار سال تک یہ ساز خاموش ہی رہتے ہیں، سازوں کو خدا نے بہت صبور بنایا ہے البتہ اگر خدا نے بنایا ہو تو بہت صبور ہے، یہ کبھی بھی اپنے راز نہیں اگلے ہیں، جو سازوں کو نہیں چھیڑتے ہیں ان کے لئے ساز اپنا کوئی راز نہیں اگلے ہیں لیکن جو سازوں کو چھیڑنے کا فن جانتے ہیں، بڑے بڑے ماہر موسیقار گزرے ہیں، ایک سے ایک بڑا موسیقار، بڑے موسیقار ہونے کی علامت کیا ہے؟ کہ جو سازوں کو زیادہ مہارت سے چھیڑ کر سازوں کی صدا اور سوز کو زیادہ نکال سکتا ہے، اسی کو موسیقی دان کہتے ہیں، بعد میں یہ عیاشوں کے ہاتھ چڑھ جاتے ہیں اور اس سے وہ لہو و لعب و طرب و دھمال شروع کر دیتے ہیں لیکن موسیقار کو کبھی بھی آپ نے دھمال ڈالتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا، جو علوم موسیقی کے ماہر ہیں، علوم موسیقی کے ماہر کون لوگ ہیں؟ جو جانتے ہیں کہ موسیقی کے اندر یا سازوں کے اندر، تاروں کے اندر نحفہ نغمے کون سے ہیں؟ اور ان نغموں کو چھیڑنے کا طریقہ جانتے ہیں اور دوسروں کو بھی سکھاتے

ہیں، یہ استادِ موسیقی ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے آپ دیکھیں کہ کتنے خوبصورت ترنم سے پڑھتے ہیں، ظاہر ہے کہ سُریں تو اچھی ہوتی ہیں، گانے کے اوپر سُریں لگاتے ہیں، ہمیں تو سُراچھی لگتی ہے اور اس کو قصیدے اور نوحے پر منتقل کر دیتے ہیں لیکن چاشنی تو اس کے اندر وہی رہتی ہے، یہ ہنر کس نے دکھایا؟ یہ ہنر اسی نے دکھایا کہ جس کو اس ساز کے اندر موجود یا اس تار کے اندر موجود راز کا پتہ ہے اور انہوں نے اسے چھیڑا اور اس کا طریقہ بتایا، اگر ان کو نہ چھیڑیں تو ہزاروں سال بھی یہ ساز خاموش پڑے رہیں گے اور کچھ بھی نہیں کہیں گے۔

انسان اگر قرآن کو نہ چھیڑے تو ہزاروں سال رکھا رہے گا اور کچھ بھی نہیں کہے گا، اگر پوری نسل کے اندر کسی کو قرآن چھیڑنے کا طریقہ نہیں آتا ہے تو قرآن ہزار سال خاموش بیٹھا رہے گا اور کچھ بھی نہیں دے گا لیکن اسی نسل کے اندر ایک ایسا شخص پیدا ہو جائے کہ جس کو قرآن آجائے تو قرآن خود اس کا راہنما بن جاتا ہے اور اپنے ثمرات دینا شروع کر دیتا ہے۔

۲۲) قرآن گفتگو کرتا ہے

امیر المومنین علیؑ نے بھی فرمایا ہے کہ قرآن بولتا ہے، تنطق کرتا ہے،

ذَلِكَ الْقُرْآنُ فَاسْتَنْطِقُوهُ..... (۱۶)

یہ قرآن (اللہ کا کلام) ہے پس تم لوگ اس کے بولنے اور نطق کو طلب کرو.....

قرآن کو استنطاق کرو، استنطاق یعنی اسے بولنے پر مجبور کرو، قرآن کیسے بولے گا؟ اس کو

چھیڑو، مثلاً آپ کسی گھر میں جاتے ہیں تو وہاں شرمیلا بچہ ہوتا ہے، والدین اس سے کہتے ہیں کہ جاؤ آغا کو سلام کرو، وہ سلام کرنے آتا ہے تو بیچارے کی نہ آواز نکلتی ہے، نہ آنکھیں کھلتی ہیں اور جھجھکتا ہوا، شرماتا ہوا آتا ہے لیکن اگر مہمان بچے کو چھیڑنے کا طریقہ جانتا ہو، بعض مہمان ایسے ہوتے ہیں کہ بچے کی شرم دیکھ کر مہمان کو بھی شرم آنا شروع ہو جاتی ہے لیکن بعض بچوں سے جلدی مانوس ہو جاتے ہیں، شرمیلا بچہ آئے تو ایک منٹ میں اس بچے کی ساری شرم وحیا دور کر کے اس کے ساتھ آزادی سے ہم کلام ہو جاتے ہیں یعنی بچوں کو چھیڑنا، اگر آپ بچے کو نہیں چھیڑ سکتے ہیں تو آپ جتنی دیر بھی گھر میں رہیں گے وہ بھی کسی کونے میں چھپا کھڑا رہے گا لیکن اگر آپ بچے کو چھیڑنے کا طریقہ جانتے ہیں اور پھر بچے کو چھیڑیں گے تو وہ ایک دم آپ کے ساتھ باتیں بھی کرنے لگے گا اور آپ سے مانوس بھی ہو جائے گا۔ اس موضوع کیلئے بہت میدان ہیں، صرف استنباط کا مطلب سمجھانے کیلئے کہ استنباط کا معنی چھیڑنا ہے فراواں مثالیں ہیں مثلاً موضوع چھیڑنا ہے، زمین کو چھیڑنا ہے، چھیڑ کے اس چیز کے اندر پنہاں چیز کو باہر نکالنا ہے، زمین کے اندر گنج خفہ موجود ہیں لیکن جو چھیڑنا جانتے ہیں انہوں نے نکال لئے ہیں۔

قرآن گفتگو کرتا ہے

حوالہ جات

- (۱).....(التفسیر و المفسرون)(پیام امام امیرالمؤمنین علیہ السلام)
(بہج الصباغة فی شرح نہج البلاغة)
- (۲).....(سورة مبارکہ واقعہ، آیہ ۷۹)
- (۳).....(بانگ درا، حصہ سوم، عنوان: طلوع اسلام، صفحہ ۲۶۸)
- (۴).....(دیوان حافظ شیرازی، از روی نسخہ تصحیح شدہ علامہ محمد قزوینی، کلام ۱۳۳، صفحہ ۱۱۲)
- (۵).....(ترجمہ نہج البلاغة - انصاریان)(بہج الصباغة فی شرح نہج البلاغة)(تمام نہج البلاغة)(تصنیف نہج البلاغة)(شرح نہج البلاغة - المقتطف من بحار)(شرح نہج البلاغة - ابن ابی الحدید)(منہاج البراعة - الراوندی)(قرآن در آئینہ نہج البلاغة)
- (۶).....(نظرات معاصرہ فی القرآن الکریم)(اتجاهات التفسیر فی القرن الرابع عشر، الجزء ۱، ۳۶۹)(الاتقان فی علوم القرآن، الجزء ۴، صفحہ ۲۲۶)(البرهان فی علوم القرآن)(التفسیر والمفسرون، الجزء ۲، صفحہ ۲۶۳)(البرهان فی علوم القرآن، الجزء ۲، صفحہ ۱۵۴)
- (۷).....(بحار الانوار، الجزء ۶۷، صفحہ ۲۴۹)(جامع الخبار، الجزء ۱۲، صفحہ ۱۰۰)(الرواشم السماویة، الجزء ۱، صفحہ ۱۷۶)
- (۸).....(شرح نہج البلاغة - جعفری)

- (۹).....(مبانی نقد متن الحدیث)
- (۱۰).....(سورہ مبارکہ زلزلہ، آیہ ۸، ۷)
- (۱۱).....(تفسیر نور الثقلین)
- (۱۲).....(سورہ مبارکہ جمعہ، آیہ ۲)
- (۱۳).....(سورہ مبارکہ آل عمران، آیہ ۱۶۴)
- (۱۴).....(سورہ مبارکہ فرقان، آیہ ۴۱)
- (۱۵).....(بال جبریلؑ، کلام ۲۳، صفحہ ۴۶)
- (۱۶).....(الانسان الکامل فی نہج البلاغۃ، الجزء ۲، صفحہ ۱) (بہج الصباغۃ فی شرح نہج البلاغۃ) (پیام امام امیر المؤمنینؑ) (ترجمہ نہج البلاغہ - انصاریان) (قرآن در نہج البلاغہ) (قرآن در آئینہ نہج البلاغہ) (مہدی منتظر در نہج البلاغہ) (شرح نہج البلاغہ - ابن ابی الحدید)

فصلِ ادبِ پنجم

﴿استنباط﴾

(حصہ سوم)

- ۱) قرآنی موضوعات کا اثارہ، نظم و ترتیب کے ساتھ
- ۲) توحید، قرآن کا بنیادی موضوع
- ۳) معرفتِ خدا ایک حد تک مقدور ہے
- ۴) اسماء اللہ، معرفتِ خدا کا پہلا باب
- ☆ آیات کے آخر میں اسماء اللہ کی حکمت
- ☆ دعائے جوشن، خزانۂ اسماء اللہ
- ۵) افعالِ الہی، معرفتِ خدا کا دوسرا باب
- ☆ فعلِ الہی سے مراد
- ۶) افعالِ الہی کے دو چہرے
- ۷) بابصیرت انسان کی دید
- ۸) کتابِ تکوینی خدا کی تفسیر کی ضرورت
- ۹) فعل سے فاعل کا استنباط
- ۱۰) کوئی شے خدا کے مقابلے میں نہیں

- ۱۱) اشیاء کی حقیقی دید کی ضرورت
- ۱۲) فیضِ اقدس اور فیضِ مقدس
- ۱۳) باطل الوجود اور باطل الذات کا مطلب

www.ziaraat.com
jahir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

۱) قرآنی موضوعات کا اشارہ، نظم و ترتیب کے ساتھ

صدر المتألهینؑ کا اس بات پر اصرار ہے کہ قرآن کی آیات سے علوم کو استنباط کیا جائے۔ آیات قرآن نے بہت سارے علوم کی طرف راہنمائی کی ہے لیکن انسان قرآن کی بارگاہ میں جائے تو ابتدائی موضوعات کو پہلے چھیڑے یا پہلے وارد ہو چونکہ قرآنی موضوعات کے اندر ترتیب ہے، ایک موضوع کو چھیڑیں تو اس موضوع کے اندر دوسرا موضوع موجود ہے، خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن کو اس طرح سے تدوین کیا ہے، الگ الگ کتابیں نہیں ہیں، پہلے ہمارے بہت سارے علوم اسی طرح سے تھے مثلاً فلسفے کے اندر بہت سارے علوم موجود تھے لیکن آہستہ آہستہ علوم نے بغاوت کی اور اعلان آزادی کر دیا، اب ان علوم کا فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں ہے مثلاً ریاضیات پہلے فلسفہ میں تھی، طبیعیات یا فزکس (Physics) یہ کسی زمانے میں فلسفی علوم تھے لیکن آہستہ آہستہ ان کو استقلال حاصل ہوا۔

حوزوی علوم میں منطق جزو فلسفہ تھا لیکن اس نے بھی اعلان آزادی کر دیا، علم اصول جزو علم فقہ ہے، مقدمات علم فقہ میں سے ہے، یہ اصالی علم نہیں ہے بلکہ ایک ضمنی علم ہے جو کہ ہمیں فقہ پڑھنے کے لئے چاہئے لیکن علم اصول نے سب سے زیادہ بغاوت کی اور فقہ سے بھی زیادہ ترقی کی، اب فقہ کی کتاب چھوٹی ہوتی ہے اور اصول کی کتاب بڑی ہوتی ہے، اس طرح سے ہر علم نے اپنا اعلان استقلال کیا لیکن ابھی قرآن میں ایسا اتفاق رونما نہیں ہوا ہے کہ قرآنی موضوعات نے بھی اعلان استقلال کیا ہو، جس طرح خداوند نے ان کو ترتیب دیا تھا یہ ویسے موجود ہیں یعنی ایک علم

ہے، اس علم کو آپ کھولیں تو اس کے اندر علم دیگر ہے، پھر اس علم کو بھی کھولیں تو اس کے اندر علم دیگر ہے، اسی طرح انسان تہہ بہ تہہ قرآنی موضوعات کے اندر اترتا جاتا ہے اور یہ اس آئیہ میں بھی موجود ہے کہ

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا..... (۱)

اور جن لوگوں نے ہمارے حق میں جہاد کیا ہے ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے.....

یہ راستے انہیں کس طرح بتائے جائیں گے؟ آپ پہلے کمرے میں آئیں، پہلے کمرے میں ہی ایک دروازہ دوسرے کمرے کے لئے کھلتا ہے لیکن بعض باہر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ نہیں سارے کمرے کی چابیاں ہمارے پاس ابھی ہونی چاہئیں، یہ نہیں ہو سکتا ہے، پہلے کمرے میں جاؤ وہاں آپ کو دوسرے کمرے کی چابی دے دی جائے گی پھر دوسرے میں جاؤ، وہاں تیسرے کمرے کی چابی لٹکی ہوئی ہے، پہلا علم پڑھو تو پہلے علم کے اندر دوسرے علم کا، دوسرے علم کے اندر تیسرے علم کا، تیسرے علم کے اندر چوتھے علم کا میدان موجود ہے۔

توحید، قرآن کا بنیادی موضوع

(۲) توحید، قرآن کا بنیادی موضوع

شرافت اور عظمت کے لحاظ سے علوم میں فرق ہے، اشرف العلوم اور باعظمت ترین علم کہ جو انسان کی دنیا و آخرت کی سعادت اور تکامل انسان کے لئے لازمی ہے وہ علم الہی و علم توحید ہے اور

اس کے بعد علمِ اسماء اللہ ہے، علمِ صفاتِ الہی ہے اور علمِ افعالِ خداوند تبارک و تعالیٰ ہے۔

پہلا علم جو قرآنی معارف میں سے ہے کہ جس کو چھیڑیں تو پھر اس کے اندر سے انسان کے لئے علومِ فراواں نکلتے ہیں، فرمایا وہ علم تو حید ہے، علمِ خدا ہے، ذاتِ خدا کے بارے میں انسان کی معرفت ہے، یہ قرآن کا پہلا علم ہے، اس کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ متنِ قرآن ہے باقی سب حاشیہ قرآن ہے، تو حید متنِ قرآن ہے، تو حید متنِ دین ہے، امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

أَوَّلُ الدِّينِ مَعْرِفَتُهُ..... (۲)

اولِ دین اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے.....

اساسِ دین، بنیادِ دین یا اولِ دین معرفت ہے، یہ گنتی کا اول نہیں ہے کہ اولِ دین معرفت و ثانیہ دین فلاں، جس طرح سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ

أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَيَّ بَابُهَا..... (۳)

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں.....

تو کچھ لوگوں نے کہا کہ پھر یہ حدیث ناقص ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اور مناسبتوں سے فرمایا کہ فلاں کھڑکی ہے، فلاں روشن دان ہے، آخر شہر کی تو کھڑکیاں نہیں ہوتی ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ علم کہا ہے نہ کہ بیت العلم، مدینہ کی کھڑکیاں اور روشن دان نہیں ہوتے بلکہ دروازہ ہوتا ہے لہذا انہوں نے وہ حدیثیں جالی بنالی ہیں۔

یہ جو اولِ دین کہا ہے تو اس اول کا معنی ثانی کے مقابلے میں نہیں ہے کہ ثانی دین بھی کوئی

چیز ہے، دوسری اساس الدین بھی کوئی چیز ہے، اول الدین یعنی بنیاد، اساس اور پھر اس کے اوپر دین کی جتنی عمارت تعمیر ہوگی یہ اسی اساس پر تعمیر ہوگی۔

أَوَّلُ الدِّينِ مَعْرِفَتُهُ.....

یعنی معرفتِ خدا اساسِ دین ہے، اس علم سے جو دین شروع ہوگا وہ درست دین ہے، وہ

انسان کو خدا تک پہنچاتا ہے،

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (۴)

ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں۔

یعنی خدا سے شروع کرنا ہے اور خدا تک پہنچنا ہے لیکن جو معرفت خدا سے شروع نہ ہو، جو

دین خدا سے شروع نہ ہو، جو علم خدا سے شروع نہ ہو وہ ہرگز خدا تک نہیں پہنچتا ہے اور نہ ہی وہ دین خدا

تک پہنچاتا ہے کہ جس کا آغاز خدا سے نہ ہو، پس مدرسے والوں کے لئے، مومنین کے لئے، عوام کے

لئے اور سب کے لئے اساسی علم یا بنیادی علم تو حید ہے، علمِ تو حید سے مراد فقط وحدانیت نہیں ہے،

علمِ تو حید الہیات کا عنوان ہے، الہیات یعنی خدا کے بارے میں، اللہ تعالیٰ کے بارے میں، الہ کے

بارے میں معرفت، اللہ کی معرفت۔ کچھ معرفتیں کسی حد تک انسان کے لئے مقدور ہیں کہ جو خداوند

تبارک و تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ہیں، کہہ خدا کی معرفت کوئی بھی حاصل نہیں کر سکتا ہے،

حقیقتِ خدا کیا ہے؟ یہ کسی کے لئے مقدور نہیں ہے، غیر اللہ کے لئے مقدور نہیں ہے، حقیقتِ ذاتِ

خدا، رازِ ذاتِ خدا، کہہ ذاتِ خدا، یہ خدا کے علاوہ کسی پر منکشف نہیں ہے، نہ فرشتے پر، نہ نبی پر، نہ

ولی پر اور نہ کسی اور پر۔

۳) معرفتِ خدا ایک حد تک مقدور ہے

انسان کیلئے معرفت ایک حد تک مقدور ہے، البتہ انسانوں کے درجات ہیں، ظاہر ہے کہ ملائکہ کے لئے ایک حد تک مقدور ہے، انسانوں کے لئے ایک حد تک مقدور ہے اور انسانوں میں بھی معصوم کے لئے اور غیر معصوم کے لئے سب کی درجہ بندی ہے لیکن ہر ایک کے لئے معرفتِ خداوند تبارک و تعالیٰ کی ایک مقدارِ معین، ایک حدِ معین اور معرفتِ خداوند تبارک و تعالیٰ کا ایک طے شدہ راستہ کھلا ہوا ہے چونکہ اگر ہم کہیں کہ سرے سے معرفتِ خدا کا باب تعطل کا شکار ہے تو اس صورت میں دین کی ساری بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ انسان کا خدا سے رابطہ ہے، ہر ذرے کا خدا سے رابطہ ہے، ہر مخلوق کا خدا سے رابطہ ہے لیکن مخلوق کی حد تک رابطہ ہے نہ کہ خدا کی حد تک رابطہ ہے، خدا لامحدود ہے اور مخلوق محدود ہے، پس یہ محدود اور لامحدود کا رابطہ محدود در رابطہ ہوتا ہے۔

جیسے آپ منطق میں پڑھتے ہیں کہ اگر ہم قیاس تشکیل دیتے ہیں، صغریٰ و کبریٰ کو قیاس بناتے ہیں تو نتیجہ ہمیشہ اخص سے مقدمہ کے تابع ہوتا ہے یعنی نتیجہ پست مقدمے کے اور ادنیٰ مقدمے کے تابع ہوتا ہے جیسے پہلے مثالیں دی تھیں کہ ایک اچھے اور برے انسان کی دوستی ہمیشہ بری ہوتی ہے چونکہ مقدمہ پست حصے اور پست جزو کے مطابق ہوتا ہے، اگر آپ ایک برتن میں بڑی مقوی غذا دو ڈالیں اور ساتھ تھوڑا زہر بھی ڈالیں تو نتیجہ زہر نکلے گا، یہ پورا مجموعہ زہر بن جائے گا،

مقوی نہیں بنے گا چونکہ مجموعے کا نتیجہ ہمیشہ گھٹیا جزو اور گھٹیا حصے کے مطابق ہوتا ہے لہذا اچھے اور بُرے لوگوں کی مجلس میں ہمیشہ برانیتجہ نکلتا ہے، وہ بری محفل بنتی ہے اور ہمیشہ بری صحبت میں شمار ہوتی ہے چونکہ نتیجہ گھٹیا جزو کے مطابق شمار کیا جاتا ہے۔

پس انسان محدود ہے، خدا لا محدود ہے، محدود اور لا محدود کا رابطہ محدود ہوگا یعنی جتنا یہ اس سے محدود ہے اتنا ہی اس کا رابطہ ہوگا اور مخلوقات کی حدود مختلف ہیں، کچھ مخلوقات کی حدود بڑی اور وسیع ہیں لیکن کچھ مخلوقات کی حدود بہت تنگ ہیں، جیسے ذہن ہے کہ بعض ذہن بہت چھوٹے اور بعض بند ذہن ہیں، بعض تھوڑے بڑے اور کھلے ذہن ہیں، کہتے ہیں کہ فلاں وسیع النظر انسان ہے، وسیع النظر انسان ہے، وسیع النظر انسان کی دنیا بہت بڑی ہوتی ہے، تنگ دل انسان کی دنیا بہت چھوٹی ہوتی ہے۔

بعض متدینین و مومنین کے بارے میں یہ لطیفہ بنایا ہوا ہے کہ یہ جنت میں جائیں گے تو ان کیلئے جنت میں ایک چار دیواری بنی ہوگی اور اس پر خاردار تار لگی ہوگی، آگے درخت اور پیچھے یہ ہوں گے، باقی سارے بہشتی کھلے میدان میں ہوں گے، پوچھا جائے گا کہ ان کو یہاں کیوں رکھا گیا ہے؟ جواب یہ ملے گا کہ جب یہ دنیا میں تھے تو ان کی ذہنیت یہ تھی، ان کا اعتقاد یہ تھا کہ فقط ہم جنت میں جائیں گے اور ہمارے علاوہ کوئی بھی جنت میں نہیں جائے گا تو اب جب یہ بندگانِ خدا جنت میں آئیں گے تو دیکھیں گے کہ سب جنت میں ہیں تو ان کا دل ٹوٹے گا، اس وجہ سے ان کی جنت کو دیوار بنا کر محدود رکھا گیا ہے تاکہ ان کو یہی معلوم ہو کہ فقط ہم جنت میں ہیں۔

تنگ نظر انسان کی جنت بھی بہت تنگ ہے، وسیع النظر انسان کی دنیا بہت وسیع ہے، بعض حکماء کے بقول ہر انسان ایک الگ دنیا میں رہتا ہے، ہر انسان کی کوئی دنیا ہے؟ جتنی اس کی نظر ہے، ہر انسان کی نظر کے مطابق اس کا جہان ہے، اگر وسیع انسان ہے تو اس کا جہان بہت وسیع ہے، تنگ انسان ہے تو اس کا جہان بھی بہت تنگ ہے اور یہی مطلب مولانا روم نے خداوند تبارک و تعالیٰ کے بارے میں بھی ذکر فرمایا ہے کہ

ہر کسی از ظنّ خود شد یار من

از درون من نجست اسرار من (۵)

یعنی ہر انسان اپنے گمان کے مطابق میرے ساتھ مرتبط ہے ورنہ جتنی میری حقیقت ہے اس طرح کوئی بھی میرے ساتھ مرتبط نہیں ہے،

ہر کسی از ظنّ خود شد یار من

یعنی اپنے گمان کے مطابق میری طرف آیا ہے ورنہ

از درون من نجست اسرار من

اور معلوم بھی نہیں ہو سکتا ہے لہذا ہر انسان کو مقدر بھر حد تک معرفتِ خدا میسر ہے اور یہ ممکن

ہے لیکن اتنی مقدر بھر معرفت کے لئے بھی کوشش کرنی پڑے گی اور سب سے بہترین منبع قرآن ہے۔

۴) اسماء اللہ، معرفتِ خدا کا پہلا باب

معرفتِ خداوند تبارک و تعالیٰ کے لئے بابِ اصلی معرفتِ اسماء اللہ ہے، خداوند تبارک و تعالیٰ کے بارے میں سب سے پہلی معرفت کہ جہاں سے ہم معرفتِ خدا کا آغاز کریں وہ معرفتِ اسماء اللہ ہے، حضرت امام صادق علیہ السلام سے یہ حدیثِ اصولِ کافی میں مرحوم کلینی نے بابِ اشتقاقِ اسماء میں نقل کی ہے کہ امام علیہ السلام سے کسی شخص نے آ کر سوال کیا کہ اتنے زیادہ اسماء اللہ ہیں، ان کی حکمت کیا ہے؟ خدا نے اتنے زیادہ اسماء کیوں اختیار کئے ہیں؟ اول اس کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ جو رائج ہے کہ اسماء اللہ ننانوے ہیں، ایسا نہیں ہے، اسماء اللہ لامحدود ہیں، اسماء اللہ کی کوئی حد نہیں ہے، یہ جو تدوین کئے گئے ہیں یہ تعلیم کے لئے تدوین کئے گئے ہیں، یہ ننانوے ہیں نہ یہ کہ فقط یہی اسماء اللہ ہیں، لامنتہی یعنی ان اسماء اللہ کی کوئی انتہا نہیں ہے، ہمیں ننانوے سمجھ میں آئے ہیں یعنی یوں کہیں کہ ہم ننانوے درجے کی حد تک آگے پہنچ سکے ہیں والا ابھی اس سے آگے بھی ماجرا ہے اور اس سے آگے بھی اسماء اللہ کی دنیا ہے۔

اسماء اللہ، معرفتِ خدا کا پہلا باب

جب اس شخص نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ ان اسماء کی حکمت اور فلسفہ کیا ہے تو امام علیہ السلام نے بہت خوبصورت تعبیر بیان فرمائی اور فرمایا کہ ان اسماء کو خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنی معرفت کے دروازے قرار دیا ہے، یہ اسماء ابوابِ معرفتِ خدا ہیں اور ظاہر ہے کہ انسان جس وادی میں، جس میدان میں جاتا ہے تو اس کو اس کے در سے جانا چاہئے، اگر انسان معرفتِ خدا و معرفتِ توحید حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کا دروازہ اسماء اللہ ہیں، اب قرآن مجید میں اسماء اللہ کی طرف آئیں کہ کس

خوبصورتی سے قرآن نے اسماء اللہ ترتیب دیئے ہیں اور آیات کے اندر کس طرح سے اسماء اللہ چمک رہے ہیں، اسماء اللہ کے ساتھ اسماء اللہ کی کس قدر درخشندگی ہے۔ لیکن تفاسیر میں اور خصوصاً مترجمین نے اسماء اللہ کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے، وہی کیا ہے جو شاعر قافیہ کے ساتھ کرتا ہے چونکہ پہلی آیت میم پہ ختم ہوئی ہے تو دوسری بھی میم پہ ختم ہو، پہلے میم حکیم آیا ہے تو دوسری میں علیم آنا چاہئے، یہاں علیم کیوں ہے؟ چونکہ پہلے میں حکیم آیا ہے، حالانکہ یہ وجہ نہیں ہے، قرآن شعر نہیں ہے،

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ (۶)

اور ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر کی تعلیم نہیں دی ہے اور نہ شاعری اس کے شایان شان ہے یہ تو ایک نصیحت اور کھلا ہوا روشن قرآن ہے۔

یہ قرآن شعر نہیں بلکہ سراسر ہدایت ہے، حکمت ہے، نور ہے، قرآن سراسر آیہ ہے، اخلاق کے بارے میں، فقہ کے بارے میں، اجتماعی مسئلے کے بارے میں، سیاسی مسئلے کے بارے میں، جہان بنی کے بارے میں، حقیقت شناسی کے بارے میں، انسان شناسی کے بارے میں، طبیعت اور عالم طبیعت کے بارے میں آیہ ہے، یہ سب قرآن میں ہے، لیکن آیات منتهی کہاں پر ہو رہی ہیں؟ اسماء اللہ پر، اکثر و بیشتر آیات اسمائے حسنہ خدا پر جا کر منتهی ہو رہی ہیں، کیا حکمت ہے؟ آیا اختتام آیہ برکت کے تحت ہے؟ برکت کے لئے بھی نہیں ہے، جس طرح آپ کہتے ہیں اور کرتے ہیں کہ شروع نام اللہ کے ساتھ، اردو کے پرانے ترجمے میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ترجمہ کرتے ہیں کہ ”شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے“ یعنی اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں،

یہ آیہ کے اندر اسم کیا کر رہا ہے مثلاً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں، بسم اللہ کو ختم کس پہ کرتا ہوں؟ رحیم پر، رحیم بھی اسمِ خدا ہے تو پھر معنی یوں ہو جائے گا کہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کے نام کے ساتھ ختم بھی کرتا ہوں یعنی برکت کے لئے اسم سے شروع کیا اور برکت کے لئے اسم پر جا کر ختم کیا، عموماً برکت کے لئے لوگ ایسا کام کرتے ہیں مثلاً حوزے میں اتوار کو درس شروع ہوتے ہیں، ویسے کہتے ہیں کہ جمعے میں برکت ہیں لیکن درس اتوار کو پڑھتے ہیں، حوزوی خرافات بھی عوامی خرافات سے مختلف ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ بدھ کو درس شروع کرتے ہیں یا اتوار کو شروع ہونا چاہئے، ویسے جمعہ متبرک دن ہے لیکن جمعے کو اصلاً درس نہیں پڑھنا ہے، جو جمعے کو درس پڑھے گا وہ جنت نہیں جائے گا، جب برکتی دن ہے تو زیادہ درس جمعے کے دن پڑھنے چاہئیں، ویسے بھی سورہ مبارکہ جمعہ آیہ ۱۰ میں ہے کہ جمعہ پڑھ کر کام کرو،

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ.....

یعنی جب نماز قائم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ.....

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ.....

اور فضلِ خدا کو تلاش کرو.....

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا.....

اسماء اللہ، معرفتِ خدا کا پہلا باب

اور خدا کو بہت یاد کرو.....

اختتامِ اسمائے حسنیٰ پر آیات کا صرف ایک اشارہ کرتا ہوں چونکہ ہماری بحث تفسیرِ قرآن میں نہیں ہے یا ان اسماء میں نہیں ہے، صرف اس بات کی وضاحت کیلئے اسماء اللہ کی ایک حکمت عرض کرتا ہوں کہ صدر المتألهینؒ کا اس بات پر اصرار ہے کہ قرآن کی آیات سے علوم کو استنباط کیا جائے، لیکن انسان قرآن کی بارگاہ میں جائے تو پہلے ابتدائی موضوعات کو چھیڑے پھر فرمایا کہ علمِ توحید اساسی علم ہے اور معرفتِ خدا کے بارے میں ذکر کیا کہ اسماء اللہ ابوابِ معرفتِ خدا ہیں یعنی قرآن میں سب سے پہلے انسان کس کے پیچھے جائے؟ توحید کے پیچھے جائے، انسان قرآن کے اندر جستجو کر توحید ہو، توحید کے اندر سب لپٹا ہوا ہے، توحید ایک فولڈر (Folder) ہے کہ جس کے اندر سارے علوم ہیں، اس کے اندر جا کر پتہ چلے گا، ابھی باہر سے ہی چابی نہ مانگیں، توحید کے اندر جائیں گے تو دیکھیں گے کہ آپ کو وہاں سے بہت کچھ ملے گا، انسان کس طرح سے توحید تک پہنچے؟ اسماء اللہ کے ذریعے سے پہنچے، قرآن نے اسماء اللہ کو ابوابِ معرفتِ خدا مقرر کیا ہے۔

☆ آیات کے آخر میں اسماء اللہ کی حکمت

قرآن میں بہت سی آیات کے اختتام پر اسماء اللہ ذکر کئے گئے ہیں۔ آیہ فقہی، آیہ اخلاقی، آیہ اجتماعی، آیہ سیاسی، آیہ علمی، آیہ جہاں بینی، آیہ فلسفی اور جو بھی آیہ کا مضمون ہو تو یہ آیہ کسی نہ کسی اسم پر جا کر منتہی ہو رہی ہے، اس اسم کا اس آیہ کے ساتھ کیا ربط ہے؟ برکت کے لئے نہیں ہے، بالآخر

کہیں تو منتہی ہونا ہی تھا، مثلاً آیات کے آخر میں یہ اسماء اللہ ہوتے ہیں،

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (۷)

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (۸)

اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (۹)

اب کوئی یہ نہ سوچے اس کے بجائے اَنَّ اللّٰهَ رَحِيْمٌ حَلِيْمٌ کہہ دیتے تو قافیہ بھی مل جاتا اور وزن بھی برابر ہو جاتا۔ یہ ساتھ میں غفور کیوں کہا؟ اس کی کیا حکمت ہے؟ اس لئے کہ جو کچھ آیہ کے اندر پیش ہوا ہے یہ اسم خدا اس آیہ کیلئے بمنزلہ برہان ہے۔

یہ مطلب حضرت استاد آیت اللہ جوادی آملی دام ظلہ العالی سے نقل کر رہا ہوں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ اسماء اللہ کا وقوع ان آیات کے اختتام پر بمنزلہ برہان ہے، نہ صرف بمنزلہ برہان بلکہ حقیقتاً برہانِ آیت ہے یعنی دلیلِ آیت ہے، یہ اسمِ خدا علتِ آیت ہے یعنی یہ آیت اس اسمِ خدا کی تجلی ہے، اس اسمِ خدا سے یہ مطلب ثابت ہوتا ہے، یہ مفسر کا کام ہے، مستنبط کا کام ہے کہ ربط دے، آیت کو اسمِ خدا کے ساتھ ربط دے، تفسیر کا یہی معنی ہوتا ہے، تفسیر کا مطلب صرف مبتدا و خبر تلاش کرنا نہیں ہے، تفسیر یعنی آپ آئیں اور مضمونِ آیت کو پہلے کشف کریں کہ کیا ہے؟ آیہ کیا کہنا چاہ رہی ہے؟ پیغامِ آیت کیا ہے؟ آیت کا پیغام لے کر اب اس کا رابطہ اسمِ الہی سے مربوط کرو اور ذکر کرو کہ اس کا اسمِ خداوند تبارک و تعالیٰ کے ساتھ کیا رابطہ ہے؟ پس معلوم ہوا کہ جہاں عزیز و حکیم ہے، غفور و شکور ہے، علیم و حکیم ہے، شکور و حلیم ہے، غفور و رحیم ہے، قوی و

عزیز ہے یا جہاں کوئی اور اسم ہے تو اسی اسم کے مطابق یہ آیت تدوین کی گئی ہے، یہ جلوہ اسم خداوند تبارک و تعالیٰ ہے، پس پہلا باب معرفت اسمائے خداوند تبارک و تعالیٰ ہے لیکن خود ہی فرماتے ہیں کہ یہ معرفت اخص لوگوں کے لئے ہے، مخصوص لوگوں کے لئے ہے، یہ معرفت عام نہیں ہے کہ ابواب معرفت خدا سے خدا کی طرف جانا، اسماء اللہ سے خدا کی طرف جانا۔

☆ دعائے جوشن، خزانہ اسماء اللہ

ایک دعا کہ جسے ہم نے پورے سال ہاتھ نہیں لگایا ہے کہ کہیں اس کا تقدس پائمال نہ ہو جائے، جو فقط لیلۃ القدر کے لئے رکھی ہوئی ہے وہ دعائے جوشن ہے، بعض ہاتھ نہیں لگاتے ہیں کہ یہ چیزیں میلی ہو جاتی ہیں، خراب ہو جاتی ہیں، دعائے جوشن پڑھیں، دعائے جوشن کیا ہے؟ اس کے اندر فقط اسماء اللہ ہیں، ایک ہزار اسمائے خدا ہیں اور اسے اسپید (Speed) کے ساتھ نہیں پڑھنا ہے، دعائے جوشن کا یہاں مقابلہ ہوتا ہے، ایک سینٹر (Centre) والے آتے ہیں اور دوسرے سینٹر میں پوچھتے ہیں کہ آپ کے مولانا نے کتنے منٹ میں پڑھی؟ کہتے ہیں کہ پندرہ منٹ میں پڑھی، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے مولانا نے چودہ منٹ میں پڑھی، وہ پھر افسوس کرتا ہے کہ ہمارا ایک منٹ ضائع ہوا ہے۔

ایک جگہ خود میرا اپنا تجربہ ہے، دعائے جوشن نے خود لے لی کیونکہ وہ جس طرح سے دعائے جوشن کی درگت بنا رہا تھا تو ان سے درخواست کی کہ میری آواز اور سُر تو آپ جیسا نہیں ہے لیکن مجھے

دیں میں پڑھتا ہوں، پڑھنا شروع کی تو پیچھے سے عجیب و غریب قسم کی آوازیں آنے لگیں کہ جس طرح برتن کھنکنے کی آوازیں ہوتی ہیں، جب میں دُعا کا وہ ایک حصہ پڑھتا چونکہ اسماء اللہ اس طرح بند بند کی صورت میں ہیں، وہ جب پڑھتا تو زور زور سے آوازیں آنا شروع ہو جاتی تھیں، ایک دفعہ جو پیچھے مڑا تو دیکھا کہ سب کے پاس پانی کے بھرے ہوئے جگ رکھے ہوئے ہیں اور بیچ میں تسبیحاں لے کر منتظر ہیں اور جوں جوں میں پڑھتا تھا وہ پانی کے اندر بیچ میں تسبیحاں ہلاتے تھے، پھر ان سے کہا کہ ان کا کیا کرنا ہے؟ کہا کہ یہ مریضوں کو پلانا ہے اور یہ فلاں کو پلانا ہے، کسی نے ان لوگوں سے کہا کہ اٹھو یہ سارے جگ اٹھیں گے آؤ، یہ ختم کرو، یہ جوشن کے ساتھ تم نے کیا شروع کر دیا؟ یہ اسماء اللہ کا ذکر ہو رہا ہے، تم اسمائے خدا سنو اور اسمائے خدا میں غور کرو، اسماءِ خدا سے خدا سے اپنا رابطہ برقرار کرو، ان اسماء کے ساتھ تمسک کرو شاید آج کی رات کوئی اسم تمہارے شامل حال ہو جائے، کسی اسم کی تجلی تمہارے دل پر ہو جائے، شاید کسی اسم سے تمہارا ربط جڑ جائے اور وہ دولتِ الہی تمہارے شامل حال ہو جائے، آپ یہ کیا عمل کر رہے ہو؟

دعاے جوشن، خزانہ اسماء اللہ

جوشن کبیر یعنی مجموعہ اسماء اللہ، بہت زیادہ نورانی دعا ہے، اس دعاے شریف جوشن کے لئے توصیف کے لئے واقعاً الفاظ نہیں ہیں، اس کے اندر گدائی نہیں ہے بس صرف اسماء اللہ ہیں یعنی سراپا نور ہی نور ہے، تمام اسماء جو قرآن میں ہیں اور جن کی طرف قرآن نے راہنمائی کی ہے وہ سب کے سب دعاے جوشن میں ہیں، خدا نے یہ نعمتیں ہمیں ائمہؑ کی صورت میں عطا کیں ہیں، اہلبیتؑ نے ہمارے لئے یہ تحفے اور یہ میراث چھوڑی ہے لہذا اس سے سروکار رکھیں۔

الغرض اسماء اللہ معرفتِ خدا کا پہلا باب ہیں اور اسماء اللہ سے خواص کا تعلق ہوتا ہے، وہ اہل معرفت خاص لوگ ہیں کہ جن کو یہ توفیق ہوتی ہے کہ معرفتِ خدا کیلئے اسماء اللہ کے باب سے داخل ہوں کیونکہ باہمت لوگ ہوتے ہیں البتہ سب جاسکتے ہیں کسی کے لئے ممنوع نہیں ہے۔

۵) افعالِ الہی، معرفتِ خدا کا دوسرا باب

صدر المتألہینؒ فرماتے ہیں کہ اسماء اللہ کے بعد افعالِ الہی معرفتِ خدا کا باب ہیں، کیونکہ اکثر لوگ اسماء اللہ کی طرف ہمت نہیں کرتے ہیں بلکہ افعالِ خدا میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے اگر اسماء اللہ تک رسائی نہیں ہے تو افعالِ الہی کے ذریعے سے آئیں اور معرفتِ قرآن میں اشارہ و ثورہ کریں اور افعالِ الہی میں غور و فکر کے ذریعے سے معارفِ قرآنی کو چھیڑیں یعنی اگر اسماء سے استنباط کے قابل نہیں ہیں تو افعالِ الہی سے استنباط کریں کہ یہ در بھی قرآن نے ہمارے لئے کھولا ہے۔

☆ فعلِ الہی سے مراد

فعل سے مراد یہی مخلوقات اور موجودات ہیں، فعل سے مراد معنیٰ مصدری نہیں ہے، فعلِ خدا خلق کرنا نہیں ہے بلکہ خود مخلوق فعلِ خدا ہے، صرف زمین بنانا فعلِ خدا نہیں ہے بلکہ خود زمین فعلِ خدا ہے، خود آسمان فعلِ خدا ہے، خود موجودات جو کسی بھی شکل میں موجود ہوں، جسمانی و غیر جسمانی، مادی و غیر مادی، ارضی و سماوی یا زمین کے اندر جس شکل میں بھی موجود ہوں، بصورتِ جماد

موجود ہوں، بصورت نبات موجود ہوں، بصورت معدن موجود ہوں، بصورت حیوان یا بصورت انسان موجود ہوں یہ سب کچھ افعالِ الہی ہیں۔

عام انسانوں کے لئے آسان ترین علم، علمِ افعالِ الہی ہے کہ جسے انسان سادگی اور سہولت سے حاصل کر سکتا ہے اور ہر انسان مقصودِ علم ہے، علم سے مراد ڈگری (Degree) و مدرک نہیں ہے، ممکن ہے کہ ایک انسان عام مطالعہ کے ذریعے سے، موجودات اور نظامِ ہستی کے مطالعہ سے بہت ساری چیزوں سے آگاہ و مطلع ہو درعین حال کسی علمی مرکز میں رسماً نہ پڑھا ہو اور کوئی ڈگری و مدرک اس کے پاس موجود نہ ہو، یہاں پر مراد افعالِ الہی میں غور و خوض کرنا ہے نہ کہ بنامِ علم جو دینی مراکز یا غیر دینی مراکز علمی تاسیس ہوئے ہیں ان کے اندر جا کر باقاعدہ ایک مدرک و ڈگری حاصل کرنا ہے۔

آج کل رائج ہے کہ عالم اسے کہتے ہیں جو کسی علمی مرکز کا فارغ التحصیل ہو یا اس نے کہیں سے یہ تدوینی کتابیں بصورتِ لفظی پڑھی ہوں لیکن جس نے عالمِ ہستی میں، موجودات میں اور عالمِ الہی میں خود غور و خوض کیا ہو اسے کوئی عالم کے زمرے میں شمار نہیں کرتا۔ قرآن میں عالم سے مراد یا یہاں پر مراد از علوم یہ ہے کہ انسان جو علومِ افعالِ الہی سے استنباط کرتا ہے اور افعالِ الہی سے علومِ استنباط کر کے انہیں کتب کی شکل میں اور دیگر صورتوں میں تدوین کر کے طلابِ علوم کیلئے آمادہ کرتا ہے۔

۶) افعالِ الہی کے دو چہرے

صدر المتألفین ساتھ ہی یہ نکتہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم افعالِ الہی میں غور و استنباط کریں تو اس نکتے کی طرف متوجہ رہیں کہ ہر فعلِ الہی دو پہلو رکھتا ہے، فعلِ خدا کے دو چہرے ہیں، انسان کس چہرے سے افعالِ خدا کا مطالعہ کرے؟

انہی افعال کا ایک چہرہ انسان کو خدا سے غافل کر دیتا ہے اور ایک چہرہ ایسا ہے کہ اگر ہم اُس پہلو سے فعلِ خدا میں غور و استنباط کریں تو وہ ہمیں اسماء و صفاتِ الہی تک پہنچاتا ہے اور اسماء و صفاتِ خداوند تبارک و تعالیٰ سے ذاتِ خدا تک پہنچاتا ہے اور یہ وہ چہرہ ہے کہ جسے ہم وجہ اللہ کہتے ہیں۔ ہر موجود کے اندر دو وجہ ہیں، ایک اس کا اپنا مخصوص وجہ ہے، جس وجہ کے لحاظ سے، جس چہرے کے لحاظ سے وہ ایک شے ہے اور ایک وجہ اسی کے اندر وجہ اللہ ہے کہ جس کے بارے میں قرآن مجید نے بھی فرمایا ہے کہ

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَّاسِعٌ عَلِيمٌ

۱۰)۰

اور اللہ کے لئے مشرق بھی ہے اور مغرب بھی پس جدھر بھی رخ کرو وجہ خدا وہیں موجود ہے، بے شک وہ صاحبِ وسعت بھی ہے اور صاحبِ علم بھی ہے۔

یعنی آپ جدھر نگاہ کرو وجہ خدا آپ کو وہیں پر ملے گا یا جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (۱۱)

جو بھی روئے زمین پر ہے سب فانی ہیں اور صرف تمہارے رب کی ذات جو صاحب جلال و اکرام ہے وہی باقی رہنے والی ہے۔

ہر چیز کو فنا ہے لیکن وجہ خدا کو فنا نہیں ہے یعنی یہ اشیاء جو معرض ہلاکت میں ہیں اور فانی ہیں لیکن ان کا چہرہ وجہ الہی باقی ہے چونکہ وہ متصل با ذات خداوند تبارک و تعالیٰ ہیں اور اسی لحاظ سے ہر موجود خداوند تبارک و تعالیٰ سے حکایت کرتا ہے اور اس چہرے سے اگر انسان کسی موجود کو، کسی مخلوق کو دیکھے تو اس سے پہلے کہ وہ شے نظر آئے انسان کو خدا کی ذات نظر آتی ہے البتہ نہ کہ اس ظاہری آنکھ سے، ممکن ہے کہ انسان اس آنکھ سے، اس بصر سے مخلوق کو دیکھتا ہو لیکن بصیرت سے اسی شے کے اندر خدا نظر آتا ہے، جس طرح خود امیر المومنین علیہ السلام نے نبج البلاغہ میں اس شخص کے جواب میں کہ جس نے آپ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ آیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے؟ فرمایا کہ ہاں، میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کرتا کہ جسے میں نے دیکھا نہ ہو،

لَمْ أَكُنْ أَعْبُدُ رَبًّا لَمْ أَرَهُ..... (۱۲)

میں نے ایسے خدا کی عبادت نہیں کی ہے جسے میں نے دیکھا نہ ہو.....

مَا كُنْتُ لِأَعْبُدُ رَبًّا لَمْ أَرَهُ..... (۱۳)

یعنی میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا کہ جسے دیکھا نہ ہو،

میں نے آج تک کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی مگر یہ کہ پہلے اس میں خدا کو دیکھا ہے، اس نے

پوچھا کہ خدا کو کہاں دیکھا ہے؟ اور کیسے دیکھا ہے؟ فرمایا کہ خدا نور ایمان اور بصیرت ایمان سے

دیکھا جاتا ہے۔

انسان کی دو آنکھیں ہیں۔ ایک دل کی آنکھ ہے اور ایک جسم کی آنکھ ہے، جسم کی آنکھ سے ہم خدا کو نہیں دیکھ سکتے ہیں بلکہ فقط جسمانیات اور محسوسات کو دیکھ سکتے ہیں لیکن دل کی آنکھ، ایمان کی آنکھ اور نور بصیرت سے ہم خدا کو دیکھ سکتے ہیں، جیسا کہ بصیرت سے انسان بہت کچھ دیکھ سکتا ہے، بہت ساری چیزیں ہیں کہ جو بصیرت دیکھتی ہے مثلاً ہم ٹریفک کا اشارہ دیکھتے ہیں تو آنکھ ہمیں فقط ایک تیر بنا ہوا دکھاتی ہے، آنکھ ایک سرخ گول دائرہ دکھاتی ہے لیکن بصیرت اس کے اندر موجود قانون دکھاتی ہے، بصیرت یہ کہتی ہے کہ اس نشانی کے پیچھے یا اس بورڈ کے اندر قانون موجود ہے، پس بصر سے انسان رنگ دیکھتا ہے، بصر سے انسان ایک سائن (Sign) دیکھتا ہے لیکن بصیرت سے یہی انسان اس قانون کو دیکھ رہا ہوتا ہے، اگر بصیرت نہ ہو تو انسان کو قانون نظر نہیں آتا ہے جیسا کہ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو بورڈ نظر آتا ہے لیکن قانون نظر نہیں آتا ہے کیونکہ ان کے پاس بصیرت نہیں ہوتی ہے۔

اسی طرح سے یہ سب مخلوقات آیات خداوند تبارک و تعالیٰ ہیں، سب ذات خداوند تبارک و تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، کوئی چھوٹی نشانی ہے تو کوئی بڑی نشانی ہے، اگر کوئی ان نشانیوں کو صرف نشانی کے پہلو سے، نشانی کے چہرے سے دیکھے تو ان موجودات کے اندر انسان کو خدا نظر آئے گا چونکہ یہ سب آئینہ ہیں، یہ سب خدا نما ہیں، خدا نما یعنی ہستی خدا کی نمائش کر رہی ہیں، تجلی خدا ہیں اور یہ اشیاء صفات خدا کی نمائش کر رہی ہیں اور یہ سب کچھ ہمیں خدا کی کوئی نہ کوئی صفت بتا رہی ہیں، روئے

زمین پر یا کائنات میں جتنے موجودات ہیں اور جو کچھ انسان کی بصیرت میں آتا ہے یہ سب ہمیں خدا کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔

۷) بابصیرت انسان کی دید

نکتہ دیگر یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم وجہ الہی کے پہلو سے اشیاء کو دیکھتے ہیں تو اس لحاظ سے اشیاء کو بقا حاصل ہے لیکن جب ہم اس کے دوسرے چہرے کو کہ جس چہرے کے لحاظ سے وہ خود ایک شے ہے، ایک موجود ہے، ایک مخلوق ہے کہ جو دیگر مخلوقات کی مانند ہے یا ان کے مقابلے میں ہے تو اس لحاظ سے یہ شے ہالک ہے۔ پس اگر ہمیں صحیح دید عطا ہو جائے، اگر ہم صحیح بصیرت کے ساتھ کسی چیز کو دیکھیں تو ہمیں ایک چیز کے اندر دو منظر نظر آئیں گے، ایک ہی شے کے اندر، ایک ہی نگاہ کے اندر دو منظر نظر آئیں گے، ایک منظر بقا کا نظر آئے گا اور ایک منظر فنا کا نظر آئے گا یعنی وہ شے ہمیں باقی نظر آئے گی اور وہی شے ہمیں فانی نظر آئے گی، ہم اسی شے کو ہلاکت میں دیکھیں گے، ہر شے ہالک ہے اور ہر شے کے اندر ایک گوہر، ایک جوہر اور دیکھیں گے کہ جو حالت بقا میں ہے اور اسی سے منسوب ایک شعر ہے کہ جو جاہلیت کے زمانے کی تنہا چیز ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف کی ہے، لبید بن ربیعہ بن عامر زمانہ جاہلیت کا شاعر ہے، یہ سبع معلقہ میں شامل تھا یعنی ساتھ ہی شاہکار ادب عربی ہے، عرب کے اندر جو قصیدے جاہلیت کے زمانے میں موجود تھے ان میں سے ایک قصیدہ اسی کا تھا، لبید نے ایک شعر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بہت تمجید کی اور فرمایا کہ

صادق ترین قول جو کسی عرب کی زبان سے نکلا ہے وہ یہی قول ہے اور وہ قول یہی مطلب ہے کہ جو یہاں بیان فرما رہے ہیں کہ

علیٰ کل شیء ما خلا اللہ باطل

اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے، نہ کہ باطل ہو جائے گی،

یہ وہی مطلب ہے کہ جسے یہ آیت بیان کر رہی ہے، لبید کے شعر میں اسی کو ذکر کیا گیا ہے، آیت

میں ہے کہ

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ..... (۱۴)

اس کا معنی یا ترجمہ عموماً یہ کرتے ہیں کہ کل شیء سیہلک یعنی ہر چیز ہلاک ہو جائے

گی۔ نہیں بلکہ ابھی حالت فنا میں ہے، ہر چیز ابھی حالت ہلاکت میں ہے، ہر چیز ابھی بالفعل ہالک

ہے، حال حاضر میں ہر چیز ہالک ہے،

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ.....

یعنی ہر شے ہالک ہے لیکن اس شے کے اندر ایک وجہ ہے کہ جو باقی ہے اور ہالک نہیں

ہے، انسان اگر ہر شے کے اوپر نگاہ کرے اور یہ دو منظر دیکھ لے کہ

علیٰ کل شیء ما خلا اللہ باطل

وکل نعیم لا مہالۃ زاہل

اور ہر نعمت کو بالآخر زائل ہونا ہے، یہ زوال پذیر ہے اور زائل ہے۔ انسانِ بالبصیرت،

انسان مستبیط اور انسان متدبر و قرآن شناس کہ جس کو خدائی بصیرت عطا ہوگئی ہو وہ جب اشیاء پر نگاہ کرتا ہے تو انہیں ہالک دیکھ رہا ہوتا ہے، معرضِ ہلاکت میں دیکھ رہا ہوتا ہے اور انہی اشیاء کے اندر ایک وجہِ خدا ہے کہ جو باقی ہے اسے بھی دیکھ رہا ہوتا ہے۔

پس اگر انسان بصیرت کے ساتھ مطالعہ فعلِ خدا، تدبر در فعلِ الہی و استنباط در فعلِ خدا کرے اور ہر شے کو بصیرت کے ساتھ دیکھے تو وہاں سے انسان علوم متعدد کشف کر سکتا ہے۔

۸) کتابِ تکوینی خدا کی تفسیر کی ضرورت

جب انسان افعالِ خدا کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو یہی طبیعیات اور یہی معمولی علوم کہ جن کو ہم فقط سند کے لئے، ڈگری کے لئے، مقام کے لئے، ملازمت کے لئے، عزت کیلئے، شہرت کیلئے پڑھتے ہیں علومِ الہی بن جاتے ہیں کہ ان ہی علوم سے انسان افعالِ الہی کی تفسیر کرے اور انہی افعال کے ذریعے سے خدا تک پہنچے لہذا تفسیر اقوالِ الہی و تفسیر افعالِ الہی میں کوئی فرق نہیں رہے گا مثلاً قرآن کلامِ خدا اور قولِ خدا ہے، کچھ لوگ آئیں اور قولِ خدا و کلامِ خدا کی تفسیر میں مشغول ہوں، اس میں کسی کو شک نہیں ہوتا ہے کہ یہ علمِ دین و علمِ الہی ہے پھر اگر ایک انسان فعلِ الہی کی تفسیر میں مشغول ہو تو وہ بھی علمِ دین ہے، اگر نہ کہیں کہ یہ بالاتر دین اور بالاتر علم ہے اس علمِ قول سے، یعنی قول کی تفسیر سے بڑا علم فعل کی تفسیر ہے چونکہ کائنات فعلِ خدا ہے اور قرآن قولِ خدا ہے، یہ بھی کتابِ خدا ہے اور وہ بھی کتابِ خدا ہے، قرآن کتابِ تدوینی خدا ہے اور کائنات کتابِ تکوینی خدا ہے،

قرآن کے اندر کلماتِ لفظی خدا ہیں اور کائنات کے اندر کلماتِ وجودی خدا ہیں۔

لہذا کوئی اس کتابِ تدوینی کی بھی تفسیر کرے اور اس کتابِ تکوینی کی بھی تفسیر کرے لیکن اس دید کے ساتھ کہ جو بیان ہوئی ہے یعنی یہ سب موجودات فعلِ خدا ہیں اور میں فعلِ خدا کی تفسیر کر رہا ہوں اور فعلِ خدا کی تفسیر میں بھی دو چہرے دیکھ رہا ہوں، ایک اشیاء کا ہالک چہرہ، فانی چہرہ، ختم ہونے والا چہرہ اور فنا و نیستی کی جانب جانے والا چہرہ اور ایک ان کا باقی چہرہ، اگر انسان اس طرح سے فعل کو دیکھے تو ہر موجود کے اندر انسان کو خدا ملے گا۔ یہ قرآن انسان کی راہنمائی کر رہا ہے، قرآن انسان کو ہدایت کر رہا ہے کہ آؤ تدبر کرو، دعوتِ تدبر و استنباط دیتا ہے کہ موجوداتِ ہستی میں، آیاتِ خدا میں، آیاتِ لفظیہ خدا میں اور آیاتِ تکوینیہ خدا میں غور و تدبر کرو، اب ہم کتاب کی عبارت کو پڑھ لیتے ہیں تاکہ یہ ادبِ پنجم تمام ہو جائے اور بعد کے ادب دیگر شروع کریں۔

۹) فعل سے فاعل کا استنباط

☆ فینبغی ان یتدبر فی الفعل تدبرا كاملا بحده و حقیقتہ.....

انسان کو چاہئے کہ فعلِ خداوند تبارک و تعالیٰ میں اس طرح سے تدبر کرے کہ حق تدبر ادا

کرے،

☆ لیشہد فی الفعل الفاعل دون الفعل.....

تاکہ فعل کے اندر اس کو فاعل نظر آئے نہ کہ اس کو صرف فعل نظر آئے یعنی جب مخلوق کو

دیکھے، جب دشت و کوہ و دمن دیکھے، جب پہاڑ و ستارے و کہکشاں دیکھے تو اس کے اندر اسے فاعل فعل نظر آئے گا، جس طرح سے اگر انسان آیات لفظیہ و آیات تدوینیہ قرآن کو دیکھتا ہے تو اسے متکلم نظر آئے گا، جیسے حضرت امام سید ساجدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس حد تک، اس قدر امام علیہ السلام بعض آیات کو تکرار فرماتے تھے اور ساتھ ہی فرماتے تھے کہ اب میں قرآن سے یا صفحے سے نہیں یاد دل و حافظے سے ان آیات کو نہیں پڑھ رہا ہوں بلکہ متکلم سے سن رہا ہوں، جیسے

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

اگر انسان ان آیات لفظی میں بھی غور کرے تو انسان کو متکلم نظر آتا ہے، اگر انسان فعل خدا میں تدبر و غور کرے تو انسان کو فاعل نظر آتا ہے،

☆ و من عرف الحق راہ فی کل شیء.....

اور جو بھی حق تعالیٰ کی شناخت رکھتا ہو تو اسے ہر شے میں دیکھتا ہے، اگر واقعاً اسے خدا کی شناخت ہو تو اسے خدا ہر چیز میں نظر آتا ہے،

☆ اذ کل شیء فممنہ و الیہ و بہ و لہ.....

چونکہ ہر چیز خدا کی جانب سے ہے، ہر چیز خدا کی طرف جا رہی ہے، ہر چیز کی حقیقت خدا کے لئے ہے اور ہر چیز میں خدا ہے۔

۱۰) کوئی شے خدا کے مقابلے میں نہیں

☆ فہوالکل علی التحقيق فی وحدتہ.....

بلکہ آپ کو کہیں غیر خدا نظر نہیں آئے گا کہ وہ خود ہی سب کچھ ہے، اسی کی تجلیاں ہیں، اسی کی آیات ہیں، اسی کی نشانیاں ہیں، اسی کے افعال ہیں، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، وہی مطلب جو شیخ سعدی نے عرض کیا کہ

دہ عقل جزیبہ در پیچ نیست

بر عارفان جز خدا ہیچ نیست..... (۱۵)

اگر انسان واقعاً اس کائنات کے اندر حق تدبیر و حق غور ادا کرے، عارف یعنی جو معرفت خدا رکھتے ہیں، عارف دیواریں دوڑانے والے کو نہیں کہتے ہیں، باطنی حال بتانے والوں کو نہیں کہتے ہیں، کرتب دکھانے والوں کو نہیں کہتے ہیں چونکہ ان کو سارے مرید نظر آتے ہیں یہ جو عرفاء بنے ہوئے کرتب دکھاتے ہیں ان کو خدا بھی نظر آتا ہے اور مرید بھی نظر آتے ہیں عارف یعنی معرفت خدا رکھنے والا، مقرب خدا، فانی در خدا، مشغول بہ خدا۔ ان کے پاس خدا کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، وہ دیواریں انہیں نظر نہیں آتیں چہ جائیکہ وہ دیواریں دوڑائیں۔

توان گفتن این با حقایق شناس

ولی خردہ گیرند اہل قیاس

حقیقت شناس لوگوں کو تو یہ بات بتائی جاسکتی ہے، ان کے سامنے تو اس بات کا اظہار کرنا

کوئی شے خدا کے مقابلے میں نہیں

آسان ہے کہ اہل معرفت کے نزدیک خدا کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ حقیقت شناس کو بتا سکتے ہیں کہ خدا کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے لیکن اہل قیاس کہ جو عقل ظاہری و عقل محدود کے ذریعے سے سوچنے والے ہیں، وہ اشکال کریں گے اور اعتراض کریں گے،

کہ پس آسمان و زمین چیستند

بنی آدم و دام و دد کیستند؟

کہ پھر یہ زمین و آسمان کیا ہے؟ یہ بنی آدم کیا ہے؟ یہ حیوانات و چرند و پرند، یہ سب کیا ہیں؟

یہ تو خدا نہیں ہیں،

ہمہ ہرچہ ہستند از آن کمترند

کہ با ہستیش نابرہستی برند

ہاں یہ مخلوق ہیں، یہ ساری چیزیں ہیں لیکن یہ اس کے مقابلے میں نہیں ہیں، یہ اس کے

علاوہ نہیں ہیں۔ یہ سب اگر موجود کہلاتے ہیں تو اس کی وجہ سے موجود کہلاتے ہیں چونکہ یہ اس کی

تجلیاں ہیں، اس کی نشانیاں اور فعل ہیں، اسی کے جلوے ہیں نہ کہ خدا کے مقابلے میں ہیں، ہم یہ سمجھتے

ہیں کہ تو حیدِ کامل یہ ہے کہ خدا کے ساتھ دوسرا خدا نہ ہو یعنی انسان خدا کے علاوہ کسی خدا کا قائل نہ ہو،

نا، تو حیدِ حقیقی یہ ہے کہ خدا کے مقابلے میں نہ خدا ہو اور نہ غیر خدا ہو، نہ کوئی معبود ہو اور نہ کوئی غیر معبود

ہو، فقط خدا ہو۔ پھر یہ کثرت کیا ہوگی؟ یہ زمین و آسمان کیا ہوں گے؟ یہ بنی آدم و دیو و دد کیا ہوں گے؟

یہ خدا کے مقابلے میں نہیں ہیں، یہ خدا کی آیات ہیں، یہ خدا کی تجلیاں ہیں، یہ خدا کے جلوے ہیں مثلاً

کوئی شے خدا کے مقابلے میں نہیں

سورج ہو تو ایک سورج ہو، سورج کے مقابلے میں نہ سورج ہے نہ چاند ہو سکتا ہے، یہ نہ کہو کہ یہ شعاعیں کیا ہیں؟ یہ شعاعیں تو سورج کی شعاعیں ہیں، یہ سورج کے وجود کی دلیل ہیں، یہ تاکید کر رہی ہیں کہ فقط سورج ہے یعنی یہ کہ جن کو آپ خدا کے مقابلے میں سمجھتے ہو، یہ بنی آدم و دیود و یہ خدا کے مقابلے میں نہیں ہیں بلکہ یہ تاکید کر رہے ہیں کہ غیر از خدا کچھ بھی نہیں ہے،

ہر گاہی کہ از زمین دروید

وحدہ لا شریک لہ گوید

یعنی یہ ہر پتہ جو زمین سے اگتا ہے وہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے یعنی ہر موجود دلیل بر توحید خدا ہے، بقول اہل معرفت کے کہ ان سے پوچھا گیا روئے زمین پر اور کائنات کے اندر خدا کی وحدانیت کی کتنی دلیلیں ہیں؟ کہا کہ جتنے موجودات ہیں۔ وجود خداوند تبارک و تعالیٰ پر ہر ذرہ ایک برہان مستقل ہے، ہر چیز پکار کر کہہ رہی ہے، وحدہ لا شریک لہ، اس کے ساتھ کوئی شریک موجود نہیں ہے،

☆ ومن لا یراہ فی کل ما یراہ.....

وہ شخص کہ جو ہر چیز دیکھتا ہے مگر اس میں اس کو خدا نظر نہیں آتا تو

☆ فکانہ ما عرفہ.....

اس نے خدا کو نہیں پہچانا،

☆ قال امیر المؤمنین علیہ السلام: ما رأیت شیئاً الا ورایت اللہ فیہ.....

کوئی شے خدا کے مقابلے میں نہیں

امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اس میں خدا دیکھا ہے، چونکہ امیر المومنین علیؑ وہ فن و ہنر اور وہ معرفت و درایت رکھتے تھے کہ یہ لطف خدا شامل حال تھا کہ اشیاء کو اسی چہرے سے دیکھتے تھے کہ جس چہرے سے خدا نظر آتا ہے، نہ کہ اس چہرے سے کہ جس چہرے سے اشیاء، اشیاء نظر آتی ہیں بلکہ ہر چیز آیت خدا نظر آتی تھی اور امیر المومنین علیؑ کا یہ بھی فرمانا ہے کہ سب سے بڑی آیت خدا میں خود ہوں،

وَمَا لِلَّهِ آيَةٌ أَكْبَرُ مِنِّي..... (۱۶)

اور اللہ کی کوئی آیت مجھ سے بڑی (بزرگ و عظیم المرتبت) نہیں ہے.....

اور جیسے عرض کیا تھا کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ ہر شے کے دو چہرے ہیں، ایک چہرے سے وہ خود اپنا پتہ بتاتی ہے اور ایک چہرے سے خدا کا پتہ بتاتی ہے لیکن علیؑ دونوں چہروں سے خدا کا پتہ بتاتے ہیں، علیؑ کا جو چہرہ علوی چہرہ ہے اس چہرے سے بھی وہ نشانی خدا ہیں اور علیؑ کے اندر جو چہرہ وجہ اللہ ہے وہ بھی علامت خدا و نشانی خدا ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لَا تَسُبُّوا عَلِيًّا فَإِنَّهُ مَمْسُوسٌ فِي ذَاتِ اللَّهِ..... (۱۷)

تم علیؑ کو گالی نہ دو (برا بھلا نہ کہو) بے شک یہ ذات خدا میں ضم ہے (جذب ہے).....

علیؑ کو کبھی بھی ناسزا نہیں کہنا چونکہ علیؑ فانی در ذات خدا ہے یعنی حتیٰ علیؑ کا وہ چہرہ

دیگر کہ جو چہرہ فانی ہوتا ہے وہ چہرہ بھی فانی در ذات خداوند تبارک و تعالیٰ ہے، لہذا فرمایا کہ

وَمَا لِلَّهِ آيَةٌ أَكْبَرُ مِنِّي.....

کوئی شے خدا کے مقابلے میں نہیں

۱۱) اشیاء کی حقیقی دید کی ضرورت

☆ ومن عرفہ عرف ان کل شیء ما خلا اللہ باطل.....

اور جس نے خدا کو پہچان لیا، خدا کی شناخت کی علامت یہ ہے کہ ماسوا اللہ انسان کو ہر شے ہالک نظر آئے، ہر شے فانی نظر آئے نہ کہ ہر شے فانی ہوگی کہ فقط کہیں پر خبر پڑھ لے، کسی روایت کو پڑھ لے، کسی شعر میں پڑھ لے کہ

علی کل شیء ما خلا اللہ باطل،

یا آیہ قرآن پڑھ لے کہ

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ.....

اور اس کا معنی کیا کرے؟ کل شیء سیہلک یعنی ہر چیز بعد میں ہلاک ہو جائے گی یعنی ابھی ہالک نہیں ہے بلکہ ابھی تو موجود ہے۔

اگر ابھی موجود نظر آرہی ہے تو اس کے معانی یہ ہیں کہ صحیح نظر نہیں آرہی ہے، چونکہ آپ کو پائیدار نظر آرہی ہے۔ ناپائیدار جب پائیدار نظر آئے تو ہم اس کو حقیقی طور پر نہیں دیکھ رہے ہیں مثلاً ایک چیز جو رکی ہوئی ہے اور ہمیں چلتی ہوئی نظر آئے اور ایک چیز جو چل رہی ہے وہ ہمیں رکی ہوئی نظر آئے تو اس کے معانی یہ ہیں کہ ہم درست نہیں دیکھ رہے ہیں۔ بسا اوقات انسان کسی تیز رفتار گاڑی مثلاً ٹرین پر سفر کرتا ہے تو اطراف میں درخت، کھبے اور گھر چلتے ہوئے، حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ دید اشتباہ ہے چونکہ وہ تو ثابت ہیں لیکن گاڑی چل رہی ہے، جو چیز چل

رہی ہے وہ ہمیں ثابت نظر آتی ہے اور جو چیز کی ہوئی ہے وہ حرکت میں نظر آتی ہے لہذا ہماری دید خطا کر رہی ہے، ہماری دید اشتباہ کر رہی ہے، اسی طرح سے بہت ساری خطائیں ہیں اور انسان ان پر ایمان رکھتا ہے مثلاً ہمیں سورج طلوع و غروب ہوتا ہوا نظر آتا ہے درحالیکہ سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد چکر لگا رہی ہے لہذا زمین طلوع و غروب کرتی ہے نہ کہ سورج طلوع و غروب کرتا ہے۔

اسی طرح قرآن نے بھی متوجہ کیا ہے کہ آیا آپ ان پہاڑوں کیلئے گمان کرتے ہو کہ یہ جامد اور رکے ہوئے ہیں؟

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتَقَنَ كُلُّ شَيْءٍ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿١٨﴾

اور تم دیکھو گے تو سمجھو گے کہ جیسے پہاڑ اپنی جگہ پر جامد ہیں حالانکہ یہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے، یہ اس خدا کی صنعت ہے جس نے ہر چیز کو محکم بنایا ہے اور وہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ.....

یہ پہاڑ بادلوں کی طرح گزر رہے ہیں۔ اگر ہم روزانہ پہاڑوں کو دیکھیں اور دقت کے ساتھ نگاہ کرے تو پھر بھی یہ ہمیں رکے ہوئے ہی نظر آتے ہیں، معلوم ہوا کہ ابھی وہ آنکھ، وہ دید قرآنی نہیں ملی ہے، قرآن خود کہتا ہے کہ آپ پہاڑوں کو کیا سمجھتے ہو؟ پہاڑ رکے ہوئے ہیں؟ نہیں، یہ پہاڑ رکے ہوئے نہیں ہیں،

تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ.....

یہ بادلوں کی طرح گزر رہے ہیں، کون آئے کہ جو آ کر ایسی دیدِ خدا دے کہ جو پہاڑوں کو بھی گزرتا ہوا دیکھے، پہاڑوں کو بھی ہالک دیکھے۔

ہمیں چلتی ہوئی نہریں رکی ہوئی نظر آتی ہیں، اگر ایک ایسی نہر کہ جس کے اندر موج نہ ہو اور ہموار زمین پر پانی بہہ رہا ہو تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ پانی رکا ہوا ہے، جب ہمیں چلتی ہوئی نہر کی ہوئی نظر آتی ہے تو پہاڑ کس طرح سے چلتا ہوا نظر آئے؟ چونکہ ہم فقط اس ظاہری آنکھ سے دیکھتے ہیں، فقط موجودات کا ایک چہرہ دیکھتے ہیں، مثلاً صدرًا جیسا حکیم آئے کہ جس کو پہاڑ گزرتے ہوئے نظر آئیں، جس کو جسم بھی گزرتے ہوئے نظر آئیں، جس کو ہر چیز کے جوہر میں حرکت نظر آئے، جو ایک لحظے کے لئے بھی کہے کہ کسی چیز میں آرام اور پائیداری حاصل نہیں ہے، علامہ اقبالؒ کے بقول

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں..... (۱۹)

فقط ایک چیز پائیدار ہے اور وہ تغیر ہے، فقط تغیر ثابت ہے اور ہر چیز متغیر ہے، ہر چیز ہالک ہے، ہر چیز ختم ہو رہی ہے،

علیٰ کل شیء ما خلا اللہ باطل،

اللہ کے علاوہ ہر چیز حالتِ گزر و حالتِ فنا و نابودی کے اندر ہے،

☆ ومن عرفہ.....

جو اس طرح سے خدا کو پہچانے کہ

☆ عرف ان کل شیء ما خلا اللہ باطل.....

اللہ کے علاوہ ہر چیز ہالک ہے اور باطل ہے۔

☆ وان کل شیء ہالک الا وجہہ

ہر شے ہالک ہے یعنی ابھی ہالک ہے نہ کہ موت کے بعد ہالک ہوگی۔

اگر ہم غور کریں تو بہت ساری چیزیں ہمیں درست نظر نہیں آتیں مثلاً جب ہم ایک چولہا جلتا ہوا دیکھتے ہیں یا روشن شمع دیکھتے ہیں تو ایک مسلسل شعلہ نظر آتا ہے لیکن اسی کو مائیکرو اسکوپ (Microscope) سے دیکھیں تو آپ کو ایک عجیب منظر نظر آئے گا، وہ یہ ہے کہ مسلسل آگ جل بجھ رہی ہے یعنی مسلسل ایک شعلہ پیدا ہوتا ہے پھر وہ بجھتا ہے پھر اس کی جگہ ایک شعلہ دیگر پیدا ہوتا ہے، جس طرح آپ ٹی وی دیکھتے ہیں مثلاً کارٹون فلم میں ایک کارٹون مسلسل حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن اگر خود فلم کو روک کر دیکھیں تو کوئی حرکت نہیں ہے بلکہ فلم کے چھوٹے ٹکڑے ہیں اور ان رکے ہوئے ٹکڑوں کو سرعت سے ہمارے سامنے گزرتے ہیں تو ہمیں وہ حرکت نظر آتی ہے یعنی جمود حرکت نظر آتا ہے اور حرکت جمود نظر آتی ہے، رکی ہوئی فلمیں ہمیں چلتی ہوئی نظر آتی ہیں اور چلتے ہوئے پہاڑ ہمیں رکے ہوئے نظر آتے ہیں، دید کی اور بصیرت کی اتنی اصلاح کی ضرورت ہے کہ کس آنکھ سے انسان انہیں دیکھے کہ حقائق ہمیں ویسے نظر آئیں کہ جیسے موجود ہیں، جس طرح سے پیغمبر اکرم ﷺ کی دعا ہے کہ

اللَّهُمَّ ارِنَا الْأَشْيَاءَ كَمَا هِيَ..... (۲۰)

اے اللہ ہمیں اشیاء کو ویسی دکھا جیسی وہ ہیں.....

مجھے حقائق کو ایسا دکھا کہ جیسے یہ ہیں نہ کہ حقائق کچھ ہوں اور مجھے نظر کچھ اور آئیں۔ یہ عالم ہمیں دھوکہ دے رہا ہے یعنی ہم خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں چونکہ ہمارے اندر وہ بصیرت پیدا نہیں ہوئی ہے کہ ہمیں حقائق ویسے نظر آئیں کہ جیسے ہیں۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ،

کواکب کی حقیقت کچھ اور ہے اور ہمیں کچھ اور نظر آتے ہیں، زمین سے کئی گنا بڑے ستارے ہمیں ٹٹماتے ہوئے دیے نظر آتے ہیں۔ اشیاء کا وہ پہلو کہ جو آیتِ خدا ہے، جو آئینہ خدا ہے، جس میں خدا نظر آتا ہے وہ چہرہ ہمیں نظر نہیں آتا ہے،

☆ وان کل شیء ہالک الا وجہہ، ای ہالک.....

یعنی ہر چیز ہالک ہے سوائے اس کی ذات کے لیکن کس طرح سے ہالک ہے؟ ہم کس طرح سے دیکھیں؟ انسان خدا سے دعا کرے، ارادہ کرے، عزم کرے کہ خدا مجھے وہ دید عطا کر، وہ بصیرت عطا کر کہ حقائق مجھے ویسے ہی نظر آئیں کہ جیسے یہ ہیں،

اللَّهُمَّ ارِنَا الْأَشْيَاءَ كَمَا هِيَ.....

ہمیں اس طرح سے اپنے موجودات، اپنے افعال اور اپنی مخلوقات کو دکھا کہ ان میں ہم تجھے دیکھ سکیں نہ کہ تجھے بھی دیکھیں تو اس میں بھی ہمیں روٹی نظر آئے، قرآن بھی دیکھیں تو اس میں بھی ہمیں روٹیاں نظر آئیں، بعض ایسے ہیں کہ جن کو قرآن میں بھی مال اور روٹیاں نظر آتی ہیں، علم



میں بھی روٹیاں نظر آتی ہیں، انہیں ہر چیز میں درحقیقت روٹی نظر آتی ہے اور آیت قرآن بھی ہے کہ ہم نے یہ کتاب ہدایت کے لئے اتاری تھی اور تم نے اس میں روٹیاں دیکھنی شروع کر دی ہیں، بلکہ ہم نے جو روٹیاں اتاری ہیں ان میں بھی تمہیں خدا نظر آنا چاہئے، دانے میں بھی تمہیں خدا نظر آنا چاہئے، سنبلہ میں تمہیں خدا نظر آنا چاہئے، جبہ میں تجھے خدا نظر آنا چاہئے اور اس کے اوپر لگے ہوئے خوشے میں تمہیں خدا نظر آنا چاہئے، پتے اور پودے میں تمہیں خدا نظر آنا چاہئے یعنی ساری مخلوقات فعل خدا ہیں، اس فعل میں تمہیں فاعل نظر آنا چاہئے، اس طرح سے دیکھیں کہ ہمیں یہ اشیاء ہالک نظر آئیں یعنی ہم دونوں چہرے دیکھ لیں کہ یہ چہرہ ہالک ہے اور یہ چہرہ باقی ہے، فرماتے ہیں کہ

☆ ای ہالک ان اعتبر شیئہ و وجودہ لنفسہ.....

اگر انہیں خدا سے کاٹ کر دیکھیں اور فقط اس شے کے اوپر انحصار کر کے دیکھیں تو وہ ہالک نظر آئے یعنی اگر کوئی بھی چیز اس طرح سے دیکھے کہ خدا سے اس شے کا رابطہ منقطع کر لے، صرف نظر کر لے، چشم پوشی کر لے تو ہر شے ہالک نظر آئے،

☆ لا ان يعتبر وجودہ من حیث انہ موجود باللہ و بقدرتہ.....

شے کو اس طرح سے نہ دیکھے کہ جس لحاظ سے شے موجود ہے بلکہ قدرت خدا کے ذریعے اور متصل با خدا ہو کر دیکھے، اس چہرے سے دیکھا تو ہر شے ثابت نظر آئے گی لیکن جب شے کو خدا سے کاٹ کر دیکھو تو ہالک نظر آئے گی۔ مومن حقیقی وہ ہے کہ جو بصیرت سے دیکھے، دونوں آنکھوں سے دیکھے اور اس کو اشیاء کے دونوں چہرے نظر آئیں، خدا نے دو آنکھیں اسی لئے دی ہیں کہ دونوں

اشیاء کی حقیقی دید کی ضرورت



چہرے نظر آئیں، ہم دونوں آنکھوں سے ایک چہرہ دیکھتے ہیں اور وہ اس کا وہی ہالک چہرہ ہے لیکن وہ ہمیں ثابت نظر آتا ہے،

☆ فیکون له بطریق التبعية ثبات، و بطریق الاصالۃ بطلان محض.....

اگر اس چیز کو تابع قدرت خدا، تابع ارادہ خدا و تابع حکمت خدا جانیں تو یہ شے باقی ہے، اس کو ثبات حاصل ہے یعنی جس لحاظ سے یہ شے تابع ہے یعنی تابع خدا ہے تو یہ ثابت ہے لیکن اس شے کو اصالت، استقلال اور خودی سے دیکھیں تو اس لحاظ سے یہ شے بطلان محض ہے، اس کے اندر کچھ بھی نہیں ہے۔

۱۲) فیض اقدس اور فیض مقدس

اب یہاں پر ایک اور نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اشیاء دو جگہ پر ہیں اور عوام کے بجائے حکماء کے لئے، اہل علم کے لئے یہ نکتہ زیادہ مہم ہے کہ جو اس بات کی وضاحت بھی کرتا ہے جسے قرآن نے ذکر کیا ہے اور علماء نے بیان کیا ہے کہ خدا کی ذات وحدہ ہے۔

وحدہ لا شریک له،

آیت قرآن ہے کہ

تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ..... (۲۱)

تم خدائے وحدہ لا شریک پر ایمان لے آؤ.....

اس ذات نے ظہور کیا ہے چونکہ نور ہے،

اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ..... (۲۲)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے.....

اب کسی سے یہ نہ پوچھئے گا کہ اس نے ظہور کیوں کیا ہے؟ نور کا کام ہی ظہور کرنا ہے، اگر نور

ظہور نہ کرے تو پھر کیا کرے؟ جس طرح سے کوئی یہ پوچھے کہ سورج نے کیوں نورانیت دی ہے؟

کیوں شعاعیں دیں ہیں؟ یہ نور ہے، نور کا کام ہی یہ ہے، نور کی تعریف و ذات یہی ہے کہ اس کا کام

نورانیت پھیلانا ہے،

اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ.....

خدا کی ذات نور ہے، اس نور سے نور کی تجلی ہوئی، اس سے اسماء و صفات وجود میں آئے،

اسماء و صفات سے پھر افعال الہی پیدا ہوئے اور اب یہ سب کے سب افعال الہی اسی تجلی کے ساتھ

مربوط ہیں۔ پہلی تجلی یہ ہوئی کہ خود ذات خداوند تبارک و تعالیٰ نے ظہور کیا اور ظہور ذات سے اسماء و

صفات پیدا ہوئے، جن میں سے ایک مرتبہ علم کا ہے یعنی علم الہی کا ایک مرتبہ پیدا ہوا۔ خدا ذات علیم

ہے، سب سے پہلے اشیاء علم خدا میں پیدا ہوئیں ہیں، پھر علم خدا سے وجود میں آئی ہیں اور اس عالم

میں آئی ہیں۔

بعض ادیبوں نے اسے خوبصورتی سے نقل کیا ہے کہ اس کو دو خلقتیں کہتے ہیں، خدا کے دو

فیض ہیں، فیض اقدس اور فیض مقدس۔ فیض اقدس یعنی خلقت اشیاء در عالم علم خدا اور فیض مقدس

یعنی خلقتِ اشیاء در عالم ہستی یعنی آپ پہلے علمِ الہی میں پیدا ہوئے ہیں پھر علمِ الہی سے اس عالمِ عینی میں اترے ہیں، جس طرح سے آپ خود کوئی چیز ایجاد کرتے ہیں، تعجب نہ کریں کہ خدا نے یہ کام کیسے کیا؟ مثلاً آپ ایک کتاب یا مقالہ لکھتے ہیں تو پہلے کہاں پر لکھتے ہیں؟ ذہن میں لکھتے ہیں، پھر کاغذ پر لکھتے ہیں یعنی کاغذ پر جو کچھ آتا ہے وہ پہلے آپ کے ذہن سے آتا ہے، علم سے آتا ہے، ذہن عالمِ علم ہے، عالمِ علم سے ہر چیز ذہن میں نزول کرتی ہے، اسی طرح سے ہر چیز علمِ الہی سے اس عالم میں اتری ہے، پہلے اس نے وجودِ علمی پایا ہے لہذا اشیاء پہلے عالمِ علمِ خدا میں آئی ہیں، ظہور کیا ہے پھر اشیاء کو عالمِ علم سے اس عالمِ عینی میں اتارا گیا ہے، اہل علم و اہل معرفت کی اصطلاح میں ایک کو فیض مقدس کہتے ہیں اور دوسرے کو فیضِ اقدس کہتے ہیں۔

۱۳) باطل الوجود اور باطل الذات کا مطلب

یہ بزرگان فرماتے ہیں کہ اشیاء جب عالمِ علم میں موجود تھیں تو وجودِ عینی نہیں تھا، ان کا یہ وجود نہیں تھا کہ جیسے آج موجود ہیں مثلاً یہ زمین و آسمان جب عالمِ علمِ خدا میں تھے تو یہاں نہیں تھے، ان کا وجودِ زمینی، وجودِ آسمانی اور وجودِ جسمانی نہیں تھا، یہ اشیاء اس ظاہری وجود سے خالی تھیں، یہ حقائق اس وجود کے بغیر تھے اور چونکہ اس وجود کے بغیر تھے تو اس لحاظ سے انہیں کہا جاتا ہے کہ وہ چیزیں بھی باطل تھیں یعنی وہ موجود نہیں تھیں، وہ چیزیں فانی تھیں یعنی ان کا وجود کے لحاظ سے باطل ہونا اور ان کا اپنی ذات کے لحاظ سے باطل ہونا یہ دو بطلان ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ جو ہم نے یہاں پر

ذکر کیا ہے اس کو آپ مخلوط نہ کر دیں، اگر کسی نے کتاب میں پڑھا ہوا ہے یا سنا ہوا ہے یا پڑھیں گے تو انشاء اللہ بعد میں یہ دونوں مطلب آپس میں مخلوط نہیں کر دینا کہ اشیاء جو علم خدا میں موجود ہیں لیکن ابھی اس عالم عینی میں یہ اشیاء نہیں اتری ہیں ان کے بارے میں بھی کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ باطل ہیں لیکن ان کو کہا جاتا ہے کہ یہ باطل الوجود ہیں نہ کہ باطل الذات ہیں، لیکن اگر اب وہ علم خدا سے اس عالم میں آجائیں، اس عالم یعنی یہی جو ہمارے اطراف میں ہے، ارد گرد ہے، یعنی ہم خود اور یہ ساری چیزیں تو اس عالم میں کہا جاتا ہے کہ یہ اشیاء باطل الذات ہیں۔ وہاں ان کو باطل الوجود کہا جاتا ہے یعنی ان کو علم خدا میں علمی تحقق و علمی حیثیت حاصل ہے لیکن وجودی حیثیت حاصل نہیں ہے لیکن یہی اشیاء اب جب اس عالم میں پیدا ہو گئی ہیں تو ان کو حتی ذاتی حیثیت بھی حاصل نہیں ہے، وہاں ذات تھی وجود نہیں تھا، یہاں نہ ذات ہے اور نہ ہی وجود ہے، پھر یہ سب کچھ کیا ہیں؟ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ تجلی خدا ہیں، یہ سب کچھ فیض خداوند تبارک و تعالیٰ ہیں یعنی وہ پہلو جو وجہ الہی کا پہلو ہے اس کی وجہ سے باقی ہیں لیکن اس پہلو سے کاٹ کر دیکھیں تو کچھ بھی نہیں ہیں بلکہ ہالک الذات ہیں۔

☆ فیکون له بطریق التبعية ثبات، و بطریق الاصالۃ بطلان محض، وهذا

البطلان غیر بطلان الماہیات و الاعیان الثابتۃ.....

ان بزرگان کیلئے یہ اعیان ثابتہ ہیں یعنی علم الہی میں موجود، وجود علمی کے ذریعے موجود حقائق کو اصطلاح میں اعیان ثابتہ کہتے ہیں، وہ موجودات جو ابھی اس عالم جسمانی، عالم کائنات، عالم ہستی میں نہیں اترے ہیں بلکہ ابھی علم الہی میں ہیں وہ اعیان ثابتہ ہیں، وہ بھی باطل ہیں،

باطل الوجود اور باطل الذات کا مطلب

☆ اذا اخذت من حيث هي ، او مجردة عن الوجود.....

یعنی جب ان ماہیات یا ان حقائق کو کہ جو علم خدا میں ہیں جب انہیں لحاظ کیا جائے تو یہ خالی از وجود ہیں، مجرد از وجود ہیں چونکہ ان میں وجود نہیں ہے لہذا ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ باطل ہیں یعنی وجود نہیں رکھتی ہیں، اس معنی میں ان کو باطل کہا جاتا ہے،

☆ فانها من تلك الحيشية باطلة الوجود.....

وہ حقائق جو علم الہی میں موجود ہیں چونکہ وہ وجود یعنی نہیں ہیں لہذا اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ باطل ہیں، یہ باطل فقہی اصطلاح والا باطل نہیں ہے، جیسے نماز باطل ہوتی ہے، وضو باطل ہو جاتا ہے، فقہ میں باطل کا معنی ہوتا ہے نا صحیح یعنی جس طرح سے حد شرعی تھی، دستور خدا تھا، امر خدا تھا یہ اس کے مطابق نہیں ہے، چونکہ بسا اوقات ہوتا ہے کہ ذہنوں میں کسی علم کی ایک اصطلاح بیٹھی ہوتی ہے اور پھر اسی کے تناظر میں ساری چیزوں کی تفسیر و معنی کرتے ہیں اور بات بجائے سنورنے کے بگڑ جاتی ہے۔ استاد بزرگوار حضرت آیت اللہ تبریزی دام ظلہ العالی ہفتے کے اندر چار دن کتاب طہارت کا درس دیتے تھے اور ایک دن دیات کا درس دیتے تھے، ایک نئے طالب علم کو ان کے درس دینے کا طریقہ معلوم نہیں تھا لہذا ان چار دنوں میں اس نے شرکت کی تو طہارت کی بحث ہو رہی تھی، وضو کی بات ہو رہی تھی، مبطلات وضو کی بات ہو رہی تھی اور پانچویں دن جب بحث شروع ہوئی تو وہ حدود کی بحث تھی اور بحث شروع ہی ایسے ہوئی کہ مثلاً اگر یہ مکلف مرتکب ہو، اس قسم کی خطا کرے تو اتنے کوڑے ماریں جائیں گے تو یہ فوراً حیران ہوا کہ طہارت نہ کرنے پر کس کو کوڑے مارے جائیں

گے؟ کس فقیہ نے آج تک یہ مسئلہ دیا ہے؟ چونکہ وہ اس وادی میں نہیں تھا، اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اور بحث تھی اور یہ اور بحث ہو رہی ہے تو یہاں بھی اسی طرح نہ ہو جائے کہ ذہنیتیں آپس میں مل جائیں۔ فقہ کے اندر باطل اور صحیح کی اصطلاح ہے کہ نماز صحیح ہے، نماز باطل ہے، وضو باطل ہے، وضو صحیح ہے، وہ اور چیز ہے لیکن یہ بطلانِ حقائق کی بات ہو رہی ہے نہ کہ بطلانِ نماز کی۔

ایک حقیقتِ باطل ہے، یہاں باطل سے مراد یہ ہے کہ موجود نہیں ہے، یہاں بطلانِ بمعنی عدم ہے، نیستی ہے، نہ ہونا ہے، باطل ہو جانا یعنی فانی ہو گئی ہے۔ یہ شے نہیں ہے یعنی یہ شے اب موجود نہیں ہے،

☆ فانها من تلك الحیثیة باطلۃ الوجود، ثابتۃ الشیئۃ.....

اس کی شیئت ثابت ہے لیکن وجود باطل ہے،

☆ بخلاف الهویات الوجودیۃ.....

در حالیکہ یہ موجودات و حقائق کہ جن سے ہمیں سروکار ہے اگر انسان ان کو درست دیکھے اور

ان کے دونوں چہرے دیکھے تو

☆ فانها مأخوذة علی وجه الاستقلال باطلات صرفۃ.....

یہ باطل محض ہیں،

☆ وهذا مفتاح من مفاتیح علم المکاشفۃ.

اور فرماتے ہیں کہ یہ بات ایک مفتاح ہے، مفاتیحِ علم میں سے، علم کی چابیوں میں اگر چند

باطل الوجود اور باطل الذات کا مطلب

مفتاح ہوں تو یہ ایک مفتاح ہے، مفتاح کی اگر مفتاح ہو تو پھر الگ بحث ہے لیکن اگر مفتاح جمع
 مفتاح ہو تو اس کے معانی یہ ہیں کہ یہ ایک چابی علمی ہے لیکن یہ چابی کس کے ہاتھ آتی ہے؟ یہ ان کے
 ہاتھ لگتی ہے کہ جو علومِ حضوری اور علومِ مکاشفات پر قدرت رکھتے ہوں یعنی جنہوں نے اپنے نفس
 کو، اپنے دل کو، اپنے قلب کو پاک کر لیا ہو تو یہ چابیاں ان کو دے دی جاتی ہیں۔ علم کی چابیاں کہ اسرارِ
 حقائق و علوم ان چابیوں سے کھلتے ہیں اور خداوند تبارک و تعالیٰ نے بعض پر یہ لطفِ عنایت کیا ہے، یہ
 راستہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے، اپنے آپ کو کم ہمت نہ سمجھیں، انسان کی قیمت بھی بقدرِ ہمت
 انسان ہے، اپنی قدرِ ہمت بڑھائیں، مقدارِ ہمت بالا کریں تاکہ قدرِ انسان بڑھ جائے، قیمتِ
 انسان بڑھ جائے اور جب قیمتِ انسان بڑھ جائے تو پھر وہ خزانے انسان کے اوپر کھل جاتے
 ہیں۔ انشاء اللہ اس کتاب کی جلد دوم میں فہمِ قرآن کے باقی پانچ آداب تحریر کئے جائیں گے۔

حوالہ جات

(۱)..... (سورۃ مبارکہ عنکبوت، آیہ ۶۹)

(۲)..... (نہج البلاغہ) (تفسیر المیزان- العلامة الطباطبائی، بحث روائی،

الجزء ۶، صفحہ ۵۰) (شرح أصول الکافی - مولی محمد صالح المازندرانی،

الجزء ۳، صفحہ ۳۲۰) (الأمثال القرآنیة القیاسیة المضروبة للإیمان باللہ - عبد

اللہ بن عبد الرحمن الجربوع، الجزء ۱، صفحہ ۲۶۳) (الکلینی والکافی - الشیخ

عبد الرسول الغفاری، الجزء ۱، صفحہ ۳۱۲) (شرح نہج البلاغہ - ابن ابی

الحدید، الجزء ۱، صفحہ ۶۷) (یک ہزار سخن از حضرت علی،

الجزء ۶، صفحہ ۱) (میزان الحکمة - الریشہری، الجزء ۳، صفحہ ۲۸۶)

(۳)..... (التفسیر الأصفی - الفیض الکاشانی، الجزء ۱، صفحہ ۱۱۰)

(تفسیر کنز الدقائق - المیرزا محمد المشہدی، الجزء ۱، صفحہ ۴۷۲)

(تفسیر نور الثقلین، الجزء ۱، صفحہ ۱۹۹) (تلخیص البیان فی مجازات

القرآن موافقا للمطبوع - الشریف الرضی) (تفسیر القمی، الجزء ۱، صفحہ ۶)

(أسباب النزول فی ضوء روايات أهل البيت) (كشف اليقين - العلامة الحلی)

(التفسیر الصافی - الفیض الکاشانی، الجزء ۱، صفحہ ۲۵۰) (أحكام القرآن -

القاضی محمد بن عبد اللہ أبو بکر بن العربی المعافری الاشبیلی المالکی

(المتوفی: ۵۴۳ھ، الجزء ۳، صفحہ ۸۶) (معتزک الأقران فی اعجاز القرآن،

وُیسمی (اعجاز القرآن ومعتزک الأقران) - عبد الرحمن بن أبی بکر، جلال

- الدين السيوطي، المتوفى ٩١١ هـ، الجزء ٣، صفحہ ٣٦٠) (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني - شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألويسي، الجزء ١٣، صفحہ ٦٠) (بيان المعاني - عبد القادر بن ملا حويش السيد محمود آل غازی العاني، الجزء ٦، صفحہ ٥٢٥) (المفردات في غريب القرآن - أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهاني، الجزء ١، صفحہ ١٥٠) (شرح أصول الكافي - محمد صالح المازندراني، الجزء ١، صفحہ ٦٦)
- (٢)..... (سورة مبارکہ بقرہ، آیہ ١٥٦)
- (٥)..... (مثنوی معنوی، بہ تصحیح: رینولد ا. نیکلسون، دفتر اول، صفحہ ٥)
- (٦)..... (سورة مبارکہ یس، آیہ ٦٩)
- (٧)..... (سورة مبارکہ بقرہ، آیہ ٢٣٧) (سورة مبارکہ بقرہ، آیہ ٢٦١) (سورة مبارکہ بقرہ، آیہ ٢٦٨)
- (سورة مبارکہ مائدہ، آیہ ٥٣) (سورة مبارکہ نور، آیہ ٣٢) (سورة مبارکہ آل عمران، آیہ ٧٣)
- (٨)..... (سورة مبارکہ بقرہ، آیہ ٢٠٩)، (سورة مبارکہ بقرہ، آیہ ٢٢٠) (سورة مبارکہ بقرہ، آیہ ٢٦٠)
- (سورة مبارکہ انفال، آیہ ١٠) (سورة مبارکہ توبہ، آیہ ١٧) (سورة مبارکہ لقمان، آیہ ٢٧)
- (٩)..... (سورة مبارکہ بقرہ، آیہ ٢٣٥) (سورة مبارکہ آل عمران، آیہ ١٥٥)
- (١٠)..... (سورة مبارکہ بقرہ، آیہ ١١٥)
- (١١)..... (سورة مبارکہ رحمن، آیہ ٢٧، ٢٨)
- (١٢)..... (ارشاد القلوب، الجزء ٢٦، صفحہ ٢) (متشابه القرآن، الجزء ١، صفحہ ١١٦) (مختصر بصائر الدرجات - الحسن بن سليمان الحلبي، الجزء ١،

صفحہ ۱۶۷) (مستدرک سفینۃ البحار - آیۃ اللہ الشیخ علی النمازی،

الجزء ۳، صفحہ ۴۴۰)

(۱۳)..... (أهل البيت في تفاسير أهل السنة)

(۱۴)..... (سورة مبارکہ قصص، آیہ ۸۸)

(۱۵)..... (کلیات سعدی، بر اساس نسخہ محمد علی فروغی، صفحہ ۲۸۰)

(۱۶)..... (مسند الامام علی) (تفسیر القمی - ابی الحسن علی بن ابراہیم

القمی) (تفسیر نور الثقلین) (مسند الامام الرضا (ع) - الشیخ عزیز اللہ

عطاردی، الجزء ۲، صفحہ ۹۴) (بحار الأنوار - علامہ مجلسی، الجزء ۳۶، صفحہ ۱)

(موسوعة الامام علی بن أبی طالب علیه السلام فی الكتاب و السنة و التاريخ،

الجزء ۹، صفحہ ۱۸۴)

(۱۷)..... (غریب الحدیث فی بحار الانوار، الجزء ۳، صفحہ ۱۹۷) (شرح نہج

البلاغہ - جعفری) (شعراء الغدير فی القرن الحادی عشر، الجزء ۷، صفحہ ۱۸)

(۱۸)..... (سورة مبارکہ نمل، آیہ ۸۸)

(۱۹)..... (بانگ درا، عنوان: ستارہ، صفحہ ۱۱۱)

(۲۰)..... (تفسیر رازی، باب ۷۵، الجزء ۶، صفحہ ۳۴۳)

(۲۱)..... (سورة مبارکہ ممتحنہ، آیہ ۴)

(۲۲)..... (سورة مبارکہ نور، آیہ ۳۵)

فہرستیں

- 738 ▼ فہرست آیات
- 763 ▼ فہرست روایات
- 768 ▼ فہرست دعا و مناجات
- 770 ▼ فہرست اشعار
- 782 ▼ فہرست متفرقات
- 783 ▼ فہرست منابع و مآخذ

فہرست آیات

صفحہ	آیت	
		سورۃ فاتحہ
580,716	۵	إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝
619	۱	بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝
619	۲	الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝
		سورۃ بقرہ
19	۱۸۵	شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۝
23	۲	ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝
34	۲	هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝
34	۱۸۵	هُدًى لِّلنَّاسِ ۝
56	۱۸۶	وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۝
56	۱۷۶	نَزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابُ بِالْحَقِّ ۝
57	۹۷	قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلْجَبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ ۝
69,295,315,325,338	۶	سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنْذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ ۝
69,295,325	۷	خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ ۝

صفحہ	آیت	
71,98,296,299,332	۷۴	ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ.....
71,324	۱۰	فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ.....
161	۵۷	وَضَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ.....
165	۶۱	وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَنْ نَصْبِرَ عَلَى.....
167	۶۱	فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ.....
167	۶۱	يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِئُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا.....
205	۵۵	يَا مُوسَى لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى نَرَى اللَّهَ.....
252	۱۸۳	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ.....
313	۲۲۲	إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ.....
320	۲۸۳	وَأِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا.....
333	۸۸	وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ.....
335	۹۳	وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ.....
347	۷۵	أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ.....
377,420	۴۵	وَأَنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝
395	۲۰۱	رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ.....
395	۲۵۰	رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا.....
397	۶۸،۶۹،۷۰	ادْعُ لَنَا رَبَّكَ.....
397	۲۵۸	قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ.....
535	۲۹	هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ.....

صفحہ	آیت	
568	۵	وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝
696	۱۵۶	إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝
704	۲۴۷، ۲۶۱، ۲۶۸	وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝
704	۲۰۹، ۲۲۰، ۲۶۰	إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝
704	۲۳۵	أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝
709	۱۱۵	وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تَتَّخِذْ مِنْ دُونِهِ سُبُلًا فَإِنَّهُ يَمُوتُ مَوْتًا مُتَنَبِّئًا ۝
		سورة آل عمران
30,53	۴	هُدًى لِلنَّاسِ.....
34	۱۳۸	هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝
56	۳	نَزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابُ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا فِيهِ.....
68	۱۹۰	لِأُولَى الْأَلْبَابِ.....
206,396	۱۹۳	رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ.....
263	۱۶۹	وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ.....
310	۷۷	وَلَا يَكْلَمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ.....
317	۱۵۹	فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ.....
328	۷	هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ.....
329,395	۸	رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا.....
335	۱۶۷	وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ.....

آدابِ فہمِ قرآن

741

فہرست آیات

صفحہ	آیت	
370	۱۶۲	أَفَمِنْ اتَّبَعَ رِضْوَانِ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ.....
397	۵۱	إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ.....
477	۱۴	زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ.....
557,560,583	۱۹۰	إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ.....
568	۱۰۴	وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝
677	۱۶۴	بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا.....
704	۷۳	وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝
704	۱۵۵	أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

سورة نساء

56	۱۳۶	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ.....
96,515,518,608	۸۲	أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ.....
207	۱۵۳	أَرَنَا اللَّهَ جَهْرَةً.....
346	۴۶	مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ.....
346	۱۳	فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ.....
346	۱۴	يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ.....
369	۹۵	لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ.....
515	۸۱	وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ.....

صفحہ	آیت	سورہ مائدہ
69	۱۰۰	فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝
70	۱۳	قُلُوبُهُمْ قَاسِيَةٌ.....
71	۵۲	فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ.....
324	۵۲	فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ.....
332	۱۳	فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ.....
374	۱۰۰	قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ.....
416	۴۴	إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ.....
567	۴۱، ۶۷	يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ.....
582	۱۱۸	إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبَادُكَ وَإِنْ.....
597	۶۷	يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ.....
704	۵۴	وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

صفحہ	آیت	سورہ انعام
37	۹۹	أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً.....
60,273	۱۲۵	فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ.....
70	۴۳	فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا.....
158	۵۹	وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ.....

صفحہ	آیت	
333	۲۵	وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا.....
357	۳۷	أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
370	۵۰	قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ.....
370	۱۲۲	أَوْ مَن كَانَ مَيِّتًا فَأُحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا.....
382	۱۲۱	وَأَنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ.....
417	۹۱	قُلْ مَن أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ.....
477	۳۲	وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ.....

سورة اعراف

31	۶۰	قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ.....
31	۶۶	قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ.....
31	۷۵	قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ.....
32	۹۰	وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ.....
32	۸۸	قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ.....
32	۱۰۹	قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمٍ فِرْعَوْنَ.....
35	۱۲۸	وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝
56	۱۹۶	إِنَّ وَلِيِّ اللَّهِ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ.....
100	۲۰۴	وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا.....
161	۱۶۰	وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ كُلُّوْا.....

صفحہ	آیت	
207	۱۴۳	لَنْ تَرَانِي.....
208	۱۴۳	وَوَخَّرَ مُوسَى صَعِقًا.....
208,232	۱۴۳	فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا.....
305	۱۷۶	وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ.....
306	۱۷۶	فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ.....
318	۱۲	خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝
318,320	۱۲	أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ.....
327	۱۰۱	تِلْكَ الْقُرَى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا.....
328,537,553	۱۷۹	وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ.....
357	۱۳۱	أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
396	۱۲۶	رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۝
397	۱۳۴	ادْعُ لَنَا رَبَّكَ.....

سورة انفال

71	۴۹	فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ.....
226	۲۴	أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ.....
357	۳۴	أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
704	۱۰	إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

آیت صفحہ

سورۃ توبہ

71	۱۲۵	فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ.....
303	۱۰۳	خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ.....
326	۹۳	إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ.....
329	۱۱۷	لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ.....
336	۱۵	وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ.....
335	۷۷	فَاعْقِبْهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمٍ.....
336	۱۱۰	لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً.....
368	۱۹	أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ.....
489	۱۰۸	لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَْسْجِدٍ أُسِّسَ.....
568	۸۸	وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝
704	۷۱	إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

سورۃ یونس

327	۷۴	ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَى قَوْمِهِمْ.....
357	۵۵	أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

صفحہ

آیت

سورہ ہود

32

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ ۲۷

369

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ ۲۴

397

وَالِی ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ ۶۱

سورہ یوسف

95,96

۲

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

96

۳

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ ۳

398

۹۸

قَالَ سَوْفَ أُسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۹۸

557

۱۱۱

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لَأُولَى الْأَلْبَابِ ۱۱۱

سورہ رعد

37

۱۷

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۱۷

371

۱۶

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ ۱۶

371

۱۹

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ ۱۹

508

۴

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ ۴

آیت صفحہ

سورۃ ابراہیمؑ

396

۴۱

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ.....

سورۃ حجر

57

۶

نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ.....

158

۲۱

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ.....

179

۳۴

فَاخْرِجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ.....

334

۴۷

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ.....

467

۲

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا.....

467

۳

ذُرَّهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا.....

480

۳۹

لَا زَيْنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا غُورِيْنَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

سورۃ نحل

34

۱۰۲

وَهْدَىٰ وَبَشَّرِ لِلْمُحْسِنِينَ ۝

37

۱۰،۶۵

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً.....

100,347,354,519

۹۸

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ.....

322

۱۰۷

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا.....

322,326

۱۰۸

أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ.....

صفحہ	آیت	
357	۷۵، ۱۰۱	أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
368	۷۵	ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا.....
368	۷۶	وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا.....
518	۹۷	مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنشَى.....

سورۃ اسراء

60,61	۷۹	وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ.....
333	۸۶	وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً.....
573	۱۴	اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ.....

سورۃ کہف

321	۲۸	وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِینَ یَدْعُونَ رَبَّهُمْ.....
-----	----	--

سورۃ مریم

35	۶۳	تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا.....
----	----	--

سورۃ طہ

162	۸۰	يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ.....
-----	----	--

صفحہ	آیت	
455	۱۱۴	وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا
سورۃ انبیاء		
337,456,465	۳	لَا هِيَ قُلُوبُهُمْ.....
357	۲۴	أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ.....
465	۱	اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ.....
465	۳	مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِمْ مُّحَدِّثٌ.....
سورۃ حج		
37	۶۳	أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً.....
70	۵۳	وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ.....
71	۵۳	فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ.....
329	۴۶	فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى.....
536	۶۵	أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ.....
سورۃ مؤمنون		
33	۲۴	فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا.....
33	۳۳	وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا.....

صفحہ	آیت	
520	۶۶	قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَى عَلَيْكُمْ.....
520	۶۷	مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ۝
520	۶۸	أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ.....
520	۶۹	أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝

سورۃ نور

375,404	۲۶	الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ.....
486	۳۶	فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ.....
486,491	۳۷	رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ.....
568	۵۱	وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝
704	۳۲	وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝
728	۳۵	اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ.....

سورۃ فرقان

27	۳۰	وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا.....
35	۱۵	قُلْ أَذِلَّكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي.....
57	۱	تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ.....
677	۴۱	بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۝

صفحہ	آیت	
		سورۃ شعراء
90	۱۹۵	بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝
		سورۃ نمل
34	۲	هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝
357	۶۱	أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
722	۸۸	وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسِبُهَا جَمَلَةٌ وَهِيَ تَمُورُ مَرَّ السَّحَابِ ۸۸
		سورۃ قصص
35	۸۳	وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝
357	۱۳، ۵۷	أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
372	۶۱	أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ ۶۱
713, 721	۸۸	كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۸۸
		سورۃ عنكبوت
357	۶۳	أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝
476	۶۴	وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌّ وَلَعِبٌ ۶۴
508	۳۵	وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً ۳۵

والَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا.....

آیت ۶۹ صفحہ 574,694

سورۃ روم

كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ.....

۵۹ 326

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۝

۲۴ 508

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۝

۳۸ 568

سورۃ لقمان

هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ۝

۳ 34

وَاعْصِصْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ.....

۱۹ 128

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۝

۲۵ 357

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۝

۱۸ 357

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ.....

۶ 473

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۝

۵ 568

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۝

۲۷ 704

سورۃ سجدہ

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا.....

۱۸ 368

آیت صفحہ

سورۃ احزاب

52	۳۳ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ
71	۱۲، ۶۰ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ
176	۲۳ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ

سورۃ فاطر

37	۲۷ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
371	۱۲ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
371	۱۹ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ ۝
371	۲۰ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ۝
371	۲۱ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ۝
371	۲۲ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ

سورۃ يس

301	۱۷ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ
701	۶۹ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ

صفحہ	آیت	سورۃ ص
68	۴۳	لأُولَى الْأَلْبَابِ.....
94,521	۲۹	كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ.....
179	۷۷	فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ.....
318	۷۶	خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝
318,320	۷۶	أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ.....
557	۴۳	وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ.....
		سورۃ زمر
37	۲۱	أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً.....
68	۱۸	الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ.....
70,332	۲۲	فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ.....
330	۴۵	وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ.....
332	۲۲	أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ.....
357	۲۹، ۴۹	أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
369	۲۹	ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ.....
372	۹	أَمَّنْ هُوَ قَانِثٌ آتَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا.....

صفحہ	آیت	
		سورۃ غافر (مؤمن)
68	۵۴	لأُولَى الْأَلْبَابِ.....
317	۳۵	الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ.....
372	۵۸	وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ.....
558	۵۴	هٰذِي وَذِكْرَىٰ لِأُولَى الْأَلْبَابِ ۝
		سورۃ فصلت
90	۳	كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا.....
90	۴۲	تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝
92	۴	بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ.....
93	۵	وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا.....
		سورۃ زخرف
90	۳	إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝
397	۴۹	ادْعُ لَنَا رَبَّكَ.....

صفحہ

آیت

سورہ دخان

210

۳

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ.....

357

۳۹

أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

سورہ محمد

70,331,521

۲۴

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝

71

۲۰، ۲۹

فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ.....

88

۲۳

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ.....

326

۱۶

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا.....

373

۱۴

أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيْنَةٍ مِنْ رَبِّهِ.....

373

۱۵

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا.....

476

۳۶

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌّ وَلَهُوَ.....

سورہ فتح

357

۱۵

بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

489

۲۵

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ.....

سورہ حجرات

357

۴

أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝

صفحہ	آیت	سورۃ ق
226	۱۶	وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝
357	۴۷	سورۃ طور أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
73	۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰، ۵۰	سورۃ قمر وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝
538	۴۳	سورۃ رحمن هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۝
538	۴۴	يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آتٍ ۝
538	۴۵	فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝
709	۲۶	كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝
709	۲۷	وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝

صفحہ	آیت	سورہ واقعہ
23,51,54,75,96	۷۷	اِنَّهٗ لَقُرْآنٌ کَرِیْمٌ ۝
23,54,75,96	۷۸	فِی کِتَابٍ مَّکْنُوْنٍ ۝
23,54,75,96	۷۹	لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ ۝
75,91	۸۰	تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝
226	۸۵	وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝

صفحہ	آیت	سورہ حدید
70	۱۶	فَقَسْتُ قُلُوْبُهُمْ.....
357	۲۳	وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝
373	۱۰	وَمَا لَکُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلِلّٰہِ.....
475	۲۰	اِعْلَمُوْا اَنَّہٗ الْحَیَۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَلَہُوْ.....

صفحہ	آیت	سورہ حشر
208	۲۱	لَوْ اَنْزَلْنَا ہٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاٰیْتِہٖ.....
265,266	۱۹	وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسَاہُمْ اَنْفُسُہُمْ.....
334	۱۰	وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِہُمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا.....
374	۲۰	لَا یَسْتَوِیْ اَصْحَابُ النَّارِ وَاَصْحَابُ الْجَنَّةِ.....

صفحہ	آیت	سورہ ممتحنہ
727	۴	تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحَدُّهُ.....
		سورہ جمعہ
302	۲	هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ.....
305	۵	مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا.....
463	۹	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ.....
463,702	۱۰	فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ.....
463	۱۱	وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا.....
		سورہ منافقون
315	۶	سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ.....
326	۳	ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى.....
462,475	۹	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا.....
		سورہ حاقہ
75,91	۱۴۳	تَنْزِيلٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ

صفحہ	آیت	
		سورۃ مزمل
60,274	۵	إِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝
60,61	۶	إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيْلًا ۝
80,100	۴	وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا ۝
		سورۃ مدثر
71	۳۱	فِي قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۝
		سورۃ قیامۃ
314	۱۴	بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيْرَةٌ ۝
		سورۃ انسان
244,245	۲۱	وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝
		سورۃ نبا
35	۳۱	إِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۝

آیت صفحہ

سورۃ مطفین

کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ ۱۴

337

سورۃ انشقاق

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى ۶

456

سورۃ شرح

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ ۱

60,274

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝ ۲

274

سورۃ قدر

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ ۱

210

سورۃ زلزله

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ ۷

673

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ ۸

673

صفحہ	آیت	سورہ تکاثر
459,460,461,674	۱	اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ۝
460,461	۲	حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۝
24	۱	سورہ عصر وَالْعَصْرِ۝
24	۲	اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ۝
444	۲	سورہ کافرون لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۝

فہرست روایات

حدیثِ قدسی

اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ.....

226

رسول اللہ ﷺ

59	اَنَا مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ أُمِرْنَا أَنْ نَكَلِّمَ النَّاسَ عَلَى قَدْرِ عُقُولِهِمْ.....
81-509	إِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَهْرًا وَبَطْنًا وَبَطْنُهُ بَطْنًا إِلَى سَبْعَةِ أَبْطُنٍ.....
89	رُبَّ تَالِ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهُ.....
108,112	إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَادِبَةُ اللَّهِ.....
137	لَا تَعْلَمُوا الْعِلْمَ لَتَمَارُوا بِهِ السُّفَهَاءُ، وَتُجَادِلُوا بِهِ الْعُلَمَاءُ.....
137	مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لَارْبَعَ دَخَلَ النَّارَ : لِيَبَاهِي بِهِ الْعُلَمَاءَ.....
263	مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ.....
263	مَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ.....
263	مَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ.....
264	مَنْ قُتِلَ دُونَ مَظْلَمَتِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ.....
264	مَنْ قُتِلَ دُونَ عِيَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ.....
264	مَنْ قُتِلَ دُونَ نَفْسِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ.....
264	مَنْ قُتِلَ دُونَ عَرَضِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ.....

280	إِنَّ أَفْوَاهَكُمْ طُرُقُ الْقُرْآنِ فَطَيَّبُوهَا بِالسُّوَاكِ.....
307	إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُورِ وَيَكْرَهُ سَفَاسِفَهَا.....
307	إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأَخْلَاقِ.....
377	أَرْحَنَا يَا بَلَالُ.....
418	جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ.....
470	إِنَّ أَخَوْفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْهَوَىٰ وَطُولُ الْأَمَلِ.....
524	فَإِنَّهُ لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَهُ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثِ.....
568,621,622	مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ.....
570	حُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ.....
572	مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ.....
572	فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ.....
597,598,608	رُبَّ حَامِلٍ فَقِيهِ إِلَىٰ مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ.....
660	مَنْ أَخْلَصَ لِلَّهِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا ظَهَرَ تِنَابُيعُ الْحِكْمَةِ.....
673	لَقَدْ رَجَعَ الرَّجُلَ فَقِيهًا.....
695	أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَىٰ بَابِهَا.....
720	لَا تَسُبُّوا عَلِيًّا فَإِنَّهُ مَمْسُوسٌ فِي ذَاتِ اللَّهِ.....

حضرت امام علی علیہ السلام

81,523	لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَا فِقْهَ فِيهَا.....
83,524	تَدَبَّرُوا آيَاتِ الْقُرْآنِ وَ اعْتَبِرُوا بِهِ فَإِنَّهُ أَبْلَغُ الْعِبَرِ.....
85	مَا عَبْدْتُكَ خَوْفًا مِنْ نَارِكَ وَلَا طَمَعًا فِي جَنَّتِكَ.....
111	لَا تَجْتَمِعُ الْفِطْنَةُ وَالْبِطْنَةُ.....
125	أَفْضَلُ الْأَدَبِ أَنْ يَقِفَ الْإِنْسَانُ عِنْدَ حَدِّهِ وَلَا يَتَعَدَّى قُدْرَهُ.....
138	خُذُوا مِنَ الْعِلْمِ مَا بَدَأَ لَكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تَطْلُبُوهُ لِخَصَالِ أَرْبَعٍ.....
151,180	إِنَّ بِذَوِي الْعُقُولِ مِنَ الْحَاجَةِ إِلَى الْأَدَبِ كَمَا يَظُنُّ.....
152,158,180	بِالْأَدَبِ تَشْحَذُ الْفِطَنُ.....
151,180	إِنَّكُمْ إِلَى اكْتِسَابِ الْأَدَبِ أَحْوَجُ مِنْكُمْ إِلَى اكْتِسَابِ.....
176	يَا أَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَلَا رِجَالٍ.....
192	ذَلِكَ الْقُرْآنُ فَاسْتَنْطِقُوهُ.....
206,218,710	لَمْ أَكُنْ أَعْبُدُ رَبًّا لَمْ أَرَهُ.....
206,710	مَا كُنْتُ لِأَعْبُدُ رَبًّا لَمْ أَرَهُ.....
218	فَتَجَلَّى لَهُمْ سُبْحَانَهُ فِي كِتَابِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونُوا رَأَوْهُ.....
281	إِنَّ أَفْوَاهَكُمْ طُرُقُ الْقُرْآنِ فَطَهَّرُوهَا بِالسَّوَاكِ.....
291	يَا كَمِيلُ بْنُ زِيَادٍ، إِنَّ هَذِهِ الْقُلُوبَ أَوْعِيَّةٌ، فَخَيْرُهَا أَوْعَاهَا.....
291	النَّاسُ ثَلَاثَةٌ: فَعَالِمٌ رَبَّانِيٌّ، وَمُتَعَلِّمٌ عَلَى سَبِيلِ نَجَاةٍ.....
297	طَهَّرُوا قُلُوبَكُمْ مِنْ دَرَنِ السَّيِّئَاتِ تُضَاعَفُ لَكُمْ الْحَسَنَاتُ.....
297	طَهَّرُوا قُلُوبَكُمْ مِنَ الْحَسَدِ فَإِنَّهُ مُكِمِدٌ مُضْنِي.....
297	طَهَّرُوا قُلُوبَكُمْ مِنَ الْحَقْدِ، فَإِنَّهُ دَاءٌ مُؤَبِّي.....

306	إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ.....
309	قُلُوبُ الْعِبَادِ الطَّاهِرَةِ مَوَاضِعُ نَظَرِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ فَمَنْ طَهَّرَ.....
353	كَمْ مِنْ عَقْلٍ أَسِيرٍ تَحْتَ هَوَى أَمِيرٍ.....
355,671	وَأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ إِنَّمَا جَاءُوا لِ يُبَيِّنُوا دِفَائِنَ الْعُقُولِ فِي النَّاسِ.....
355,671,674	يُبَيِّنُوا فِيهِمْ دِفَائِنَ عُقُولِهِمْ.....
401	قُلُوبُ الرِّجَالِ وَحُشِيَّةٌ.....
430	لِكُلِّ شَيْءٍ آفَةٌ وَلِلْعِلْمِ آفَاتٌ.....
431	لَا يَشْغَلُهُ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ.....
447	لِلْقَلْبِ إِقْبَالٌ وَادْبَارٌ.....
457	مَنْ اسْتَوَى يَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُورٌ.....
458	مَنْ كَانَ آخِرُ يَوْمِهِ شَرًّا فَهُوَ مَلْعُونٌ.....
523	وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَا فِقْهَ فِيهَا وَلَا.....
562	مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللَّهَ قَبْلَهُ.....
562	مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللَّهَ قَبْلَهُ وَمَعَهُ وَبَعْدَهُ.....
562	مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللَّهَ مَعَهُ.....
578-579	لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَا فِقْهَ فِيهَا وَلَا فِي قِرَاءَةٍ لَا تَدَبَّرُ فِيهَا.....
603	النَّاسُ عَلَى دِينِ مُلُوكِهِمْ.....
622	اتَّزَعَمُ أَنْكَ جِرْمٌ صَغِيرٌ وَفِيكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ.....
652	وَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى أَحَدٍ بَعْدَ الْقُرْآنِ مِنْ فَاقَةٍ.....
653	لَا فِقْرَ بَعْدَ الْقُرْآنِ.....

695,696

أَوَّلُ الدِّينِ مَعْرِفَتُهُ.....

720,721

وَمَا لِلَّهِ آيَةٌ أَكْبَرُ مِنِّي.....

امام محمد باقر عليه السلام

138

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ، أَوْ يُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ.....

امام جعفر صادق عليه السلام

45

الْعِلْمُ نُورٌ.....

58

مَا كَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْعِبَادَ بِكُنْهِ عَقْلِهِ قَطُّ.

157

فَالْعِبَارَةُ لِلْعَوَامِّ وَالْإِشَارَةُ لِلْخَوَاصِّ وَاللِّطَائِفُ لِلْأَوْلِيَاءِ.....

217-218

لَقَدْ تَجَلَّى اللَّهُ لَخَلْقِهِ بِكَلَامِهِ وَلَكِنَّهُمْ لَا يُبْصِرُونَ.....

218

وَاللَّهُ لَقَدْ تَجَلَّى اللَّهُ لَخَلْقِهِ فِي كَلَامِهِ وَلَكِنَّهُمْ لَا يُبْصِرُونَ.....

271

الْعِلْمُ نُورٌ يَقْدِفُهُ اللَّهُ فِي قَلْبِ مَنْ يَشَاءُ.....

438

الْقَلْبُ حَرَمُ اللَّهِ فَلَا تُسْكِنُ حَرَمَ اللَّهِ غَيْرَ اللَّهِ.....

438

إِنَّ قَلْبَ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ الرَّحْمَنِ.....



فہرست دعا و مناجات

صفحہ

☆ وَأَنْزِرْ أَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا إِلَيْكَ حَتَّى
تَخْرِقَ أَبْصَارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ
إِلَى مَعْدِنِ الْعِظَمَةِ.....

154

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ جَمَالِكَ بِاَجْمَلِهِ وَ
كُلُّ جَمَالِكَ جَمِیْلٌ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ
بِجَمَالِكَ كُلِّهِ.....

306

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ عُلوِّكَ بِاَعْلَاهُ وَكُلُّ
عُلوِّكَ عَالٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِعُلوِّكَ كُلِّهِ.....

307

☆ یَا اِلٰهٰی صَبَرْتُ عَلٰی حَرِّ نَارِكَ فَكَيْفَ اصْبِرُ
عَنِ النَّظَرِ اِلٰی كَرَامَتِكَ.....

310

- ☆ عَقْلِي مَغْلُوبٌ وَ هَوَائِي غَالِبٌ 352
- ☆ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَعْنَتَنِيْ عَلٰى خَتْمِ كِتَابِكَ
الَّذِيْ اَنْزَلْتَهُ نُورًا 417
- ☆ وَيَا قُرَّةَ عَيْنٍ مَنْ لَا ذَبِكَ وَانْقَطَعَ إِلَيْكَ 448
- ☆ وَلَا تَشْغَلْنَا عَنْكَ بِغَيْرِكَ 448
- ☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَخْلَصْتُ بِانْقِطَاعِيْ اِلَيْكَ
وَاقْبَلْتُ بِكُلِّيْ عَلَيْكَ 448
- ☆ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ 455
- ☆ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ 724,725

فہرست اشعار

صفحہ

شیخ سعدی

- 99 بہ عدی حجاب نیست تو آئینہ پاک دار
زنگار خوردہ چون بنماید جمالِ دوست
- 394 ہرگز وجود حاضر غایب شنیدہ ای؟
من در میان جمع و دلمر جای دیگرست
- 717 درہ عقل جز پیچ در پیچ نیست
بر عارفان جز خدا ہیچ نیست
- 717 توان گفتن این با حقایق شناس
ولی خوردہ گیرند اہل قیاس

718 کہ پس آسمان و زمین چیستند
بنی آدم و دام و دد کیستند؟

718 ہمہ ہرچہ ہستند از آن کمترند
کہ با ہستیش نام ہستی برند

غالب

725 ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

بہرتری ہری

314 پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد نادان پر کلامِ نرم و نازک بے اثر



علامہ اقبالؒ

139 تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا

140 تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

جوانوں کو مری آہِ سحر لے

140 پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر لے

142 تیرے سامنے آسمان اور بھی ہیں

142 شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے

142 سبق شاہیں بچوں کو لے رہے ہیں خاکبازی کا

- مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز
تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے
173 طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کیلئے
- گلزارِ ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ
535 ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ
- جہانبانی سے ہے دشوار تر کارِ جہان بینی
643 جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
- گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
678 کھان سے آئے صدا لا الہ الا اللہ
- 723 ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

حافظ شیرازی

141 واعظان کاین جلوه در محراب و منبر میکنند
چون بخلوت میروند آن کار دیگر میکنند

270 خلوت دل نیست جای صحبت اضداد
دیو چو بیرون رود فرشته در آید

535 من ملک بودم و فردوس برین جایم بود

652 ساله اذل طلب جامر جمر از مای کرد
وانچه خود داشت زیگانه تمنای کرد

651-652 گفتم این جامر جهان بین بتو کی داد حکیم
گفت آنروز که این گنبد مینا میگرد

مولانا روم

719

ہتر گیامی کہ از زمین روید
وحدۃ لا شریک لہ گوید

156

دیدہ ای بساید سبب سوداخ کن
تا حُجب را بر کنند از بیخ و بُن

159-160

از خدا جویم توفیقِ ادب
بی ادب محروم شد از لطفِ رب

160

بی ادب تنہانہ خود را داشت بد
بلک آتش در ہمہ آفاق زد

162

ماید از آسمان در می رسید
بی صدا و بی فروخت و بی خرید

163

در میان قومِ موسیٰ چند کس
 بے ادب گفتند کوسیر و عدس

167-168

منقطع شدنِ ان و خوان آسمان
 مانند رنجِ ذرع و بیل و داسمان

169

باز عیسیٰ چون شفاعت کرد حق
 خوان و در ستاد و غنیمت بر طبق

169

باز گستاخانِ ادب بگذاشتند
 چون گدایانِ زلہا برداشتند

170

لا بہ کردہ عیسیٰ ایشانرا کہ این
 دایمست و کمرنگردد از زمین

170 بد گمانی کردن و حرص آورد
کفر باشد پیش خوانِ مہترے

171 آن گداڑو پان نادیدہ ز آرز
آن دردِ حمت برایشان شد فراز

171 ابر بر نہ آید پی منع ز کات
وز زنا افتد و باندر جہات

171 ہر چہ بر تو آید از ظلمات و غم
آن ز بی باکی و گستاخیست ہم

173 ہر کہ بی باکی کند در درازہ دوست
درازِ مردان شد و نامرداوست

177

از ادب پر نور گشتست این فلک
و ز ادب معصوم و پاک آمد ملک

177-178

ہر کہ او بی سربجنبد دُمر بود
جنبشش چون جنبش کژدم بود

178

بُد ز گستاخی کسوفِ آفتاب
شد عزایلی ز جرأتِ ردِ باب

206

این دہان بستی دہانی باز شد
کاو خوردند لقمہ ہائی باز شد

246

نام احمد نامِ جملہ انبیاست
چون کہ صد آمدنود ہم پیش ماست

ای برادر قصہ چون پیمانہ ای ست
معنی اندروی مثال دانه ای ست
دانه معنی بگیرد مرد عفت
441 ننگرد پیمانہ را گر گشت نقل

ای برادر تو همان اندیشه ای
574 مابقی تو استخوان و دریشہ ای

چند گاهش گامِ آہود در خود است
575 بعد از آن خود نافِ آہود ہر است

ہر کسی از ظنِّ خود شد یار من
699 از درونِ من نجست اسرار من

امام خمینیؑ

175

من بخال لبّت ای دوست گرفتار شدم
چشم بیمار تو را دیدم و بیمار شدم

شمس مغربی

568

مرا بہ ہیچ کتابی مکن حوالہ دگر
کہ من حقیقت خود را کتاب می بینم

لبید

713

علی کل شیء ما خلا اللہ باطل
و کل نعیم لا مہالۃ زاہل

متفرق

عبارتناشتی و حسنک واحد

129

وکل الی ذاک الجمال یشر

298

جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے

www.ziaraat.com
jagir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

فہرست متفرقات

- 43 اَلْعِلْمُ هُوَ حُصُولُ صُورَةِ الشَّيْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ.....
- 44 اِنَّ الْعِلْمَ هُوَ الصُّورَةُ الْحَاصِلَةُ مِنَ الشَّيْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ.....
- 44 اَلْعِلْمُ هُوَ : حُضُورُ صُورَةِ الشَّيْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ.....
- 120 اِنْ شَاءَ فَعَلَ وَ اِنْ لَمْ يَشَاءَ لَمْ يَفْعَلْ.....
- 172 تمام رب بد بختی هائی مسلمین از دست آمریکہ است.....
- 174 بَيْنَ الْأَحْبَابِ تَسْقُطُ الْأَدَابُ.....
- 309 لَا جَنَّةَ فَوْقَهَا.....
- 312 از کوزه انچه تراود کہ در اوست
- 407 الجنس یمیل الجنس
- کبوتر با کبوتر باز با باز
- 407 کند ہم جنس با ہم جنس پرواز.....
- 469 بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست
- مَنْ رَبُّكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ وَمَنْ دِينُكَ وَمَنْ كِتَابُكَ وَمَنْ قَبْلُكَ وَمَنْ آئِمَّتُكَ.....
- 572-573
- 674,676 اگر در خانہ کس است یک حرف بس است.....

فہرست منابع و مآخذ

◀ القرآن الکریم

◀ نہج البلاغہ

◀ صحیفہ سجادیہ

◀ الف

◀ اتجاهات التفسير في القرن الرابع عشر

◀ اثنا عشر رسالة - المحقق الداماد

◀ اختيار مصباح السالكين

◀ اخلاق از دیدگاه قرآن، پیامبر و عترت

◀ اخلاق در قرآن

◀ ارشاد القلوب

◀ اسرار نماز

◀ اقبال الاعمال

◀ الاتقان فی علوم القرآن

◀ الاکلیل فی استنباط التنزیل - عبد الرحمن بن أبی بکر، جلال الدین

السیوطی

- ◀ الامام علی بن ابی طالب علیہ السلام من حبه عنوان الصحیفة
- ◀ الامام علی ونهج البلاغه
- ◀ الامام علی - أحمد الرحمانی الهمدانی
- ◀ الامثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل - الشیخ ناصر مکارم الشیرازی مدظلہ
- ◀ الانسان الكامل فی نهج البلاغة
- ◀ الأخلاق عنوان الايمان ومنطلق التقدم
- ◀ الأمالی للطوسیؒ
- ◀ الأمثال القرآنية القیاسية المضروبة للايمان بالله - عبد الله بن عبد الرحمن الجربوع
- ◀ البحر المديد فی تفسیر القرآن المجید
- ◀ البرهان فی علوم القرآن
- ◀ البلد الأمين
- ◀ البیان فی تفسیر القرآن
- ◀ التبیان فی تفسیر القرآن - شیخ الطائفة أبی جعفر محمد بن الحسن الطوسیؒ
- ◀ التحفة السنية
- ◀ التفسیر الأصفی - الفیض الکاشانیؒ
- ◀ التفسیر الصافی - الفیض الکاشانیؒ

- ◀ التفسير والمفسرون
- ◀ الحدائق الناضرة - المحقق البحراني
- ◀ الخصال
- ◀ الرواشم السماوية
- ◀ السلام في القرآن والحديث
- ◀ العمدة - ابن البطريق
- ◀ الفصول المهمة في أصول الأئمة - الحر العاملي
- ◀ الفوائد الرضوية
- ◀ الكافي - الكليني
- ◀ الكليني والكافي - الشيخ عبد الرسول الغفاري
- ◀ الكوهاي رفتاري امام علي عليه السلام
- ◀ المرشد الوجيز لقراء كتاب الله العزيز
- ◀ المسترشد - محمد بن جرير الطبري، الشيعي
- ◀ المفردات في غريب القرآن - أبو القاسم الحسين بن محمد
- المعروف بالراغب الأصفهاني، المتوفى: ٥٥٠٢هـ
- ◀ المنطق - مظفر
- ◀ النظام القرآني

◀ النظرية الاجتماعية في القرآن الكريم

◀ الوجيز في أصول العقائد وأحكام التقليد والبلوغ

◀ امالی السيد المرتضیٰ

◀ امام علیؑ فرهنگ عمومی و همبستگی اجتماعی

◀ امثال القرآن

◀ انسان و قرآن

◀ آ

◀ آشنایی با قرآن - متفکر شهید استاد مرتضیٰ مطهریؒ

◀ آموزه های بنیادین علم اخلاق - محمد فتحعلی خانی

◀ أ

◀ أحادیث أم المؤمنین عائشة - السيد مرتضیٰ العسکری

◀ أحكام القرآن - القاضي محمد بن عبد الله أبو بكر بن العربي

المعافى الاشبلى المالکى، المتوفى: ٥٢٣هـ

◀ أحكام القرآن - أحمد بن علی أبو بکر الرازى الجصاص

الحنفى، المتوفى: ٣٠٤هـ

◀ أدعيه جامع الاحادیث



◀ أسباب النزول في ضوء روايات أهل البيت

◀ أسطورة العبوسة

◀ أعلام الدين في صفات المؤمنين

◀ أهل البيت في تفاسير أهل السنة

◀ ب

◀ باطن و تأویل قرآن

◀ بحار الأنوار- العلم العلامة الحجة فخرالامة المولى الشيخ محمد باقر

المجلسي

◀ بررسی تطبیقی مفهوم و آثار اضطرار در حقوق مدنی

◀ برگگی از دفتر آفتاب

◀ بصائر ذوی التمییز فی لطائف- الكتاب العزيز مجد الدين أبو طاهر

محمد بن يعقوب الفيروز آبادی

◀ بهج الصباغة في شرح نهج البلاغة

◀ بهجت عارفان در حدیث دیگران

◀ بیان المعانی [مرتب حسب ترتیب النزول] المؤلف: عبد القادر بن

ملا حویش السید محمود آل غازی العانی، المتوفی: ۱۳۹۸ھ

◀ پ

◀ پرتوی از اسرار نماز

◀ پیام امام امیر المؤمنینؑ

◀ ت

◀ تحریرات فی الأصول - السيد مصطفى الخمينيؑ

◀ تذكرة الفقهاء

◀ ترجمہ تفسیر المیزان - علامہ محمد حسین طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ

◀ ترجمہ نہج البلاغہ - انصاریان

◀ تسنیم تفسیر قرآن کریم - آية الله جوادى آملی مدظله

◀ تصحيح القراءة فى نهج البلاغة

◀ تصنيف نهج البلاغة

◀ تفسیر الامام العسکریؑ

◀ تفسیر القرآن الکریم - السيد مصطفى الخمينيؑ

◀ تفسیر القمی - ابی الحسن علی بن ابراہیم القمیؑ

◀ تفسیر المیزان - العلامة الطباطبائیؑ

◀ تفسیر جوامع الجامع - الشيخ ابی علی الفضل بن الحسن الطبرسیؑ

◀ تفسیر رازی

◀ تفسیر کنز الدقائق - المیرزا محمد المشہدیؒ

◀ تفسیر مجمع البیان - امین الاسلام ابی علی الفضل بن الحسن الطبرسیؒ

◀ تفسیر نمونہ - جمعی از فضلا

◀ تفسیر نور الثقلین

◀ تفسیر نور - حجة الاسلام و المسلمین حاج شیخ محسن قرائتی مدظلہ

◀ تلخیص البیان فی مجازات القرآن - الشریف الرضیؒ

◀ تمام نہج البلاغہ

◀ تنبیہ الغافلین و ارشاد الجاہلین عما یقع لہم من الخطأ حال تلاوتہم

لکتاب اللہ المبین

◀ تہذیب الاحکام فی شرح المقنعة للشيخ المفيد رضوان اللہ علیہ -

الشيخ الطوسيؒ

◀ ج

◀ جاذبہ و دافعہ علیؒ - شہید مرتضیٰ مطہریؒ

◀ جامع الاخبار

◀ جامع آیات و احادیث موضوعی نماز

◀ جامعہ علوی در نہج البلاغہ

◀ جلوہ تاریخ در شرح نہج البلاغہ

◀ جمال الاسبوع

◀ جواهر القرآن - ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی

ح ▶

◀ حقائق الاصول

◀ حلیۃ الأبرار - السید ہاشم البحرانی

◀ حیاۃ امیر المؤمنین عن لسانہ - الشیخ محمد محمدیان

و ▶

◀ در سرزمین تبوک - آیۃ اللہ جعفر سبحانی مدظلہ

◀ دراسات فی علم الاصول

◀ دعائم الاسلام

◀ دیوان امام خمینیؑ

◀ دیوان حافظ شیرازی، از روی نسخہ تصحیح شدہ علامہ محمد قزوینی

◀ دیوان حکیم ثنائی غزنوی

◀ دیوان شمس مغربی

◀ ذ

◀ ذخیرۃ المعاد - المحقق السبزواریؒ

◀ ر

◀ رجال الکشی

◀ رسالہ سیروسلوک بحر العلومؒ

◀ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی - شہاب الدین

محمود بن عبد اللہ الحسینی الألوسی، المتوفی: ۱۲۷۰ھ

◀ ز

◀ زہر الأکم فی الأمثال والحکم

◀ س

◀ سنن النبی الاکرم ﷺ

◀ سنن النبیؐ - السيد الطباطبائیؒ

◀ سیرۃ الامام جعفر صادقؑ

◀ سیمای کار گزاران علی ابن ابی طالبؑ

◀ ش

- ◀ شبی در پایتخت بهشت
- ◀ شرح أصول الكافي - مولى محمد صالح المازندراني
- ◀ شرح حكم نهج البلاغة
- ◀ شرح خطبه البيان امام علي بن ابي طالب
- ◀ شرح نهج البلاغة - جعفرى
- ◀ شرح نهج البلاغة - ابن ابي الحديد
- ◀ شرح نهج البلاغة - الحائرى
- ◀ شرح نهج البلاغة - المقتطف من بحار
- ◀ شرح نهج البلاغة - عبد الحميد بن هبة الله بن محمد بن الحسين بن
- ◀ ابي الحديد، أبو حامد، عز الدين، المتوفى: ٥٢٥٢
- ◀ شرح نهج البلاغة - الدخيل
- ◀ شعراء الغدير فى القرن الحادى عشر

◀ ص

- ◀ صحائف الأبرار فى وظائف الأسرار
- ◀ صحيفة الامام علي

◀ ع

◀ علوم طبیعت در قرآن

◀ علی المرتضیٰ (علیہ السلام) نقطۃ باء البسملة

◀ علی فی کتاب والسنة والادب

◀ علی والخوارج

◀ علی "علیہ السلام" من المهد الى اللحد

◀ عوالی اللآلی - ابن ابی جمہور احسائی

◀ عیون الحکم والمواعظ - علی بن محمد اللیثی الواسطی

◀ غ

◀ غرر الحکم و درر الکلم

◀ غریب الحدیث فی بحار الانوار

◀ ف

◀ فضائل القرآن للقاسم بن سلام - أبو عُبَید القاسم بن سلام بن عبد الله

الہروی البغدادی

◀ فضائل و سیرہ چہارده معصوم (ع) در آثار استاد علامہ حسن زادہ

آملی مدظله

◀ فی رحاب القرآن

◀ فی ظلال نهج البلاغة

◀ ق

◀ قبسات من نهج البلاغة

◀ قرآن در آئینه احکام

◀ قرآن در آئینه نهج البلاغة

◀ قرآن در نهج البلاغة

◀ قرآن کریم از منظر امام رضا علیه السلام

◀ قرآن و تبلیغ

◀ ک

◀ کامله دفاع عن القرآن الكريم

◀ کان خلقه القرآن

◀ کتاب الطهارة - الشيخ الأنصاري

◀ كشف الخفاء و مزيل الالباس - العجلوني

◀ كشف اليقين - العلامة الحلي

◀ کلمات الرسولؐ

◀ کلیات اقبالؒ

◀ کلیات سعدی، بر اساس نسخہ محمد علی فروغی

◀ کیف نقرأ القرآن

◀ گ

◀ گفتگو در محضر امیر المومنین علیؑ

◀ م

◀ مباحث فی علوم القرآن - صبحی الصالح

◀ مبانی نقد متن الحدیث

◀ متشابہ القرآن

◀ مثنوی معنوی، بہ تصحیح: رینولد ا. نیکلسون

◀ مجموعه ورام

◀ مجموعه ورام - ورام بن ابی فراس

◀ مختصر بصائر الدرجات - الحسن بن سلیمان الحلبي

◀ مراجعات قرآنیہ

◀ مرآة العقول فی شرح أخبار آل الرسولؐ - العلامة المجلسيؒ

◀ مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل - المحدثین الحاج میرزا

حسین النوری الطبرسیؒ

◀ مستدرک سفینة البحار - العلامة آية الله الشيخ علي النمازیؒ

◀ مستدرک نہج البلاغة

◀ مستطرفات السرائر - ابن ادريس الحلّیؒ

◀ مستمسک العروة - السيد محسن الحكيمؒ

◀ مسند الامام الرضا (ع) - الشيخ عزيز الله عطاردي

◀ مسند الامام عليؒ

◀ مسند فاطمة بنت الحسين عليهما السلام

◀ مشارق الشموس - المحقق الخوانساریؒ

◀ مصباح الشريعة المنسوب للصادقؒ

◀ مصباح الفقاهة - السيد الخوئیؒ

◀ مصباح المتہجد

◀ مصباح کفعمی

◀ معانی الاخبار

◀ معترک الأقران فی اعجاز القرآن، ویُسَمَّى (اعجاز القرآن ومعترک

الأقران) - عبد الرحمن بن أبی بکر، جلال الدین السيوطی

- ◀ معجم أحاديث المهدي
- ◀ معراج السعادة
- ◀ مفاتيح الجنان
- ◀ مفاهيم القرآن الجزء السادس
- ◀ مفاهيم القرآن - العلامة جعفر السبحاني مد ظله
- ◀ مكارم الأخلاق
- ◀ من لا يحضره الفقيه - للشيخ الجليل الاقدم الصدوق أبي جعفر محمد بن علي بن الحسين بن بابويه القمي
- ◀ من وصايا العترة (عليهم السلام)
- ◀ مناقب أمير المؤمنين (ع) - محمد بن سليمان الكوفي
- ◀ مناهل العرفان في علوم القرآن - محمد عبد العظيم الزرقاني
- ◀ منتهى المطلب - العلامة الحلّي
- ◀ منهاج البراعة في شرح نهج البلاغة - الخوئي
- ◀ منهاج البراعة - الراوندي
- ◀ منية الطالب - تقرير بحث النائيني للخوانساري
- ◀ موسوعة الامام علي بن أبي طالب عليه السلام في الكتاب و السنة والتاريخ
- ◀ مهج الدعوات

- ◀ مہدی منتظر در نہج البلاغہ
- ◀ میزان الحکمة - الرشہری
- ◀ مَصَاعِدُ النَّظَرِ لِلأَشْرَافِ عَلَی مَقَاصِدِ السُّورِ - ابراهیم بن عمر بن حسن الرباط بن علی بن أبی بکر البقاعی، المتوفی: ۸۸۵ھ

◀ ن

- ◀ نزول القرآن والعناية به فی عهد النبى - عبد الودود مقبول حنیف
- ◀ نظرات معاصرة فی القرآن الکریم
- ◀ نفحات القرآن - آية الله العظمی مکارم الشیرازی مدظلہ
- ◀ نفحات الولاية فی شرح نہج البلاغہ
- ◀ نہج البلاغہ - الشیخ محمد عبده
- ◀ نہج السعادة
- ◀ نہج السعادة - الشیخ المحمودی
- ◀ نہج البلاغہ موضوعی

◀ و

- ◀ وسائل الشيعة - الفقيه المحدث الشیخ محمد بن الحسن الحر العاملي، المتوفی سنة ۱۱۰۴ھ

◀ وصول الأخبار الى أصول الأخبار - والد البهائي العاملی

◀ ولأول مرة في تاريخ العالم

◀

◀ هداية العلم في تنظيم غرر الحكم للامام علي بن أبي طالب

◀

◀ یک هزار سخن از حضرت علی علیه السلام

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

www.ziaraat.com
jabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

﴿ اجمالی طور پر وہ اوصاف جن کی مدد سے قرآن سے استفادہ کیلئے فہم کو آمادہ کیا جاسکتا ہے، آداب فہم قرآن کہلاتے ہیں لیکن دقیق معانی ادب معلوم کرنے کے لئے اس موضوع پر ہم بحث کر رہے ہیں یعنی ”آداب فہم قرآن“ لہذا ادب کے معانی کی شناخت کی ضرورت ہے..... ﴾

﴿ مفاتیح الغیب یعنی اللہ کے خزانوں کی کنجیاں، یہی چابیاں آداب ہیں اور ان آداب ہی کے ذریعے سے انسان الہی خزانوں تک پہنچتا ہے لہذا اہل خرد و فہم چابی مانگ لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ خزانے کے اندر ان کی رسائی ہو جاتی ہے، خزانوں سے جتنی ضرورت ہے، جتنی بھوک و پیاس ہے وہ اس حد تک حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا سے ادب مانگنا یعنی چابی لے لینا..... ﴾

﴿ ان صفات کو ادب کہیں گے کہ جن کے اندر دو خصوصیات پائی جاتی ہوں، اول یہ کہ باعث زینتِ فعل ہوں، دوم باعثِ حصولِ عرضِ فعل ہوں۔ ان خصوصیات کے ساتھ اگر انسان سے ایک فعل سرزد ہوتا ہے اور اس فعل کے اوپر یہ صفات طاری ہوں تو نتیجے میں فعل ایک حالتِ حسنہ و حالتِ موزوں پیدا کر لیتا ہے اسی کو ادب کہتے ہیں..... ﴾



کوہاٹ: عظیم خان مارکیٹ، سیکنڈ فلور، کچہ پکھ، شیرکوٹ، کوہاٹ 0312-9808280
گلگت: نزد DHQ ہاسپٹل، خزانہ روڈ، گلگت 05811450568 / 0315-4011020
سیالکوٹ: نزد مسجد خدیجہ الکبریٰ، مظفر پور سیالکوٹ 0300-7163180 / 0313-7925944
کراچی: شاپ D.8، ایم ایل پارک ویو، سو لجر بازار، کراچی 0345-2715082 / 03343454643
کوئٹہ: شاپ نمبر 7، نزد گلگتئی امام بارگاہ، علمدار روڈ، کوئٹہ 0300-9388400 / 0307-8866699
لاہور: 2-A، بخاری سٹریٹ، مسلم ٹاؤن موڑ، وحدت روڈ، لاہور 042-5005761 / 0323-5777439
اسلام آباد: آفس نمبر 4، پلاٹ 2-B، بالمقابل جامعہ امام الصادق، G-9/2، اسلام آباد 051-2252016 / 0321-5046472